

مَجْمُوعَةُ

رِسَالِ اِمَامِ شَاهِ وَلِي اللّٰهِ

(سیاسی مکتوبات، تذکرہ، سوانح عمری، آپ بیتی، اصول تفسیر نگاری، اصول ترجمہ نگاری

پر مشتمل و محیط

امام شاہ ولی اللہ محدثؒ کے نادر و نایاب رسائل و کتب کا گرانقدر مجموعہ)

www.KitaboSunnat.com

حصہ سوم

ترتیب و تقدیم:

مَوْلَانَا مِفْتٰی عَظَمَ الرَّحْمٰنُ قَاسِمِی



شَاهِ وَلِي اللّٰهِ سٹُیوٹ، نئی دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کادشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

مجموعہ

رسائل امام شاہ ولی اللہ

حصہ سوم

ترتیب و تقدیم

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

جملہ حقوق بحق انسٹی ٹیوٹ محفوظ

نام کتاب : مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوم

مرتبہ : مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

قیمت : ۳۰۰

سن اشاعت : یکم جنوری ۲۰۱۴

تعداد : ۵۰۰

کمپوزنگ : ریاض احمد

آئی ایس بی این : 81-901848-6-5

ناشر : شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، مسجد کاکا نگر، نزد (این، ڈی، ایم، سی پرائمری

اسکول) کاکا نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۳

بہ تعاون قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

All Rights Reserved by the Institute

Title	: Majinua Rasail-e-Imam Shah Waliullah-III
Editing	: Maulana Mufti Ataur Rahman Qasmi
First Edition	: 1st January 2014
Price	: 300
ISBN	: 81-901848-6-5
Composing	: Riyaz Ahmed

Published by

Shah Waliullah Institute

Masjid Kaka Nagar, Near (N. D. M. C.

Primary School) Kaka Nagar, New Delhi-110 003

Ph. : 011-26953430, Mob.9811740661

website : www.shahwaliullah.com

Email : shahwaliullah_institute@yahoo.in

فہرست کتب

نمبر شمار	کتب	صفحہ
۱۔	مقدمہ	۵
۲۔	چہل حدیث	۱۱
۳۔	شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات	۲۳
۴۔	انفاس العارفین	۱۰۹
۵۔	مقدمہ در قوانین ترجمہ	۲۸۷
۶۔	دریاچہ فتح الرحمن	۴۹۹

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ شیخ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصنیفات و تالیفات کی جدید ترتیب و تدوین کا یہ تیسرا حصہ اصحاب علم و دانش کے سامنے ہے۔ جو ”مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوم“ کے نام سے موسوم ہے، بعض دوستوں نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ اس کا نام ”کلیات امام شاہ ولی اللہ“ رکھا جائے، مگر نہ جانے کیوں، میرا ذہن ”کلیات“ سے کوئی علمی و تحقیقی مجموعہ نہیں بلکہ شعری مجموعہ تصور کر بیٹھتا ہے، حالانکہ اب نثر اور نظم پر مشتمل دونوں طرح کی کتابیں ”کلیات“ کی صورت میں شائع ہونے لگی ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اہم تصنیفات و تالیفات کی ترتیب و تدوین کا کام صد فیصد مفید اور کارآمد ہے، مگر ”مجموعہ رسائل“ نام رکھنا۔ کچھ ہلکا نام محسوس ہوتا ہے، میں نے کہا کہ مجھے اس سے بھی اتفاق ہے، مگر متبادل نام تو بتائیے انھوں نے ایک اچھا نام بتانے کا وعدہ ضرور کیا تھا۔ مگر اب تک ایفاء وعدہ نہ ہو۔ کا ہے۔ درآں حالیکہ یہ ”مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوم“ بھی اب طباعت کی آخری شکل میں ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ علماء اور دانشوروں کا ایک بڑا طبقہ شاہ صاحب کی نادر و نایاب کتابوں کی ترتیب و تدوین کے کام کو پسند کر رہا ہے، ۷ مئی ۲۰۱۳ء کو شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ایوان غالب میں ”شاہ ولی اللہ اور تصوف“ کے عنوان سے ایک روزہ سیمینار ہوا تھا۔ اور اسی تقریب میں ”مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد اول“ کی رونمائی عمل میں آئی تھی، جناب کپل سیل

صاحب مرکزی وزیر مواصلات حکومت ہند نے اس کتاب کی رونمائی کرتے ہوئے کہا کہ میں اس کتاب کی تحقیق و اشاعت پر دل کی گہرائی سے مبارکباد دیتا ہوں اور شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے علمی کارنامے لائق ستائش ہیں اور اس کے مرتب مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی صاحب بھی لائق مبارکباد ہیں، جو ایک معروف عالم دین اور بڑے دانشور ہیں۔

دلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے استاذ ڈاکٹر علیم اشرف خان نے مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد اول پر اپنا کلیدی مقالہ پیش کیا اور اس کتاب کے مختلف پہلوؤں کا معروضی جائزہ پیش کیا، جسے سامعین نے بے حد پسند کیا اور ان کے پرمغز مقالہ کو بغور سنا۔ ڈاکٹر صاحب نے میرے کام کی ستائش کی، جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ یہ میرے پرانے دوست اور ایک مخلص انسان ہیں، مولانا ڈاکٹر خلیل الرحمن راز اور مولانا عقیدت اللہ قاسمی صاحب نے بھی مقالہ تحریر فرمایا تھا لیکن ہم لوگ ان کے مقالوں سے استفادہ نہ کر سکے، جس کا افسوس ہے۔

مسجد فتح پوری کے شاہی امام و خطیب اور مشہور عالم دین حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی کرم احمد صاحب نے بھی اپنے خطاب میں غیر معمولی حیرت و استعجاب کا اظہار کیا کہ اس مجموعہ میں حضرت شاہ صاحب کے وہ نادر و نایاب رسائل و کتب شامل ہیں، جن کے نام آج تک سنتے تھے اور ان کے اقتباسات ہی پڑھتے آئے تھے، آج ان کتابوں کو براہ راست پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے کتاب کے بارے میں مزید اپنے وقیع خیال کا اظہار فرمایا، جس سے مجھے مزید تحقیقی کام کرنے کا حوصلہ ملا ہے، اللہ ایسی دعا گو شخصیتوں کو صحیح و سلامت رکھے۔

اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے سربراہ پروفیسر اختر الواسع صاحب نے کہا کہ مفتی عطاء الرحمن قاسمی لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس گرانقدر مجموعہ رسائل کو بڑے قریبے و سلیقے سے مرتب کیا ہے اور ہمیں مطالعہ کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اس کا مختلف زبانوں میں خصوصیت سے انگریزی زبان میں بھی ترجمہ ہونا چاہئے تاکہ شاہ صاحب کے آفاقی فکر کو عام کیا جاسکے۔

دلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے سابق صدر پروفیسر شریف حسین قاسمی صاحب نے شاہ صاحب کی فارسی خدمات اور اس خانوادہ کے قرآنی تراجم کا ذکر اپنے والد مولانا اخلاق حسین قاسمی

مرحوم کے حوالے سے کیا اور اس کی ترتیب و اشاعت پر مبارکباد دی۔ اور خاندان ولی اللہ کی فارسی خدمات کا مؤثر ذکر کیا۔

یونانی کونسل کے ڈائریکٹر جنرل پروفیسر سید شا کر جمیل صاحب نے بھی اس مجموعے کی ترتیب و اشاعت پر خوشی کا اظہار کیا اور تصوف کی معنویت و افادیت پر روشنی ڈالی، پروفیسر سید شا کر جمیل صاحب نہ صرف فن طیب کے ماہر ہیں بلکہ تصوف کے رمز شناس بھی ہیں۔

جواہر اعلیٰ نہرو یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے استاذ ڈاکٹر اخلاق احمد آہن نے بھی جماعت، طعنا، لمعات، خیر کثیر اور الطاف القدس کا معروضی جائزہ لیا اور مع عربی و فارسی متون شائع کرنے کا قیمتی مشورہ دیا۔ جس پر آئندہ عمل کیا جائے گا۔

جماعت اسلامی ہند کے سکریٹری مولانا رفیق احمد قاسمی صاحب نے بھی اس کتاب کی تحقیق و تدقیق اور اشاعت کی داد دی اور خوشی کا اظہار کیا، ان کے علاوہ دوسرے اصحاب علم و دانش نے بھی اس تحقیق کا مہم کو پسند کیا اور سراہا ہے، جو میرے لئے باعث افتخار و اعزاز ہے۔

میں ان تمام اصحاب علم اور دانشوران ملت کا شکر گزار ہوں کہ اس مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد اول کی تقریب رونمائی میں میری حوصلہ افزائی کی اور اپنی اپنی قیمتی تجویزوں اور مشوروں سے مجھے نوازا ہے۔

اس تقریب میں اکثر اصحاب علم کی رائے تھی کہ حضرت شاہ صاحب کی کتابوں کے اردو تراجم کے ساتھ عربی و فارسی متون بھی شائع کئے جائیں، یہ تجویز بادی النظر میں بہت معقول و مناسب تھی۔

شروع میں میری بھی رائے تھی کہ عربی، فارسی متون بھی شائع کئے جائیں لیکن ضخامت و طوالت کے خوف و اندیشہ سے یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا تھا۔ جس کا مجھے خود بھی قلق و صدمہ ہے۔ لیکن آئندہ میری کوشش ہوگی کہ شاہ صاحب کی جملہ عربی و فارسی تصنیفات کو صحت الملاء، تحقیق و تنقیح، تقدیم اور حواشی کے ساتھ شائع کی جائے اور ان کے علمی فیض کو عام کیا جائے۔ البتہ شاہ صاحب کی کتابوں کو انگریزی اور دوسری زبانوں میں بھی منتقل کرنیکی سخت ضرورت ہے۔ مجھے حلقہ جامعہ کے مشہور عالم اور مولانا عبید اللہ سندھی کے فیض یافتہ مولانا جمال الدین اعظمی صاحب مرحوم

سابق استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے بتایا تھا کہ مولانا عبید اللہ سندھی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کے دوران اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ارتداد و زندقہ کا سیلاب جو امریکہ اور یورپ سے آرہا ہے، اس کا انسداد صرف فلسفہ ولی اللہی سے ہی ہو سکتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شریعت کے اسرار و رموز کی تفہیم اور مقاصد شریعت کی تعبیر و تشریح جس جامعیت کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کے یہاں ملتی ہے وہ امت کے کسی اور عالم دین کے یہاں نظر نہیں آتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے نہ صرف قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کے درمیان تطبیق و اعتدال کی راہ نکالی ہے، بلکہ تصوف و سلوک کے بھی مختلف مسائل و مکاتب فکر کے مابین بھی تطبیق و توفیق پیدا کرنے کی سعی تبلیغ کی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کا اصل تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے امت کے اندر اتحاد و اتفاق اور اعتدال کی راہ ہموار کی ہے اور اختلاف و انتشار اور فرقہ بندی و تحزب پسندی سے دور رہنے کی ترغیب دلائی ہے، جو آپ کا تجدیدی مقام ہے۔

اس ”مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوم“ میں حضرت شاہ صاحب کی متعدد رسائل و کتب شامل ہیں۔ حدیث اربعین، مکاتیب، انفاس العارفين، المقدمة فی قوانین الترمذ اور دیباچہ فتح الرحمن وغیرہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

حدیث اربعین یہ ۴۰ حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ چہل حدیث کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ اسکے پیش نظر ہر محدث اور ہر عالم دین کی خواہش ہوتی ہے کہ چہل حدیث اپنی یادگار چھوڑ جائے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے بھی اربعین (چہل حدیث) مرتب کی ہے، اس کا پہلا اردو ترجمہ ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء میں مطبع احمدی کلکتہ سے شائع ہوا تھا، جس کے مترجم سید عبداللہ مرحوم تھے، جو سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے۔ اس کا دوسرا ترجمہ مع حواشی لکھنؤ کے مشہور ناشر محمد مصطفیٰ خان مرحوم نے اپنے مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں شائع کیا تھا۔ پھر اس کا تیسرا ترجمہ ماہنامہ الرحیم (حیدرآباد) پاکستان سے مئی ۱۹۶۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ جس کے مترجم محشی مولانا عبداللہ رحیم چشتی صاحب تھے۔ مولانا عبداللہ رحیم چشتی صاحب کے ترجمہ اور حواشی کو سامنے رکھتے ہوئے مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم نے نہایت ہی سلیس و شستہ اور با محاورہ ترجمہ اور حواشی قلمبند کیا تھا۔

صدق جدید بک انجینی لکھنؤ نے ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں شائع کیا تھا، مولانا عبدالمجید دریابادی کا عمدہ اور لا جواب ترجمہ مع مفید حواشی اس مجموعہ میں شامل کیا جاتا ہے۔

شاہ صاحب کے سیاسی مکتوبات

یہ حضرت شاہ صاحب کے چالیس سے زائد فارسی سیاسی مکتوبات کا اردو زبان میں شاہکار ترجمہ ہے۔ جسے حضرت شاہ صاحب نے امراء و سلاطین اور مشائخ تصوف کے نام لکھا ہے۔ جس کے مترجم و شارح پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب مرحوم ہیں اور اس کے ناشر ندوۃ المصنفین دلی ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے استفسار پر مولانا ابوالکلام آزاد نے ان خطوط کی زبان و بیان اور معیار و اسلوب کو دیکھتے ہی فرمایا کہ میرے بھائی: یہ حضرت شاہ صاحب ہی کے خطوط ہیں۔

پروفیسر نظامی نے حضرت شاہ صاحب کے سیاسی مکتوبات کو مولانا آزاد کے نام معنون کیا ہے جو سیاست، ثقافت اور تصوف سے متعلق ہیں اور بڑے ہی اہم ہیں۔

انفاس العارفین: حضرت شاہ صاحب کے مختلف رسائل و کتب کا مجموعہ ہے جس میں دو رسالے بوارق الاولایہ اور شوارق المعرفة بڑے اہم ہیں، اول الذکر میں حضرت شاہ صاحب کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم محدث اور آخر الذکر میں چچا شیخ ابوالرضاء محمد کے حالات، ملفوظات اور کشف و کرامات بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح الامداد فی مآثر الاجداد میں شاہ صاحب کے خاندانی بزرگوں کے حالات زندگی عطیۃ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیۃ شیخ محمد پھلپی کے حالات زندگی اور النبذۃ الابریز بہ میں حضرت شاہ صاحب کے جد امجد شاہ عبدالعزیز شکر بار و بلوئی کے حالات زندگی اور اوصاف و کمالات بیان ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں دو رسالے اور بھی شامل ہیں ان میں انسان العین فی مشائخ الحرمین اور دوم الجز اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ہے۔ اول الذکر حضرت شاہ صاحب کے مشائخ حرمین کے مختصر حالات زندگی اور کمالات عمل پر محیط ہے اور آخر الذکر حضرت شاہ صاحب کے خود نوشت حالات زندگی پر مشتمل ہے۔

انفاس العارفین کے فاضل ترجمہ نگار محمد فاروق القادری صاحب ہیں۔ اس کی پہلی اشاعت مطبع احمدی دہلی میں ہوئی تھی اور دوسری مرتبہ مطبع مجبائی کی اشاعت ۱۳۳۲ھ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کی طباعت کہاں کہاں ہوئی، اس کی تفصیل نہیں ملتی ہے، مگر اس کے ایک عرصہ بعد

اس کی اشاعت مکتبہ الفلاح دیوبند سے ہوئی ہے جس میں کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ مخمور عثمانی مرحوم نے اس کی اشاعت کا انتظام کیا تھا۔

المقدمہ فی قوانین الترجمة: حضرت شاہ صاحب کا ایک مختصر فارسی رسالہ ہے جو فن ترجمہ نگاری اور طریقہ ترجمہ نگاری کے موضوع پر ہے۔ اس کا فارسی مخطوطہ خدا بخش لاہوری میں موجود ہے، جس کے پہلے ترجمہ نگار مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی تھے۔ آپ کا کیا ہوا ترجمہ قسطاوار ماہنامہ البرہان میں چھپتا رہا ہے۔ اس کے بعد مولانا مشتاق احمد تجاروی صاحب نے اردو ترجمہ کیا۔ یہی ترجمہ شامل مجموعہ ہے۔

دیباچہ فتح الرحمن: حضرت شاہ صاحب نے قرآن کریم کا فارسی ترجمہ فتح الرحمن کے نام سے کیا ہے۔ فتح الرحمن کے شروع میں دیباچہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ اس دیباچہ میں ترجمہ کرنے کی تحریکات اور اس کے اسباب پر تفصیلی بحث کے ساتھ اصول ترجمہ نگاری اور اس کے آداب و خصوصیات پر بحث کی ہے اور المقدمہ فی قوانین الترجمة اور دیباچہ فتح الرحمن دونوں میں ترجمہ نگاری کے اصول و ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ ان دونوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جدید اسلوب ترجمہ نگاری سے کس قدر باخبر ہیں اور ان کی نزاکتوں اور باریکیوں سے کتنا حقد آگاہ ہیں۔ مقدمہ فی قوانین الترجمة کو ترجمہ نگاری کے باب میں ایک اہم اضافہ تصور کرنا چاہئے۔ اس کو دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں شامل کرنا چاہئے تاکہ طلبہ ترجمہ نگاری کے اسلوب و طریقہ سے واقف ہو سکیں۔ اس مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوم کی اشاعت کے بعد شاہ ولی اللہ کی معرکتہ الاراء کتاب حجتہ اللہ البالذی کی ترتیب و اشاعت زیر غور ہے۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی اس کی چوتھی جلد منظر عام پر آجائے گی اور قارئین اس سے استفادہ کریں گے۔ اخیر میں عزیزِ عتیق الرحمن سلمہ کے لئے دعا گو ہوں کہ وہ اپنی تمام تر تعلیمی مصروفیات کے باوجود تھوڑا بہت وقت علمی کاموں کے لئے نکال لیتے ہیں اور میری معاونت کرتے ہیں۔ اللہ ان کو صحت و عافیت سے رکھیں۔

عطاء الرحمن قاسمی

چیرمین

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ

چہل حدیث

یعنی

امام شاہ ولی اللہؒ کی ”اربعین“

ترجمہ

مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

أَمَّا بَعْدُ الْحَمْدُ وَالصَّلَاةُ فَهَذِهِ أَرْبَعُونَ حَدِيثًا مُسْنَدَةً بِالسَّنَدِ الصَّحِيحِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْنِيَّهَا بِسَبْرَةٍ وَمَعَانِيهَا كَثِيرَةٌ لِيَذَرِسَهَا رَاغِبٌ خَيْرَ رَحَاءٍ أَنْ يَدْخُلَ فِي زُمَرَةِ الْعُلَمَاءِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ التَّحِيَّةُ وَالنَّشَاءُ مَنْ حَفِظَ عَلَى أَمْتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا فِي أَمْرِ دِينِهَا بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَقِيْهَا وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَهَشِيدًا قَالَ الْفَقِيرُ وَلِيُّ اللَّهِ غَفَى عَنْهُ شَافِعُنِي أَبُو الطَّاهِرِ الْمَدَنِيُّ عَنْ أَبِيهِ الشَّيْخِ إِبْرَاهِيمَ الْكُرْدِيِّ عَنْ زَيْنِ الْعَابِدِينَ عَنْ أَبِيهِ عَبْدِ الْقَادِرِ عَنْ جَدِّهِ بِحَسْبَى عَنْ جَدِّهِ الْمُحَبِّ عَنْ عَمِّ أَبِيهِ أَبِي أَيُّمَنْ عَنْ أَبِيهِ شَهَابٍ أَحْمَدَ عَنْ أَبِيهِ رَاضِي الدِّينِ عَنْ أَبِي الْقَاسِمِ عَنِ الشَّيْخِ أَبِي مُحَمَّدٍ عَنْ وَالِدِهِ أَبِي الْحَسَنِ عَنْ وَالِدِهِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ أَبِي عَلِيٍّ عَنِ وَالِدِهِ مُحَمَّدٍ رَاهِدٍ عَنْ وَالِدِهِ أَبِي عَلِيٍّ عَنْ أَبِي الْقَاسِمِ عَنْ وَالِدِهِ أَبِي مُحَمَّدٍ عَنِ وَالِدِهِ الْحُسَيْنِ عَنْ وَالِدِهِ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ زَيْنِ الْعَابِدِينَ عَنْ أَبِيهِ الْأَمَامِ الْحُسَيْنِ عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حمد الہی اور درود مصطفائی کے بعد عرض ہے کہ یہ چالیس حدیثیں ہیں سند صحیح کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مستند۔ ان کے لفظ تھوڑے ہیں اور معنی بہت (۱) تاکہ انھیں پڑھے خیر کا شائق، اس امید کے ساتھ کہ وہ طبقہ علماء میں شامل کر لیا جائے (۲) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کے بموجب کہ جس نے یاد رکھیں میری امت کے واسطے چالیس حدیثیں امت کے دین کے بارے میں تو اللہ اسے اٹھائے گا فقیہ کی حیثیت سے اور میں اس کی طرف سے شافع اور گواہ ہوں گا قیامت کے دن (۳)۔ کہتا ہے فقیر ولی اللہ غفی عنہ کہ میرے سامنے روایت کی ابو طاہر مدنی نے اپنے والد شیخ ابراہیم کرودی سے اور انھوں نے (۴) زین العابدین سے اور انھوں نے اپنے والد عبد القادر سے اور انھوں نے اپنے دادا یحییٰ سے اور انھوں نے اپنے دادا محبت سے اور انھوں

نے اپنے باپ کے چچا ابی ایمن سے اور انھوں نے اپنے والد شہاب احمد سے اور انھوں نے اپنے والد رضی الدین سے اور انھوں نے ابوالقاسم سے اور انھوں نے سید ابو محمد سے اور انھوں نے اپنے والد ابوالحسن سے اور انھوں نے اپنے والد ابوطالب سے اور انھوں نے ابوعلی سے اور انھوں نے اپنے والد محمد زابد سے اور انھوں نے اپنے والد ابوعلی سے اور انھوں نے ابوالقاسم سے اور انھوں نے اپنے والد ابو محمد سے اور انھوں نے اپنے باپ حسین سے اور انھوں نے اپنے والد جعفر سے اور انھوں نے اپنے والد عبد اللہ سے اور انھوں نے اپنے والد زین العابدین سے اور انھوں نے اپنے والد امام حسینؑ سے اور انھوں نے اپنے والد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے کہ انھوں نے کہا (۵) کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

۱۔ لَيْسَ الْخَبِيرُ كَالْمُعَايِنَةِ شہید دید کے برابر نہیں۔ (۶)

۲۔ وَبِهِ الْخَرْبُ خُدْعَةٌ اور اسی سند سے (۷)۔ جنگ تو دھوکے کا

نام ہے۔ (۸)

۳۔ وَبِهِ الْمُسْلِمُ مِرَاةُ الْمُسْلِمِ ایک مسلم دوسرے مسلم کا آئینہ ہے۔ (۹)

۴۔ وَبِهِ الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ جس سے مشورہ کیا جائے اُسے امانت داری

لازم ہے۔ (۱۰)

۵۔ وَبِهِ الدَّلَالُ عَلَى الْخَيْرِ كَغَفَاغِهِ نیک کام کا بتانے والا بھی اس کے کرنے

والے کے برابر ہے۔ (۱۱)

۶۔ وَبِهِ اسْتَعِينُوا عَلَى الْخَوَائِجِ بِالْكُفْمَانِ ضرورتوں میں مدد چاہو چھپا کر۔ (۱۲)

۷۔ وَبِهِ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ دوزخ سے بچو آدھے چھو بارے ہی سے

کسی۔ (۱۳)

۸۔ وَبِهِ الدُّنْيَا سَجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ دنیا قید خانہ ہے مومن کا اور جنت ہے کافر

کی۔ (۱۴)

۹۔ وَبِهِ الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ حیا سراسر خیر ہی ہے۔ (۱۵)

۱۰۔ وَبِهِ عِدَّةُ الْمُؤْمِنِينَ كَأَخِيهِ الْكَفِّ

۱۱۔ وَبِهِ لَا يَجْلُ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَنْهَضَ
أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

۱۲۔ وَبِهِ لَيْسَ مَنْ مَنَّا مِنْ غَشَّنَا

۱۳۔ وَبِهِ مَا قُلَّ وَكَفَى خَيْرٌ مِمَّا كَفُرَ
وَالْهَيْ

۱۴۔ وَبِهِ الرَّاجِعُ فِي هَيْبَتِهِ كَالرَّاجِعِ
فِي قَيْبَتِهِ

۱۵۔ وَبِهِ الْإِلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمُنْطَقِ

۱۶۔ وَبِهِ النَّاسُ كَأَسْنَانِ الْمُنْشَطِ

۱۷۔ وَبِهِ الْعَنَى غَنَى النَّفْسِ

۱۸۔ وَبِهِ السَّعِيدُ مَنْ وَعَظَ بِغَيْرِهِ

۱۹۔ وَبِهِ أَنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحِكْمَةً وَأَنَّ
مِنَ الْبَيَانِ لِسِحْرًا

۲۰۔ وَبِهِ عَفْوُ الْمُلُوكِ ابْقَاءُ
لِلْمُلْكِ

۲۱۔ وَبِهِ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّهُ

مومن کا (زبانی) وعدہ اس کے ہاتھ
مارنے کے برابر ہے۔ (۱۶)

چار نہیں کسی مومن کو کہ وہ چھوڑے اپنے
بھائی کو تین دن سے زیادہ۔ (۱۷)

وہ ہم میں سے نہیں جو ہم سے خیانت
کرے۔ (۱۸)

جو چیز ہو تو تھوڑی، مگر کافی ہو جائے، وہ بہتر
ہے اس سے جو ہو تو بہت مگر غفلت میں
ڈال دے۔ (۱۹)

دی ہوئی چیز کا پھیر لینے والا ایسا ہے جیسے
اپنی تھے کو چاٹ جانے والا۔ (۲۰)

مصیبت تو مقرر ہے بولنے پر۔ (۲۱)
انسانوں کی مثال سننگھی کے دندانوں کی
ہے۔ (۲۲)

تو نگری تو دل کی تو نگری ہے۔ (۲۳)
خوش قسمت وہ ہے جو دوسرے کے حال
سے نصیحت حاصل کرے۔ (۲۴)

بعض شعر پُر حکمت ہوتے ہیں اور بعض
تقریریں سحر انگیز۔ (۲۵)

بادشاہوں کے عفو سے ملک کی بقا
ہے۔ (۲۶)

آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ
اسے محبت ہے۔ (۲۷)

جس شخص نے اپنی حقیقت پہچان لی، وہ
برباد نہ ہوا۔ (۲۸)

لڑکا عورت کے لئے اور حرام کار (مرد)
کے لئے پتھر۔ (۲۹)

اوپر کا ہاتھ بہتر ہے نیچے کے ہاتھ
سے۔ (۳۰)

جو بندوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی
شکر گزار نہ ہوگا۔ (۳۱)

محبت کسی چیز کی تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی
ہے۔ (۳۲)

دلوں کی غفلت ہی ایسی ہوتی ہے کہ بھلائی
کرنے والے کے ساتھ انھیں محبت پیدا
ہو جاتی ہے اور برائی کرنے والے کے
ساتھ دشمنی۔ (۳۳)

گناہ سے توبہ کر لینے والا گناہ نہ کرنے
والے ہی کے برابر ہے۔ (۳۴)

حاضر دیکھ لیتا ہے اس شے کو جسے غائب
نہیں دیکھتا۔ (۳۵)

جب تمہارے پاس کسی جماعت کا سردار
آئے تو اس کی تعظیم کرو۔ (۳۶)

جھوٹی قسم ملکوں کو اجاڑ دیتی ہے۔ (۳۷)

۲۲۔ وَبِهِ مَا هَلَكَ أَمْرٌ عَرَفَ قُدْرَهُ

۲۳۔ وَبِهِ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْغَايِرِ
الْحَجَرُ

۲۴۔ وَبِهِ أَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ أَلْيَدِ
السُّفْلَى

۲۵۔ وَبِهِ لَا يَشْكُرُ اللَّهُ مَنْ لَا يَشْكُرُ
النَّاسَ

۲۶۔ وَبِهِ حُبُّكَ الشَّيْءُ يُغْمِي وَنُبُّهُ

۲۷۔ وَبِهِ جِلْبَابُ الْقُلُوبِ عَلَى حُبِّ
مَنْ أَحْسَنَ إِلَيْهَا وَبُغْضِ مَنْ أَسَاءَ
إِلَيْهَا

۲۸۔ وَبِهِ النَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا
ذَنْبَ لَهُ

۲۹۔ وَبِهِ الشَّاهِدُ يَرَى مَا لَا يَرَاهُ
الْغَائِبُ

۳۰۔ وَبِهِ إِذَا جَاءَ كُمْ كَرِيمٌ فَرِّمُ
فَاكْرُمُوهُ

۳۱۔ وَبِهِ الْيَمِينُ الْفَاجِرَةُ تَدْعُ
الذِّبَارَ الْبَلَّاقَ

۳۲۔ وَبِهِ مِنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ

جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ (۳۸)

۳۳۔ وَبِهِ الْأَعْمَالُ بِالْبَيَّةِ

اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ (۳۹)

۳۴۔ وَبِهِ سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ

قوم کا سردار تو اس کا خادم ہوتا ہے۔ (۴۰)

۳۵۔ وَبِهِ خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا

عمل میں سب سے بہتر اس کا درجہ درمیانی ہے۔ (۴۱)

۳۶۔ وَبِهِ اللَّهُمَّ بَارِكْ فِي أُمِّي فِي بُكُورِهَا يَوْمَ الْخَمِيسِ

اللہ میری امت کو برکت دے جمعرات کی صبح کے سفر میں۔ (۴۲)

۳۷۔ وَبِهِ كَاذُ الْفَقْرَانِ يَكُونُ كُفْرًا

قریب ہے کہ مفلسی کفر تک پہنچ جائے۔ (۴۳)

۳۸۔ وَبِهِ السَّفَرُ قِطْعَةً مِنَ الْعَذَابِ

سفر بھی مصیبت کی ایک قسم ہے۔ (۴۴)

۳۹۔ وَبِهِ الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ

مجلسیں قائم رہتی ہیں امانت سے۔ (۴۵)

۴۰۔ وَبِهِ حَيْرُ الزَّادِ التَّقْوَى

بہترین توشہ پر ہیروز گاری ہے۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

اللہ کی رحمت نازل ہو بہترین خلائق محمدؐ پر اور آپ کے آل و اصحاب سب پر۔

حواشی

(۱) عربی میں کلام طبع کی جو ایک پہچان یہ بتاتی تھی ہے کہ خیر الکلام عاقل و دلی۔ بہترین کلام وہ

ہے جو لفظاً مختصر ہو اور معنیاً وسیع۔

وہ شان اس کلام رسولؐ کی پوری پوری ہے اور شاہ صاحب نے جو ۴۰ حدیثیں روایت فرمائی ہیں وہ اس

معیار پر سنی صد پوری اترتی ہیں۔

(۲) یعنی اللہ کے نزدیک اور حشر میں۔

(۳) یہ حدیث نبویؐ، خود کسی بشارت دینے والی، و حارس بندھانے والی، تسلی قلب کا سامان، ہم پہنچا دینے

والی ہے۔ اللہ اللہ! کتنی پر منفعت اور کتنا ارزاسودا! رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور شہادت کی نعمت ہے

بہا حاصل ہوئی چارعی ہے اتنا سادہ ہلکا کام کروینے کے عوض کہ ۴۰ چھوٹی چھوٹی سی حدیثیں جمع کر کے بنادیں۔

فقیر اسے کہتے ہیں جس کی کچھ بوجھ دین کے بارے میں سند و مستند ہو۔ ماہر دینیات۔

(۳) روایت مسلسل اسی کو کہتے ہیں اور اس فن کو ہمارے محدثین نے جس کمال پر پہنچا دیا، اس کی نظیر نہ ان سے قبل کسی دور میں ملی ہے اور نہ ان کے بعد کسی دوسرے زمانے میں، مورخین عالم کی بڑی سی بڑی کوششیں اور کاوشیں بچہ ہیں محدثین کی اس تخصیص کے سامنے۔

لفظ ”اور“ کا اضافہ اردو میں سلسلہ ربط روایت کے اظہار کے لئے ہے۔ عربی میں حرف ”من“ ”از“ یا ”سے“ آتا ہے، بغیر کسی حرف عطف کے۔

(۵) یعنی آخری راوی امیر المومنین حضرت علیؑ نے اس چہل حدیث کو ایک مزید شرف یہ بھی حاصل ہے کہ اس کی ساری روایتوں کا سلسلہ جا کر حضرت علیؑ پر ختم ہوتا ہے۔

(۶) مشہور مصرعہ ”شیدہ کے بود مانند دیدہ“ اسی کا ترجمان ہے حدیث اس حقیقت کا اظہار کر رہی ہے کہ خبر و روایت وزن و تحقیق میں رویت و مشاہدہ کی برابری نہیں کر سکتی، دنیا اگر اس سامنے کی حقیقت کو خیال میں رکھے، تو کتنی الجھنوں سے نجات مل جائے۔

(۷) وہ یہ سے مراد ہے کہ جس سلسلہ اسناد سے روایت ماقبل نقل ہوئی ہے اسی سے یہ روایت بھی آئی ہے، محدثین متن حدیث کے ساتھ اس کا دھرا تا بھی ہر بار ضروری سمجھتے ہیں۔ ترجمہ میں آئندہ سے اس کا التزام نہ رہے گا۔

(۸) یعنی جنگ کسی معاملہ میں حق و ناحق کا معیار نہیں۔ بلکہ دنیا میں عام طور سے جنگیں جو ہوتی ہیں ان میں مقصود چونکہ بہر صورت فتح و کامیابی ہوتی ہے۔ اس لئے ہر فریق پوری طرح دھوکے دھڑی سے بھی کام لیتا ہے۔ اور دنیا جنگ میں اخلاقی قانون کی پابند نہیں رہتی۔ یہ بیان ”حرف“ (جنگ) ہے جیسی کہ وہ دنیا میں معروف و متعارف ہے۔ اسے اسلام کے بتائے ہوئے ”قتال“ و جہاد سے کوئی تعلق نہیں، جس کی بنیاد ہی تمام تر حق و حقانیت، صدق و اخلاص پر ہے۔

(۹) یعنی ہر مومن کا دل دوسرے کی طرف سے آئینہ کی طرح صاف و بے غبار ہونا چاہئے۔ اور غایت اخلاص سے یہ چاہئے کہ دوسرے کا عیب اسی کو جتا دیں۔

(۱۰) اس میں تاکید ہے اخلاص کی۔ جو تم سے مشورہ چاہے اسے خلوص دل سے دو، اور اس کے راز و دل کو دوسروں پر ظاہر نہ کرو۔

(۱۱) یعنی کسی بھلائی کی ترغیب دینے والا، اس کی طرف شوق و رغبت دلانے والا بھی اللہ ہے۔ ہاں اصل

فاعل سے پیچھے رہنے والا نہیں۔ داعی خیر بھی اجر میں فاعل خیر کا شریک و شہیم ہوگا۔ اسلام خیر ہی کا نہیں، خیر اجتماعی کا بھی حریف ہے۔

(۱۲) انسان اپنی ضرورتوں میں دوسروں کی مدد کا محتاج رہتا ہی ہے، چاہئے کہ یہ عمل استعانت چپکے چپکے جاری رکھے، بلا ضرورت اس کا چرچا نہ کرتا پھرے، کہ اس سے مخالفوں کو دراندازی کا موقع مل جائے گا۔

(۱۳) نیلی کے ادنیٰ سے ادنیٰ کام کو بھی حقیر نہ سمجھو، ”آدھا چھوہارا“ مقدار و تعدد کی تغیر کے دکھانے کو ہے یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ کام سے بھی دریغ نہ کرو، کیا معلوم کہ تمہاری نجات اسی حقیر سے عمل سے ہو جائے۔

(۱۴) مومن کو جو سعیتیں آخرت میں نصیب ہونا ہیں، ان کے مقابلہ میں یہ تنگ نائے دنیا اس کے لئے جیل خانہ یا کال کوٹری ہی ہے۔ کافر جو آخرت کی نعمتوں سے محروم ہے اسے کبہ جو جشن منانا ہے یہیں منالے، اس کو اپنی جنت سمجھ لے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مومن کیلئے دنیا میں طرح طرح کی قیدیں ہیں، پابندیاں ہیں، شریعت کے حدود و قیود ہیں، مگر یہاں جانوروں کی طرح بے کھنگے ہر طرف چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، ڈنگ مارتا پھرتا ہے۔ (۱۵) شرم و غیرت کی خیریت کل اس مختصر ارشاد سے ظاہر ہے۔

(۱۶) مومن کو محض اپنے زبانی وعدہ کا اتنا پاس و لحاظ ہونا چاہئے کہ جیسے اس نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کوئی پکا وعدہ کر لیا ہو۔ مومن کی ہر بات حقیر کی لکیر ہونا چاہئے۔

(۱۷) نبوی معاملات میں آپس میں رنج پہنچتے رہنا ایک امر طبعی ہے۔ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہاں تک تو منہ نہ نہیں کہ ایک مسلمان دوسرے سے منہ پھیر لے، اس سے بول چال، صاحب سلامت ترک کر دے، لیکن اس طبعی اشتعال و پہچان کی بھی ایک محدود مدت ہوتی ہے، یہ نہ ہو کہ یہ مہینوں، برسوں جاری رہے، بس اسے تین دن میں ختم ہو جانا چاہئے۔ دنیا کے اس دانا ترین انسانؐ اور سب سے بڑے حکیمؐ فطرت نے اس فیصلہ میں کیسی رعایتیں، دونوں فریقوں کی رکھ لیں، ناراض ہونے کی بھی اجازت دیدی اور ساتھ ہی اس ناراضی پر قید بھی عائد کر دی۔ حدیث میں فریقِ ثانی کے لئے لفظ ”بھائی“ (اخ) لانا کس درجہ حکیمانہ ہے۔

(۱۸) اللہ انیر! امتِ نبیؐ فلاح و بہبود کس درجہ آپؐ کو محبوب تھی اور کیا درجہ تا کید کا آپؐ نے اس کے لئے کر لیا ہے، صاف فرمایا کہ جو کوئی مسلمان بھائی سے کسی قسم کی خیانت کرے، اسے دھوکا دے۔ اسے فریب میں رکھے، وہ اس قابل نہیں کہ اس کا شمار دائرہ امت کے اندر کیا جائے۔

(۱۹) نعمتِ مقدار یا تعداد میں کتنی ہی تھوڑی یا چھوٹی ہو لیکن اگر اس سے دل میں سکون اور طبیعت میں قناعت پیدا ہو رہی ہو، تو وہ کہیں بہتر ہے ایسی دولت سے جو دیکھنے میں بڑی خوشنا ہو، لیکن بجائے سکون و قناعت کے وہ حرص و ہوس کو بھڑکانے والی ہو، شرب و ہوی اچھا جو پیاس بجھائے، نہ کہ وہ جو اور تھکنی بڑھائے۔

(۲۰) طبعی کراہت کی کیسی بچی اور موثر تصویر کھینچ دی ہے۔

(۲۱) وہ دنیا میں زیادہ تر آفتیں نتیجہ ہوتی ہیں زیادہ گوئی، غلط گوئی، فضول گوئی کا، انسان اگر اپنی زبان قابو میں رکھنا سیکھ لے، تو کتنی مصیبتوں، فکروں، رنجشوں سے نجات پاسکتا ہے۔

حضرت تھانویؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ بزرگوں نے تین باتیں اہل طریق کے لئے لازمی رکھی ہیں ایک کم کھانا، دوسرے کم سونا، تیسرے کم بولنا۔ لیکن میں نے تجربہ سے پایا ہے کہ اس کے لئے اہم ترین بات کم بولنے کی ہے۔ پہلی دو چیزوں میں سے بے احتیاطی تو بیشتر پشتم چل جاتی ہے۔ لیکن زیادہ گوئی کا نقص ایسا ہے جو زہ قاتل کا کاسہ دیتا ہے۔

احادیث نبویؐ زبان کے نعمتوں سے بھری پڑی ہیں اور امام غزالیؒ وغیرہ نے بھی اس پر تفصیل سے لکھا ہے۔

(۲۲) یعنی جس طرح چند دند انوں کے ٹوٹ جانے سے پوری کنگھی ناقص ہو جاتی ہے۔ چند لوگوں کے راہ

فساد پر پڑ جانے سے، پورا معاشرہ انسانی دماغ دار ہو جاتا ہے۔

(۲۳) سعدیؒ کا مقلوہ ”تو گمری بد دل ست نہ بہ مال“ شاید اسی حدیث سر تا پا حقیقت کا ترجمہ ہے اور انسانی

تجربات کا یہ ایک غلامہ یا نچوڑ ہے۔

(۲۴) بد نصیب ہے کہ وہ کہ دوسرے اس کی بد انجامی سے سبق حاصل کریں اور خوش نصیب ہے وہ جو خود

ہی دوسروں کا انجام دیکھ کر اپنی اصلاح حال کرے۔

(۲۵) اچھے شاعروں کے کلام میں حکمت کے موتی دبے ہوئے ملتے ہیں، جیسا کہ ہر شخص کا تجربہ ہے۔ اور

اسی طرح کتنے خطیبوں کی خطابت دلوں کو زیر و زبر کر دیتی ہے۔

(۲۶) سلطنت کے قیام و استحکام میں بڑا دخل فرمانروا کے علم و عمل، اور درگزر کو ہوتا ہے۔ بادشاہ اگر بات

بات پر غصہ کرنے لگے تو رعایا تباہ اور ملک ویران یا باغی ہو کر رہے۔

(۲۷) یہ کتنا اچھا نسخہ ساری امت کو تعلیم کر دیا گیا ہے۔ ابراہیم و صالحین کے ساتھ اگر رشتہ محبت قائم نہ کر لو، تو

ان کی معیت و رفاقت کی دولت خود ہی تمہیں نصیب ہو جائے گی اور ساری مخلوق کی محبت سے اشرف، افضل محبت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

(۲۸) اپنی حقیقت پہچان لینا انسان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔ جو انانیت کے مغالعوں سے نکل آیا

اور جس نے اپنی کمزوریاں پہچان لیں، وہ ان شاء اللہ فریب نفس سے محفوظ رہے گا۔ اور عرفان نفس سے عرفان حق

کی راہ کھل جائے گی۔ بزرگوں نے اسی لئے تو کہا ہے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ خود شن ذریعہ

ہے خدا شناسی کا۔

(۲۹) اولاد اگر ناجائز ہے تو اس کی ماں ہی اس کی مالک ہوگی، حرام کار باپ کو اس پر کچھ بھی حق حاصل نہ ہوگا۔

(۳۰) غایہ ہے اس حقیقت سے کہ دینے والا افضل ہوتا ہے لینے والے (مسائل) سے۔ امراء، وغنیا، و فراطا خلاص سے جو بدینے اہل اللہ کی خدمت میں پیش کرتے رہتے ہیں، وہ یہاں مراد نہیں۔

(۳۱) کتنی کام کی اور کیسی ہدایت آموز حقیقت کا بیان ہے۔ اصل شکر یہ تو ہر حال میں منعم حقیقی ہی کا حصہ ہوتا ہے۔ لیکن بندہ پر لازم ہے کہ احسان مند اور شکر گزار اپنے محسن قریب کا بھی ہو۔ یعنی اس بندہ کا بھی، جو واسطہ اور خطا بری ذریعہ ان انعام و نعمت کا ہوا ہے۔ آپسی خوشگوار تعلقات کا کتنا اچھا نسخہ اس ہدایت سے ہاتھ آ جاتا ہے۔

(۳۲) جذبہ محبت حقیقت شناسی کے لئے ایک حجاب بن جاتا ہے۔ جہاں کسی چیز کی الفت و محبت دل پر غالب آگئی، بس پھر اس کا کوئی عیب محسوس نہیں ہوتا۔

(۳۳) محسن کی طرف دل کا کھینچنا اور موزی کی طرف سے دل کا ہٹ جانا انسان کی سرشت و جبلت میں داخل ہے، انفسیاتی حقیقتیں تو حدیث نبوی میں بڑی کثرت سے بیان ہوئی ہیں، انہیں کی ایک مثال یہ حقیقت ہے۔ (۳۴) بیان تائب کے مرتبہ کا ہے، جب کسی گنہگار نے اس گناہ کو چھوڑ دیا، اور دل سے اس پر نادم و پشیمان ہوا، بلکہ اگر اس کا تدارک عملاً ممکن ہوا، تو وہ بھی کر دیا تو اب اس پر الزام کسی قسم کا نہ رہا، اور نہ اللہ کے ہاں اس کے مرتبہ مقبولیت میں فرق آیا۔

(۳۵) حاضر اور غائب میں بڑا فرق ہے، حاضر واقعہ کا شہود براہ راست کرتا ہے۔ غائب کو اس کا علم بالواسطہ ہو سکتا ہے۔

(۳۶) مسلمان کا اکرام تو بہر صورت لازم ہے ہی، یہاں اس کا ذکر نہیں، بلکہ غیروں کا ذکر ہے، کہ اگر ان کے بھی کسی قوم یا قبیلہ کا سردار تمہارا ہے پاس آ جائے تو اس کی سرداری بجائے خود اس کا حق رکھتی ہے کہ تم بھی اس کا اکرام کرو۔ عام بشری جذبات کی بھی کتنی رعایتیں ہمارے نبی اسی نے رکھ لی ہیں۔

(۳۷) جس قوم میں جھوٹی قسم کا رواج چل پڑتا ہے۔ معاملات میں جھوٹی گواہیاں چلے لگتی ہیں، اور عدالتوں میں بڑے بڑے فیصلے جھوٹے گواہوں کے بیان پر صادر ہونے لگتے ہیں، اس قوم کا کردار شریفوں کا نہیں رذیلوں کا بن جاتا ہے، اس کی اخلاقی بنیادیں اندر ہی اندر رکھو کھلی ہو جاتی ہیں اور آخر کار وہ قوم تباہی ہو کر رہتی ہے۔

(۳۸) جس مال یا جائیداد کا انسان مالک ہے اس کی حفاظت کا اسے ویسا ہی حق ہے، جیسے اپنے وطن و ملک کی حفاظت کا، اور شریعت الہی نے اس جذبہ فطری کی اس درجہ رعایت رکھی ہے، کہ ایسے مظلوم کو بھی، جو حفاظت

مال میں مارا جائے، ایک درجہ شہادت کا دے دیا ہے۔

(۳۹) یہاں کتنی گہری حقیقت و لفظوں میں بیان فرمادی ہے، انسان جو کچھ بھی دوسروں کا مل دیکھتا ہے وہ تو صرف صورت عمل ہوتی ہے، عمل کا صرف ظاہری قلب ہوتا ہے، باقی روح عمل تو دوسروں کی نظر سے ہمیشہ مخفی ہی رہتی ہے، اصل شے تو محرک عمل ہے۔ اور وہ صرف عالم الغیب کے ظلم میں رہتی ہے۔ اسی کا نام نبوت ہے۔ صحیح بخاری کی پہلی حدیث اور ای کلیہ میں بنیادی حدیث انصا الاعمال بالنیات ہے۔

(۴۰) کتنے کام کی ہدایت، سرداروں، پیشواؤں، فرماں رواؤں، بادشاہوں کے لئے ہے، حاکم و سردار ہونے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ فیض اپنا نصب العین اپنی قوم کی خدمت بتائے ہوئے ہے، اپنی سرداری اگر قائم رکھنا ہے تو بس قوم کی خدمت میں لگے رہئے۔

(۴۱) یعنی عمل میں اعتدال و میاندروی، نہ کمی نہ زیادتی نہ افراط نہ تقصیر، نہ زیادہ گرمی، نہ زیادہ نرمی۔

(۴۲) ہفتہ میں جمعہ کا دن تو مبارک ہے، رسول کریمؐ نے اسی کے متصل دن جمعرات کے بھی بابرست ہونے کی دعا اپنی امت کے حق میں فرمادی ہے۔

(۴۳) قناعت و بے طمعی، مسکینی کی تو حدیث میں خود بڑی فضیلت آئی ہے، اور آغوشِ فقر نے مسکین ہی کی زندگی اختیار رکھی، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ آپؐ نے امت کے ہر طبقہ کے لئے ہر حال میں فقر ہی کو پسند کیا ہے، بلکہ ساتھ ہی فطرتِ بشری کے دوسرے پہلوؤں پر نظر رکھ کر یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ فقر بعض دفعہ بندہ کے لئے ناقابلِ برداشت ہو کر اسے حدِ کفر تک پہنچا دیتا ہے، نظامِ اسلام کے اندر گنجائشِ مالداری و تولد کی بھی ہے۔

اکابر امت میں، رسول کریمؐ کی آنکھوں کے سامنے، جس طرح ابوذرؓ و ابو ہریرہؓ ہوئے ہیں، عثمانؓ فوج اور عبدالرحمن بن عوف اور طلحہؓ و زبیرؓ بھی ہوئے ہیں۔

(۴۴) آپؐ کے معاصرین کے زمانے میں سفر کا ایک مصیبت ہونا تو ظاہر ہی تھا۔ اب جب اتنی سہولتیں بہم پہنچ گئی ہیں، سفر پھر بھی حضر کی آسائشوں اور راحتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اپنے معمولات میں سمجھنے نہ کچھ فرق آجائے تو بہر حال ناگزیر ہے۔

(۴۵) کسی کاراز افشا نہ ہونے دینا، مجلس کی بات مجلس ہی تک محدود رکھنا، تو پہلا قدم مجلس، اجتماعی، زندگی کا

ہے۔

(۴۶) سفر کے سلسلے میں تو یہ ٹکڑا ایک آیت قرآنی کا ہے۔ رسول اللہؐ نے اسے عام کر کے بتا دیا، کہ پرہیزگاری تو ایسی نعمت ہے جو سفر زندگی کے ہر ہر شعبہ میں بہترین زادِ راہ کا کام دے سکتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات

ترجمہ

پروفیسر خلیق احمد نظامی

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۷	مکتوب اول	۱
۳۰	مکتوب دوم	۲
۴۱	مکتوب سوم	۳
۴۲	مکتوب چہارم	۴
۴۳	مکتوب پنجم	۵
۴۴	مکتوب ششم	۶
۴۵	مکتوب ہفتم	۷
۴۶	مکتوب ہشتم	۸
۴۷	مکتوب نہم	۹
۵۰	مکتوب دہم	۱۰
۵۱	مکتوب یازدہم	۱۱
۵۳	مکتوب دوازدہم	۱۲
۵۴	مکتوب سیزدہم	۱۳
۵۵	مکتوب چہار دہم	۱۴
۵۶	مکتوب پانزدہم	۱۵
۵۷	مکتوب شانزدہم	۱۶
۵۸	مکتوب ہفت دہم	۱۷
۵۹	مکتوب ہشت دہم	۱۸
۶۰	مکتوب نوازدہم	۱۹

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۶۱	مکتوب ہستم	۲۰
۶۲	مکتوب بست و یکم	۲۱
۶۳	مکتوب بست و دوم	۲۲
۶۵	مکتوب بست و سوم	۲۳
۶۷	مکتوب بست و چہارم	۲۴
۶۸	مکتوب بست و پنجم	۲۵
۶۹	مکتوب بست و ششم	۲۶
۷۱	مکتوب بست و ہفتم	۲۷
۷۲	مکتوب بست و ہشتم	۲۸
۷۴	مکتوب بست و نهم	۲۹
۷۵	مکتوب ی	۳۰
۷۷	مکتوب ی و یکم	۳۱
۷۸	مکتوب ی و دوم	۳۲
۷۹	مکتوب ی و سوم	۳۳
۸۱	مکتوب ی و چہارم	۳۴
۸۳	مکتوب ی و پنجم	۳۵
۸۴	مکتوب ی و ششم	۳۶
۸۶	مکتوب ی و ہفتم	۳۷
۸۷	مکتوب ی و ہشتم	۳۸
۸۹	مکتوب ی و نهم	۳۹
۹۰	مکتوب چہل	۴۰
۹۱	مکتوب چہل و یکم	۴۱
۹۲	مکتوب چہل و دوم	۴۲

مکتوبِ اوّل

بجانب
بادشاہ و وزیر و امراء

بعد حمد و صلوة: یہ چند کلمات ہیں جن کی تحریر کا باعث بادشاہ اسلام، امراء اور جمہور مسلمین کی خیر خواہی ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ”خیر خواہی دین (۱) ہے“، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ اگر ان کلمات کے بموجب عمل کریں گے تو امور سلطنت کی تقویت، حکومت کی بقاء اور عزت کی بلندی ظہور پذیر ہوگی۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند

آنچه اُستادِ ازل گفت بگوی گویم

(یعنی مجھ کو آئینے کے پیچھے طوطی کی مانند رکھا ہے، جو کچھ ”استادِ ازل“ نے کہا ہے وہی کہتا

ہوں)

کلمہ اوّل: اصل اصول جس پر حکومت کی بہتری اور ملت بیضا کی رونق موقوف ہے یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے یہ بات لازم کر لیں کہ جب فتیابی نصیب ہو اور مخالف شکست یافتہ ہو تو سب سے پہلی چیز جس کے اجراء کا مضبوط ارادہ کریں، چالوں (۲) کے علاقے اور ان کے قلعوں کے فتح کرنے کی جدوجہد ہو، اس کام میں دینی و دنیاوی دونوں فائدے ہیں، منجملہ ان ضروری کاموں کے ”بد معاشوں کی“ سرزنش کرنا بھی ہے، تاکہ کوئی زمیندار اس قسم کی شوشی اور بے باکی کا خیال بھی نہ لائے۔

کلمہ دوم: یہ کہ خالصہ (۳) کو کشادہ تر کرنا چاہئے، خصوصاً وہ علاقہ جو دہلی کے ارد گرد ہے، آگرہ، حصار اور دریائے گنگ اور حد و سہرند تک سب کا سب علاقہ یا اس میں کا اکثر خالصہ ہو، کیونکہ اسور سلطنت میں ضعف کا سبب خالصہ کی کمی اور خزانہ کی قلت ہوا کرتی ہے۔

کلمہ سوم: یہ کہ جاگیر (۴) عطا کرنا، بڑے بڑے امراء کے لئے مخصوص ہو چھوٹے چھوٹے منصب داروں کو نقد دینا چاہئے (جاگیر نہ دی جائے) جیسا کہ عہد شاہجہاں میں قاعدہ تھا، اس لئے کہ چھوٹے منصب دار (۵)، جاگیروں پر قابو نہیں پاتے، اس لئے ٹھیکہ دینے کی احتیاج ہوتی ہے، اسی وجہ سے وہ اکثر اوقات مفلس رہتے ہیں اور اپنے آپ کو کارہائے پادشاہی میں پوری طرح مشغول نہیں کر سکتے۔

کلمہ چہارم: یہ کہ جو لوگ اس فتنہ میں غنیم کے ساتھی ہوئے ہیں، ضروری ہے کہ ان کو جاگیر و منصب اور خدمت سے بے دخل کر دیں تاکہ ان کے لئے یہ چیز سزا کے قائم مقام ہو جائے اور دوسرے لوگ اس قسم کے مواقع پر ”حق نمک (۶)“ کی ادائیگی کے راستے سے نہ بھٹکیں۔

کلمہ پنجم: یہ کہ افواج بادشاہی کی ترتیب عمدہ طریقے پر کرنی چاہئے، اور یہ ترتیب (۷) تین طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

(۱) وہ داروغہ مقرر کئے جائیں جو مندرجہ ذیل تین صفتوں سے متصف ہوں۔

الف: نجیب ہوں۔

ب: بہادر ہوں اور اپنے ساتھیوں پر شفیق ہوں۔

ج: تہہ دل سے بادشاہ کے خیر خواہ ہوں۔

(۲) جن لوگوں سے اس فتنہ میں بے غیرتی اور نمک حرامی سرزد ہوئی ہے ان کو معزول کر کے دوسروں کو داخل رسالہ کیا جائے۔

(۳) یہ کہ ملازموں کی تنخواہیں (۸) بغیر تاخیر کے ان کو ملنی چاہئیں، اس لئے کہ تاخیر کی صورت میں وہ لوگ سودی قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور ان کا اکثر مال ضائع ہو جاتا ہے۔

کلمہ ششم: ”خالصہ (۹)“ سے ٹھیکہ دہندگی کی رسم موقوف کر دی جائے، دین دار، واقف کار، امین ہر جگہ مقرر کر دیئے جائیں، ٹھیکہ دینے میں ملک خراب ہوتا ہے اور رعیہ پامال و بد حال

ہو جاتی ہے۔

کلمہ ہفتم: یہ کہ قاضی و محتسب ایسے لوگوں کو بنایا جائے جن پر رشوت ستانی کی تہمت نہ لگائے گئے ہوں اور مذہب اہل سنت و جماعت رکھتے ہوں۔

کلمہ ہشتم:

کلمہ نہم: ائمہ مساجد کو اچھے طریقے پر تنخواہ دی جائے، نماز باجماعت کی حاضری کی تاکید اور ماہ رمضان کی بے حرمتی کی ممانعت پورے طور پر کی جائے۔

کلمہ دہم: یہ کہ بادشاہ اسلام اور امراء عظام تاجائز عیش و عشرت میں مشغول نہ ہوں، نژشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں، اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں، بالفعل اگر ان دس کلمات پر عمل کریں گے، مجھے امید ہے کہ بقائے سلطنت، تائیدِ نبی اور نصرت الہی میسر ہوگی، و ما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت و الیہ اُنیب۔ یعنی مجھے توفیق اللہ ہی سے حاصل ہوگی اور اُسی کی ذات پر میرا توکل ہے، اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

مکتوب دوم

بجانب

بعض بادشاہوں کے نام (۱)

بعد حمد و صلوٰۃ کے۔ یہ چند کلمات ہیں جن کے لکھے جانے کا باعث اسلامی حمیت ہے، اللہ تعالیٰ ان کلمات کو گوش مبارک تک پہنچا دے۔

بادشاہان اسلام کا وجود اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست نعمت ہے، جاننا چاہئے کہ ملک ہندوستان ایک وسیع ملک ہے، قدیم اسلامی بادشاہوں نے بڑی مدت میں بڑی جدوجہد کے بعد کئی دفعہ میں جا کر اس ولایت کو فتح کیا ہے، علاوہ دہلی کے جو صاحب اقتدار بادشاہوں کا مستقر رہی ہے۔ ہر علاقے میں علیحدہ علیحدہ فرمانروائے تھے، مثلاً گجرات، احمد آباد کا علاقہ ایک علیحدہ حکمران سے تعلق رکھتا تھا، ٹھٹھہ کا دوسرا بادشاہ تھا، بنگالہ ایک اور حاکم کے زیر حکومت تھا، اودھ جدا ایک شخص کے زیر اقتدار تھا، جس کو سلطان الشرق یعنی پورب کا بادشاہ کہتے تھے، ملک دکن پانچ حسب ذیل سلطنتوں کا مجموعہ تھا:

(۱) برہان پور۔

(۲) برار۔

(۳) اورنگ آباد۔

(۴) حیدر آباد۔

(۵) بیجا پور۔

ان پانچوں سلطنتوں میں سے ہر سلطنت کا ایک جداگانہ مستقل بادشاہ تھا۔
مالوہ کا بھی حکمران علیحدہ تھا اور ان تمام مذکورہ علاقہ جات میں سے ہر ایک علاقے کا بادشاہ مستقل طور پر صاحب فوج اور صاحب خزانہ ہوتا تھا۔

ہر ایک بادشاہ نے اپنی اپنی مملکت میں مسجدیں تعمیر کرائیں، مدر سے قائم کئے، عرب و عجم کے مسلمان اپنے اپنے وطنوں سے منتقل ہو کر ان علاقوں میں آ گئے اور یہاں اسلام کی ترویج و اشاعت کا باعث بنے، اس وقت تک ان لوگوں کی اولاد اسلام کے طور و طریقہ پر قائم ہے، ایک اور ملک بھی ہے جو کبھی کسی بادشاہ اسلام کے قبضہ میں نہیں آیا اور وہ اپنے خالص غیر مسلمان طریقہ پر باقی رہا، اتنا ضرور ہوا کہ بادشاہ ان راجاؤں سے جو ان کے حدود میں تھے خراج لیا کرتے تھے، یہ ملک جس کا تذکرہ ہو رہا ہے راجپوتانہ کا ملک ہے، اس ملک کا طول حدود دھند سے لے کر حدود بنگالہ و بہار تک چالیس منزل ہے اور عرض دہلی و آگرہ سے لے کر گجرات و اجین کی حد تک بیس منزل ہے، یہی وہ با وسعت ملک ہے جو کبھی ملوک اسلامیہ کی نشست گاہ نہیں بنا۔ قصہ مختصر: پادشاہان مغلیہ نے رفتہ رفتہ اتنا کر لیا کہ اپنی طرف سے ان کو ریاست پر متعین کرتے تھے اور انھوں نے راجپوتوں سے معاہدہ کر لیا اور اس گروہ کو اپنا ماتحت قرار دے کر ان کی مخالفت سے مامون و محفوظ ہو گئے اور جنگ سے دست کشی اختیار کر لی، واقفان فن تاریخ تفصیلی طور پر ان واقعات کو بیان کریں گے (۲)۔

غیر مسلموں میں ایک قوم مرہٹہ نامی ہے کہ... ان کا ایک سردار ہے، اس قوم نے کچھ عرصہ سے اطراف دکن میں سر اٹھایا ہے اور تمام ملک ہندوستان پر اثر انداز ہے، شاہان مغلیہ میں سے بعد کے بادشاہوں نے عدم دور اندیشی، غفلت اور اختلاف فکر کی بنا پر ملک گجرات (۳) مرہٹوں کو دے دیا پھر اسی سست اندیشی اور غفلت کی وجہ سے ملک مالوہ بھی ان کے سپرد (۴) کر دیا اور ان کو وہاں کا صوبہ دار بنادیا، رفتہ رفتہ قوم مرہٹہ قوی تر ہو گئی اور اکثر بلاد اسلام ان کے قبضہ (۵) میں آ گئے، مرہٹوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں سے پانچ لینا شروع کر دیا اور اس کا نام چوتھ (۶) (یعنی آمدنی کا چوتھا حصہ) رکھا۔

دہلی اور نواح دہلی میں مرہٹوں کا تسلط اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ دہلی کے رؤسا، پادشاہان

قدیم کی اور یہاں کے وزراء اور اُمراء، امراء قدیم کی اولاد ہیں، ناچار مرہٹوں نے ان لوگوں سے ایک گونہ مروت کا معاملہ رکھتے ہوئے عہد و پیمان کر لیا اور رواداری کا سلسلہ جاری کر کے طرح طرح کی چالوسی سے دہلی والوں کو اپنی طرف سے امن و امان دے کر چھوڑ دیا، وکن پر بھی مرہٹوں کا قبضہ اس بنا پر نہ ہو سکا کہ نظام الملک مرحوم کی اولاد نے بڑی بڑی تدبیریں کیں کبھی مرہٹوں کے درمیان میں پھوٹ ڈلوادی، کبھی انگریزوں کو اپنا رفیق بنالیا اور برہان پور، اورنگ آباد، بیجا پور جیسے بڑے بڑے شہروں پر اولاد نظام الملک قابض رہی، البتہ اطراف و نواحی کو مرہٹوں کے لئے چھوڑ دیا، المختصر سوائے دہلی وکن کے خالص طور پر مرہٹوں کا تسلط ہے، قوم مرہٹہ کا شکست دینا آسان کام ہے، بشرطیکہ غازیان اسلام کمر ہمت باندھ لیں، حقیقت یہ ہے کہ قوم مرہٹہ خود قلیل ہیں، لیکن ایک گروہ کثیران کے ساتھ ملا ہوا ہے، اس گروہ میں سے ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائے گی اور اصل قوم اسی شکست سے ضعیف ہو جائے گی، چونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے، اس لئے اس کا تمام تر سلیقہ ایسی کثیر فوج جمع کرنا ہے جو چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے بھی زیادہ ہو، دلاوری اور سامان حرب کی بہتات ان کے یہاں نہیں ہے۔

الغرض قوم مرہٹہ کا فتنہ ہندوستان کے اندر بہت بڑا فتنہ (۷) ہے حق تعالیٰ بھلا کرے اس شخص کا جو اس فتنے کو دباے۔

غیر مسلموں کی ایک قوم جاٹ ہے جس کی بود و باش دہلی و آگرہ کے درمیان ہے (۸)، یہ دونوں شہر بادشاہوں کے لئے دو حویلیوں کی مانند رہے ہیں، مغل بادشاہ کبھی آگرہ میں رہتے تھے تاکہ ان کا دبدبہ اور رعب راجپوتانہ تک پڑے اور کبھی دہلی میں فروکش ہوتے تھے تاکہ ان کی شوکت و ہیبت سہرند اور نواحی سہرند تک اثر ڈالے۔

دہلی و آگرہ کے درمیان کے مواضعات میں قوم جاٹ کا شککاری کرتے تھے، زمانہ شاہجہان میں اس قوم کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں، ہندو اپنے پاس نہ رکھیں اور اپنے لئے گڑھی نہ بنائیں، بعد کے بادشاہوں نے رفتہ رفتہ ان کے حالات سے غفلت اختیار کر لی اور اس قوم نے فرصت کا غنیمت جان کر بہت سے قلعے تعمیر کرائے اور اپنے پاس ہندو رکھ کر بت ماری کا طریقہ شروع کر دیا، اورنگ زیب اس وقت دکن میں قلعہ بیجا پور و حیدرآباد کے فتح کرنے میں مشغول

تھا (۹)، دکن ہی سے ایک فوج جانوں کی تادیب کے لئے اس نے روانہ کی اور اپنے پوتے کو فوج کا سردار مقرر کیا (۱۰)، رئیس سان راجپوتانہ نے اس شہزادے سے مخالفت کر لی (۱۱)، لشکر میں اختلاف واقع ہوا، جانوں کی تھوڑی سی عاجزی پر اکتفا کر کے فوج بادشاہی واپس ہو گئی۔

محمد فرخ سیر کے زمانہ میں اس جماعت کی شورش پھر جوش میں آئی قطب الملک وزیر نے زبردست فوجیں ان کی طرف بھیجیں، چورامن جو اس قوم کا سردار تھا بعد جنگ، صلح پر راضی ہو گیا، اس کو بادشاہ کے سامنے لائے اور تقصیرات کی معافی دلوائی، یہ کام بھی خلاف مصلحت عمل میں آیا۔

نچر مہد محمد شاہ میں اس قوم کی سرکشی (۱۲) حد سے تجاوز کر گئی، اور چورامن کا چچا زاد بھائی سورج مل اس جماعت کا سردار ہو گیا اور فساد کا راستہ اختیار کیا، چنانچہ شہر بیانہ جو کہ اسلام کا قدیم شہر تھا اور جہاں پر علماء و مشائخ سات سو سال سے اقامت پذیر تھے اس شہر پر قہر و جبراً قبضہ کر کے مسلمانوں کو ذلت و خواری کے ساتھ وہاں سے نکال دیا، اس کے بعد سے سرکشی برابر بڑھتی رہی، بادشاہوں اور امیروں کے اختلاف و غفلت کی بناء پر کوئی بھی اس جانب متوجہ نہ ہوا، اگر بالفرض ایک امیر اس کی تنبیہ کا قصد کرے تو سورج مل کے کارکن دوسرے امراء کی جانب رجوع کرتے ہیں اور اس طرح بادشاہ کے مشورے کو پلٹ دیتے ہیں، پسر محمد شاہ (۱۳) کے عہد میں صفدر جنگ (۱۴) ایرانی نے خروج کیا اور سورج مل سے سازش کر کے پرانی دہلی پر حملہ کر دیا اور تمام باشندگان شہر کھنڈ کو لوٹ (۱۵) لیا۔

پسر محمد شاہ نئے شہر میں دروازے بند کر کے چھپ کر بیٹھ گئے اور مرہٹوں نے توپوں کے ذریعہ جنگ کی، محض خدا کے فضل سے صفدر جنگ اور سورج مل دو تین ماہ کے بعد ناکامیاب واپس ہوئے اور صلح و موافقت کی داغ بیل (۱۶) ڈالی، چونکہ بادشاہ کے آدمی جنگ سے تھک چکے تھے، اس لئے انھوں نے صلح کو غنیمت شمار کیا، اس کے بعد سے سورج مل کی شوکت ترقی پا گئی، دہلی سے دو کوس کے فاصلے سے لے کر آگرہ کے آخر تک طول میں اور میوات کے حدود سے فیروز آباد و شکوہ آباد تک عرض میں سورج مل قابض ہو گیا، کسی کی طاقت نہیں کہ وہاں اذان و نماز جاری کر سکے۔

ایک سال ہوا کہ قلعہ الور جو کہ تمام میوات کی خبر گیری کے لئے ایک جائے بلند تھی، سورج مل اس کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا ارکان سلطنت میں سے کسی کی مجال نہ ہوئی کہ وہ اس کام سے

روک دیتا۔

ہندوستان کے محصولات سات آٹھ کروڑ سے کم نہیں ہیں بشرطیکہ غلبہ و شوکت موجود ہو، ورنہ ایک کوڑی بھی ملنی مشکل ہے، جیسا کہ اس وقت دیکھا جا رہا ہے، جس علاقہ پر جاٹ قابض ہیں وہ ایک کروڑ روپیہ محصول کی جگہ ہے، راجپوتانہ کا علاقہ اپنی وسعت کے باعث دو کروڑ روپے سے کم آمدنی کا نہیں ہے، بشرطیکہ ہر رتبہ پر خراج مقرر کیا جائے، عہد محمد شاہ میں بنگالہ سے ہر سال ایک کروڑ کی آمدنی تھی اور وہاں کا صوبہ دار ہمیشہ بلا توقف بھیجتا رہتا تھا، اس رقم کی ادائیگی کے باوجود صوبہ دار بنگالہ ہندوستان کے امراء میں انتہائی مالدار امیر تھا، چنانچہ اس وقت بھی بنگالہ میں بے اطمینانی ہے اور وہاں ایک بیوقوف نادان قف کا رنوجوان یعنی ناطم قدیم کا پوتا (۱۷) مسلط ہے، پھر وہی رنوجوان خزان بے شمار کا مالک ہے، سعادت خاں ایرانی اور اس کے بعد اس کا داماد صفر جنگ صوبہ اودھ پر قابض تھے، دو کروڑ اس صوبہ سے وصول کرتے تھے، ایک کروڑ خرچ کرتے تھے اور ایک کروڑ جمع کرتے تھے، اسی مالدار نے صفر جنگ کے اندر بادشاہ سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کیا، جاٹ کی شوکت کو درہم برہم کرنا بھی تدبیر کے نزدیک آسان کام ہے، انھوں نے جو علاقے اپنے قبضے میں کر لئے ہیں وہ ان کے نہیں ہیں بلکہ غصب کئے ہوئے ہیں، ان موضوع کے مالک ابھی تک زندہ موجود ہیں، اگر کوئی صاحب شوکت و عدالت بادشاہ مہربانی کا ہاتھ ان مالکوں کے سر پر رکھے تو وہ لوگ سورج مل کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے، یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہندوستان کے غیر مسلموں کا حال تھا، رہا مسلمانوں کا حال وہ یہ ہے کہ نوکران بادشاہ جو کہ ایک لاکھ سے زائد تھے، ان میں پیادہ سوار بھی تھے، اہل نقدی و جائیداد بھی تھے، بادشاہوں کی غفلت سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ جائیداد اپنی جائیدادوں پر عمل و دخل نہیں پاتے، کوئی نور نہیں کرتا کہ اس کا باعث بے عملی ہے، جب خزانہ بادشاہ نہیں رہا، نقدی بھی موقوف ہو گئی، آخر کار سب ملازمین تتر بتر ہو گئے اور کاسہ (۱۸) گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا، سطنٹ کا بجز نام کے اور کچھ باقی نہ رہا (۱۹)، جب ملازمین بادشاہ کا یہ برا حال ہے تو تمام دیگر اشخاص کے حال کو جو کہ وظیفہ خوار یا سوداگر یا اہل صنعت ہیں، انھیں پر قیاس کر لینا چاہئے کہ کس حد تک خراب ہو گیا، دیکھا، طرح طرح کے ظلم اور پیروزگاری میں یہ لوگ گرفتار ہیں، علاوہ اس تنگی اور مفلسی کے جب سورج مل کی قوم نے

اور صفدر جنگ نے مل کر دہلی کے پرانے شہر پر دھاوا بولا (۲۰)، یہ غریب سب کے سب بے خانماں، پریشان اور بے مایہ ہو گئے، پھر متواتر آسمان سے قحط نازل ہوا، غرضیکہ جماعت مسلمین قابل رحم ہے، اس وقت جو عمل و دخل سرکار پادشاہی میں باقی ہے وہ ہندو کے ہاتھ میں ہے، کیونکہ متصدی اور کارکن سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہے، ہمہ قسم کی دولت و ثروت ان کے گھروں میں جمع ہے، افلاس و مصیبت کا بادل مسلمانوں پر چھا رہا ہے، بات طویل ہوگئی اور اختصار کے حدود سے باہر نکل گئی، حاصل کلام یہ ہے کہ ملک ہندوستان میں غیر مسلموں کے غلبہ کی نوعیت یہ ہے کہ جو معرض بیان میں آئی، اور مسلمانوں کا ضعف اس حد تک پہنچ گیا ہے جو لکھا گیا، اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار و شوکت ہو اور لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو، دور اندیش اور جنگ آزما ہو، سوائے آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے، یقینی طور پر جناب عالی پر فرض عین ہے، ہندوستان کا قصد کرنا اور مرہٹوں کا تسلط توڑنا اور ضعفائے مسلمین کو غیر مسلموں کے پنجے سے آزاد کرنا، اگر غلبہ کفر معاذ اللہ، اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑا زمانہ نہ گزرے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائے گی کہ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز نہ ہو سکے گی، یہ بھی ایک بلائے عظیم ہے، اس بلائے عظیم کے دفع کرنے کی قدرت بفضل خداوندی جناب کے علاوہ کسی کو میسر نہیں ہے ہم بندگان الہی، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شفعہ گرا دیتے ہیں اور خدائے عزوجل کے نام پر التماس کرتے ہیں کہ ہمت مبارک کو اس جانب متوجہ فرما کر مخالفین سے مقابلہ کریں، تاکہ خدائے تعالیٰ کے یہاں بڑا ثواب جناب کے نامہ اعمال میں لکھا جائے، اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی فہرست میں نام درج ہو جائے، دنیا میں بے حساب غنیمتیں ملیں اور مسلمان دست کفار سے خلاصی پا جائیں، خدا سے پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ نادر شاہ کی طرح عمل ہو، کہ وہ مسلمانوں کو زیر و زبر کر گیا اور مرہٹہ و جٹ کو سالم و غنیمت چھوڑ کر چلتا بنا، نادر شاہ کے بعد سے مخالفین قوت پکڑ گئے اور لشکر اسلام کا شیرازہ بکھر گیا، اور سلطنت دہلی بچوں کا کھیل (۲۱) بن گئی، پناہ بخدا اگر قوم کفار اسی حال پر رہے اور مسلمان ضعیف ہو جائیں تو اسلام کا نام بھی کہیں باقی نہ رہے گا۔

خدائے تعالیٰ مجاہدین کی صفت میں فرماتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ الْآيَةِ۔

یعنی وہ غیروں پر سخت دل ہیں اور اپنوں پر مہربان ہیں (۲۲)۔

اس جماعت کے وصف میں جو مرتدوں سے مقابلہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (۲۳)!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ الْخَبْرُ (یعنی خدائے تعالیٰ دوست رکھتا ہے ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں خدائے تعالیٰ کو، وہ مسلمانوں کے سامنے تواضع سے پیش آتے ہیں اور غیروں پر سخت ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ فتح اسلام اس جماعت کو نصیب ہوتی ہے، جس کی یہ شان ہو کہ اگر کسی جگہ مسلمان ہوں ان کو وہ اپنے بیٹوں اور سگے بھائیوں کی طرح رکھے اور مخالف کے مقابلہ میں وہ شیرز کی مانند ہو۔

پس واجب ہے کہ ان مجاہدات میں تقویت اسلام کی نیت کر لی جائے، جب افواج قاہرہ ایسے مقام پر پہنچیں جہاں پر مسلمان اور غیر مسلمان دونوں رہتے ہوں، چاہئے کہ منتظمین خاص طور پر ایسے مقام پر متعین ہوں اور ان کو تاکید کی جائے کہ جو ضعیف مسلمان قریوں میں ساکن ہیں ان کو قصبوں اور شہروں میں لے آئیں پھر کچھ منتظمین قصبوں اور شہروں پر مقرر کئے جائیں جو اس بات کی کڑی نگرانی کریں کہ کسی مسلمان کا مال نہ لوٹا جائے اور کسی مسلمان کی عزت میں فرق نہ آنے پائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”اللہ کے نزدیک تمام دنیا کا زوال قتل مسلم کے مقابلے میں بیچ ہے (۲۴)“، حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بقصد عمرہ جب حدیبیہ تشریف لے گئے اور کفار قریش مکہ کے داخلہ سے مانع آئے، آخر الامر کفار مکہ سے صلح ہوئی، اگرچہ بعض بڑے صحابہ میں سے ایسے تھے جن کی حمیت دینی جوش میں آئی اور اس صلح پر راضی نہیں ہوتے تھے، لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قول پر التفات نہیں فرمایا اور صلح کر لی، جب اس سفر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو سورہٴ اِنَّا فَتَحْنَا نَازِلَ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں صلح کی حکمت اور تاخیر فتح کی وجہ ظاہر فرمائی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْلَا رِجَالُ الْمُؤْمِنُونَ وَنِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ لَمْ نَغْلِبْهُمْ تَا غَظَابًا أَلِيمًا (۲۵)

(اگر نہ ہوتے (مکہ میں) کئی مرد ایمان والے اور کئی عورتیں ایمان والیاں جن کو تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم ان کو پیس ڈالو گے، پس اس کے نتیجہ میں تم کو گناہ

ہوتا بغیر دانست کے (تو تصدیق خواب یا بالفعل ہو جاتی اور جلد فتح میسر ہوتی)
 (خدا نے فتح کو موخر کیا) تاکہ داخل کر دے جس کو چاہے اپنی رحمت کے سایہ میں،
 اگر ہر دو فریق ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تو ہم منکروں پر (فی الفور) آفت
 ڈال دیتے)

یعنی چونکہ مسلمانوں کو مصیبت پہنچ جانے کا اندیشہ تھا، حکمت الہی نے تقاضا کیا کہ اس مقصد کو
 مہلت کے ساتھ انجام دیا جائے تاکہ منکرین کسی نہ کسی طرح قبول اسلام کر لیں اور مسلمان مجاہدین
 کے غلبہ سے محفوظ رہیں، چنانچہ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد فتح ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 بارہ ہزار اشراف کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچے، اور اہل مکہ بہر طور داخل اسلام ہوئے اور آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

اس واقعہ صلح حدیبیہ و فتح مکہ میں بادشاہان دور اندیش کو حکمت کی عجیب و غریب تعلیم دی گئی
 ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلم و غیر مسلم کے اختلاط کے مقام پر حکم کا معاملہ کرنا چاہئے، پہلے مخالفین اسلام
 کو جو مسلمانوں پر تسلط جمائے ہوئے متفرق کریں، بعد ازاں مسلمان خود بخود بادشاہ عادل اور
 دور اندیش کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں گے۔

ترجمہ شعر عربی

(اللہ کی متنی پوشیدہ پوشیدہ مہربانیاں ہیں، جن کی پوشیدگی سے ایک ذکی و فہیم بھی بے خبر ہے)
 جیسا کہ دوائے تلخ ہر چند فائدہ مند ہو لیکن مریض کی طبیعت اس کی طرف رغبت نہیں کرتی،
 طعیب حاذق، اس نزوی دوا کو شہد کے ساتھ ملاتا ہے، اسی طرح پادشاہان عادل کرتے ہیں کہ اللہ
 تعالیٰ کے دشمنوں کی طرف جس جگہ متوجہ ہوتے ہیں اور وہاں پر جو مسلمان متفرق طور پر ہوتے ہیں
 اور اپنی جان و آبرو کا خوف کرتے ہیں اور اپنی طبیعت سے اس گیر و دار کو نہیں چاہتے، وہاں پر
 فقیروں، غریبوں اور سادات علماء کو اپنے الطاف خسر و اند اور انعام بادشاہانہ سے اور طرح طرح
 کے دلا سوں اور تسلیوں سے محفوظ رکھتے ہیں تاکہ ان کی مہربانی کا شہرہ دور و نزدیک شہروں تک پہنچ
 جائے اور سب کے سب ہاتھ اٹھا اٹھا کر پادشاہ عادل کی فتح و نصرت کی دعائیں کریں اور خدائے
 عز و جل سے شب و روز یہی درخواست کریں کہ اللہ یہ رحمت کی نشانی بادشاہ عادل ہمارے شہر میں

فروش ہو۔

سب سے پہلے اہم اس کے بعد بالترتیب اس کے نیچے درجے کے اہم امور انجام دیئے جائیں، جس جگہ کسی مسلمان کی شکست کا احتمال ہو وہاں توقف کرنا چاہئے، جماعتِ متمرین کے گرد اگر وہ جہاد مقدم رکھنا چاہئے تاکہ بغیر احتمال قتل مسلم مدعا حاصل ہو جائے، آخر کلام میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پادشاہان اسلام کے حق میں اور خلفائے راشدین کی نصیحتیں حفظ آداب بادشاہی کے باب میں لکھی جاتی ہیں۔

ترجمہ وصایا و نصائح

ارشادات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

بخاری نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت لکھی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، ہر وہ شخص جو خلیفہ بنایا جاتا ہے اس کے دو ولی دوست (باطنی قوت) ہوتے ہیں، ایک ان میں سے اس کو خیر و نیکی کی تلقین کرتا اور اس پر آمادہ کرتا ہے، دوسرا اس کو شر کا حکم کرتا ہے اور اس کی رغبت دلاتا ہے اور محفوظ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

وصیت صدیق اکبرؓ

امام ابو یوسفؒ نے ابن سابط سے روایت کی ہے کہ جبکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کا وقت قریب آیا، انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو بلایا، پھر ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں اگر تم اس کو یاد رکھو گے تو موت سے زیادہ کوئی شے تمہیں محبوب نہیں ہوگی، اور اس وصیت کو تم نے بھلا دیا تو موت سے زیادہ کوئی شے تمہارے نزدیک مبغوض و مکروہ نہیں ہوگی اور تم موت کے پتھ سے نکل نہیں سکتے، وہ وصیت یہ ہے:

”اللہ تعالیٰ کا تم پر رات میں ایک حق ہے کہ وہ اس کو دن میں قبول نہیں کرے گا اور ایک دن میں حق ہے جس کو رات کو قبول نہیں کرنے کا (یعنی ہر حق کو ادا کرنے کے لئے ایک وقت مقرر ہے) اللہ تعالیٰ افضل اس وقت تک قبول نہ فرمائے گا جب تک فرض کی ادائیگی نہ ہوگی، جن لوگوں نے دنیا میں باطل کی پیروی کی اور باطل کی پیروی کو معمولی چیز تصور کیا اس کی پاداش میں ان کی میزان بکی ہو جائے گی اور

میزان قیامت کا معاملہ یوں ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی صورت میں ہلکی پڑتی ہے جبکہ اس میں باطل دھرا ہو، اور جن لوگوں نے دنیا میں حق کا اتباع کیا ہوگا اور اس کو اہم تصور کیا ہوگا ان کی میزان قیامت میں بھاری ہوگی اور میزان میں جب حق ہوگا اس کا پلہ بھاری ہی ہوگا۔

پس اگر تم نے میری اس وصیت کو یاد کر لیا تو کوئی غائب شے موت کے مقابلہ میں محبوب نہیں ہونے کی، اور موت کا آنا یقینی ہے اور اگر اس وصیت کو ضائع کر دیا (بھول گئے) تو کوئی غائب شے موت سے زیادہ مغفوض نہیں ہوگی اور تم موت کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے (وہ تم پر غالب آکر رہے گی)

وصیت فاروق اعظمؓ

امام ابو یوسفؒ نے زہیدؒ سے روایت کی ہے کہ جبکہ حضرت عمرؓ نے وصیت کی تو فرمایا کہ میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں خدا سے ڈرنے کی اور وصیت کرتا ہوں مہاجرین اقلین کے بارے میں کہ ان کا حق پہچانا جائے اور ان کی کرامت و عظمت ملحوظ رکھی جائے اور وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے بارے میں وہ انصار جنہوں نے وارو ایمان میں ٹھکانہ پکڑا، ان کی خوبیوں کو قبول کرتے ہوئے ان کی لغزشوں سے درگزر کی جائے اور ادا انصار کے بارے میں بھی وصیت کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ اسلام کی جز اور عدو کے غصے کا سبب ہیں کہ ان سے ان کی رضامندی کے بغیر ان کا زائد مال وصول نہ کیا جائے اور اعراب کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ اعراب جو اصل عرب ہیں اور اسلام کے لئے مرکز طاقت ہیں کہ خلیفہ ان کے اموال کو لے کر ان کے فقر، پر تقسیم کر دے، اور میں اللہ اور اس کے رسول کے عہد کی پاسداری کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ انبیاء کے عہد کو پورا کیا جائے اور ان کی حفاظت کے لئے مقابلہ کیا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ قسم نہ دیا جائے۔

وصیت حضرت عثمانؓ

امام ابو یوسفؒ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کے آزاد شدہ غلام حضرت بانی کی روایت نقل کی ہے کہ بانی نے کہا کہ جب کبھی حضرت عثمانؓ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تھے تو زرارہ زراروتے

تھے، یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی تھی، ان سے کہا گیا کہ آپ جنت و دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں اس پر تو روتے نہیں، قبر پر کیوں رویا کرتے ہیں، اس کے جواب میں عثمانؓ نے فرمایا، کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے۔ پس جو اس منزل سے نجات پا گیا سمجھ لو کہ اس کے بعد معاملہ آسان ہے اور اگر یہاں سے نجات نہیں ملی تو اس کے بعد کی منزل اس سے زائد سخت ہے۔

وصیت حضرت علیؓ

امام ابو یوسفؒ نے عطاء بن ابی ریح سے نقل کیا ہے کہ عطاءؓ نے کہا، حضرت علیؓ جب کوئی لشکر روانہ کرتے تو اس لشکر کے ایک شخص کو امیر بناتے پھر اس سے یہ وصیت کرتے تھے کہ میں تجھے اس خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جس کی ملاقات یقینی ہے، اور اس کے علاوہ تیرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، وہ دنیا اور آخرت کا مالک ہے، میں تجھ کو جس کام کے لئے روانہ کر رہا ہوں تیرے اوپر اس کی انجام دہی ضروری ہے اور تیرے اوپر ایسے امور کی پابندی لازم ہے جو باعث قرب خداوندی ہوں، اس لئے کہ خدا کے یہاں دنیا کے ہر کام کا بدلہ ہے۔

یہ کچھ چیزیں بطریق استقبال تحریر ہوئی ہیں اگر ان کلمات کی جانب آنجناب کی توجہ محسوس ہوئی تو بعض مطالب تفصیلاً پہنچیں گے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوْلًا اَحْرًا وَّظَاهِرًا وَّباطِنًا

مکتوب سوم

بجانب

نواب زیت المحلل والدہ شاہ عالم عالی گہر

اللہ تعالیٰ مرادوں پر فائز فرمائے اور آپ جیسے برگزیدہ افراد کے مطالب و مقاصد کو پورا فرما کر طرح طرح کے برکات کا دروازہ کھول دے۔

آپ کا خط اچھے وقت پر صادر ہوا، حق بات یہ ہے کہ آپ کے خاندان پر جو ظلم ہوا ہے اس کے شرارے ایک طرف سے دوسری طرف تک پہنچے ہیں، امید یہ قوی ہے کہ عدل الہی: مَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطَانًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا (اور جو کوئی ظلم کے ساتھ ناحق قتل کر دیا جائے پس ہم نے اس کے وارث کو (قصاص یا دیت کا) تسلط دیا ہے، پس چاہئے کہ وہ وارث قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے، یعنی غیر قاتل کو قتل نہ کرے)

فقیر دعاؤں میں مشغول ہے اور قبولیت کا منتظر ہے، سر و شغیب نے حصول مراد کا افادہ فرمایا ہے، بلکہ وہ تدبیر بھی گوش ہوش میں ڈال دی ہے جو صاحب معاملہ کو تین چار سال کی مدت میں کرنا چاہئے اور وہ تدبیر بھی جو سات سال کے بعد کرنا چاہئے۔

انشاء اللہ ان تدبیروں کو بروقت لکھا جائے گا، اس وقت اسی زمین میں رہنا مناسب ہے جہاں اس وقت ہیں، آیت رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ تَاقَهُار بعد نماز فرض گیارہ گیارہ بار پڑھنا اس بارے میں نافع ہوگا۔

مکتوب چہارم

بجانب
نجیب الدولہ

خدائے عزوجل امیرالمجاہدین کو نصرت ظاہر اور تائید واضح کے ساتھ مشرف کرے اور اس عمل کو قبولیت کے درجہ میں پہنچا کر بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں اس پر مرتب کرے، فقیر ولی اللہ مفتی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت مشام کے واضح ہو کہ نصرت مسلمین کے لئے یہاں دعا کی جارہی ہے اور سروشِ نبوی سے آثار قبول محسوس ہوتے ہیں، امید یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر طریقہ ”جدوجہد“ کو زندہ کر کے اس کے برکات اس دنیا میں اور آخرت میں عطا فرمائے گا۔

إِنَّهُ قَرِيبٌ مُّجِيبٌ

مکتوب پنجم

بجانب
نجیب الدولہ

خدائے عزوجل اس امیر الغزاة، رئیس المجاہدین کو فتوحات تازہ اور بزرگی بے اندازہ سے معزز و ممتاز فرما کر مسلمانوں پر برکتوں اور رحمتوں کے دروازے کھول دے۔ اپنے کمال کرم سے، اِنَّهُ قَرِيبٌ مُّجِيبٌ، اکثر خاص اوقات میں دعائے خیر کا وظیفہ ادا کیا جاتا ہے اور بعض اوقات غلبہ اسلام کی خوش خبری ہوش کے کان میں پہنچتی ہے اگرچہ یہ حقیقت بعد از نظر اور پس از کوشش حاصل ہوگی، لیکن مایوس نہ ہونا چاہئے، ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے، والسلام۔

مکتوب ششم

بجانب
نجیب الدولہ

خدائے عزوجل امیر الغزاة، رئیس المجاہدین کو محفوظ محفوظ اور بنظر عنایت ملحوظ رکھے۔ بعد سلام کے واضح ہو کہ خط مبارک پہنچا، ذات گرامی کی صحت و سلامتی معلوم کر کے شکر الہی بجا لایا، ”پردہ غیب“ میں مرہنہ اور جٹ کا استیصال مقرر ہو گیا ہے، بس وقت پر موقوف ہے جو نبی کر اللہ کے بندے کمر ہمت باندھیں گے ظلم باطل ٹوٹ جائے گا۔

ایک بات اور کہنی ہے وہ یہ کہ جب افواج شاہیہ کا گزردہلی میں واقع ہو تو اس وقت اہتمام کلی کرنا چاہئے کہ دہلی سابق کی طرح ظلم سے پامال نہ ہو جائے، دہلی والے کئی مرتبہ اپنے مالوں کی لوٹ اور اپنی عزت کی توہین اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں، اسی وجہ سے کارہائے مطلوبہ کے حصول میں تاخیر ہو رہی ہے۔

آخر مظلومین کی آہ بھی تو اثر رکھتی ہے، اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ کارہستہ جاری ہو جائے تو پوری پوری تاکید کرنی چاہئے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جوڑی کی حیثیت رکھتے ہیں، ہرگز تقاض نہ کرے، والسلام۔

مکتوب ہفتم

بجانب
نجیب الدولہ

خدائے عزوجل آل منبع الحسنات، امیر الجاہدین، رئیس الغزاة کو فتوح تازہ اور برکات بے اندازہ سے مشرف و ممتاز کرے۔

فقیر ولی اللہ غنی عنہ کی طرف سے التماس یہ ہے کہ اکثر اوقات مجیب الدعوات کی درگاہ میں دعا کی جاتی ہے کہ وہ مخالفین اسلام کے فرقوں کو ”شکست خوردہ“ کر دے، فضل باری سے امید یہ ہے کہ یہ بات غنقریب وجود میں آئے گی، ہندوستان میں تین فرقے شدت و صلابت کی صفت سے موصوف ہیں، جب تک ان تینوں کا استیصال نہ ہوگا، نہ کوئی بادشاہ مطمئن ہو کر بیٹھے گا، نہ امراء چین سے بیٹھیں گے اور نہ رعیب خاطر جمعی سے زندگی بسر کر سکے گی۔

دینی و دنیاوی مصلحت اسی میں ہے کہ مرہٹوں سے جنگ جیتنے کے بعد فوراً قلعہ جات جٹ کی جانب متوجہ ہو جائیں اور اس مہم کو بھی برکات غیبیہ کی مدد سے آسانی کے ساتھ سر کر لیں، اس کے بعد فوجت سکھ کی ہے اس جماعت کو بھی شکست دینی چاہئے اور رحمت الہی کا منتظر رہنا چاہئے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمان ہندوستان نے خواہ وہ وہلی کے ہوں، خواہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ کے، کئی صدمات دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کا شکار ہوئے ہیں، ”چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے“ رحم کا مقام ہے، خدا کا اور اس کے رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کے مال کے درپے نہ ہوں، اگر اس بات کا خیال رکھا، تو امید یہ ہے کہ فتوحات کے دروازے پے درپے کھلتے چلے جائیں گے اور اس امر سے تغافل برتا گیا تو میں ڈرتا ہوں کہ ”آہ مظلوماں“ سہراہ مقصود نہ بن جائے۔

مکتوب ہشتم

بجانب

نجیب الدولہ بہادر

خدائے عزوجل آل راس المجاہدین، رئیس الغزاة، امیر الامرا بہادر کو فتوحات تازہ اور ترقیات بے اندازہ سے مشرف و ممتاز کرے۔

فقیر ولی اللہ غنی عند کی جانب سے بعد سلام محبت التزام کے واضح ہو کہ فقیر زادہ نے آنجناب کا ایک زبانی پیغام نواحی دہلی پر جاٹوں کے غلبہ اور ان کی سرکشی کی بابت مجھ کو سنایا اور اس بارے میں مفصل جواب کی درخواست کی، بناء بریں یہ کلمات لکھے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فقیر نے عالم رویا میں قوم جاٹ کا استیصال اسی قسم کا دیکھا ہے جس طرح قوم مرہٹہ کا استیصال ہوا ہے اور یہ بھی خواب میں دیکھا ہے کہ مسلمان جاٹوں کے دیہات اور قلعہ جات پر مسلط ہو گئے ہیں اور وہ دیہات و قلعے مسلمانوں کی جائے بود و باش بن گئے ہیں، گمان یہ ہے کہ روہیلے جاٹوں کے قلعوں میں اقامت گزریں ہوں گے یہ چیز غیب الغیب میں محسوس و مقرر ہے، فقیر کو اس بارے میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں ہے لیکن ابھی تک عالم ملکوت میں صورت فتح ظاہر نہیں ہوئی ہے، جن خدا کے خاص بندوں کو اس کام پر قائم کیا گیا ہے ان کی توجہ اور دعا کی ضرورت ہے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی تو اب فقیر کا مشورہ یہ ہے کہ جناب عالی اعلاء کلمت اللہ اور تقویت ملت محمدیہ کی نیت مضبوط طریقے پر کر لیں، اور مخالفین سے مقابلہ شروع کر دیں، جس دن سمرت

بقصد جنگ کوچ کریں فقیر کو اطلاع دیں تاکہ فقیر اس طور پر کہ جس طور پر خداوند کریم نے اس کو تعلیم دی ہے، متوجہ ہو۔

امید فضل خداوندی سے یہ ہے کہ فتح عجیب رونما ہوگی اور افواج مخالفین درہم برہم ہو جائیں گی، یہ بات ملحوظ رہے کہ جنگ اعداء اتار چڑھاؤ رکھتی ہے کہیں ذرا سی خبر سے بد دل نہ ہو جانا، پیداؤں حضرت آدم سے لے کر تا ایں دم کو کسی ایسی فتح ہوئی ہے جو نشیب و فراز نہیں رکھتی تھی، اس بارے میں مبالغہ کرنا فقیر کی عادت میں داخل نہیں ہے، لیکن ایک نکتہ اور خیال میں رہے وہ یہ کہ بعض مردم بنود جو بظاہر تمہارے اور تمہاری حکومت کے ملازم ہیں اور باطن میں ان کا میلان مخالفین کی جانب ہے، وہ نہیں چاہتے کہ مخالفین کی جڑ کٹ جائے، وہ ملازمین ہزار حقن اس معاملے میں کھڑے کریں گے اور ہر طریقے سے آں عزیز القدر کی نظر میں صلح کو آراستہ و پیراستہ کر کے دکھلائیں گے۔

دل میں ٹھان لینا کہ اس جماعت کی بات نہ سنوں گا اور انکی باتوں کی طرف میلان طبع ہو گیا تو نصرت میں تاخیر ہوگی۔ فقیر اس چیز کو اس طرح جانتا ہے گویا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے، والسلام۔

مکتوبِ نهم

بجانب

نجیب الدولہ بہادر

اللہ تعالیٰ راس المجاہدین، رئیس الغزاة، امیر الامراء بہادر کو فتوحات تازہ اور ترقیات بے اندازہ کے ساتھ مشرف کرے۔

فقیر ولی اللہ غفی عنہ کی طرف سے بعد سلام محبت التزام کے واضح ہو کہ آپ کا مکتوب گرامی جنگ کی استعداد کے بارے میں اور اس بات کے استفسار کے سلسلہ میں پہنچا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جانوں کے ساتھ مل گئی ہے، ان کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔

میرے عزیز! جانوں پر فتح غیب الغیب میں مقرر ہو چکی ہے اس بارے میں کوئی اندیشہ دل میں نہیں لانا چاہئے، انشاء اللہ تعالیٰ مرہٹوں کی طرح جوں ہی کہ مقابلہ ہوگا یہ طلسم ٹوٹ جائے گا، اگر مسلمانوں کی ایک جماعت جانوں کے ساتھ ہے تو اس کا کوئی خیال نہ کریں، مجھے امید ہے کہ بجز اس کے کہ ظاہر میں دشمنوں کی کثرت نظر آئے اور کوئی تشویش پیش نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کے ہاتھوں کو جو (غیروں کے ساتھ ہیں) روک دے گا، وہ جنگ نہ کر سکیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بس یوں سمجھ لو کہ جس طرح شیر بکریوں کے گلے میں آ جاتے ہیں اور بکریاں بھاگ جاتی ہیں، اسی طرح مخالفین کو بھاگتے بنے گی، دشمنوں کی کثرت سے اور دشمنوں کے ساتھ مسلمانوں کی رفاقت سے ڈرنا نہ چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ سب پر غالب ہے، اگر مخالفین مکرو حیلہ کے ساتھ صلح

کی گفتگو کریں تو ان کی باتوں پر کان نہ دھرتا، اگر بعض ایسے مسلمان جن کا اعلاء دین محمدیؐ کے سلسلے میں نیت کمزور ہے، لمبے چوڑے خطرے سامنے لا کر پیش کریں تو ان کی بھی نہ سننا چاہئے۔

اس کام میں بس آپ کی توجہ استعداد و حرب کے بہم پہنچانے اور شدت کی طرف منعطف ہونی چاہئے، میاں فقیر گل نے مسلمانوں کی بعض باتیں اور غلط اندیشے مفصل بیان کئے، تاکید مزید کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ جس وقت جنگ جاٹ کے لئے نکلیں، فقیر کو اطلاع دیں، انشاء اللہ تعالیٰ رواں گئی کے وقت سے لے کر فتح کے وقت تک دعائے دلی میں مشغول رہوں گا، والسلام۔

مکتوب دہم

بطرف

نجیب الدولہ

اللہ تعالیٰ آں راں المجاہدین، رئیس الغزاة، امیر الامراء کو مسند عزت پر بقرار رکھ کر طرح طرح کی بھائیائیں ظہور میں لائے۔

فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التزام کے واضح ہو کہ جو کچھ معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ اس دور میں تائید ملت اسلامیہ و امت مرحومہ آپ (جو مصدر خیر ہیں) کے پردے میں ظہور کر رہی ہے، کسی طرح کا وسوسہ قلب گرامی میں نہ آنے پائے، تمام کام انشا، اللہ تعالیٰ دوستوں کی مراد کے مطابق ہوں گے، اگر تمام دشمن قہر الہی سے پامال ہو جائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حافظ جواہر خاں بہت نیک خصلت آدمی ہیں خراش و تراش اور لگاتار بھانا جو کہ بادشاہوں کے مصاحبوں کی بری عادت ہے ان کے اندر نہیں ہے، میں موصوف کو اس وقت سے جانتا ہوں کہ جبکہ وہ جواہر خاں مرحوم کی تربیت میں تھے، آپ کی توجہ جو ان کی ملازمت کے بقرار رکھنے کے لئے ان کے حال پر رہی اور اب بھی ہے، صحیح و درست ہے۔ پہلے بھی اس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، والسلام۔

مکتوب یازدہم

نام
شیخ محمد عاشق پھلتی

حقائق و معارف آگاہ عزیز القدر سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر ولی اللہ غنی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التیام مطالعہ کریں، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے خیر و عافیت دے رکھی ہے، دیگر آنکھ کل میں بعد از نماز جمعہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے مجلس سے اٹھ گیا تھا اور اس عزیز کو جلد رخصت کر دیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں جہوم خلق پریشان نہ کروے، پادشاہ (۱) اور اس کی والدہ (۲) آئے تھے، پہلے مسجد میں زمانہ کا انتظام کیا گیا، اس صورت سے پادشاہ کے آنے کی غرض یہ تھی کہ بے تکلف ہو کر کچھ دیر ٹھہرے، تفریباتین چار گھنٹے وہ بیٹھا، کھانا بھی کھایا، اس کی زیادہ تر باتیں مخلوق خدا کی بھلائی کے کاموں میں مدد چاہنے سے متعلق تھیں، وہ اس بات پر افسوس کرتا تھا کہ اس نے اعتکاف کے زمانے میں جن باتوں کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، وہ آشکارا ہو گئیں اور یہ بھی دریافت کرتا تھا کہ آیا مجھ سے کوئی ایسی لغزش ہو گئی، جس کی وجہ سے صفائی قلب جاتی رہی، اس نے یہ بھی کہا کہ اس سے پہلے میں خواب میں مشاہدہ جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتا تھا، اب ”زیارت“ میسر نہیں ہوتی، درمیان گفتگو میں اپنی تین خواہیں ذکر کریں۔

پہلی خواب

اس نے کہا، جس وقت رفیع الدولہ (۳) کو تخت شاهی پر بٹھایا گیا تھا اس وقت میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ رفیع الدولہ کے بعد کون بادشاہ ہوگا؟ فرمایا کہ روشن اختر (محمد شاہ) میں نے عرض کیا روشن اختر (۴) کے بعد کون ہوگا؟ فرمایا ایک اور ہے جس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے (۵)۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون ہوگا؟ فرمایا ”تو“ (۶)، پھر میں نے یہ دریافت نہیں کیا کہ میری حکومت کب تک چلے گی۔

دوسری خواب

جس وقت نادر شاہ کی طرف سے قتل عام واقع ہوا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ گویا ایک حصار کھینچ رہے ہیں اور اشارہ فرما رہے ہیں، میں نے عرض کیا حضورؐ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ ایک زبردست آگ لگی ہے، میں نے حصار کر دیا ہے تاکہ قلعہ محفوظ رہے۔

تیسری خواب

میں نے خواب میں دیکھا، کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کلفی دست مبارک سے تیار فرما رہے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ تیرے واسطے بنارہا ہوں۔

بادشاہ سے فقیر نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت ہونے کا طریقہ بیان کیا اور بادشاہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کے تصور کے لئے کہا، اس نے کہا کہ رفیع الدولہ اور روشن اختر والے خواب میں جو صورت مبارک دیکھی تھی وہ میرے ذہن میں حاضر ہے، فقیر نے کہا کہ اسی کو اپنے دل کے سامنے رکھو، اس گفتگو کے بعد مسجد میں فقیر کے ساتھ نماز پڑھ کر رخصت ہوا، والسلام۔

مکتوب دوازدهم

بنام
شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عثمانی عنہ سے بعد از سلام مطالعہ کریں۔

الحمد للہ کہ اس ”حادثہ عامہ“ میں عافیت نصیب ہوئی اس محلہ کو معلوم نہیں ہوا کہ مخالف کی فوج آئی تھی یا نہیں، نہ تو لوٹ ڈالنے والوں کی لوٹ سے کوئی اذیت پہنچی اور نہ اس تاوان و جرمانہ (تعزیری ٹیکس) سے جو جولیوں پر ڈالا گیا تھا کوئی زیر بار ہوا۔

سابق میں عالمگیر ثانی سے جو کچھ کہہ دیا گیا تھا کہ اس فتنہ میں تم کو سلامتی حاصل رہے گی وہ بھی ظہور میں آیا، اکثر کی جائیدادوں کی سندیں، (دستاویزیں) ضبط ہو گئیں، عمر میری سند کہ دستخط کر کے مجھ کو واپس کر دی گئی ہے، اس وقت احمد شاہ درانی جنگل جاٹ کی طرف متوجہ ہے، جو کچھ وقوع میں آئے گا جد کو لکھا جائے گا، اہل شہر اپنے قتل ہونے سے تو محفوظ رہے، لیکن دولت کا مادہ فاسدہ جن لوگوں کے مزاجوں میں پیدا ہو گیا تھا اس کا تحقیق پورے طریقے پر ہو گیا، چنانچہ عبرت کی چیز ہے کہ جو لوگ جاہ و حشمت میں جس قدر زیادہ تھے، قید و ضرب اور سزا بھگتنے میں بھی وہی آگے آگے رہے، مگر جس والہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنا چاہا وہ محفوظ رہا، والہ السلام۔

مکتوب سیزدہم

نام
شیخ محمد عاشق پھلتی

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ بقیہ ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد محبت کے مطالعہ کریں، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے خیر و عافیت عطا فرما رکھی ہے آج ایک افواہ سنی گئی ہے، جس نے یک گونہ تشویش خاطر پیدا کر دی وہ یہ کہ درانی کی فوجیں بارہہ (۱) کی جانب روانہ ہو رہی ہیں اور یہ بات تشویش کا باعث ہے بھی۔

میرا ظن غالب یہ ہے کہ پھلت اور بوڑھا نہ (۲) کی طرف جانے سے ان فوجوں کو کوئی تعلق نہیں ہے، حاصل کلام فضل الہی سے امید قوی ہے کہ خدا تم کو اور ہم کو تمام آفات سے محفوظ رکھے گا، اور یہی اطمینان دل میں موجزن ہے، اگرچہ بحسب ظاہر کچھ نہ کچھ تشویش بھی ہوتی ہے اور تدبیر اصلاح کی جاتی ہے، والسلام۔

مکتوب چہار دہم

نام
یعنی شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ غفری عنہ کی جانب سے بعد سلام کے مطالعہ کریں۔

خیر و عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمہیں ہمیشہ عافیت سے رکھے، آپ کا مکتوب گرامی پہنچا اور آپ کا موضوع بھلت میں سلامتی کے ساتھ آنا معلوم ہوا کہ خیریت سے وہاں پہنچے۔

دستور کے موافق اس سال بھی اعتکاف میں داخل ہوا، اس توفیق کے ملنے پر اور مزید احسانات کے دروازے کھلنے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

جو باتیں ”واردات احوال“ کے قبیل سے ہیں ان کا لکھنا چنداں لطف نہ دے گا باقی جو ”معارف“ کے قبیل سے باتیں ہیں وہ انشاء اللہ تعالیٰ بعد فراغت اعتکاف بشرط سہولت لکھی جائیں گی۔

جو کچھ فقیر کو معلوم ہو رہا ہے یہ ہے کہ احمد شاہ ابدالی مخالفین کی سرکوبی کے لئے پھر آئے گا (۱) اور بعد تمام ہونے امر ”وعدہ شدہ“ کے شاید اسی سر زمین میں اپنی ودیعت حیات کو سپرد کر دے گا، گناہوں کی کثرت اور لعنتی کاموں کے ہجوم کے باوجود اب تک جو کام کی نوعیت برقرار ہے، غالباً اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو طاقت مخالفین کو تھس نہس کرنا ہے، والسلام۔

مکتوب پانزدہم

بنام
شیخ محمد عاشق

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام کے مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس سے دنیا اور آخرت میں عافیت اور غفور مانگتا ہوں۔

گرامی نامہ مشکلیں شامہ پہنچا، حقیقت مرقومہ واضح ہوئی، کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ ”طوائف الملوکی“ ہوگی، فوجیں حرکت میں آئیں گی اور شہر تہہ وبالا ہوں گے۔

اللہ سے یہ دعا ہے کہ اس ”حادثہ“ میں مخالفین اسلام پر ہی مصیبت پڑے اور ”منحی بھر“ مسلمان جوان بلاد میں غریبا (۱) کی حیثیت سے پڑے ہوئے ہیں، محفوظ و مامون رہیں، ”اللہ تعالیٰ قریب ہے اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے“ جو کچھ قضا و قدر میں ہے چاروں چار ضرور ظہور میں آئے گا، اس ہماعت کو خوشخبری ہو جو تسلیم و رضا کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہے، اپنے مقال سے بھی اور اپنے حال سے بھی، ایسی ہماعت کو خوشخبری ہو کہ اس کے شیوہ تسلیم و رضا اختیار کرنے کے بعد جب کبھی ”ہوائے قدس“ چلائی جائے گی، اس کی حافظہ نہ ہوگی۔

”البتہ میرے کام کا بنانے والا اللہ ہے جس نے قرآن اتارا اور وہ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے“، والسلام۔

مکتوب شانزدہم

بنام
شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ عزیز القدر، سجادہ نشین اسلام کرام، فقیر ولی اللہ غنی عندی طرف سے
بعد سلام مطالعہ کریں، خیر و عافیت پر شکر خداوندی ادا کرتا ہوں۔

سید فتح اللہ خاں کا خط پہنچا، ان کو ”یا حفیظ“ ابجد کے حساب سے (۹۹۸) مرتبہ پڑھنے کے
لئے لکھا گیا کہ اس کے اول آخر چند بار بایں الفاظ درود پڑھا جائے، اللہ صل علی سید
القاہرین علی اعداء رب العلمین، یعنی اے اللہ رحمت بھیج اس ذات اقدس پر جو سردار ہے
اللہ کے دشمنوں پر قبہ کرنے والوں کا۔

چند ”تعوذ سلاج“ بھی بھیجے گئے اور ان کے خط میں یہ فقرہ بھی تحریر ہوا ہے، فقیر کے دل
میں یہ بات آتی ہے کہ اگر یہ مسلمان دریا سے پار ہو کر ایک بار جماعت مرہٹہ پر حملہ کر دیں تو اللہ
تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی مشاہدے میں آئے گی، مخالفین طلسم کی طرح منتشر
ہو جائیں گے، والسلام۔

مکتوب ہفت دہم

بنام
شیخ محمد عاشق پھلتی

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد از سلام کے مطالعہ کریں۔

عافیت پر اللہ کی حمد ہے اور اللہ سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں اور تمہیں ہمیشہ عافیت سے رکھے، نامہ مشکئیں شامہ پہنچا، وہ دہشت جو اس طرف مخالفین اسلام کی فوج کے قریب آ جانے سے پھیل گئی ہے، اس کا علم ہوا، رب العزت کی بارگاہ سے التجا ہے کہ قریۃ الصالحین کو جہنم آفات سے محفوظ رکھے۔

مکتوب ہشت دہم

بنام
شیخ محمد عاشق پھلتی

..... لکھا تھا کہ کیا اچھا ہوا اگر اعتکاف رمضان میں بھلت آ کر کروں، فقیر یہ بات دل سے چاہتا ہے، لیکن شہر دہلی کے موجودہ ناسازگار حالات کے پیش نظر کہ یہاں روزنت یافتہ کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں قسم قسم کا خوف لاحق ہوتا رہتا ہے، مناسب نہیں ہے کہ اپنا گھریا اور اپنے متعلقین کو یونہی چھوڑ دیا جائے۔

وہی مرنے کا مشہور مصرعہ مناسب حال ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ (کبھی) ہوائیں کشتیوں کی خواہش کے برخلاف چلتی ہیں۔

مکتوب نواز دہم

بنام
شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ بفقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد از سلام کے مطالعہ کریں۔

عافیت پر خدا کی حمد ہے اور اس سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمہیں ہمیشہ عافیت سے رکھے، تمہارا خط پہنچا، حقائق مندرجہ سے آگاہی ہوئی، تم نے لکھا تھا کہ اگر دہلی سے جانے کا قصد ہو تو سواری کا انتظام کیا جائے۔

اصل قصہ یہ ہے کہ وقوعِ فتنہ یقینی ہے، جب افواجِ ابدالی کی آمد آمد کشمیر (۱) کی طرف سنی گئی تو وہ پوشیدہ خطرہ ظاہر ہو گیا اور اس بارے میں مشورہ کیا گیا، بعد مشاورت یہ طے پایا کہ جب نوبتِ ۱۱ ہو ر تک پہنچے اس وقت خاندان کو بھارت کی طرف روانہ کر دیں اس لئے کہ قبل پیدا ہونے فتنہ کے خواہ مخواہ کہیں کو چل پڑنا کم عقلی ہے اور ہجومِ فتنہ کے بعد توقف کرنا، یہ گھمنڈ کی بات ہے، ابھی تک وہی بات دل میں ٹھان لی ہے جس کو اوپر ذکر کیا گیا ہے، معلوم نہیں یہ بات جلد پیش آنے والی ہے، یا کچھ مدت کے بعد ”میں نہیں جانتا ہوں، آیا ہے قریب وہ جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے واسطے میرے رب نے کوئی میعاد“۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ فی الحال کوئی آشوبِ بظاہر نہیں ہے کہ یہاں سے کہیں جانے کی باعث ہو جب وہ وقت ظاہر ہوگا ہم وہی کریں گے جس کو ہم نے سوچا ہے، والسلام۔

مکتوب بستم

بنام

شاہ محمد عاشق پھلتی

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ غنی عندہ سے بعد مطالعہ کریں۔

الحمد للہ عافیت سے ہوں، مکتوب بہجت اسلوب پہنچا اور ایام عرس میں نہ آنے کا سبب معلوم ہوا، اللہ تعالیٰ اچھے طریقے سے تلافی مافات کرے۔

کفار ہر طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہیں ار باب حل و عقد کو بظاہر کوئی بے طاقی و بے بسی نہیں ہے مگر روپیہ کی کمی ہے اور جنگ کے دراز ہونے کا خوف لگا ہوا ہے، ہر چند وزیر سے مکرر تاکید کے ساتھ لکھا گیا کہ جماعت مرہٹہ عقرب عتوبات شدیدہ میں مبتلا ہوں گے اگر اس وقت کمر ہمت باندھ لیں تو کھلی فتح حاصل ہوگی، مگر ابھی تک یہ حال ہے کہ صبح کو ایک رائے قائم کرتے ہیں اور شام کو توڑ دیتے ہیں، یہ بات یقینی ہے کہ مسلمین کو نصرت، بادشاہ و وزیر کو فتح اور جیوش کفر کو شکست نصیب ہوگی۔

آپ کو اس فرشتے کا قصہ تو معلوم ہوگا جو معاملہ جنگ پر مقرر و متعین ہے۔

صفدر جنگ کی حالت یہ ہوئی کہ آکلہ (کینسر) اس کے پاؤں میں پیدا ہو گیا، ہر چند اس کے پاؤں کے گوشت کو کاٹتے تھے اور خراب ہوتا تھا بالآخر پاؤں کاٹنے پر مجبور ہوئے، یہاں تک کہ برے حال میں گزر گیا۔ بس اسی طرح اس وقت مرہٹہ و جٹ کے حق میں خدا کی ناراضگی متوجہ ہوگی، اور ملکوت میں اس جماعت کی شکست و ہلاکت مصمم ہو گئی ہے۔ واللہ غالب علی امرہ۔

مکتوب بست وکیم

بنام

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التیام مطالعہ کریں۔

عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کے فضل عظیم سے یہی درخواست ہے کہ وہ ہمارے اور تمہارے لئے عافیت کو ہمیشہ قائم رکھے، اس خبر پر مشتمل مکتوب پہنچا کہ وہ ظالم و فاجر لوگ جو انتہائی سرکشی اختیار کر چکے تھے اور ان کے ظلم کے ہاتھوں سے کچھ سختی اور شدت بھی سرزد ہوئی تھی، تا سید الہی کے بروقت پہنچنے کی وجہ سے ظلم سے باز رہے اور انھوں نے اطاعت و انقیاد کا اظہار کیا، اس خبر کے پہنچنے پر شکر الہی ادا کیا گیا دو وجہ سے، ایک تو اس لئے کہ ظالموں کا ظلم موقوف ہوا، دوسرے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے آل عزیز القدر کو استجاب دعا، اور دفع بلا کا مصدر و مرکز بنایا، اس نے تم کو ان لوگوں میں سے کر دیا جن کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور جن کی وجہ سے بلائیں دور کر دی جاتی ہیں، اور یہ انعام قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہے۔

وَبِئْسَ نِعْمَتُهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يٰعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبْنٰیكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهٰیْمَ وَاِسْحٰقَ

یہ بڑی دولت تم کو مبارک ہو، اللہ تعالیٰ ہر لمحہ اس میں ترقی عطا فرمائے، ہر چند جو کچھ خارج

میں ہوتا ہے یعنی بندے کے ساتھ اللہ کے جو معاملات ہوتے ہیں، اس کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، مثلاً ہمت ارواح طیبہ احياء و اموات، لیکن چونکہ اس ہمت کا سلسلہ جنباں بھی کوئی شخص ہوتا ہے لہذا وہ کامیاب صورت حال اسی مبارک شخص کی طرف منسوب ہوگی۔

وَبَلَدِكَ سُنَّةُ اللَّهِ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا

والسلام

مکتوب بست و دوم

بجانب

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التیام مطالعہ کریں، عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اس کے کرم عظیم سے درخواست ہے کہ وہ مستقبل میں بھی ہم کو اور تم کو عافیت سے رکھے۔

رقیمہ گرامی پہنچا، حقیقت مندرجہ واضح ہوئی، تمام حالات میں سوائے فضل الہی پر اعتماد کرنے کے ہم کسی چیز پر بھروسہ نہیں کرتے، عین رفاہیت و امن کے زمانہ میں یہ بات دل میں راسخ رہتی ہے کہ انس و جن میں سے بہت سے ظالم و سرکش موجود ہیں اور ہم نے اپنے اندر اتنی طاقت بھی نہیں پاتے کہ ان ظالموں کے مظالم کا دسواں حصہ بھی دفع کر سکیں، بس محض فضل الہی سے دن کو رات اور رات کو دن تک پہنچاتے ہیں، لحاظ رفاہیت میں بھی ہر لمحہ یہی حقیقت اپنا نصب العین رہی ہے اور اب بھی جبکہ ”امواج فتن“ کا تلاطم نظر آ رہا ہے، بغیر ذرہ برابر فرق کے یہی عقیدہ ہے۔

ہم کو پوری امید ہے کہ ہم اور ہمارے رفقاء یہاں (دہلی میں) محفوظ رہیں گے، اور اسی طرح آل عزیز القدر مع جمیع احباء و اعزاء وہاں (مبھلت میں) محفوظ رہیں گے، مدبر السموات والارض (اللہ تعالیٰ) کی نظر کرم یہاں اور وہاں یکساں ہے، پھر خواہ مخواہ کہیں منتقل ہو جانے کی تکلیف ہم کیوں اٹھائیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ بعض نفوس کا یہاں رہنا اس جگہ کے (صاح) انقلاب حالات کا سبب بن جائے، لہذا تم کو یہاں کے حالات کے بارے میں ہرگز پریشان نہ ہونا چاہئے اب، نہ آئندہ، والسلام والا کرام۔

مکتوب بست وسوم

بجانب
شیخ محمد عاشق

حقائق و معارف آگاہ، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد از سلام محبت التیام مطالعہ کریں۔

رقیمہ گرامی پہنچا، اس میں لکھا تھا کہ ”ہنگامہ افغان“ کی خبر گرم ہے، اس وقت مناسب یہ ہے کہ آپ اس طرف (یعنی بھلت) منتقل ہو جائیں، ان دنوں یہ بات بھی تو مشہور ہو رہی ہے کہ کچھ حصہ سے افغان لاہور میں ٹھہرا ہوا ہے اور جس بات سے لوگ ڈر رہے تھے کہ وہ غارت گری کا بازار گرم کرے گا ایسا نہیں ہوا، بلکہ وہ رعیب کو اور (یہاں کے) سپاہیوں کو قتل دے رہا ہے، اس مرتبہ اس گروہ افغانان کے پیش نظر ماضی کے برخلاف ملک داری ہے نہ کہ غارت گری، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

اس کے باوجود دل میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اس حادثہ میں جس کا وقوع ضرور ہوگا، بعض نفوس کا وجود ضروری ہے، نظر رحمت الہی اس شخص کی طرف متوجہ ہے، حضرت حکیم جل مجدہ کی یہ بھی طاقت ہے کہ مین تلاطم میں خوشی اور کشادگی پیدا فرمادے اور آگ گلزار ہو جائے، جیسا کہ آپ نبیل، مجتوبین کے لئے بلا بن گیا تھا اور مجتوبین کے لئے نعمت، میرادل تو بالکل مطمئن ہے، میں شور و غوغا کو کسی شمار میں نہیں لاتا۔

لطف علی خاں، دیوان خواب بہادر اپنے آقا کا پیغام میرے پاس لائے یعنی اس با (ہنگامہ افغان) کے دفع کرنے کے لئے میں کوئی دعا کروں، میں نے ان کے سامنے یہ دعا کی، ”اے اللہ! امت محمدیہ کی اصلاح فرما، اے اللہ! امت محمدیہ کے گناہ بخش دے۔“

یہ دعا کمر کے میں نے کہا کہ ہماری تو یہ دعا ہے، لطف علی نے کہا کہ میں تو بادشاہ کے لئے افغانوں پر فتح و نصرت کی دعائے خاص چاہتا ہوں، میں نے کہا دعائے زبانی تو زبانی جمع خرچ کے طور پر ہو سکتی ہے مگر تہہ دل سے دعاء داعیہ البیہ پر موقوف ہے اور وہ داعیہ میں اپنے دل میں نہیں پا رہا ہوں، ہر چند یہ بات ان پر شاق گزری، مگر حقیقت کا اظہار کر دیا گیا۔

سید محمد نعیم، اس فتنہ کے دوران اپنے گھر میں بیٹھنا لازم جانیں، والسلام۔

مکتوب بست و چہارم

بجانب
شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، سجادہ نشین اسلاف کرام، شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ۔
فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے بعد از سلام محبت التیام مطالعہ کریں۔
الحمد للہ علی العافیۃ والسلامۃ، حقیقت حال تمہارے مکاتیب بہجت اسالیب سے واضح ہوئی،
اللہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رکھے اور راحت و اطمینان اور سیر کامعاملہ فرمائے۔ اِنَّهُ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ
گسائیوں کے غلبہ سے جو سہار پور کے نواح میں رونما ہے۔ دل میں تردد تھا، آخر اس کلمہ کی
طرف رجوع کرنے سے جو ابھی ذکر کیا گیا (اِنَّهُ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ) اس تردد کو رفع کیا، والسلام۔

مکتوب بست و پنجم

بجانب
شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے بعد از سلام محبت مشام مطالعہ کریں، عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تم کو جمع آفات و بلا یا سے محفوظ رکھے۔
رقیمہ کریمہ پہنچا، اور اس کی طرف انتشار فساد گسائیں کے سبب جو پریشانی لاحق ہو گئی ہے وہ بھی معلوم ہوئی۔

امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے طریقے سے جس کا لوگ گمان بھی نہ کر سکیں گے اس اضطرار و پریشانی کو اطمینان و امن سے بدل دے گا، ”اللہ تعالیٰ پر یہ بات دشوار نہیں ہے“، والسلام۔

مکتوب بست و ششم

نام

شاہ شیخ محمد عاشق پھلتی

جمعرات کے دن بادشاہ حضرت نظام الدین اولیاء اور دیگر مشائخ کے مزارات کی زیارت کرنے کے لئے سوار ہو کر گیا تھا، مجھے پہلے سے اطلاع دیئے بغیر کابلی دروازے سے سادہ تخت پر سوار ہو کر غریب خانے پر وارد ہوا، فقیر کو کوئی اطلاع ہی نہ تھی، مسجد میں بوریوں پر آکر بیٹھ گیا، اس قدر تو فقیر سلطان کرنا لازم ہوئی کہ فقیر جس مصلیٰ پر بیٹھتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے اس کو اس طریقے سے بچھا دیا گیا کہ اس کی ایک جانب فقیر بیٹھ گیا اور دوسری جانب بادشاہ، بادشاہ نے اول مصافحہ کیا بڑی تعظیم کے ساتھ، بعد ازاں کہا، میں مدت سے آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا لیکن آج اس جوان کی رہنمائی میں یہاں پہنچا ہوں، اشارہ وزیر کی طرف کیا، پھر کہا کہ غلبہ کفر اور رعیت کا تفرق و انتشار اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ سب کو معلوم ہے، چنانچہ مجھے تو سونا اور کھانا پینا دو بھر اور تلخ ہو گیا ہے، اس بارے میں آپ سے دعا مطلوب ہے، میں نے کہا کہ پہلے بھی میں دعا کرتا تھا اور اب تو انشاء اللہ اور زیادہ دعا میں مشغول رہوں گا۔

اسی دوران میں وزیر نے مجھ سے کہا کہ حضرت بادشاہ پانچوں وقت کی نماز کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں، میں نے کہا، الحمد للہ! یہ وہ بات ہے کہ ایک مدت کے بعد سننے میں آرہی ہے ورنہ ماضی قریب کے بادشاہوں میں سے کسی میں یہ نماز کی پابندی سننے میں نہیں آئی تھی۔

بادشاہ نے (مجھ سے مخاطب ہو کر) کہا علما، انبیاء کے وارث ہیں، جب تک ایسے کاموں میں دعائے اہل دل شامل نہیں ہوتی، کامیابی نہیں ہوتی، اس لئے کہ پادشاہان دین ملنا، اور اہل دل ہیں بلکہ صحیح ہے کہ وہ دین و دنیا دونوں کے بادشاہ ہیں، دنیا کا کام بھی ان کی توجہ کے بغیر انجام پذیر نہیں ہوتا ہے، اس گفتگو میں بادشاہ نے بڑی تواضع اور عاجزی ظاہر کی، میں نے کہا کہ ایک فقیر کی جھونپڑی میں اگر کوئی بادشاہ آئے تو اس کی غرض اللہ کے لئے تواضع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگی۔

حدیث شریف میں آیا ہے.....

”جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اس کو اللہ نے بلند کر دیا۔“

آپ کو اس جامع حدیث کے ذریعہ بشارت مند ہونا چاہئے، بعد ازاں فقیر نے (بادشاہ سے) کہا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ بناتے وقت بطور نصیحت یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

”خلیفہ کو بھی عجیب عجیب مشکلات درپیش ہوتی ہیں، اعدائے دین کی طرف سے بھی اور موافقین کی طرف سے بھی، ان تمام مشکلات کا بس یہی ایک علاج ہے کہ مرضیات حق کو اپنا نصب العین بنا کر حق تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے اور اس سے غیر سے قطع نظر کر لی جائے۔“

اس کے بعد میں نے بادشاہ کو ایک تسبیح دی، اس نے ”تعظیم تمام“ کے ساتھ اس کو لیا پھر میں نے کہا کہ یہ آیت فَاِنْ تَوَلَّوْاْ فَعَلَّیْ حَسْبِیَ اللّٰهُ الْاٰیۃ سو بار ہر نماز کے بعد پڑھنی چاہئے، آپ کے معاملات میں یہ عمل نافع ہوگا، بادشاہ نے قبول کیا، اس کے بعد اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے دراز کیا، میں نے مصافحہ کیا، پھر وہ کھڑا ہوا اور سوار ہو گیا۔

بالجملہ بادشاہ خوش نیت، سخی اور نماز بیچ گاندہ کا پابند ہے، کوئی فسق و فجور کی علامت اس پر نمایاں نہیں تھی، اس کی داڑھی مونچھ شریعت کے مطابق تھی، زبان ہندی و فارسی درست ہے، عربی میں کوئی مہارت نہیں رکھتا، عقل و تدبیر میں، اگرچہ عالمگیر اور رنگ زیب کی مانند تو نہیں کہا جاسکتا، مگر ہاں بظاہر بہادر شاہ (اول) کی مثل تو ہوگا، واللہ اعلم۔

مکتوب بست و ہفتم

بنام

مولانا سید احمد

سیادت مرتبت، نقاہت منقبت، خلاصہ دودمان نجات مولانا السید احمد سلمہ اللہ تعالیٰ و ابقاہ
و منع المسلمین بصحبہ و لقیہ۔

بعد از سلام مسنون اسلام فقیر ولی اللہ کی طرف سے مطاعہ فرمائیں، عافیت پر اللہ کی حمد ہے
اور اس لئے یہ دعا ہے کہ وہ ہم کو اور آپ کو ہمیشہ عافیت سے رکھے، وہ احباء جو وہاں سے اس طرف
آئے وہ آنجناب سیادت مآب کے شکرِ یے سے تڑپاں تھے کہ آپ نے روہیلوں کے لشکروں کو
بادشاہ اسلام کی رفاقت کی طرف رغبت دلائی، نیز مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کی اور ان کی
(حملہ آوروں) کے حملہ و غارتگری سے اس طرح محفوظ رکھا کہ اس سے زیادہ متصور ہی نہیں، فقیر
ان سب باتوں کے سننے سے بہت مسرور ہوا اور آپ کے لئے دنیا و آخرت میں بلندی مرتبہ کی دعا
بھی کی، آپ بھلا ایسا کیوں نہ کرتے آپ کے توضیح میں جو بر غیرت دینی و حق شناسی و دیعت کیا
گیا ہے، فی الواقع اس جماعتِ اشتیاء نے بغوت، قطع طریق، دشمنانِ دین حق سے مدد طلب
کرنا، ان کو بلادِ مسنین پر مسلط کرنا اور انتہائی درجہ کارِ فاضل ان سب باتوں کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے،
اس جماعت کی سزا یہی ہے کہ وہ آپ کے دل سے اتر جائیں اور آپ اپنی پوری توجہ ان کے دفع
کرنے میں لگا دیں، وہ جماعت جس کے دل میں ابھی حق بات نہیں بیٹھی، مگر اس کو ترغیب دی
جائے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور ہمارے اور آپ کے امور کا انجام اچھا کرے، نیز آپ
کو اس مقامِ بلند تک پہنچائے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو اور نہ کسی کان نے سنا ہو۔
محمد و آقا آپ کے مخلصوں میں سے ہیں، امید کہ زیرِ عاظت ہوں گے، والسلام۔

مکتوب بست ہشتم

بجانب

وزیر الممالک آصف جاہ

الحمد لله والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

بعد حمد و صلوٰۃ کے اس فقیر کی طرف سے جناب کو واضح ہو کہ عالم ملکوت میں یہ بات مقرر شدہ ہے کہ مخالفین اسلام ذلیل و خوار ہوں گے، بعد ازاں باغی لوگ رسوا اور خانہ خراب ہوں گے، اگر جناب عالی ان بد معاشوں کے مقابلہ میں کمر ہمت باندھ کر آجائیں تو یہ تمام کارنامے جناب کی طرف منسوب ہوں گے اور دنیا آپ کی تابعدار ہو جائے گی اور ملت مرحومہ کے رواج اور مسلم حکومت کی استقامت کا باعث جناب عالی کو قرار دیا جائے گا۔

کوشش تھوڑی اور فوائد عظیم الشان مرتب ہوں گے، اگر آئینہ جناب کوشش نہ فرمائیں گے تو یہ تمام مخالف عنصر ”آسانی حادثات“ سے ہلاک و مضحل ہو جائے گا، اس صورت میں جناب عالی کی طرف کوئی نیک نامی کی بات منسوب نہ ہو سکے گی۔

(ترجمہ شعر فارسی) اے محبوب اصل میں تو تیری زلف کا کام مشک افشانی کرنا ہے،

لیکن مصلحت کی بنا پر ”آہوئے چین“ کی طرف مشک کو منسوب کر دیا گیا ہے۔

چونکہ یہ حقیقت بالکل یقینی ہے اس لئے آں عزیز القدر سے بے اختیار کہی گئی اور لکھی گئی، وقت کو غنیمت جانئے اور مخالفین کے مقابلہ میں جدوجہد کرنے میں ذرہ برابر کوتاہی جائز نہ رکھے

کچھ عرصہ کے بعد کام خود بخود واضح ہو جائے گا۔

(ترجمہ شعر عربی (۱)) ”جس وقت گرد و غبار ہٹے گا تو عنقریب دیکھ لے گا کہ تیری

سواری میں گھوڑا تھا، یا گدھا یعنی عنقریب حقیقت حال کھل جائے گی۔“

چونکہ ایک امر حقیقت کا اظہار مطلوب تھا، اور درستی و خیر خواہی مقصود تھی، اس لئے کسی قدر

مبالغہ سے بھی احتراز نہیں کیا گیا، اس سے زیادہ کھول کر بات کرنا مشکل ہے۔

گوئے توفیق و کرامت درمیاں افگندہ اند

کس بمیدان در نمی آید سواراں راجہ شد (۲)

یعنی توفیق و کرامت کی گیند میدان میں ڈال دی گئی ہے، سواروں میں سے کوئی بھی میدان

میں نہیں آتا، آخر انہیں کیا ہو گیا ہے؟ وہ بات کہ جو اپنے رازداروں سے درپردہ کہا کرتا ہوں اس

مقام پر بے پردہ لکھی گئی ہے تاکہ عذر کا موقع باقی نہ رہے، والسلام والا کرام۔

مکتوب بست و نہم

بِنا م

وزیر الممالک آصف جاہ

..... بعد حمد و صلوة فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے شجر اقبال کے نئے میوے کو مبارک و مسعود کرے اور اس درخت سعادت (آپ) کی پرورش میں بے اندازہ پرورشیں عطا فرمائے، آمین، بقیۃ الکلام یہ ہے کہ حکیم مطلق جل شانہ نے آدمی کو دو چیزوں سے مرکب فرمایا ہے، ایک بدن غصری جو کہ حسی خواہشوں کا متقاضی ہے، دوسرے روح جو کہ عقائد حقہ اور اعمال نافعہ کی خواہشمند ہے، یقینی طور پر آدمی کی سعادت بھی جسم و روح دونوں سے متعلق ہے، فطرت سلیمہ رکھنے والے حضرات دونوں قسم کی سعادتیں جمع کرتے ہیں، فقط ایک ہی قسم پر اکتفا نہیں کرتے جس طرح غذائے روح ضروری ہے (اسی طرح غذائے جسم بھی ضروری ہے) کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے نہ ہونے سے مزاج روح درہم برہم ہو جاتا ہے، مسلمانوں سے مظالم کا دفعیہ کرنا اور دین کی اشاعت کرنا، نیز رسوم نیک جاری کرنا سراپا سعادت و سعادت ہے، والسلام۔

مکتوب سی

بجانب

وزیر الممالک آصف جاہ

خدائے تعالیٰ بے نہایت ترقیات عطا فرمائے اور دونوں جہان کی نعمتوں سے خوش اور دونوں جہان کی مصیبتوں سے محفوظ رکھے، بعد اس دعاء کے واضح ہو کہ باپا فضل اللہ نے ہم سے بعض باتوں کا استفسار کیا، فقیر کے دل میں یہ آیا کہ ان باتوں کا جواب بزبان قلم واضح کیا جائے۔ یہ تمام سختیاں جو ظاہر ہو رہی ہیں فقیر کے اعتقاد میں اس کا سبب وہ کوتاہی عمل ہے جو جنگ مرہٹہ کے سلسلے میں اختیاری یا اضطراری طور پر واقع ہوئی، جن دنوں فقیر نے آگاہ کیا تھا، اس وقت کام ہوتا تو عجیب عجیب رمتیں پیش گاہ خداوندی سے (وقت کی سازگاری کی وجہ سے) بارش کی طرح برس جاتیں، اگرچہ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ تقدیر، حوادث کو شامل ہے، لیکن کارخانہ حکمت الہی میں ہر کام کسی نہ کسی خیر سے وابستہ ہے، خیر جو بات گزر گئی وہ گزر گئی۔

قضیہ قطب خاں (۱) افغان کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ امید ہے کہ عنقریب ختم ہو جائے گا، ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ یہ شخص سرسبز نہیں ہوگا اور اپنے باطل مدعا کو حاصل نہیں کر سکے گا جو کچھ فقیر کو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آں عزیز القدر منصور و مظفر اور محفوظ و محفوظ ہیں۔

بادشاہ کا باہر جانا مناسب نہیں، ان کا یہیں رہنا بہتر ہے، البتہ شاہزادوں میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے ہمراہ لے لیں، بقیہ کلام یہ ہے کہ آں عزیز القدر کو خدائے عزوجل نے

ہندوستان پر پورا تسلط بخشا ہے، ہم لوگ بڑی بڑی امیدیں قائم کئے بیٹھے ہیں کہ آپ کے ذریعہ رفع مظالم، تغیر رسوم بد، ترویج دین حق، اقامت امر خیر، اشاعت علم و نماز و روزہ، یہ سب کچھ عمدہ طریقے پر ہوگا اس لئے کہ آپ کے اندر ایک عجیب شان اور سعادت محسوس ہوتی تھی اور آپ کا مزاج بھی صلاحیت، ذکاوت اور رغبت امور خیر لئے ہوئے معلوم ہوتا تھا، شاید مقتضیات زمانہ کی وجہ سے ابھی تک مذکورہ بالا امور خیر میں کسی کا ظہور نہیں ہو سکا، خدا کرے کہ اس کے بعد تلافی یافت ہو جائے، اس قدر البتہ گزارش ہے کہ فی الحال جس قدر طاقت ہو گرائی غلہ دور کرنے میں سعی بلیغ فرمائیں، (۲) اور اطراف عالم میں جو لوٹ مچ رہی ہے اس کو حتی الامکان ختم کرنا بھی ضروری ہے، والسلام۔

مکتوب سی و یکم

بجانب

نواب فیروز جنگ نظام الملک احمد شاہی

قادر بیچون آں عزیز القدر کو ترقیات ظاہر و باطن سے بہرہ مند کرے، وہ مکتوب جو سرونج سے تحریر کیا گیا تھا پہنچا، چونکہ وہ خط صحت مزاج اور درستی احوال کی اطلاع پر مشتمل تھا اس لئے وہ موجب مسرت و فرحت ہوا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی تھی کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تمام عالم تم سے ڈرے گا۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دنیا سایہ کی طرح ہے، اگر تو اس سے بھاگے گا تو وہ تیرے پیچھے پیچھے دوڑے گی اور اگر تو دنیا کے پیچھے دوڑے گا تو وہ تجھ سے گریز کرے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آں عزیز القدر کو اس زمانے میں اہل سنت و جماعت کا پشت و پناہ بنایا ہے، فرقہ امراء میں آپ کے علاوہ کوئی حامی اہل سنت نہیں رہا، امید کہ تمام حالات میں ترویج سنت کو منظور نظر رکھیں گے، آپ نصرت اسلام کی طرف پوری پوری توجہ کرنے اور مطالبہ دنیوی و دوسرے نمبر پر رکھنے کو بہت ہی نفع مند اور مفید پائیں گے، قرآن مجید میں ہے ”اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا“۔ آج عمل صالح کا سواں حصہ انجام دیا جائے گا اس کو ماضی کے سیکڑوں اور ہزاروں اعمال صالحہ کی برابر سمجھنا چاہئے، والسلام۔

مکتوب سی و دوم

بجانب

نواب مذکور (یعنی نواب فیروز جنگ نظام الملک احمد شاہی)

خدائے تعالیٰ ترقیات ظاہر و باطن عنایت فرمائے، نیز اعلاء کلمتہ اللہ اور نصرت دین اللہ کی توفیق عطا فرمائے۔

فقیر ولی اللہ کی طرف سے بعد سلام واضح ہو کہ ہم آپ کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ آسانی اور معونت الہی آپ کے شامل حال و مال ہوگی، ہمارے مشائخ قدس اللہ اسرار ہم نے فرمایا کہ آفتاب کے نکلنے کے وقت ”یا عزیز“ اکتالیس بار پڑھنا اور اس کے بعد یا اللہ الا للہ الرفیع جلالہ، پندرہ بار پڑھنا زیادت عزت و غائبہ کا موجب ہوتا ہے، چونکہ آسان و طیفہ ہے اس لئے اس کو پڑھنا چاہئے، والسلام۔

مکتوب سی وسوم

بطرف

عماد الملک

(ان کی ایک عرضداشت کے جواب میں)

اللہ تعالیٰ عالی جناب کی ذات گرامی کو اپنی حفاظت میں رکھے اور تمام حالات میں دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جانب دلالت فرمائے۔

اس فقیر کی طرف سے بعد سلام محبت التزام واضح ہو کہ آپ کا نامہ مشکین شامہ پہنچا جس میں اس بات کی اطلاع دی کہ آپ نے اس سے پہلے کوئی مکتوب بھیجا تھا؟ اور اس کا جواب نہیں ملا (درحقیقت) اس سے پہلے آپ کا کوئی خط (یہاں) نہیں پہنچا ہے ورنہ جواب میں کوتاہی نہ کرتا، شاید وہ خط قاصد کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں آں عزیز القدر کی دوستی کے حقوق کا معترف ہوں اور یہ شرط آدمیت ہے کہ حقوق دوستی کا اعتراف کیا جائے، باقی رہا البہام محبت، خاص وضع پر کہ اہل اللہ اس وضع کو پہچانتے ہیں نہ کہ دوسرے لوگ، پھر اس محبت کا نکل جانا، پھر اس محبت کا اپنے وقت پر لوٹ آنا، یہ باتیں اس قبیل سے نہیں ہیں کہ بندے کے اختیار کو اس میں کوئی دخل ہو۔

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وصعت و طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
ہر چہ استاذ ازل گفت بگویی گویم

صاحب من! مجھے صاف صاف بات کہنی چاہئے تاکہ (کامیابی کے) انتظار سے آپ کا دل ملول نہ ہو، (وہ یہ ہے کہ) ابھی آپ کے آزمائش اور ابتلاء کے ایام ختم نہیں ہوئے ہیں، ان ایام میں سوائے اس کے کہ حفاظت جان کی سعی کر لی جائے اور کچھ بس کی بات نہیں ہے اور یہ بات (جان کی حفاظت) بروئے کار آئے گی، اغلب یہ ہے کہ آپ سلامت رہیں گے، اگرچہ شور و غل اور ہنگامے پیش آئیں گے، آزمائش کے ایام گزرنے پر وہ ترقی جو کہ سابق میں رکھتے تھے اس کی توقع ہرگز نہیں کرنی چاہئے وہ ترقی اب کہاں رہے

زمانہ با تو نساؤ تو با زمانہ بساؤ

عقلندی کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات عزیز کو ایسے امر کے حاصل کرنے کی فکر میں صرف نہ کریں جو متصور اور متوقع نہیں ہے، اور (ترقی سابق کے) فقدان سے رنجیدہ نہ ہوں، یہ امید ہے کہ ایام آزمائش کے ختم ہونے اور سلطنت ہندوستان کی استقامت پر ظاہر و باطن پوری پوری کوشش کرنے کے بعد کوئی اچھی ملازمت میسر ہو جائے۔

علاوہ ازیں آپ نے لکھا تھا کہ ایک عزیز کے ذریعے ایسے پیغام ملاقات آرہے ہیں جو قسم کے ساتھ موکہ ہیں اس بارے میں کیا مشورہ ہے؟

صاحب من! جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے جب آپ نے میری رائے دریافت کی ہے تو مجھے لازم ہے کہ دل میں جو بات آئے اس کو بیان کر دوں، اس کے موافق کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے، اس قوم کے قول و قرار کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جس عزیز کا آپ نے نام نکھا ہے وہ بھی ریکس کے نزدیک اتنا اعتبار نہیں رکھتا کہ قول و قرار پر اعتماد کیا جائے، جہوم و غلبہ قوم کے وقت مصلحت یہی ہے کہ غیر حاضر رکھا جائے، یہاں تک کہ اچھے دن آئیں، والسلام۔

مکتوب سی و چہارم

بطرف

تاج محمد خاں بلوچ

رفعت و غوالی مرتبت عزیز القدر نواب تاج محمد خاں محفوظ محفوظ اور بہ نظر عنایت خداوندی
محفوظ ہیں، فقیر ولی اللہ غفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التزام کے واضح ہو کہ آپ کا مکتوب
گرامی جانوں کی سرشتی سے متعلق پہنچا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید یہ ہے کہ وہ مخالف کو
پامال کر دے گا، خاطر جمع رکھیں، اندریں حالت ضروری ہے کہ:-

آں عزیز القدر، موسیٰ خاں اور دیگر جماعت مسلمین کے ساتھ موافقت کریں اور آپس میں
دوستی و یک جہتی کو کام میں لائیں اور اپنی طاقت کو دشمنوں کے مقابلہ میں صرف کریں، غائب امید
ہے کہ اجتماع مسلمین اور ان کی حسن عزیمت کی برکت سے تازہ فتح نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ قرآن
عظیم میں فرماتا ہے اِن تَنْصُرُوا لِلّٰہِ یَنْصُرْکُمْ، یعنی اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری
مدد کرے گا۔

اس زمانے میں دشمنان دین کے غالب ہونے اور مسلمانوں کے مغلوب ہونے کا سبب
سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ مسلمان اپنے اغراض نفسانی کو درمیان میں لاتے ہیں اور ہنود کو
اپنے کاروبار میں دخیل بناتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہنود غیر مسلموں کا استیصال گوارا نہ کریں گے، دور
اندیشی اور تحمل محمود شے ہے لیکن اتنی نہیں کہ غیر مسلم مسلمانوں کے شہروں پر غالب آتے چلے جائیں

اور ہر روز ایک شہر پر قبضہ کرتے رہیں، یہ وقت تحمل اور مصنحت اندیشی کا نہیں ہے، یہ وقت خدا پر بھروسہ کرنے اور استعداد حرب ظاہر کرنے اور غیرت مسلمانی کو جوش میں لانے کا ہے اگر آپ ایسا کریں گے تو اغلب ہے کہ ”نسیم نصرت“ چلی شروع ہو جائے گی، فقیر جو کچھ جانتا ہے وہ یہ ہے کہ جنگ جاٹ ایک طلسم ہے کہ اول اول خوفناک و خطرناک معلوم ہوتی ہے جس وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر پورا پورا توکل و اعتماد کر کے اس جانب توجہ واقع ہوگی تو ظاہر ہوگا کہ سوائے نمائش کے وہاں کچھ نہ تھا، امید کہ اپنے حالات اور استعداد حرب کی کیفیت سے اطلاع دیتے رہا کریں گے، یہ چیز دعائے محافظت و نصرت میں مدد و معاون اور سلسلہ جہنباں ہوگی، والسلام۔

مکتوب سی و پنجم

بطرف

نواب محمد الدولہ بہادر

خداے عزوجل محفوظ و محفوظ اور اپنی چشم عنایت میں آپ کو ملحوظ رکھے اس وقت آپ کا والا نامہ پہنچا جس میں روداد لشکر اور ان ضعیف رایوں کی تفصیل تھی جن کو لوگ اپنے دماغوں میں پکار رہے ہیں۔

عزیز قدر من! فقیر اس قدر جانتا ہے کہ عالم منوت میں مرہند و جنت کا استیصال منعم ہے اور وہ بعض اشخاص جنہی توجہ کو اس قسم کے امور کے حل و عقد میں عنایت فرمایا گیا ہے، ان مخالفین کے استیصال کی دعا کرنے کے لئے برابر مامور ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو دن بدن آپ کے دل میں ان کے استیصال کا جذبہ موجزن نہ ہوتا۔

اگر اس بد بخت کا آنا متحقق ہوا جو کہ سلطنت تیوریہ کی تخریب کے درپے ہے تو قول خداوندی ”اَنْ نَّخْلِدَیْ مَتِّیْنٌ“ یعنی میری تدبیر بڑی مضبوط ہے، کا مصداق بھی یقینی طور پر ظاہر ہوگا، اطمینان رکھیں، والسلام۔

مکتوب سی و ششم

بجانب

نواب مجدد الدولہ کشمیری

فرزند نبیل عزیز القدر مجدد الدولہ بہادر، محفوظ و محفوظ اور چشم عنایت سرمدی میں ملحوظ رہیں۔ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے بعد سلام محبت التیام، واضح ہو کہ ایک مدت سے آپ کا کوئی مکتوب نہیں آیا جس میں آپ کے حالات ہم پڑھتے، غالباً آپ کاموں میں مشغول ہیں، پہلے سے آپ کا یہ قاعدہ ہے کہ پریشانیوں کے وقت اپنے حالات کے اظہار کے لئے آپ فارغ ہوتے ہیں اور جب کبھی کسی نہ کسی درجے میں ”گل مراد“ کھلنے کا وقت آتا ہے تو کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں، رسم جہاں اور اہل جہاں کچھ ہے بھی اسی طرح کی۔

دوسری بات یہ لکھنا ہے کہ حافظہ جواہر خاں اور ان کے لے پالک غلام مصطفیٰ کے بارے میں جو کہ فقیر سے اخصاص کا معاملہ رکھتے ہیں، آپ نے جو توجہ مبذول فرمائی یا فرماتے رہتے ہیں، یہ بہت مناسب بات ہے، میں جہاں تک سمجھتا ہوں جواہر خاں نیک نفس آدمی ہے، خراش و تراش ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر لگانا اور چغلی کھانا جو کہ بادشاہوں کے مصاحبوں کی سخت مسرت رساں عادت ہوتی ہے، یہ بات جواہر خاں کے مزاج میں نہیں ہے، اغلب یہ ہے کہ جواہر خاں کے مزاج میں کمون اور رنگ برنگی بھی نہیں ہے کہ ان کا مزاج ہر روز پلٹنا کھاتا رہے۔۔۔ اس زمانہ میں اسی قسم کے اشخاص چاہئیں کہ وہ بادشاہوں کے ہم کلام ہوں، جو شخص لگاؤ بھٹاؤ کی عادت اور مزاج میں

نکون رکھتا ہے، وہ ہر چند اول اول سبز باغ دکھائے مگر بے مزہ پھل اس سے پیدا ہوں گے، یہ دو تین باتیں جو میں نے لکھی ہیں ان میں اچھی طرح غور کرنا چاہئے، باپا فضل اللہ نے غلام مصطفیٰ کے بارے میں آپ کی توجہ اور ان کے مکان سے ”چوکی“ کے اٹھ لینے کو لکھا، اس سے میری طبیعت کو مسرت حاصل ہوئی، وجہ مسرت یہ ہے کہ غلام مصطفیٰ مجھ سے اخلاص صمیم رکھتے ہیں اور اچھی طبیعت کے انسان ہیں، والسلام۔

مکتوب سی و ہفتم

بطرف

نواب محمد الدولہ عبدالاحد خاں

فرزندِ نبیل، رفعتِ نشانِ عزیزِ القدر محمد الدولہ، عینِ عنایتِ خداوندی میں ملحوظ اور آفات سے محفوظ رہیں۔

آپ کا کُرّامی نامہ پہنچا جس کے ذریعہ ہاں کے واقعات کا علم ہوا نیز اہل غرض کا آن اور مشرک کا طلب کرنے کا حال معلوم ہوا۔

عزیزِ قدر سن! بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اسباب ارضی ضعیف نظر آتے ہیں بلکہ اسبابِ ملکوت بھی ضعیف ہوتے ہیں، (مگر) اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے دل میں اس بات کا القاء فرماتا ہے کہ اس کام کے لئے اپنی ہمت کو مضبوط کر لیں، تاکہ اس مردِ حق کے مطابق جو غیب الغیب میں ہے، اور جس کا کوئی اثر و نشان خارج میں اور ملکوت میں محسوس نہیں ہوتا، وہ کام پورے طریقے سے متحقق ہو جائے، یہ آپ کا کام بھی اسی قسم کا ہے، اگر تمام اسباب ارضی خلاصی جنت پر مجتمع ہو جائیں تب بھی سنت اللہ سے امید قوی یہی ہے کہ یہ لوگ خلاصی نہیں پائیں گے مگر یہ بات ضرور ہے کہ وجودِ مراد کے وقت تک بہت کچھ نشیب و فرازا آئیں گے، اطمینان کرنے اور وساوس کو دور کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، اس سلسلہ میں مبالغہ کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے، ہر شے اپنے وقت کے ساتھ متعلق ہوتی ہے، والسلام۔

www.KitaboSunnat.com

مکتوب سی و ہشتم

بجانب

نواب مجد الدولہ کشمیری

فرزند نبیل عزیز القدر مجد اللہ تعالیٰ، محفوظ اور چشم عنایت سرمدی میں ملاحظہ رہیں۔

نامہ نرائی ایک مدت کے بعد ملا، مشرک معلوم اور اس کے ذخیل کار ہونے کی وجہ سے آپ کو جو ملال خاطر تھا الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تدارک ایچھے طریقے سے کر دیا ہے، بالفعل سلطنت اس شخص کے لئے مقرر ہوئی ہے جو مشرک معلوم کے ساتھ اور اس شخص کے ساتھ ہرگز موافقت اور ساز باز نہ کرے گا جو سابق میں سلطنت پر تسلط رکھتا تھا اور مشرک معلوم کی ڈینگیں مارنا اور بڑھ بڑھ کر باتیں اس تسلط والے شخص ہی کے ذریعہ تھیں۔

نیرنگ زمانہ کبھی کبھی انہوں اس (تسلط والے) کو ادھر ادھر لے کر دیتا ہے۔
متولیہ امور کے اطوار کے بارے میں اور اس کے ناواقف و نادان لوگوں سے باتیں سننے کے سلسلے میں جو آپ کو تشویش ہے (اس کے متعلق یہ لکھا جاتا ہے) کہ یہ تولیت اور بردوات بھی ماضی ہے۔

مکرر مرقوم کیا جاتا ہے کہ زمانہ اپنے اندر بہت پیچو پیست و بلند رکھتا ہے، پھر آپ دل کے خواہ مخواہ کیوں پریشان کرتے ہیں؟

الحمد للہ، فقیر کسی سے غبار نہیں رکھتا، آل عزیز القدر سے کہ اخلاص مصمم رکھتے ہیں، کس لئے

غبار رکھے گا۔

نصیحت کی باتیں اس لئے لکھی جاتی ہیں کہ آپ کی تشویش خاطر کا علاج ہو جائے۔

زمانہ اور اہل زمانہ یہی لوگ ہیں، بھروسہ صرف کارساز بندہ نواز کے فضل و کرم پر کرنا چاہئے، اور لوگوں کی طرف سے کوئی ملال دل پر نہیں لانا چاہئے، اپنی خیریت کو اور حالات کو جیسے بھی ہوں مفصل لکھتے رہیں، آپ کی سرگزشتوں کے مطالعہ سے کوئی زحمت نہیں ہوتی بلکہ آپ کے حالات کے نہ معلوم ہونے سے تکلیف ہوتی ہے اور تلخی انتظار برداشت کرنا پڑتی ہے، زیادہ کیا لکھوں، والسلام۔

مکتوب سی و نہم

بطرف

نواب عبید اللہ خاں کشمیری

آپ کو خدائے عز و جل محفوظ مظلوظ اور اپنی چشم عنایت میں ملحوظ رکھے، گرامی نامہ پہنچا، آپ نے علاقہ جاٹ میں اقامت کرنے کے لئے دریافت کیا تھا، عزیز القدر! ایک جماعت کے دل پر بار بار ہر دو گروہ کے استیصال کے لئے دعا کرنے کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے، ہرگز ان کے درمیان سکونت پذیر نہ ہونا چاہئے، اگر اس زمانہ میں حج کا ارادہ کریں سب سے بہتر رہے گا، دنیا میں بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی، اگر ممکن ہو سکے تو وہاں سے منتقل ہونا ضروری ہے، اگر حج بیت اللہ کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ واپسی کے بعد بہت سے فائدے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کریں گے، یہ قنہ کا زمانہ ہے کیوں دو سال تک خواہ مخواہ خوف و خطر میں اپنے آپ کو رکھا جائے، والسلام۔

مکتوب چہل

بجانب

حافظ جار اللہ (پنجابی)

..... دہلی میں ایک حادثہ عظیم واقع ہوا، قوم جاٹ نے دہلی کے شہر کھنہ کو لوٹا اور حکومت اس فساد و شرارت کو دفع کرنے سے عاجز رہی، انھوں نے مال لوٹے، عزت و ناموس کو برباد کیا اور مکانات کو آگ لگائی، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بمع اہل و عیال و مال و مکانات کے ان کے دستِ ستم سے محفوظ رکھا، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھائی کی کتابوں کو بھی ہماری کتابوں کے ساتھ محفوظ رکھا، اور یہ لوٹ مار کا حادثہ اوائل رجب ۱۱۶۱ھ میں ہوا، اور آخر شعبان تک باقی رہا (۱)۔

مکتوب چہل وکیم

بجانب

میاں نازگل خاں

خدا سے دو دمان مروت، میاں نازگل خاں سلمہ اللہ تعالیٰ۔

فقیر ولی اللہ مفتی عزیز کی طرف سے بعد سلام محبت التیام مطالعہ کریں۔

آں عزیز القدر کے خطوط برابر پہنچتے رہتے ہیں، ان خطوط سے آپ کی عافیت و خیریت معلوم ہوتی ہے اور فقیر کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے، حمد الہی بجا آتا ہوں، اکثر اوقات میرا دل آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور چشم دل آپ کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی طرف کشادہ رہتی ہے، پروردگار کے فضل سے امید یہ ہے کہ جان و مال اور آبرو کی خیریت کے ساتھ با سمال جمعیت و ترقی معاونت کریں گے، نواب نجیب الدولہ کی جانب بھی چشم دل کھلی رہتی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی با کمال عزت و آبرو رہیں گے۔

مکتوب چہل و دوم

بجانب

ملا امان اللہ و ملا شیر محمد

فضائل دستگاہ ملا امان اللہ و ملا شیر محمد، حفظ الہی میں رہ کر دونوں جہان کی نعمتوں سے مالا مال رہیں، فقیر ولی اللہ کی طرف سے بعد از سلام محبت التیام مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ عافیت سے ہوں اور آپ کی عافیت کا خداوند کریم سے طالب ہوں، عرصہ ہو گیا کہ آپ کے احوال کا ایک ورق بھی پڑھنے میں نہیں آیا، دل خیریت کا منتظر ہے، دیگر (آنکھ) جب بادشاہ (ابدالی) عازم ہندوستان ہوں تو آپ کے واقف کاروں اور مخلصوں میں سے جو شخص لشکر میں ہو، اس کو آپ تاکید کر دیں کہ فلاں شخص (ولی اللہ) شہر (دہلی) میں رہتا ہے، اگر ناگاہ فوج شہر میں داخل ہو تو اس کے متعلقین اور علاقے کی ہر ممکن حفاظتی تدبیر کی جائے، اگر کسی طالب علم کو ہمراہ لشکر کر دیں تاکہ اس مخلص کو بروقت یاد دلادے تو یہ بہت احتیاط کی بات ہوگی، اور اگر کسی ایسے شخص کی تحریر جس سے بادشاہ اعتقاد رکھتا ہو ہمارے بارے میں لکھوائیں اور اس طالب علم کے ہمراہ کر دیں تو یہ بھی بہتر ہوگا۔

اگرچہ تمام امور وابستہ تقدیر الہی ہوتے ہیں لیکن توکل کو سبب کے ساتھ جمع کرنا انبیاء کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔

ایسے شخص کے انتخاب میں طبیعت مرتد تھی جو ان چاروں امور کے سرانجام پانے کا سبب ہو، بالآخر آپ حضرات سے بہتر جس کو لکھا جائے کوئی اور سمجھ میں نہیں آیا، واللہ اعلم۔

حواشی

مکتوب اول

(۱) ”الدین النصیحة“، حدیث نبوی ہے۔ ”انما الدین النصیحة“ ابوالشیخ فی التوخیخ عن ابن عمر، ملاحظہ ہو، جامع الصغیر، بیروتی، مطبع مدینہ مصر ۱۳۲۱ھ جلد اول ص ۸۹۔

امام بخاری نے اس حدیث کو بطور عنوان اس طرح درج کیا ہے۔

”الدین النصیحة لله والرسول ولأئمة المسلمين وعامتهم“

بخاری، جلد ۱ ص ۱۳ (مطبع اصح المطابع، بیروت)

(۲) سرحد و ناچھو سرکار کا خیال ہے:-

”اورنگ زیب نے شمالی ہندوستان سے غیر حاضری کا فائدہ سب سے پہلے جانوں نے اٹھایا، انھوں نے سب سے پہلے سلطنت کی فوجوں کا مقابلہ کیا، اور عسکری طرز پر اپنی تنظیم شروع کر دی، ہر جاٹ کسان کو تلووار چلائی سکھائی جاتی تھی اور اس کو ہندو قیس وغیرہ دی جاتی تھیں، جانوں نے حملہ کرنے کے لئے جواڑے، اور لوٹ مار کا مال جمع کرنے کے لئے جو مرکز بنائے تھے وہ گڑھیاں کہلاتی تھیں، یہ چھوٹے چھوٹے قلعے ہوتے تھے جو گھمسان جنگوں میں بنائے جاتے تھے، مٹی کی دیواروں سے ان کو اتنا مضبوط اور مستحکم کر لیتے تھے کہ توپ خانہ کا مقابلہ کر سکتے تھے۔“

ملاحظہ ہو ”تاریخ اورنگ زیب“ جلد پنجم ص ۷۔ ۲۹۶

(۳) خالصتہ مراد وہ علاقہ ہے جو براہ راست مرکزی حکومت یعنی بادشاہ کے تحت ہوتا تھا، اس کے محاصل بادشاہ اپنے افسران کے ذریعہ وصول کرتا تھا، اس کے برخلاف جاگیر کا علاقہ ہوتا تھا جس کے محاصل جاگیردار وصول کرتے تھے اور جس کا براہ راست مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا، ملاحظہ ہو۔

R P Tripathi. Some Aspects of Muslim Administration. P 308.

دہلی کے ہر صاحب بصیرت فرمانروا کی یہ کوشش رہی ہے کہ خالصہ کا حلاقہ بڑھایا جائے ایسی سورت میں بادشاہ، صوبائی گورنروں اور جاگیرداروں کے رحم و کرم پر نہیں رہتا اور سرکاری دفاتر اور محلات شہر کے اخراجات کے لئے جس قدر روپے کی ضرورت ہوتی ہے وہ براہ راست بادشاہ کو ملتا رہتا ہے، علاوہ ان کے اصرار و ابائی حکومتیں یا جاگیردار بادشاہ کے خلاف بغاوت کریں یا محاصل ادا نہ کریں تو بادشاہ پر فوری اثر نہیں پڑتا۔
ضیاء الدین برنی، مبارک شاہ ظہمی کی ایک سیاسی فسطی کا ذکر کرتا ہے۔

”بستہ یہاں زمین ہا کدہ و عہد ملائی بخالصہ باز آورد و بودند در عصر او مردمان یافتند“

(تاریخ فیروز شاہی ص ۳-۴۸۲)

بابر جب ہندوستان آیا تو اس نے اپنے افسران کو جاگیریں ضرور دیں، لیکن خالصہ کا بڑا خیال رکھا، مشاہیر کی جاگیر محمد زمان کو دی، لیکن ایک کروڑ اور ۱۲۳ لاکھ کے محاصل کا حلاقہ خالصہ قرار دے دیا۔

ملاحظہ ہو: Memoirs of Babar P 663

شاہ دہلی اللہ صاحب کے زمانہ میں خالصہ کی کمی سے بادشاہ کی زندگی پر جو اثر پڑا تھا اس کا حال آئف معاصر مورخ مصنف عالمگیر جانی کی زبانی سنئے لکھتا ہے۔

”صوبہ دہلی کے پرگنے اور چند دیگر صوبوں کے پرگنے جو خالصہ میں شامل تھے اور جن سے بادشاہ کے ذاتی ملازمین کی تنخواہیں ادا ہوتی تھیں، اب ہاتھ سے نکل گئے تھے، سہارنپور جس کے محاصل جاگیرداروں کے حوالے کر دیئے گئے تھے، اب نجیب خاں روہیلہ کے قبضہ میں تھا اگرہ کے قریب کے علاقے جانوں نے پاس تھے۔ بے پور کے ماضو سنگھ نے نارنول وغیرہ کے علاقوں پر تسلط کر لیا تھا، نتیجہ یہ تھا کہ ایک محل بھی خالصہ میں نہ تھا، نوٹ بائیں ہا رسید کہ بادشاہ کے دست خوان کے لئے بھی روپیہ نہ رہا، بیگمات بہت سے اخراجات اپنی جیب خاص سے کرتی تھیں“

(تاریخ عالمگیر جانی قلمی نسخہ ص ۲۸، ۲۹)

تیز ملاحظہ ہو: Sarkar, Fall of The Mughal Empire II. P 35.

نظام الملک نے اس سلسلہ میں بادشاہ کو جو مشورے دیئے تھے ان کا ذکر خانی خان نے اس طرح کیا ہے۔
”روزی نظام الملک بہادر با ظہار خیر خواہی، بعرض رساند کہ اولاً نام اجارہ بحال خالصہ کہ باعث خرابی ویرانی ملک گریہ ہر طرف باید نمود، دوم رشوت کہ نام پیش کش جاری گشتہ از طریقہ و اب بادشاہان بعید و خلاف رائے سلیم است، سوم جزیہ بر کفار بدستور عہد فلد مکان جاری باید نمود، چہارم آنکہ چوں در ایام فتور تہا یوں پادشہ کہ ملک ہندوستان، تصرف شیر شاہ افغان رفتہ بود از شاہ ایران کوک و خدمت گاری و مہمان پرستی واقعی بعد توجہ تہا یوں

یادشاہ طرف امیران پہنچو آئے و اگر درین وقت برای دفع اذیت افغانان کو تک فرماں روای امیران نما کند و در تواریخ باعث نیک نامی خاندان تیموریہ بہت خواہد گردید یادشاہ فرمودند کہ کردار یہ کہ چنین مہم مامور سازیم، فتح جنگ بعرض رسد بہر یکی از بندہائی کا مطلب حضور کہ بدین خدمت مامور گردو اعانت حکم بجا خواہد آورد و اگر خانہ زاد راہدیں مہم ما ذہن فرمائید بہر آن کہ ان خوائیم کوشید ازین مقولہ چند کھل از راہ و خیر اندیشی و خیر خواہی در خدمت پادشاهی عرض نمود بعد کہ پادشاہ برائی این مصلحت کج نکاش پادشہ امرای حضور بیان آورد قومی از طرف نظام الملک بہادر خاطر نشان پادشاہ نمودند کہ حسن النظم الملک را بسوی ظن مہدل ساختہ در حق چنان وزیر بی نظیر سراپا تہرہ بد مظنہ ساختہ و از آنکہ آداب تسلیمات و نهایت و آداب اطاعت پادشاہ موافق رویہ سلطنت بالکل نمائندہ بود نظام الملک بہادری خواست کہ رنق آداب پادشاهی اجرائی حکم از سر نو کوشدہ و این معنی باعث خار خار دل مقربان حضور می گردید لہذا روز بروز از طرف فتح جنگ آنچہ مرکز خاطر او اصلاً نہ بود خاطر نشان پادشاہ نمودہ و حقوق جانشینی او بہ کلمات غرض آمیز حسد انگیز مہدل نمودہ بد مظنہ می ساختہ و پادشاہ نا تہرہ بہکار را بر تہہ در حق نظام الملک بہادر بفکر ہائی فاسد انداختہ ۔

(مختب اللہباب جلد دوم ص ۹۴۸-۹۴۹)

(۳) جاگیر کا علاقہ بڑھانے سے مرکزی حکومت کے استحکام میں فرق آجاتا ہے، سلطنت کے اجزاء میں نظم و ضبط کا اعلیٰ معیار قائم نہیں رہ سکتا، مرکزی حکومت جاگیرداروں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے، فلسفہ تاریخ کا ایک ناقابل تردید اصول ہے کہ: "The More the Jagirs, The More Unhappy Is the Peasant and Unstable is the Government" یعنی جتنی زیادہ جاگیریں ہوں گی اتنی ہی حکومت کمزور اور کاشت کار پریشان ہوں گے۔

شاہ صاحب کی نگاہ حقیقت میں تھی، انھوں نے جاگیرداری کو بالکل ختم کرنے کا مشورہ نہیں دیا کہ ایسی صورت میں جاگیردار حکومت کے خلاف متحد ہو جاتے اور سیاسی ابتری اور انتشار میں اضافہ ہو جاتا، شاہ صاحب مشورہ دیتے ہیں کہ چوں کہ منصبداروں کو جاگیریں نہ دی جائیں اور پھر اس کی وجوہات بتاتے ہیں۔

(۵) منصب داری کے مختلف پہلوؤں کے تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو

Abdul Aziz "The Mansabdari System and the Mughal Army" G S K. Rao

Sahib. Some Notes on Mughal Mansabs, J I H XVI P 50-62

(۱) "حق نمک" کو قرون وسطیٰ کے سیاسی اور سماجی نظام میں ایک ناقابل تردید اخلاقی اصول کی اہمیت حاصل تھی، نمک حرامی کو بدترین اخلاقی جرم سمجھا جاتا تھا، راحت آئین میں حضرت نظام الدین اولیاء کا قول نقل کیا گیا ہے۔

”بزرگ حقے است حق نمک“

حق آں نگاہ تو انداشت“

قلمی نسخہ (ب)

برنی (ص ۵۴۵-۵۸۳) عقیف (ص ۶۶) تاریخ مبارک شاہی ص ۸۶، تاریخ داؤدی (۴۴۳) ایلیت وغیرہ سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، پروفیسر محمد حبیب نے خزانة الفتوح کے مقدمہ میں اس پر تفصیلی مکتبوی ہے، ملاحظہ ہو:

The Campaigns of Sultan Alauddin Khalji, P. XV

اٹھارہویں صدی میں نمک حرامی کو ایک آرٹ بنالیا گیا تھا، اس صدی کی ساری تاریخ نمک حرامی اور ننداری کی ایک طویل داستان ہے، گزرد فرماں روا، ایسے سیاسی اور اخلاقی مجرموں کو سزا نہیں دیتے تھے، اس کے اثرات عوام پر برے پڑتے تھے، شاہ صاحب کے خیال میں سیاسی زندگی کی بہتری کا راز ”نمک حرامی“ کے خاتمہ میں تھا۔

اٹھارہویں صدی میں مغل فوجوں کی حالت انتہائی خراب تھی، نظم و ضبط اور فرمانبرداری کے بجائے بد نظمی و حکم بدولی عام ہو گئی تھی، سرودود سے ہیگ نے لکھا ہے۔

”سلطنت کے زوال کا ایک بڑا سبب فوجوں کی بد نظمی اور بے قاعدگی بھی تھی، فوج کے اعلیٰ افسران آپس میں لڑتے رہتے تھے، دشمنوں سے پوشیدہ خط و کتابت کرتے تھے، عام بد نظمی نے فوج کو ایک بے ترتیب نجوم کی صورت دیدی تھی، نہ کوئی عسکری تربیت تھی نہ نظام، غیر حاضری کی سزا بہت دی جاتی تو ایک دن کی تنخواہ کا کافی باقی، فوجی جرائم کے لئے کوئی سزا نہ تھی، افسر کبھی بہت سی زیادہ غصہ ہو جاتا تو گدھے پر بٹھا کر کیمپ میں گھومو ادیتا، اس فوج میں نہ فالتھ نہ عزم تھا نہ کوئی سپاہیانہ جذبہ۔“

Cambridge History of India Vol IV P. 374-75.

نیز ملاحظہ ہو Irvine: The Army of the Indian Mughal, P. 296-299.

(۸) احمد شاہ (۱۷۵۵-۱۷۴۸) کے زمانہ میں تین سال تک فوجوں کی تنخواہیں ادا نہیں کی گئیں، مجبور ہو کر سپاہیوں نے شورش کی، محلوں کے دروازے روک کر کھڑے ہو گئے، ایک امیر کا جنازہ چار دن تک پڑا رہا اور فوجیوں نے اس وجہ سے دفن نہ ہونے دیا کہ اس نے تنخواہیں ادا نہیں کی تھیں، شاہ کر خاں پانی پتی نے لکھا ہے کہ احمد شاہ کے زمانہ میں محلات شاہی کے ساز و سامان کی فہرست بنا کر دکھنداروں کو دی گئی تھی، تاکہ اس کو فروخت کر کے سپاہیوں کی تنخواہیں ادا کر دی جائیں (تذکرہ شاہ کر خاں (قلمی) ص ۳۴)

نیز ملاحظہ ہو: Fall of the Mughal Empire Vol II P. 346-347.

فوجیوں کے افلاس کا اندازہ مصنف تاریخ عالمگیر جانی کے اس بیان سے ہوتا ہے:
 ”فوجیوں نے افلاس سے تھک کر اپنے گھوڑے بیچ دیے تھے، پیدل فوج کے پاس وردیاں نہ رہی تھیں،
 جانوروں کو چارہ نہ ملتا تھا، اس وجہ سے وہ مرنے لگے تھے، فوجی اپنے گھوڑوں سے ہم نہ نکلتے تھے، اور بعض اوقات
 شاہی سواری کی ہمراہی میں بھی نہ ہوتے تھے۔“

(تاریخ عالمگیر جانی (قلمی) ص ۱۵-۲۳، وغیرہ)

نیز ملاحظہ ہو - Fall of the Mughal Empire Vol II P 37

(۹) سرنزی حکومت کی نااہلی اور بادشاہوں کی سستی اور عدم توجہ کی اس سے بڑھ کر مثال ملنی مشکل ہے
 کہ انھوں نے خالصہ کے علاقہ میں بھی ٹھیکہ دینے کی رسم جاری کر دی تھی، اول تو اس زمانہ میں خالصہ کا علاقہ تھا ہی
 کتن، چنی، دہلی سے پالم نیک، پھر جب اس کے محاصل وصول کرنے میں بھی بادشاہوں کو دقت ہونے لگے تو قبائے
 جہانداری کو تار تار کر دینا ہی بہتر ہے، باہر کے سیاسی تدبیر کا ذکر اس سے پہلے (نوٹ ۳) میں گذر چکا ہے، کہ اس
 نے بہار میں بھی خالصہ کا علاقہ رکھا، اسی کے جانشین یہ تھے کہ دہلی کے خالصہ کا انتظام کرنے سے معذور تھے۔

مکتوب دوم

(۱) گجرات کا صوبہ جغرافیائی، اقتصادی، تجارتی، عسکری اور سیاسی اعتبار سے نہایت اہم تھا، وکن پر تسلط
 قائم رکھنے کے لئے اس پر اقتدار ہونا ضروری تھا، شاہان مغلیہ نے اس علاقہ کو اپنے قبضہ سے نکال کر جس سیاسی
 بصیرت کے فقدان کا ثبوت دیا اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

Irvine, Lateir Mughals Vol II P 165-215

(۲) صوبہ مالوہ، جتنا سے زبردست پھیلا ہوا تھا، اس کے مغرب میں راجپوتانہ اور مشرق میں ہندوستان کھنڈ
 تھا، سلطنت مغلیہ کے لئے اس کا محل وقوع اور پیدوار کی خاص اہمیت تھی، جنوبی اور شمالی ہندوستان کے درمیان یہ
 کڑی کی مانند تھا، افیون، گنا، انگور، چھالیہ وغیرہ کی زبردست کاشت یہاں ہوتی تھی، صنعت و حرفت میں گجرات
 کے بعد اسی کا درجہ تھا، شمالی ہندوستان سے وکن کو جانے والی فوجوں کو مالوہ سے ہی گذرنا پڑتا تھا، مرہٹوں اور شمالی
 ہندوستان کے درمیان کی اس حیثیت پرشنے کی تھی اس کے نکل جانے کے بعد مرہٹوں کا طوفان کف بردبان
 امنڈنے لگا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

Raghubir Singh, Malwa In Transition P. 107-111

Irvine, later Mughals Vol II P 242-245.

(۳) مرہٹوں نے اپنا اقتدار کس طرح بڑھایا، اس کے لئے ملاحظہ ہو

Sarkar: Fall of the Mughal Empire Vol I P. 67-76

نکیشن: "How the Maratha Power Spread Over the Mughal Empire"

مرہٹوں کے اقتدار کا عوام پر اقتصادی اثر کیا پڑا؟ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے۔

”چھتے دارند کہ ہر جا دست یا بند وجود و معاش جمیع خلق خدا بند کردہ بطرف خودی کشند و زمینداری و مقصدی و عمل پنواری گری باقد من نگذاشتہ، اساس وارثان کار بائے مذکورہ و راز حق و بین بر کذره بنیاد و عمل و تصرف خود قائم مند“۔

اس کے بعد ایک زبردست معاشی اور اقتصادی حقیقت کو اس طرح انداز میں بیان کیا ہے۔

رازق مطلق تعالیٰ شانہ کو روزی رسان بند و مسلمان است بر است رزق اضافت خلایق بر زمین زمین نوشت،

تمام این مملکت بر یک قوم چو طور مسمم تو اندماند۔

رازق مطلق اللہ تعالیٰ جو ہند و مسلمان دونوں کا روزی پہنچانے والا ہے، اسی نے ہر ایک کی روزی کا حصہ

اسی سرزمین (ہند) میں مقرر فرمایا ہے، یہ سلطنت کسی ایک قوم کے فائدہ کے لئے کس طرح مخصوص کی جاسکتی ہے۔

(۴) چوتھو سے مراد لگان کا وہ چوتھائی حصہ ہے جو مرنے پر امغیرہ سلطنت کے ان ۱۰۰ افراد و علاقوں سے

وصول کرتے تھے جو ان کے رحم و کرم پر تھے۔

مورخوں نے اس کی نوعیت کے متعلق مختلف رائیں ظاہر کی ہیں، اراناؤ نے لکھا ہے کہ اس کی ”Subsidiary

System“ کے مندرجہ۔

سرکار کا خیال ہے کہ اس ٹیکس کے دینے کے بعد صرف مرہٹوں کے حملوں سے نجات مل رہی تھی، مرہٹوں

پر دوسری طاقتوں کے حملہ سے بچانے کی کوئی ذمہ داری مانہ نہ ہوتی تھی، چوتھو، ان کوؤں کو خریدنے کا ایک طریقہ تھا،

ساروی سائے نے لکھا ہے کہ یہ خراج تھا جو مفتوحہ علاقوں سے لیا جاتا تھا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو،

Sarkar: Shivaji and His Times P. 407-408

Sarkar: History of Aurangzeb Vol IV P. 262-3

Sen: Military System of The Marathas P. 28-53

Sen: Administrative System of The Marathas P. 111

(۵) تخت انصافی ہوگی اگر یہ سمجھا جائے کہ شاہ صاحب غیر مسلم جماعتوں سے تعصب کی بنا پر یہ لکھوڑے

جس اس زمانہ میں مرہٹوں کی ہنگامہ آرائیوں سے ہندو اور مسلمان سب ہی متاثر ہوئے تھے، ہنگال کا مشہور شاعر گنگارام، ہنگال پر ان نے مٹوں کا حال لکھتا ہے:-

”برہمنوں نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا، کچھ لوگوں کے انھوں نے ہاتھ، ناک اور کان کاٹ لئے، کچھ کو مار ڈالا، خوبصورت عورتوں کو وہ رسیوں میں باندھ کر لے گئے، جب ایک بارگی زنا کر چکتا تھا تو دوسرا کرتا تھا، عورتیں جنہیں مارتی تھیں، انھوں نے گھروں کو آگ لگا دی اور ہر طرف لوٹ مار کرتے ہوئے گھومے۔“

سرحد و ناتھ سرکار نے گنگارام کی یہ عبارت نقل کی ہے اور لکھ ہے کہ مرہٹوں کی زنا کے معاملہ میں بہت بری شہرت تھی، ملاحظہ ہو۔

Fall of the Mughal Empire P 87

پر ہنگال مصنفوں نے بھی مرہٹوں کی ان حرکتوں پر کانوں میں انگلیاں دی تھیں، ملاحظہ ہو:-

Pissurlencer: Fortuguesese Marathas II P 49

ہنگال کے ایک مشہور پنڈت دیشور و دیپتی نے ۱۷۴۳ء میں مرہٹوں کے ہنگاموں اور مظالم کا ذکر نہایت درد انگیز لہجے میں کیا ہے، ملاحظہ ہو Fall of the Mughal Empire I P 88 ان سب بیانات کے پیش نظر شاہ صاحب کا یہ جملہ کچھ عجیب نہیں معلوم ہوتا۔

(۶) جتنا کہ دہلی علاقہ میں آگرہ سے دہلی تک جا تا تھا، ان کی مشرقی سرحد پنجاب تھی، اس علاقہ میں ان کی ہنگامہ آرائی کا یہ عالم تھا کہ مرکزی حکومت کا ناک میں دم آ گیا تھا بقول سرکار دہلی اور آگرہ کی سڑک پر ایسے کا نایہداشت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ Fall Vol I P 369 دہلی سے آگرہ نقل و حرکت میں بڑی احتیاط برتنی پڑتی تھی، لیکن کوئٹہ، دہلی، جو فوجیں جاتی تھیں، وہاں علاقے سے گزرتی تھیں۔

بہادر شاہ کے زمانہ میں اس سڑک کی خمدوش حالت کا اندازہ دستورالائشا کے مطالعہ سے ہوتا ہے، ملاحظہ ہو دستورالائشا، پارٹ ۲، ص ۱۳۰

۱۷۱۲ء میں فوج، تھانہ کے اس علاقہ سے گزرتے تو انھوں نے بھی ان ہنگاموں کو دیکھا:

Later Mughals I P 321

جان سرمن (John Surman) جون ۱۷۱۵ء میں یہاں سے گزرا تھا، اس نے جانوں کی اس سوز

حرکتوں کا ذکر اپنی ڈائری میں کیا ہے: Orme Collections P 1694

شاہ جہاں کے عہد میں جانوں نے ایک مرتبہ زبردست شورش برپا کی تھی ۱۷۰۲ء-۱۶۹۳ء میں قہر راجہ

فوج دار مرشد علی خاں ان سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔

(۷) سرحد و ناتھ سرکار، تاریخ اورنگ زیب چند ششم ص ۷۷۔ ۲۹۶ پر لکھتے ہیں۔

”اورنگ زیب کی شمالی ہندوستان سے فیروزہ حاضر کی کا فائدہ دو نئے جاٹ لیڈروں راجہ رام اور رام چہرہ نے اٹھایا، راجہ رام کی قانون شکن حرکتوں کو آگرہ کا گورنر خانی خان بھی نہ روک سکا، جاٹوں نے راستے بند کر دیئے اور بہت سے علاقوں کو لوٹا، راکبر کے مقبرہ کو لوٹنے کے لئے سکندرہ کا رخ کیا، لیکن میر ابو الفضل نے جو وہاں کا فوجدار تھا بہادری سے مقابلہ کیا اور باغی کو آگے نہ بڑھنے دیا، راجہ رام نے مشیور تورانی افسر اصغر خان کا سامان لوٹا، اصغر خان جاٹوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔“

(۸) مئی ۱۶۸۶ء کو اورنگ زیب نے مشہور جزل خان جہاں کو تلاش فخر جنگ کو جانوں سے مقابلے کے لئے بھیجا، خان جہاں کو شکست ہوئی تو اورنگ زیب کو خطرہ کی نویدیت کا اندازہ ہوا اور اپنے بڑے اعظم کو جانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، اعظم ابھی برہان پور ہی پہنچا تھا کہ شہنشاہ نے اس کو واپس بلا لیا اور اعظم کے بڑے بیٹے بیدار بخت کو جو اس وقت ۷ سال کا تھا جانوں کے مقابلے کے لئے بھیج دیا (دسمبر ۱۶۸۷ء) یہاں شاہ صاحب کا اشارہ بیدار بخت سی کی جانب ہے۔

(۹) شاید یہاں شاہ صاحب کا اشارہ راجہ بھوشن سنگھ (بے پور) کی جانب ہے، لیکن راجہ بھوشن سنگھ نے جانوں کے استیصال میں بڑا زبردست کام کیا تھا اور اس وقت بیدار بخت سے اس کی مخالفت کا کوئی واقعہ نظر سے نہیں گزرا، راجہ بھوشن سنگھ نے اورنگ زیب سے تحریری عہد کیا تھا کہ وہ جانوں کے مشہور قلعہ ”سنسی“ کو پرہیز کر دے گا۔“

(تاریخ اورنگ زیب ج ۵ ص ۳۰۰)

سرکار نے لکھا ہے کہ راجہ بھوشن اپنے باپ اور دادا کی طرح بڑے منصب کی آرزو رکھتا تھا اور اس لئے یہ اہم کام انجام دینے کا وعدہ کیا تھا، سنسی کا محاصرہ بیدار بخت نے کیا تھا، ممکن ہے راجہ کو شہزادہ سے کسی لئے مخالفت پیدا ہوگئی ہو کہ ایسا اہم کام جس کے لئے اس نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا، شہزادہ کے سپرد کیوں کر دیا گیا۔

(۱۰) فرخ سیر کے زمانہ میں چورامن کے ہنگاموں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

Irvine Later Mughals, Vol I P 321-27

شاہ صاحب نے جس مہم کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مفصل واقعات اردن نے بیان کئے ہیں، چورامن نے قطب الملک وزیر کو ۲۰ لاکھ روپیہ رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا، وہ فرخ سیر کو صلح کر لینے کا مشورہ دے۔

(اردن جلد اول ص ۳۲۶)

راجہ بھوشن (جو چورامن کے خلاف بھیجا گیا تھا) اس مصالحت کے خلاف تھا اس کا خیال تھا کہ چورامن

کی طاقت کے ختم ہونے میں زیادہ عرصہ نہیں لگے گا، اس کے بغیر مشورہ یہ صلح کرنی گئی، فرخ سیر خود اس صلح کے لئے آمادہ نہ تھا لیکن قطب الملک نے مجبوراً صلح کرائی، جب چورامن دہلی آیا تو فرخ سیر نے اس کو صرف ایک مرتبہ دربار میں آنے دیا، دوسری مرتبہ دربار میں حاضری کی اجازت نہ دی۔

Irvine: Later Mughals. I P 327

قطب الملک کے چال چلن اور سیاسی ہنگاموں کے لئے ملاحظہ ہو:

Sarkar: Fall of the Mughal Empire Vol P 10-11

(۱۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

Irvine Later Mughals II P 120-124

(۱۲) محمد شاہ (۱۷۰۸-۱۷۱۹ء) کا بیٹا احمد شاہ تھا جو اس نے بعد تخت پر بیٹھا، یہاں شاہ صاحب نے اس کا نام لکھنے کے بجائے پیر محمد شاہ لکھا ہے اور ایسا عمدہ کیا ہے، شاہ صاحب احمد شاہ ابدائی کو خط لکھ رہے ہیں اس لئے اس کا نام لکھنا سواہب خیال کیا۔

(۱۳) صفدر جنگ، سعادت خاں صوبہ دار اور اودھ کا داماد تھا، ۱۷۳۹ء میں سعادت خاں کے انتقال پر اودھ کا صوبہ دار ہو گیا اور اٹھارہ صدی کی سیاست میں کافی حصہ لیا، مختصر حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔

Fall Vol I PP 22-24, 442-448

اس کا تفصیلی ذکر اپنی کتاب Fall Vol I P. 480-8 میں کیا ہے، لکھا ہے۔

”وزیر کو خود لڑنے میں تامل تھا، اس لئے سورج علی کو آگے بڑھا دیا اس نے پرانی دہلی کو خوب لوٹا، عام لوگوں پر سخت سبقت تھی بہت لوگوں نے خود کشی کر لی۔ جاٹوں کے اس ہنگامہ کو لوگ جاٹ گردی کے نام سے یاد کرتے تھے۔“

ہرچرن داس: مصنف پیمار گھڑا رشیانی کا بیان ہے کہ جب جانوں نے لونڈا شروع کیا تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر سے نکل کر کھڑے ہوئے، وہ در بدر، کچی بنگلی مارے پھرتے تھے، بالکل اس طرح جیسے کوئی ٹونا ہوا جہاز ظالم و جوں کے رحم و کرم پر ہو، پانگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبراہٹا ہوا نظر آتا تھا۔“ (قلمی نسخہ ۴۱)

(۱۵) صفدر جنگ کے خلاف بادشاہ کی تفصیلی کارروائی کے لئے ملاحظہ ہو:

Sarkar: Fall of the Mughal Empire Vol I P 483-500

(۱۶) سر ارنلڈ الہول کی طرف اشارہ ہے جو ۱۷۵۶ء میں علی وروی خاں کے انتقال کے بعد بنگال کا صوبہ دار

ہوا تھا۔

(۱۷) گداگری کے دو صورت ناک واقعات کے لئے ملاحظہ ہو:

Fall of the Mughal Empire Vol P 37

(۱۷-الف) ملاحظہ فرمائیے خیرین ص ۸۷

مہاراجہ نے لکھا ہے کہ سلطنت اور شہنشاہ اس وقت پہلے معنی الفاظ کا جو ترجمہ کرتے تھے (۱۷-ب) ملاحظہ ہو۔

Fall of the Mughal Empire I P 481

(۱۸) نور شاہ کے محمد نے مغلیہ سلطنت کی کمزوری اور عسارت کو متذکرہ فرمایا تھا۔

سرکار نے لکھا ہے کہ نادر شاہ کے محمد نے دہلی سلطنت کا ایک مرکز تباہ کر دیا (Fall Vol I P VII)

شہان مغلیہ کا سیاسی اقتدار خفاک میں مل گیا، نادر شاہ کے میدان میں بار بار وہ سپاہیوں کا خون ہوا، علی نے تقریباً ۴۰ ہزار نفوس بے قیام ہونے، ہندوستان کی بعض نئی طاقتوں کا حورن بھی کسی وجہ سے ہوا، علی کی سہولت اتنی کمزور ہو گئی کہ ان نئی طاقتوں کا مقابلہ نہ کر سکی، پروفیسر ہری رام پتانی بتایا ہے کہ سکھوں نے اس محمد سے ب

خلاف مدد طلبی اور پنجاب میں لوٹ ماری۔ History of the Sikhs. P 3-4

(۱۹) سورۃ فتح ۲۸:۲۹

”محمد رسول اللہ کا ہے، اور جو لوگ کہ ساتھ اس کے ہیں سخت ہیں اور کفار کے درمحل ہیں، درمیان اپنے کو دیکھتے ہیں تو ان کے رکوع کرنے والے بندہ کرنے والے۔“

(۲۰) سورۃ امانہ ۵:۵۴

”اے نبی! جو ایمان الے ہو، جو کوئی چھ جاہ سے گھر میں سے دین اپنے سے پس البتہ او کے اللہ ایک قوم کو کہ بنیاد کرتا ہے ان کو اور بنیاد کرتے ہیں وہ اس کو، نرمی کرنے والے ہیں اور مسلمانوں کے، جہاد کریں گے فتح راہ اللہ کے اور نہ کریں گے ملامت کسی ملامت کرنے والے کی سے۔“

(۲۱) پوری روایت ابن ماجہ (مطبوعہ اصح اصطلاح دہلی، ص ۱۹۱) میں اس طرح ہے: ”عن البراء بن

عازب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لزوال الدنيا اھون علی اللہ من قتل مومن بعیر حق“

(۲۲) سورۃ الفتح ۲۸:۲۵

”اور اگر نہ ہوتے مرد مسلمان اور عورتیں مسلمان نہیں جانتے تم ان کو یہ کہ کھل ڈالو تم ان کو پس پہنچ جاہ سے

تم کو ان سے ایذا ہے خبر، یعنی تو ابھی فتح ہو جاتی کہ داخل کرے اللہ فتح رحمت اپنی کے جس کو چاہے اگرچہ ہو جاتے مسلمان کافروں سے البتہ عذاب کرتے ہیں ہم ان لوگوں کو کہ کافر ہونے ان میں سے عذاب وارد ہونے والا۔“

(۲۳) "اخرج البخاری عن ابی سعید . من عصم الله " یہ روایت مشکوٰۃ میں بحوالہ بخاری درج ہے۔ مشکوٰۃ جلد ۱۰، ص ۶۳-۶۴ (مطبوعہ: ابھور، شیخنا، علی ایڈمنسٹر) بخاری نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت لکھی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو خلیفہ بنایا جاتا ہے اس کے دو دلی دوست (باعتنی قوت) ہوتے ہیں، ایک ان میں سے اس کو خیر و نیکی کی تلقین کرتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے، دوسرا اس کو شر کا ختم کرتا ہے اور اس کی رعبت دلاتا ہے، اور محفوظ ہے جس کو اللہ تعالیٰ منشاء رکھے۔

(۲۴) "واخرج ابو يوسف تعمره"

ملاحظہ ہو کتاب الخرائج ۶ (المطبعة الاميرية القاهرة)

(۲۵) "واخرج ابو يوسف عن يزيد طافيه" ملاحظہ ہو کتاب الخرائج ص ۸

(۲۶) "واخرج ابو يوسف عن هاني . الله منه" ملاحظہ ہو کتاب الخرائج ص ۹

(۲۷) "واخرج ابو يوسف عن عطاء بن ابي رباح . من الدنيا ملاحظہ ہو کتاب الخرائج ص ۹

مکتوب سوم

(۱) ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليه سلطاناً فلا يسرف في القتل انه كان منصوراً (سورہ بنی اسرائیل ۳۳، ۱۷)

"اور جو کوئی مارا جاوے مظلوم، پس تحقیق کیا ہے ہم نے واسطے اس کے غلبے جس چاہے کہ نہ زیادتی کرے نہ قتل کے تحقیق وہ ہے۔ یعنی وارث مقتول کا مدد دیا گیا۔"

(۲) "رفیع الدرجات والعرش" تا "تبار رفیع الدرجات ذوالغرش، یلقی الرزوخ من امره غلی من نشاء من عبادہ لیسدر یوم التلاق، یومہم مارؤون لایخفی علی اللہ منہم شیء لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار، (سورۃ المؤمن ۱۶-۱۵، ۴۰)

"بلند درجوں والا ہے صاحب عرش کا، اللہ ہے، روح کو ختم اپنے سے اوپر جس کے چاہتا ہے، بندوں اپنے سے بڑا کہہ دے ان ملاقات کے سے جس دن کہ وہ ظاہر ہوں گے، نہیں چھپے گا اور پر اللہ کے ان سے کچھ، واسطے کس کے ہے بادشاہی اس دن، واسطے اللہ اکیلے مالک کے۔"

مکتوب چہارم

(۱) انه قریب مجیب، سورۃ ہود (۱۱: ۶۱) میں ہے، انه قریب مجیب

”تحقیق پروردگار میرا نزدیک ہے دعا قبول کرنے والا۔“

مکتوب پنجم

(۱) سورۃ ہود ۱۱: ۶۱

(۲) لکل اجل کتاب۔ سورۃ الرعد ۳۸: ۱۳ ”اسلے ہر ایک وعدے کے ایک لکھت ہے۔“

مکتوب نہم

(۱) صفدر جنگ نے سورج مل جاٹ کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا، ملاحظہ ہو

Fall of the Mughal Empire, Vol II P. 435

مکتوب یازدہم

(۱) یعنی احمد شاہ (۱۷۵۳-۱۷۴۸) جیسا کہ آٹے والی بھارت سے ظاہر ہے۔

(۲) احمد شاہ کی والدہ کا نام اودھم بانی تھا، اس نے اپنے زمانہ کی سیاست میں بڑا حصہ لیا تھا، احمد شاہ نے اس کو بانی جیو صاحب، نواب قدیر صاحب الزمانی، صاحب جیو صاحب، رقبہ عالم وغیرہ کے خطبات کیے بعد، مگر سے دیئے تھے، احمد شاہ کے عہدہ میں سارا انتظام مملکت اسی کے ہاتھ میں پہنچ گیا تھا، بڑے بڑے امراء اور افسران روزانہ اس کی ڈیوٹی پر حاضر ہوتے تھے، وہ پروے کے پیچھے سے ساری عرضیاں اور احکام نکھواتی تھی۔

(۳) رفیع الدولہ بہادر شاہ بن اورنگ زیب کا منجھا بیٹا تھا، سادات ہار ہونے ۳۱ جون ۱۷۱۹ء کو رفیع الدولہ کو تخت سے اتار کر رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھا دیا تھا اس نے کل چار مہینے اور ۶ دن حکومت کی، ۲۱ ستمبر ۱۷۱۹ء کو درگاہ خواجہ قطب الدین اختیار کاٹی میں دفن کیا گیا۔

(۴) روشن اختر، بہادر شاہ بن اورنگ زیب کا چوتھا بیٹا تھا، رفیع الدولہ کے بعد ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ غازی کے لقب سے تخت پر بٹھایا گیا ۱۷۴۸ء تک حکومت کی۔

(۵) یہاں شہزادہ محمد ابراہیم کی طرف اشارہ ہے جس کو عبداللہ خاں (سید بارہہ) نے محمد شاہ کی زندگی میں ۵ اکتوبر ۱۷۲۰ء کو تخت پر بٹھا دیا تھا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد محمد شاہ نے اس کو پکڑا بلوایا اور جیل خانہ میں ڈالوا دیا، جہاں ۳۰ جنوری ۱۷۲۶ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔

(۶) احمد شاہ محمد شاہ کے بعد تخت نشین ہوا تھا، اس کے دور حکومت کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔

Sarkar Fall of the Mughal Empire Vol I Chapter VIII

(۷) (نادر شاہ کا قتل عام ۱۱ مارچ ۱۷۳۹ء) (بروز اتوار) ۹ بجے صبح سے شروع ہوا تھا اور ۲ بجے دوپہر تک جاری رہا۔

مکتوب دوازدہم

(۱) احمد شاہ ابدالی نے جب پانچویں بار (۱۷۵۷ء) ہندوستان پر حملہ کیا تو جاتوں کی طرف خاص توجہ کی، اس صدی کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ Fall, Vol II P 114-125.

مکتوب سیزدہم

(۱) پارہہ ضلع مظفر نگر (یو پی) میں ایک قصبہ ہے، سید برادران جنھوں نے انھارہویں صدی کی سیاست میں نمایاں حصہ لیا تھا، اسی جگہ کے باشندے تھے۔
(۲) یوہانہ اور کھولی ضلع مظفر نگر (یو پی) کے دو قسبات ہیں، کھولی میں بھکتی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، بھکتی کو شاہ ولی اللہ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مکتوب چہار دہم

(۱) احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے لئے ملاحظہ ہو ضمیر،

مکتوب پانزدہم

(۱) اس زمانہ میں شاہ صاحب کے قلب و جگر پر ملت کی پریشان حالی کا کچھ ایسا اثر تھا کہ ”غریب“ بھی کافقہ ان کی زبان سے نکلتا تھا، وصیت نامہ میں لکھتے ہیں۔

”مامردم غریب کہ در دیار ہندوستان آباے ما بفرست افتادہ اند“ (وصیت نامہ ص ۲۰۲)

(۲) سورۃ یوسف (۱۱: ۶۱)

(۳) ان وئی اللہ الذی نزل الکف وھو ینزل فی الضالین (سورۃ اعراف ۱۹۶ء)

”تحقیق“۔۔۔ تیسرا ہے اللہ جس نے اتاری سے کتاب اور وحی دہتی کرتا ہے صالحوں سے۔“

مکتوب شانزدہم

(۱) سورۃ فیل۔ ۱۰۵

الھ تر کیف فعل ریک بأصحب الفیل، الھ یجعل کیدھم فی قلیل، وَاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ

طہراً ابابیل، تر منیہم بحجارة من سخیل، فجعلہم کعصف ماخول۔
 ”یاد رکھنا توئے، کیونکر کیا پروردگار تیرے لئے ساتھ باتھیوں والوں کے، کیا نہ کر، یا عمر ان کا بیچ کر اسی
 کے اور بیچے وہ پران کے پرند جانور ہمارا موت جماعت، بچھٹتے تھے پتھر ٹکڑے۔ پس رُویان و ما بعد جس کھٹے
 ہوئے کے۔“

(۲) شاہ صاحب صرف وظیفہ بتا دینے پر استغاثہ میں کرتے، قبل کی تلقین بھی ساتھ ساتھ کرتے ہیں۔ یہ ان کا
 مخصوص انداز ہے، ان کی نظر میں کامیابی کا انحصار ”دعا“ اور ”عمل“ دونوں پر تھا۔

مکتوب ہفت وہم

(۱) قریۃ الصالحین سے مراد پمکت ہے شاہ صاحب پمکت ہی میں پیدا ہوئے تھے، اپنی پیدائش کا وہی
 سلامتی کا خیال شاہ صاحب کو ہر وقت رہتا تھا، اس سے قبل بھی ایک مکتوب میں اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے۔

مکتوب ہشت وہم

(۱) یہ متنبی کا مصرع ہے جس کا صدر یہ ہے۔ ما کل ما یمنی المرء یدرکہ

مکتوب نواز دہم

(۱) احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۲ء میں کشمیر پر حملہ کیا تھا، حملہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

Islamic Culture, Vol XI No 4 P 499-500

(۲) قُلْ إِنْ أَدْرَىٰ أَقْرَبَ مَا تُوْعَدُونَ أَمْ يَنْجَعُ لَكَ رَبِّيٰ أَمْ لَا (سورہ النجم ۳۵-۳۷)

”میں نہیں جانتا کیا نزدیک ہے جو کچھ وعدہ دینے جاتے ہو تم یاد کرے واسطے اس کے پروردگار میری مدد“

مکتوب بستم

(۱) صفدر جنگ کی ٹانگ میں ایک پھوڑا لگا تھا جو بعد کو کینسر میں تبدیل ہو گیا۔ ۱۷۶۷ء ذی الحجہ ۱۱۶ھ
 مطابق ۵ اکتوبر ۱۷۵۳ء کو اس کا انتقال ہوا، ملاحظہ ہو:-

The First Two Nawabs of Awadh, A. L. Sriwastava PP 238-239

مکتوب بست وکیم

(۱) وَبِئْسَ نَعْمَةً عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ بَغْضَوْبٍ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَتْلِ إِبْرَاهِيمَ

وإنسحق (سورہ یوسف: ۶۰: ۱۲)

اور چوری کرے گا نعمت اپنی اوپر تیرے اور اوپر اولاد لیا تو ب کے جیسا پورا کیا تھا اس کو اوپر دو دہا پ تیرے کے پہلے اس سے ابراہیم اور اسحاق کے۔

(۲) سُنَّةُ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (سورہ الاحزاب: ۶۲: ۳۳)

”عادتِ خدا کی سچ ان لوگوں کے کہ گذرے پہلے ان سے اور ہرگز نہ پاوے گا تو واسطے عادت اللہ کے بدل ڈالنا۔“

سُنَّةُ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (سورہ الفتح: ۲۳: ۳۸)

”عادتِ اللہ کی جو تحقیق گزری ہے پہلے اس سے اور ہرگز نہ پاوے گا تو واسطے عادت اللہ کے بدلے جاتا۔“

مکتوب بست و پنجم

(۱) سورہ اطلاق: ۳: ۶۵ میں ہے

وَيَرْزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، ”اور رزق دے گا اس کو اس جگہ سے کہ نہیں گمان کرتا“

مکتوب بست و ششم

(۱) هَٰذَا نُوَلِِّيكَ لِسَانَ قَبْلُ حُسْبِي اللَّهُ، (سورہ التوبہ: ۱۲۹: ۵) ”پس اگر پھر جاویں پس کہہ کفاریت ہے مجھ کو اللہ۔“

مکتوب بست و ہفتم

(۱) حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں متعدد جگہ اس شعر کو استعمال کیا ہے، یہاں شاہ صاحب بالکل اسی دینی کیفیت میں اس کو نقل کرتے ہیں۔

مکتوب سی

(۱) صدر جنگ کی نظر میں رویلوں کی طاقت کا نئے کی طرح کھٹکتی تھی، جب وہ برسرِ اقتدار آیا تو اس نے روئیں کھنڈ کی سند قطب الدین خاں نیرۃ عظمت اللہ خاں سابق گورنر مراد آباد کے نام دربار شاهی سے جاری کرا دی، قطب الدین سات ہزار فوج اکٹھا کر کے مازم روئیں کھنڈ ہوا، حافظ الملک نے اس قصد سے باز رکھنا چاہا، مجبوراً حافظ الملک نے جنگ کی، رام گنگا کے کنارے جنگ ہوئی اور قطب خاں مارا گیا، شاہ صاحب نے یہ خط آصف جاہ کو اس وقت لکھا ہے جبکہ قطب خاں کا ہنگامہ شروع ہوا تھا، اس میں پیشین گوئی بھی کی ہے کہ ”سر بہرِ نخواستہ

شہد“۔ ملاحظہ ہو ”گلستانِ رحمت“۔

Life of Hafizul Mulk. P. 28.

Cambridge History of India IV P. 429.

Fall of Mughal Empire P. 337

(۲) ستمبر اکتوبر ۱۷۵۷ء میں گرائی غلہ کا یہ عالم تھا کہ روپیہ کے ۹ سیر گہوں ملتے تھے، مہنگ کی وال روپیہ کی آدھ سیر، ماش کی وال، روپیہ کی پانچ سیر، دہلی میں دوا میں تک گراں ہوئی تھیں۔

Fall of the Mughal Empire II P. 154

مکتوب سی وکیم

(۱) اِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ (سورہ محمد ۷: ۴۷)
”اگر مدد کرو تم دین خدا کے کی مدد دے گا تم کو“۔

مکتوب سی وسوم

(۱) لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (سورۃ البقرہ ۲: ۲۸۶)
”نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جی کو مگر طاقت اس کی پر۔“

مکتوب سی وچہارم

(۱) سورہ محمد ۷: ۴۷

مکتوب سی وپنجم

(۱) اِنْ تَحِيدُوا فِتْنَتَيْنِ (سورۃ الاعراف ۷: ۸۳) ”تحقیق مکریر مضبوط ہے۔“

مکتوب چہلم

(۱) ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ء۔

قتل و غارت گری کی یہ انتہا ہے کہ دہلی رجب سے شعبان تک لٹی رسی اور مغلیہ سلطنت پاگل بے بس رسی، تاریخوں میں اس لوٹ کا تفصیلی حال نہیں ملتا، بہر حال ان حالات میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مسلمانوں نے حد درجہ مایوسی کی حالت میں ”جوہر“ کر کے اپنے آپ کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

انفاس العارفين

ترجمہ

سید محمد فاروق قادری

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	حصہ اول قدوۃ العارفین حضرت شاہ عبدالرحیم کے روحانی تصرفات	
	اور نایاب واقعات کا بیان	۱۳۳
۲	زندہ جاوید	۱۳۴
۳	میراث الہیت	۱۳۵
۴	آثار سعادت	۱۳۶
۵	شبہ از قدس	۱۳۷
۶	تاثیر فیضان نبوت	۱۳۸
۷	سیر الہیت	۱۳۹
۸	نفی و اثبات اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم	۱۴۰
۹	حضرت خواجہ حافظ سید عبداللہ قدس سرہ	۱۴۱
۱۰	محاسن قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری	۱۴۲
۱۱	شوق علم و ہدایت	۱۴۳
۱۲	طالبان حق کے ادنیٰ مجاہدات	۱۴۴
۱۳	عالم استغراق	۱۴۵
۱۴	مقام مجدد	۱۴۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۴۴	ولی کی وسعت نظر	۱۵
۱۴۵	نامہ شیخ	۱۶
۱۴۶	تصفیہ قلب	۱۷
۱۴۷	کلام ربانی کی تاثیر و اعجاز	۱۸
//	کشف و کرامت نہیں، جہد و استقامت	۱۹
۱۴۸	اہل دل سے پردہ	۲۰
//	مستقبل بنی	۲۱
۱۴۹	ہونہار بردا	۲۲
//	کرامت کتب یا فیضانِ نظر	۲۳
۱۵۱	نگاہ شیخ	۲۴
۱۵۲	گردن نہ جھکی جس کی شہنشاہ کے آگے	۲۵
۱۵۳	حسد سدا رہے	۲۶
۱۵۴	بزرگوں کی آمد	۲۷
۱۵۵	تذکرہ حضرت خواجہ خورشید فرزند خواجہ محمد باقی باللہ (۱)	۲۸
//	شیوہ اہل نظر	۲۹
۱۵۷	دست پہ کار	۳۰
//	نسبت و ارادت کا احترام	۳۱
۱۵۸	ثمرہ اخلاص	۳۲
//	ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسد اللہی	۳۳
۱۵۹	ولایت کی عقابلی نگاہ	۳۴
//	فقر کی بے نیازی	۳۵
//	بزرگوں کی خوردی	۳۶
۱۶۱	طریق نقشبندیہ کی انفرادیت	۳۷

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۶۲	کچھ نہیں سب کچھ ہے یارو	۳۸
//	طریقہ نقشبندیہ میں عرس کا اہتمام	۳۹
۱۶۳	نسبت نبوی کا احترام	۴۰
//	تذکرہ خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی	۴۱
//	صوفیا کا ذوق علمی	۴۲
۱۶۴	احوال خلیفہ	۴۳
۱۶۵	سوانح میر ابو العلی	۴۴
۱۶۷	سیر روحانی	۴۵
//	مقصود سع	۴۶
//	تعلق باللہ کی حقیقت	۴۷
//	کشف و کرامت	۴۸
//	برکات اسم ذات	۴۹
//	وصول حق کے طریق	۵۰
۱۶۸	قوت توجہ	۵۱
//	تاثیر وجد و رقص	۵۲
//	تاثیر کھانہ	۵۳
//	سود کی نحوست	۵۴
۱۶۹	جانوروں پر توجہ کا اثر	۵۵
//	سلسلہ ابوالعلائیہ کی خصوصیات	۵۶
۱۷۰	حضرت خلیفہ کی چٹنگلی ارادت اور توکل	۵۷
//	ذخیرہ اندوزی سے تنگی رزق	۵۸
۱۷۱	قرب سلطانی سے استغناء	۵۹
۱۷۲	صوفیا کا تجربہ علمی	۶۰

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۷۲	خواب فقراء	۶۱
۱۷۳	حج درویشاں	۶۲
۱۷۴	طوفانوں پر تصرف	۶۳
۱۷۵	قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید	۶۴
۱۷۶	قطب میں خوشحالی	۶۵
۱۷۷	احترام مہمان	۶۶
۱۷۸	خانقاہی بے تکلفی	۶۷
۱۷۹	فقیر اور دنیوی سکون	۶۸
۱۸۰	صوفیا اور وقت کی قدر	۶۹
۱۸۱	انداز تربیت	۷۰
۱۸۲	امانت فقیر	۷۱
۱۸۳	سوانح شاہ عظمت اللہ	۷۲
۱۸۴	فقراء اور مجاہدین کے ساتھ حضرت والد ماجد کی ملاقاتیں	۷۳
۱۸۵	مسلم معاشرہ میں تقریبات عرس کا سلسلہ	۷۴
۱۸۶	آئینہ دل	۷۵
۱۸۷	منوا مجذوب	۷۶
۱۸۸	مجاہدات سلوک	۷۷
۱۸۹	طعام اغنیاء سے نفرت	۷۸
۱۹۰	حدیث دل	۷۹
۱۹۱	ولی راوی می شناسد	۸۰
۱۹۲	آتا نکہ خاک را بنظر کیمیا کنند	۸۱
۱۹۳	نگس را بہا کنند	۸۲
۱۹۴	پس الفقیر علی باب الامیر	۸۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۸۵	ہستی فریب ہے	۸۴
۱۸۶	استاذ اور شاگرد کے روابط	۸۵
//	زوال پذیر اسلامی حکومت کے ارکان کی خدا ترسی	۸۶
۱۸۷	سوانح میرزا زاهد ہروی	۸۷
۱۸۸	نکات تصوف اور میرزا زاهد کا منطقی استدلال	۸۸
۱۸۹	کشف ارواح اور اس قسم کے دوسرے احوال پر حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے وقائع	۸۹
//	مرتبہ فنا فی التوحید	۹۰
۱۹۰	مقام قیومیت	۹۱
//	تصرف بالحق فی الخلق	۹۲
//	صوفیاء اور رویت باری	۹۳
۱۹۱	بے صورت اندر صورت آمد	۹۴
//	اسماء الہیہ کے ظہور کی کیفیت	۹۵
۱۹۲	تصرفات و علوم صوفیاء	۹۶
//	مقامات صوفیاء	۹۷
//	شان عبدیت	۹۸
۱۹۳	جنت اولیاء	۹۹
//	علوم اولیاء	۱۰۰
۱۹۴	بدعتی کی مجلس میں جانے پر تنبیہ	۱۰۱
//	جہہ غوث الاعظمؒ	۱۰۲
//	نگاہ ولی	۱۰۳
۱۹۵	نہ کر تقلید اسے جبریل میرے جذب و مستی کی	۱۰۴
//	ذکر اسم ذات میں مقام کمال	۱۰۵
//	فضیلت بیعت	۱۰۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۹۵	شرف اقتداء	۱۰۷
۱۹۶	عطیہ سرکار دو جہاں	۱۰۸
//	مشکل میں حضورؐ کی دیکھیری	۱۰۹
۱۹۷	مجلس سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم	۱۱۰
۱۹۸	جمال محمدیؐ	۱۱۱
۱۹۹	ولایت اور نبوت کے مراتب اور ان میں فرق	۱۱۲
۲۰۰	مومن مقدس کی برکات	۱۱۳
۲۰۲	سجدہ غیر اللہ کی ممانعت	۱۱۴
//	قرابت رسولؐ کا مقام	۱۱۵
//	حضورؐ کا پسندیدہ درود	۱۱۶
۲۰۳	حضورؐ کی نیاز کی اشیاء کی بارگاہ نبوری میں مقبولیت	۱۱۷
//	نسبت فقر	۱۱۸
۲۰۴	اجازت سلسلہ	۱۱۹
//	خوابِ جمیریؒ سے خلافت	۱۲۰
//	سیر روحانی	۱۲۱
۲۰۵	مقامات اولیاء	۱۲۲
۲۰۶	بشارت فرزند	۱۲۳
۲۰۷	محال ارواح اولیاء	۱۲۴
//	تصرف اولیاء	۱۲۵
۲۰۸	مقام مجازیب	۱۲۶
//	دعوت مخدوم الدویہ	۱۲۷
۲۰۹	ذکر الہی	۱۲۸
//	حسن نیت	۱۲۹

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۱۰	تاثیر ذکر	۱۳۰
۲۱۱	قصر نماز	۱۳۱
//	علوم اولیاء	۱۳۲
۲۱۲	تاثیر جذب و رقص	۱۳۳
//	فیوض اولیاء	۱۳۴
//	موکل و باء	۱۳۵
۲۱۳	موت اختیاری	۱۳۶
//	انجام کفر	۱۳۷
//	اولیاء اللہ کے ساتھ بحث و تکرار	۱۳۸
۲۱۴	از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است	۱۳۹
۲۱۵	واقف اسرار چڑیا اور موحّد کوا	۱۴۰
۲۱۶	صالح جن	۱۴۱
۲۱۷	جن کی ہمدردی	۱۴۲
//	ایک متعلم جن کا نظام الاوقات	۱۴۳
۲۱۹	شاہ عبدالرحیمؒ کے تصرفات، مکاشفات اور دیگر کرامات کا بیان	۱۴۴
//	طریق تربیت	۱۴۵
//	مستقبل بنی	۱۴۶
۲۲۰	نگاہ دور رس	۱۴۷
//	جو چاہے سو آپ کرے	۱۴۸
۲۲۱	ختم خواجگان	۱۴۹
//	آداب مجلس اولیاء	۱۵۰
۲۲۲	فراست مومن	۱۵۱
//	دست پیر از غائبان کوتاہ نیست	۱۵۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵۳	چراغ فقر ہوا بھی جسے بجھانہ سکی	۲۲۳
۱۵۴	توجہ و تاثیر	//
۱۵۵	ایک منکر سے بزدل و رذیل کی	//
۱۵۶	ولی اور عامل میں فرق	۲۲۴
۱۵۷	دردِ دل کا دُخ	۲۲۵
۱۵۸	تاثیر توجہ جانور پر اثر انداز مگر عابد معترض کے لئے بے سود	//
۱۵۹	رافضیت سے توبہ	۲۲۶
۱۶۰	نیست بر لوحِ دلم جز الف قامت یار	۲۲۷
۱۶۱	بارانِ کرم منتظر دست دعا ہے	۲۲۸
۱۶۲	قوتِ تاثیر کا کرشمہ	۲۲۹
۱۶۳	روشن ضمیری	//
۱۶۴	... صید نہ چھوڑا زمانے میں	//
۱۶۵	سفر و حضر میں شیخؒ کی نگاہِ الفت	۲۳۰
۱۶۶	ہر کہ بادِ روکشائیں در افتادِ بر افتاد	//
۱۶۷	از نہیبِ ابلہ زرد ماہ و مہر	۲۳۱
۱۶۸	جس نے دیکھے نین متوارے ترے	//
۱۶۹	تقدیر شکن قوتِ باقی ہے ابھی اس میں	۲۳۲
۱۷۰	حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں	۲۳۳
۱۷۱	دستِ پیر از غائبان کو تہا نیست	//
۱۷۲	تصرفِ ولی	۲۳۴
۱۷۳	مبینِ حقیر گدایانِ عشقِ الٰہی	//
۱۷۴	دلِ راہِ بد دلِ راہ	۲۳۵
۱۷۵	اهدادِ اولیاء	۲۳۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۳۶	کیا ہے جوان پہ عیاں نہیں	۱۷۶
۲۳۷	مالِ زکوٰۃ	۱۷۷
//	چاہ کن را چاہ در پیش	۱۷۸
۲۳۸	تسخیر جنات	۱۷۹
//	آتشیں آدمی اور برکت قرآن	۱۸۰
۲۳۹	ولی کے خلاف جھوٹی شہادت کا انجام	۱۸۱
//	مشائخ کی روحانی امداد	۱۸۲
//	جام جہاں نما است ضمیر منیر دوست	۱۸۳
۲۴۰	ناز و لاییت	۱۸۴
۲۴۱	حضرت شاہ ولی اللہ کی پیدائش کا قصہ	۱۸۵
//	قبل از پیدائش شاہ اہل اللہ کی بشارت	۱۸۶
۲۴۲	انسانی فعل و عمل کی اہمیت	۱۸۷
//	مرد مومن کی موت	۱۸۸
۲۴۳	جن کی نظر چڑھا تراد خسار ہمتیں	۱۸۹
//	زمک تا ملکوش حجاب بردارند	۱۹۰
۲۴۴	مقامِ منبر	۱۹۱
//	مردان راہ خدا کا جمال باطنی	۱۹۲
۲۴۵	تا شیر شراب وحدت	۱۹۳
۲۴۷	حضرت والد ماجدؒ کے ملفوظات	۱۹۴
//	صوفیاء اور رویت باری	۱۹۵
۲۴۸	حصولِ رزق میں نیت کے اثرات	۱۹۶
۲۴۹	رازِ درون پردہ زردان مست پرک	۱۹۷
۲۵۰	تاج شامی فقر کے قدموں پر	۱۹۸

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۵۱	مقبولان بارگاہ ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں	۱۹۹
۲۵۲	فاتحہ خلف الامام میں شاہ عبدالرحیمؒ کا مسلک	۲۰۰
۲۵۳	دامی حضوری	۲۰۱
۲۵۴	فیوض باطنی کے باوجود ظاہری توسل سنت مشائخ ہے	۲۰۲
۲۵۵	مکتوب شیخ فقیر اللہ	۲۰۳
۲۵۹	نسبت آگاہی کے متعلق شاہ عبدالرحیمؒ کی تشریح	۲۰۴
۲۶۲	ذّرہ ذّرہ جلوہ گاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۰۵
۲۶۴	پچنگی نسبت کیسے حاصل ہوتی ہے؟	۲۰۶
۲۶۵	نقشبندی مشائخ کے ایک قول پر اعتراض اور شاہ عبدالرحیمؒ کا جواب	۲۰۷
۲۶۵	مختلف سلاسل کی نسبتوں کے خصائص	۲۰۸
۲۶۷	ترقی مدارج کی حقیقت	۲۰۹
۲۶۸	سلطان العارفینؒ کے قول کی تشریح	۲۱۰
۲۶۸	لبو و لعب سے اجتناب صفائی قلب کا ذریعہ ہے	۲۱۱
۲۶۹	والدین کے ساتھ نیکی و احسان کا عجیب نکتہ	۲۱۲
۲۶۹	کیفیت و حالت کی حفاظت کا طریقہ	۲۱۳
۲۷۰	خود ساختہ مشائخ کی عیاریاں	۲۱۴
۲۷۰	تمباکو نوشی اور بارگاہ نبویؐ	۲۱۵
۲۷۱	تمباکو نوشی پر عالم مثال میں تنبیہ	۲۱۶
۲۷۱	شاہ عبدالرحیمؒ کا علمی مقام	۲۱۷
۲۷۲	علم مصالح اور شرائع	۲۱۸
۲۷۳	قال را بگذارد مرد حال شو	۲۱۹
۲۷۳	حقیقت کی کیا	۲۲۰
۲۷۳	زندگی گزارنے کا گر	۲۲۱

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۷۴	عدل و انصاف	۲۲۲
۲۷۵	باید کہ ہر جاہل طالب مروے شوی	۲۲۳
//	شیخ اکبرؒ اور شاہ عبدالرحیمؒ	۲۲۴
۲۷۶	وہو معکم کی عالمانہ تشریح	۲۲۵
۲۷۷	تجدد و امثال	۲۲۶
//	صفات باری	۲۲۷
//	حسن ذاتی اور قبح نسبتی	۲۲۸
//	مستحبی حقیقت	۲۲۹
۲۷۸	شاہ عبدالرحیمؒ کا ہندی دوبا	۲۳۰
//	اطائف ستہ اور ان کے مقامات	۲۳۱
//	شاہ عبدالرحیمؒ یا ابوالفیض؟	۲۳۲
۲۷۹	مہاش در پے آزار اراغ	۲۳۳
//	شاہ عبدالرحیمؒ کے جواہر پارے	۲۳۴
۲۸۱	سراپائے شاہ عبدالرحیمؒ	۲۳۵
۲۸۳	معمولات شاہ عبدالرحیمؒ	۲۳۶
۲۸۴	سحبت یار آخر شد	۲۳۷
۲۸۵	حصہ دوم	۲۳۸
//	در حالات جناب معارف مآب امام طریقت و حقیقت کا شرف حقائق مند و منا	۲۳۹
//	شیخ ابوالرضا محمد رضی اللہ عنہ	
۲۸۶	حضرت شیخؒ کے ابتدائی حالات	۲۴۰
۲۸۷	علی المرتضیٰؒ و سیلہ بیعت ہیں	۲۴۱
۲۸۸	برکات قرب نبویؐ	۲۴۲
۲۹۰	آپ کی پاکیزہ زندگی، تصرفات اور مخفی امور پر مطلع ہونے کا بیان	۲۴۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۹۰	معمولات شیخ ابو الرضا	۲۴۴
۲۹۱	مبین حقیر گدایاں عشق	۲۴۵
۲۹۲	جسے اللہ رکھے	۲۴۶
//	بادشاہ حقیقی کا انصاف	۲۴۷
۲۹۳	عاشق برقرار و بر لطفش بجد	۲۴۸
//	مدار شریعت ظاہر پر ہے	۲۴۹
۲۹۴	دست پیر از غائبان کوتاہ نیست	۲۵۰
//	قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید	۲۵۱
۲۹۵	اتباع سنت میں آپ کا مقام	۲۵۲
//	برکات نسبت	۲۵۳
۲۹۶	بارگاہ اولیاء میں حاضری کے آداب	۲۵۴
۲۹۷	شاعر گھنہ دہلوی کا واقعہ	۲۵۵
//	تصرف شیخ	۲۵۶
۲۹۸	وسعت علوم اولیاء	۲۵۷
//	ہو یطعمسی	۲۵۸
//	غرور علم سے سرشار عالم بارگاہ فقیر میں	۲۵۹
۲۹۹	کسے خبر کہ جنوں بھی ہے، صاحب اور اک	۲۶۰
۳۰۰	خطرات قلب پر اطلاع	۲۶۱
//	علم ظاہر اور علم باطن کا فرق	۲۶۲
۳۰۱	حضرت شیخ ابو الرضا کے حقیقت و معرفت سے معمور ملفوظات	۲۶۳
//	رویت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۶۴
//	کتبہ شیخ اکبر	۲۶۵
۳۰۲	بعض دعاؤں کے عجیب اثرات	۲۶۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۰۲	لوح محفوظ است پیش اولیاء	۲۶۷
//	منزل ایمان	۲۶۸
۳۰۳	مقامات یازید اور سید الطائفہ	۲۶۹
//	مقام فی اللہ	۲۷۰
۳۰۴	خواب اولیاء	۲۷۱
//	اتباع سنت ہی ذریعہ نجات ہے	۲۷۲
//	علوم صوفیاء	۲۷۳
۳۰۵	اعتقاد و توحید	۲۷۴
//	ولایت حقیقیہ	۲۷۵
//	بہترین مجاہدہ توجہ الی الحق	۲۷۶
//	اعلم حجاب الاکبر	۲۷۷
۳۰۶	شیخ یا قوت عرشی کی وجہ تسمیہ	۲۷۸
//	مشاہدہ حق	۲۷۹
۳۰۷	بشری خصوصیات کی خصوصیات	۲۸۰
//	الصوفی ہو اللہ	۲۸۱
۳۰۸	بصارت اور بصیرت	۲۸۲
//	علمائے ظاہر کا نزاع لفظی	۲۸۳
//	اولیاء اور دیر ارباری	۲۸۴
۳۰۹	حقیقت بیعت	۲۸۵
//	تجلی ذات کی دولت	۲۸۶
//	تعصب رام خدا میں بڑی رکاوٹ ہے	۲۸۷
۳۱۰	لفظوں کے پیماری علماء	۲۸۸
//	مسئلہ توحید خالی کتابوں سے حل نہیں ہوتا	۲۸۹

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۱۰	اولیاءِ ابوالوقت ہوتے ہیں	۲۹۰
۳۱۱	ذوقِ مشاہدہ	۲۹۱
//	خدا کا دشمن کون ہے	۲۹۲
۳۱۲	ریاضاتِ صوفیاء	۲۹۳
//	عین القضاۃ ہمدانیؒ کے قول کی تشریح	۲۹۴
۳۱۳	لامحدودیت واجب الوجود	۲۹۵
//	شیخ اکبرؒ کے ایک قول کی تشریح	۲۹۶
۳۱۴	عظمت قرآن	۲۹۷
۳۱۵	مقاماتِ سلوک	۲۹۸
//	تشریح شعر عطارؒ	۲۹۹
۳۱۶	ایک لطیف نکتہ	۳۰۰
//	مقام ابنِ منصورؒ	۳۰۱
۳۱۷	نظارۃ جمالِ حقیقی	۳۰۲
//	ظلمتِ عدم سے وجود خارجی تک	۳۰۳
۳۱۸	احدیت و واحدیت	۳۰۴
۳۱۹	اصلیتِ شطیحات	۳۰۵
//	جلی برقی	۳۰۶
۳۲۰	لذتِ عشق	۳۰۷
//	کشف ذات	۳۰۸
۳۲۱	علومِ عارف	۳۰۹
//	اقسامِ حدیثِ قدسی	۳۱۰
//	استعانة باصحاب القبور	۳۱۱
//	حقیقتِ دنیا	۳۱۲

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۲۱	حقیقت کذب	۳۱۳
۳۲۲	مشابہت یہود سے ممانعت	۳۱۴
//	پردہ ہائے امکان و وجوب	۳۱۵
//	تعریف مشاہدہ	۳۱۶
//	حصول شہود	۳۱۷
۳۲۳	العلم اوسع من الحال	۳۱۸
۳۲۴	ہمدوست	۳۱۹
۳۲۵	صفت علم	۳۲۰
//	ایک قول کی تاویل	۳۲۱
//	مقام عارف	۳۲۲
۳۲۶	سماع سرود	۳۲۳
//	ولایت عامہ و خاصہ	۳۲۴
//	حقیقت تہذیب	۳۲۵
۳۲۷	فناء نفس	۳۲۶
//	توجہ شیخ	۳۲۷
//	حقیقت کشف و خواب	۳۲۸
۳۲۸	تعبیر دیا	۳۲۹
۳۲۹	علم توحید و وصول و شہود	۳۳۰
//	بسیار خوری اخلاق ذمیرہ پیدا کرتی ہے	۳۳۱
۳۳۰	حقیقت خوارق عادات	۳۳۲
//	مقصود عارف	۳۳۳
//	تفسیر جنات	۳۳۴
۳۳۱	خواص فاتحہ	۳۳۵

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۳۱	تفسیر فوق کل ذی علم علیم	۳۳۶
//	اقوال شیخ جنیدؒ کی تشریح	۳۳۷
۳۳۲	تحقیق اطائف ستہ	۳۳۸
//	علی المرتضیٰ وزیر رسالتؑ میں	۳۳۹
//	مقام علی کرم اللہ وجہہ	۳۴۰
۳۳۳	علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین	۳۴۱
۴	العارف لا ھمة له	۳۴۲
//	مقام عارف کامل	۳۴۳
۳۳۴	حقیقت فنا و بقا	۳۴۴
۳۳۵	مجنوب و اصل کشف اور خوارق سے بلند ہوتا ہے	۳۴۵
۳۳۶	تحقیق مسلک محبت اللہ الہ آبادیؒ	۳۴۶
۳۳۸	حق اور عالم	۳۴۷
//	مبدأ مکاشفہ محبت ذاتیہ ہے	۳۴۸
۳۳۹	ظہور حق در مظاہر	۳۴۹
//	علامت کمال	۳۵۰
۳۴۰	ایک تسامح اور اس کا ازالہ	۳۵۱
//	حقیقت تعوذ	۳۵۲
//	قصہ خالد بن سنانؒ کی تشریح	۳۵۳
۳۴۱	منتہائے عابد	۳۵۴
//	القید کفر	۳۵۵
۳۴۲	قول پیر ہرات	۳۵۶
۳۴۳	وصل حقیقی	۳۵۷
//	تشریح توحید کو چہ ننگ است	۳۵۸

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۴۳	تاویل حقیقۃ الواجب لایدرکہ احد	۳۵۹
۳۴۴	تشریح ان للہ سبعین الف حجاب	۳۶۰
۳۴۵	معنی قول خولجہ نقشبند	۳۶۱
//	توجہ حضرت بحر الخ	۳۶۲
۳۴۶	توحید افعال	۳۶۳
//	حدیث ما تقرب الی عبد	۳۶۴
۳۴۷	راہ سلوک میں حزن و اندوہ	۳۶۵
//	تشریح العصر الخ	۳۶۶
۳۴۸	تشریح ”توحید راہ کی درمیانی منزل“ ہے	۳۶۷
۳۴۹	شیخ اکبر کے قول کی تشریح	۳۶۸
۳۵۱	حضرت شیخ ابوالرضا کے چند مسودات اور مکتوبات	۳۶۹
//	مکتوب شیخ عبدالاحد	۳۷۰
//	مکتوب شیخ ابوالرضا	۳۷۱
۳۵۳	مکتوب شیخ عبدالاحد	۳۷۲
۳۶۵	جواب شیخ ابوالرضا	۳۷۳
۳۷۳	مکتوب شیخ عبدالاحد	۳۷۴
۳۸۸	محاکمہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ	۳۷۵
۳۹۲	نامہ شیخ عبدالاحد	۳۷۶
۳۹۳	نامہ شیخ ابوالرضا	۳۷۷
۳۹۴	نامہ شیخ ابوالرضا	۳۷۸
۳۹۵	حکایت محبت و محنت	۳۷۹
۴۰۱	مکتوب شیخ ابوالرضا	۳۸۰
۴۰۳	مکتوب دیگر	۳۸۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۸۲	بنائے طریقہ رضائیہ	۴۰۸
۳۸۳	تفسیر فاتحہ	۴۰۹
۳۸۴	فرائض ولایت کبریٰ	۴۱۰
۳۸۵	تربیت سالک	۴۱۱
۳۸۶	شیخ ابوالرضاء کا سفر آخرت	۴۱۲
۳۸۷	شاہ ولی اللہ کے اجداد اور مشائخ کے حالات	۴۱۲
۳۸۸	امام ناصر الدینؒ کی روحانی امداد	۴۱۹
۳۸۹	حالات شیخ معظمؒ	۴۲۱
۳۹۰	شیخ معظمؒ کی اولاد	۴۲۲
۳۹۱	مختصر ذکر شیخ وجیہ الدینؒ	//
۳۹۲	معرکہ ہامونی	۴۲۴
۳۹۳	فیل مست سے مقابلہ	۴۲۶
۳۹۴	شیخ رفیع الدین محمدؒ (۱) کے خاندان کے حالات	۴۳۱
۳۹۵	شیخ طاہرؒ	//
۳۹۶	شیخ حسنؒ	۴۳۲
۳۹۷	شیخ محمد خیالیؒ	۴۳۳
۳۹۸	شیخ عبدالعزیزؒ	۴۳۴
۳۹۹	شیخ قطب العالمؒ	۴۳۶
۴۰۰	شیخ رفیع الدین محمدؒ	۴۳۷
۴۰۱	مقام خواجہ محمد باقی باللہؒ	۴۳۸
۴۰۲	قدوة العارفین حضرت شیخ محمد قدس سرہ العزیز کے مختصر حالات زندگی	
	اور کرامات کا بیان	۴۴۲
۴۰۳	شیخ ابوالکرمؒ	۴۴۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۴۵	حضرت شیخ محمدؒ	۴۰۴
۴۴۷	تاثیرِ سداقہ	۴۰۵
۴۴۸	حیاتِ شہید	۴۰۶
//	حیاتِ اولیاء	۴۰۷
۴۴۹	حضرت شیخ محمدؒ کے تصرفات اور بعض کرامات	۴۰۸
//	صورتِ شیخ کا کرشمہ	۴۰۹
۴۵۰	سببِ مرض	۴۱۰
۴۵۱	تصرفِ شیخ	۴۱۱
//	تکثیرِ طعام	۴۱۲
//	من عادلی ولیا فاذا نته بالحرب	۴۱۳
۴۵۲	ابدادِ اولیاء	۴۱۴
۴۵۳	قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید	۴۱۵
//	ختمِ خواجگان	۴۱۶
//	تاثیرِ نظر	۴۱۷
۴۵۴	کشفِ قبور	۴۱۸
۴۵۵	کشفِ غیوب	۴۱۹
//	مثالِ وصدۃ الوجود	۴۲۰
//	نگاہِ ولی	۴۲۱
۴۵۷	حضرت شاہ ولی اللہ کے اساتذہ و مشائخِ حرمین کے مختصر حالات	۴۲۲
//	شیخ احمد شاہیؒ	۴۲۳
۴۵۹	شیخ احمد قشاشیؒ	۴۲۴
۴۶۲	سید عبدالرحمنؒ اور سیاحیؒ	۴۲۵
۴۶۳	شمس الدین محمد بن علاء بانیؒ	۴۲۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۶۵	شیخ عیسیٰ جعفری مغربیؒ	۴۲۷
۴۶۶	محمد بن محمد بن سلیمان مغربیؒ	۴۲۸
۴۶۷	شیخ ابراہیم کردیؒ	۴۲۹
۴۷۰	شیخ حسن عجمیؒ	۴۳۰
۴۷۳	شیخ احمد نخعیؒ	۴۳۱
۴۷۴	شیخ عبداللہ بن سالم البصریؒ	۴۳۲
۴۷۶	شیخ ابو طاهر محمد بن ابراہیم کردی المدنیؒ	۴۳۳
۴۸۰	شیخ تاج الدین قلعی حنفیؒ	۴۳۴
۴۸۲	حضرت شاہ ولی اللہ کے خودنوشت حالات زندگی	۴۳۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین وصلى الله على خير خلقه وآله واصحابه اجمعین

حمد و صلوة کے بعد یہ حقیقت اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ مشائخ کرام کی باتیں گویا طائفۃ الہی کی باتیں ہیں۔ مشائخ صوفیاء کے احوال و اقوال جو ان کی کرامتوں اور استقامتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور جن کی بنیاد ان کے ظاہری و باطنی علوم پر ہوتی ہے۔ نوآموزوں کے لیے اشتیاق و ترغیب کا باعث بنتے ہیں اور پختہ کاروں کے لیے نظام زندگی اور دستور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر اپنے آبا و اجداد کے تاریخی آثار سننے سے اولاد و اخلاف کے لیے زیادہ سے زیادہ فائدہ کی امید ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بسا اوقات حدود شریعت سے تجاوز کرنے والے اخلاف کی غیرت جاگ اٹھتی ہے اور عرق غیرت کے جوش سے چونک کر وہ کسی منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں اور میانہ رو اخلاف ذکر اسلاف کی برکت سے اپنی کوتاہیوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ آگاہی ان پر رجوع اور توبہ کے دروازے کھول دیتی ہے۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقیر حقیر ولی اللہ (اللہ اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے اور اسے سلف صالحین میں شامل کرے) نے ارادہ کیا کہ اپنے والد بزرگوار قدوة العارفین زبدۃ الاولیاء صلیب کرامت جزیلہ و مقامات جلیلہ سیدنا و مولانا شیخ عبدالرحیم (اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے) کے علمی و مجلسی فوائد میں سے کچھ نیش واقعات و حکایات و نادر کرامات اور تصرفات جو کہ حضرت والد ماجد اور ان کے مشائخ کرام سے ظہور پذیر ہوئیں نیز طریقت و حقیقت کے رموز و نکات جو ان بزرگوں کے سینوں کی زرخیز زمین نے باران الہام سے اخذ و قبول کیے اور ساکنان طریقت کی ہدایت کیلئے مجالس صحبت یا گوشہ بائے خلوت میں جو مقامات و ملفوظات ان کی زبان کو ہر فشاں سے دق و پزیر ہوئے اور راقم الخروف کے حافظے نے حسب استطاعت انہیں محفوظ و منہبہ کیا جیلہ تحریر میں آئے۔

علاوہ ازیں اپنے بلند پایہ چچا بزرگوار، اہل ذوق و وجود کے پیشوا، ارباب معرفت و شہود کے امام حلقہ سلسلہ عارفین رونق چشم کا ملین، خدائے بے نیاز کے ساتھ پیوستہ وابستہ سیدنا مولانا ابوالرضا محمد قدس سرہ الامجد کے عرفان و حقائق میں سے جو چیزیں نقل صحیح کے ذریعے مجھے معلوم ہوئیں ان کا ترتیب و تالیف میں مشغول ہوا اور ان دو اہم مقاصد سے فراغت کے بعد ان بزرگوں کے مختصر حالات بھی بیان کروں جن کے ساتھ اس فقیر کو قرابت یا تلمذ کا قدرے تعلق رہا ہے، ہو سکتا ہے کہ اہل زمانہ عام طور پر اور اس خاندان کے لوگ خاص طور پر ان فوائد علمی اور مقالات روحانی سے نفع اندوز ہوں اور راقم الحروف کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں، اس کتاب کو میں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کا نام انفس العارفین تجویز کیا ہے۔ پہلے دو حصوں کو میں نے دو سیمچہ رسالوں کی شکل میں مرتب کیا ہے ایک کا نام ”بوارق الولایہ“ اور دوسرے رسالے کا نام ”شوارق المعرفۃ“ رکھا ہے تیسرا حصہ پانچ مقالات پر مشتمل ہے جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ الامداد فی مآثر الاجداد (خاندان مصنف کے حالات پر مشتمل)
 - ۱۔ عطیۃ الصمدیہ فی انفس المحمدیہ (مصنف کے نہائی جد حضرت شیخ محمد بھٹائی کے حالات)۔
 - ۳۔ النذۃ الابریزیہ فی لطیفۃ العزیزیہ (مصنف کے جد اعلیٰ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حالات میں)
 - ۴۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین (مصنف نے حرمین شریفین میں جن مشائخ سے استفادہ کیا ان کا ذکر خیر)
 - ۵۔ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف (مصنف کی خودنوشت)
- فقیر خدا سے دعا کرتا ہے کہ ان مقامات سے اللہ اپنے نیک بندوں کو تسکین حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ بیشک وہ سب سے قریب اور سب کی سننے والا ہے۔ اللہ ہی میرے لیے کافی اور میرا بہترین ساتھی ہے۔ ہر نیکی کی توفیق اور ہر بدی سے دوری اس بلند و بالا ذات ہی کی طرف سے ارزانی ہوتی ہے۔

حصہ اول

جناب کرامت مآب قدوة العارفین زبدة الواصلین سیدنا و
مولانا شیخ عبدالرحیمؒ کے پسندیدہ روحانی تصرفات، نایاب
واقعات، اور روح پرور واردات قلبی کے بیان میں

تمام حمد و ثناء اس ذات الہ کے لیے ہے جس نے تجلیات اور واردات کے لطیفوں سے اہل
عرفان کے دلوں کو منور کیا اور ان کے سینوں کو باران معرفت سے سیراب فرمایا اور عرفان کے نفیس
نکتوں سے اور انہاء و صفات کی باریکیوں سے ان کو وہ مقام عطا فرمایا جو نہ کسی کی چشم تصور میں
آ سکتا ہے اور نہ ہی دید و شنید میں اور نہ ہی بجز ان پختہ کار مردان احرار کے اس مقام تک کسی کے
قلب و نظر کی رسائی ہو سکتی ہے۔ اس لطف و کرم کی بناء پر ان مردان خدا کو ہر سمت و ہر جہت اور ہر
حیثیت سے گونا گوں انوار و تجلیات اور برکات ایزدی نے گھیر رکھا ہے اور ان مقبولان خدا کی
زبانیں وصول حق، سلوک طریقت کے نکات اور حکمت و اسرار الہی کی باریکیاں کلمات ربانی کے
ناور حقائق بول اٹھیں اور ان کے ہاتھوں وہ آثار و کرامات اور خلاف عادت واقعات رونما ہوئے
جن کے سبب انہیں عامیوں سے ممتاز گردانا گیا، سو پاک ہے وہ ذات جو جسے چاہے اور جو چاہے
عطا کر دے نہ کوئی اس کے حکم کو نال سکتا ہے اور نہ ہی اس کی تقدیر پھر سکتی ہے، حقیقت اور حمد و ثناء
اسی کو زیبا ہے اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ وہی معبود برحق ہے جس کا کوئی ساجھی نہیں
اور میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے عبد خاص اور رسول ہیں۔
یہی شہادت میری مرثیہ و زندگی کا سرمایہ ہے۔ ازل سے ابد تک صلوٰۃ و سلام ہوں اس نبی اقدس پر
ان کے آل و اصحاب پر جو ہدایت کے ستارے ہیں اور بندگان خدا کے قائمہ، بعد ازیں فقیر ولی اللہ
عفی عنہ عرض پر واز ہے کہ یہ چند کلمات حضرت والد بزرگوار قدوة العارفین زبدة الواصلین
صاحب کرامتؒ ۱۰۰۰ مقامات جلیلہ سیدنا و مولانا شیخ عبدالرحیمؒ قدس سرہ العزیز کی کرامات،

واقائع اور احوال واقوال پر مشتمل ہیں جن کا نام میں نے بوارق الوالیۃ رکھا ہے۔ اللہ ہی مجھے کافی ہے جو میرا بہترین ساتھی ہے۔ وہی نیکی کی توفیق دیتا ہے اور بدی سے باز رکھتا ہے۔
زندہ جاوید

میرے والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے تھے کہ مجھے آغاز کار میں (اپنے نانا) شیخ رفیع الدین دہلویؒ کے مزار مبارک کے ساتھ موانست و درغبت پیدا ہو گئی تھی چنانچہ میں وہاں جا کر ان کے مزار کو مرکز توجہ بنایا کرتا تھا۔ اکثر و بیشتر نسبت کا ایسا حال طاری ہوتا کہ مجھے سردی و گرمی کے احساس سے بھی بے نیاز کر دیتا تھا۔
میراثِ ولایتؒ

فرماتے تھے کہ شیخ رفیع الدینؒ نے آخری وقت میں ایک دن اپنا تمام اثاثا البیت جمع کیا اور وارثوں میں تقسیم کر دیا، اولاد میں سے ہر ایک کو اس کے حسب ضرورت دیا۔ جب سب سے چھوٹی اولاد (یعنی والدہ حضرت شیخ عبدالرحیمؒ) کی باری آئی تو انہیں مشائخ کرامؒ ہر شجر و خانہ دانی اور ادا و فواکد طریقت پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ عنایت فرمایا۔

شیخ کی رفیقہ حیات نے کہا کہ ”یہ بچی غیر شادی شدہ ہے اسے تو جہیز اور اسباب خانہ چاہئے نہ کہ رسائل تصوف“! فرمایا یہ رسائل ہمیں مشائخ سے میراث میں ملے ہیں اس مفینہ کے طعن سے اس معنوی میراث کا مستحق ایک بچہ پیدا ہوگا۔ ہم نے یہ روحانی میراث اسی کے لیے دی ہے۔ باقی رہے اسباب خانہ تو وہ خدا میسر کر دے گا ہمیں اس کا غم نہیں، بہت عرصے بعد جب میں (شاہ عبدالرحیمؒ) پیدا ہوا اور ہوش سنبھالا تو اللہ تعالیٰ نے ہماری جدہ محترمہ کے دل میں یہ بات ڈال دی اور انھوں نے وہ رسائل مجھے دیدیئے۔ کچھ دنوں بعد وہ کھو گئے اگرچہ بشارت کا لفظ مشترک تھا لیکن ان رسائل سے نفع اندوزی نے اس بشارت کی تفسیر اور مقصود بشارت کو متعین کر دیا کیونکہ حضرت مخدومی انوی شیخ ابوالرضاؒ (۱) ان دنوں اس کام کا ذوق نہیں رکھتے تھے اور بھائی عبدالخلیمؒ (۲) ابھی تک متولد نہیں ہوئے تھے۔

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے بڑے بھائی۔ (۲) حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے چھوٹے بھائی۔

آثار سعادت

فرماتے تھے کہ میرے شیخ عبدالحیؒ نہایت نیک مرد تھے جو دنیا سے روگرداں اور طریق اسلاف پر گامزن تھے وہ اپنی اولاد کی تربیت میں بہت کوشاں رہے مگر اولاد ان سے متاثر نہ ہو سکی جس کے سبب وہ ہمیشہ رنجیدہ رہتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے مجھے دیکھا کہ میں نے باوجود کم عمر ہونے کے سر سے پگڑی اتار کر گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی اور تمام سنتوں اور نوافل کی رعایت کے ساتھ وضو کر رہا تھا۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر ان کا دل کھل اٹھا اور خدا کا شکر کرنے لگے کہنے لگے کہ جب میں نے اپنی تربیت کا کوئی اثر اولاد میں نہ دیکھا تو ذرا کہ شاید ہمارے اسلاف کا روحانی سلسلہ ہمارے بعد منقطع ہو جائے مگر ابھی معلوم ہوا کہ اس میراث کا حامل ہمارے خاندان میں موجود ہے جو اگرچہ سلسلہ فرزندان میں سے نہیں مگر یہ کیا کم ہے کہ دختر نیک اختر کے نسب سے تو ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ہمارے اسلاف کا روحانی دستور یہ چلا آ رہا تھا کہ ہر صدی میں طریقہ چشتیہ کی نسبت کے حامل رہے ہیں اور اکثر و بیشتر ہر جانے والا آنے والے کی بشارت دیتا رہا ہے اور یہ قصہ اسی طرح چلتا رہا ہے۔

شہباز قدس

فرمایا کہ میں نوید اس برس کا تھا کہ سلسلہ نقشبندیہ سے متعلق ایک بزرگ خواجہ ہاشم (۱) نامی بخارا سے تشریف آئے اور ہمارے محلہ میں قیام پذیر ہوئے۔ وہ مجھ پر اکثر توجہ فرماتے تھے ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں ایک درود جانتا ہوں جس کے پڑھنے سے آدمی دولت مند ہو جاتا ہے۔ میرا دل اس وقت تمام تعلقات سے بیزار تھا میں نے کہا اللہ تعالیٰ والد ماجد کے ذریعے میری ضروریات پوری کر دیتا ہے، مزید احتیاج نہیں رکھتا۔ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

چند دنوں بعد پھر فرمانے لگے۔ مجھے بزرگوں سے ایک دعا ملی ہے جسے کوڑھی پر دم بیا جائے تو کوڑھ فوراً کافور ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا ہے اور اگر

(۱) غالباً خواجہ ہاشم ت مراد حضرت شیخ محمد ہاشم رحمہ اللہ ہیں جو حضرت مجدد صاحب کے خلیفہ تھے۔ آپ نے برکات الاحمد علیہ السلام کے نام سے حضرت مجددان کے بیچ و مرشد اور خلفاء و دوا جز و دکان کے حالات پر نہایت جامع اور مستند کتاب لکھی ہے شمس بخارا کے علاقے میں ایک قصبہ کا نام ہے۔

کوئی کوڑھی نظر پڑا تو آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ کچھ دن بعد فرمایا کہ درود اور دعا سے ہماری غرض تمہیں شکار کرنا تھا کیونکہ تم اچھی استعداد رکھتے ہو مگر معلوم ہوا کہ تم انتہا درجے کے بلند ہمت ہو۔ دراصل ہم چاہتے ہیں کہ اشغال صوفیاء میں سے کسی شغل کو اپنا مطمح نظر بناؤ۔ جس پر میں نے کہا سر آنکھوں پر اس پر انھوں نے مجھے شغل ”اعتاب“ کی تلقین فرمائی یعنی اسم ذات (اللہ) کو لگا تا کہ کسی سختی یا کاغذ پر لکھتے رہنا چاہئے تاکہ کثرت نگاہ کے سبب قوت متحیلہ میں جا گزریں اور پیوست ہو جائے۔ یہ مشغلہ میں نے شروع کیا جو مجھ پر حاوی ہو گیا۔ ان دنوں میں شرع عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ حاشیہ ملا عبدالحکیم لکھوں۔ جب لکھنے لگا تو کم و بیش ایک کاپی کے بقدر اسم ذات لکھتا رہا مگر مجھے کوئی شعور نہ رہا۔

تاثیر فیضان نبوت

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ میں اندازاً بارہ تیرہ برس کا تھا کہ حضرت زکریا علی نبینا و ملیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجسم سامنے دیکھا انھوں نے ذکر اسم ذات کی تلقین فرمائی۔ قوت نبوت کے سبب ان کی اس تلقین نے اس قدر تاثیر دکھائی کہ اس عمر میں تحصیل علم کی مشغولیت اور قلت توجہ کے باوجود برکات ذکر اس انداز میں ظہور پذیر ہوئیں کہ کامل اور قوی الطلب طالبان حق سے دیکھنے میں نہیں آئیں۔ اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ عبدالعزیز قدس سرہ کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا اے بیٹے! ارادت کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں نہ دینا۔ یہاں تک کہ حضرت خولجہ تجھے قبول فرمائیں۔ اس کے بعد تجھے اختیار ہے۔ یہ واقعہ میں نے خولجہ خور و مکی خدمت میں ذکر کیا اور اس کی تعبیر چاہی اور عرض کی کہ اس شہر کے اہل عرفان میں بجز آپ کے اور کوئی خولجہ کے لقب سے مشہور نہیں۔ فرمانے لگے اس واقعے کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں خولجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ وایمن التیات کی بیعت نصیب ہوگی اور اس فقیر کا مرتبہ اس سے کمتر ہے کہ شیخ عبدالعزیز مجھے خولجہ سے تعبیر کریں۔

فقیر کو اسی طرح یاد ہے۔ بعض احباب شیخ عبدالعزیز کی جگہ خولجہ منتشبد کا ذکر کرتے ہیں واللہ اعلم۔

سیر ولایت

اس کے بعد میں ظہور تعبیر کا منتظر رہا اور اکثر درود پڑھنے میں مشغول رہتا تھا۔ ایک رات

درود پڑھ رہا تھا کہ ایک نورانی شبیہ چاند کی شکل میں ظاہر ہوئی حالانکہ اس رات چاند نمودار نہیں تھا اور آہستہ آہستہ پوری روئے زمین پر پھیلنا شروع ہوئی، اس کے بعد وہ میرے سر اور جسم پر وارد ہوئی جب تک وہ نورانی شبیہ میرے سر سے قدرے پرے تھی تو میں ذوق و شوق سے سرمست ہو رہا تھا۔ جب میں سر پر آئی تو بیہوش ہو گیا اور نظر بہ ظاہر میرا وجود غائب ہو گیا واللہ اعلم، کیونکہ میرے والد نے مجھے بہت ڈھونڈا مگر نہ پایا جس کے سبب ان پر اضطراب اور پریشانی چھا گئی۔ اسی غیاب اور گمشدگی کی حالت میں میں نے آسمان پر آسمان طے کرنا شروع کئے۔ یہاں تک کہ ان سب کو پار کر گیا، حتیٰ کہ بارگاہ سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جا پہنچا جہاں انھوں نے مجھے اپنی بیعت میں قبول فرما کر نفی و اثبات کی تلقین فرمائی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے افاقہ ہوا اور اپنی پہلی حالت میں آ گیا چند دنوں بعد خواجہ خور کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ انجام پذیر ہو چکا ہے اب میری اصلاح و تربیت کا کیا سامان ہوگا؟ فرمانے لگے کہ ظاہرًا بھی کسی سے ضرور بیعت کرنی چاہئے۔ عرض کی جی چاہتا ہے کہ آپ سے بیعت کر لوں، فرمانے لگے ”تمہیں بہت ہی دوست رکھتا ہوں۔ نہیں چاہتا کہ تمہیں اپنی بیعت میں لوں“۔ عرض کی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا کہ دوستی، بیعت میں نہ لینے کا سبب کیونکر ہو سکتی ہے؟ فرمایا ”مطلب یہ ہے کہ میں بعض غیر شرعی امور کا مرتکب ہوں اور اتباع سنت میں قدرے غفلت و کاجلی کا روادار، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے تعلق و ربط کی بنا پر تمہارے قدم جادۂ شریعت سے ہٹ جائیں۔ ہاں البتہ صحبت و مجلس میں آتے رہو، فیض و بخشش سے کبھی دریغ نہ کروں گا“۔ عرض کی تو پھر جس سے فرمائیے تو تسل کر لوں۔ فرمانے لگے اگر شیخ آدم (۱) بنوریؒ قدس سرہ کے خلفاء میں سے کوئی مل جائے تو زیادہ مناسب رہے گا! کیونکہ یہ لوگ اتباع شریعت، ترک دنیا اور تہذیب نفس میں ایسا کمال رکھتے ہیں جو دوسروں کو میسر نہیں۔ عرض کی کہ ہمارے پڑوس میں ان کے خلفاء میں سے سید عبداللہؒ قیام پذیر

(۱) سید آدم بنوری حسیٰ آپ کا اصلی وطن قصبہ مودہ تھا مگر بنور میں سکونت اختیار کر لی تھی، سلوک کی ابتدائی تعلیم حاجی خضر سے حاصل کی بعد ازاں حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں آئے۔ آپ امی محض تھے لیکن باطنی طریق پر قرآن مجید حفظ کر لیا اور دیگر علوم بھی حاصل کئے۔ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار سے زائد طالبان معرفت ہر وقت جمع رہتے تھے۔ ایک دنیا آپ سے فیضیاب ہوئی۔ ایک سو کے قریب ماسور خلفاء ہیں۔ غیر اہلاد مدینہ طیبہ میں ۱۳۱۳ھ شوال ۱۰۵۳ھ میں انتقال فرمایا۔ جنت البقیع میں قبر حضرت عثمانؓ کے قریب مدفون ہیں۔

ہیں۔ فرمایا، نعمت ہیں۔ جلد ہی ان سے ربط پیدا کرنا چاہئے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوجود اس کے کہ تباہی، عزالت نشینی اور کم آمیزی ان پر غالب تھی۔ پہلی ملاقات میں ہی بیعت میں قبول فرمالیا۔ بیعت کے بعد میں حضرت خواجہ خورڈ اور سید عبداللہ دونوں کی خدمت میں حاضر ہوتا اور فیض صحبت حاصل کرتا رہا۔

نفی و اثبات اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ اسم ذات (۱) کا شغل جو میں نے حضرت ذکر یا علیہ السلام سے حاصل کیا تھا، مجھ پر غالب رہتا تھا اور میں اس سے بہت ہی کیف و سرور حاصل کرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں شغل نفی و اثبات (۲) نہیں کر سکتا تھا۔ اگر کبھی کرتا تو اس سے ذرا بھی لذت محسوس نہ ہوتی اور اس پر قادر نہ ہو سکنے کی بنا پر میں ہمیشہ شرمندہ رہتا تھا۔ حضرت سید عبداللہ قدس سرہ سے اس کوتاہی کا علاج دریافت کیا۔ بارہا توجہ فرمائی مگر عقدہ حل نہ ہوا فرمانے لگے کہ جو چیز انبیائے کرام علیہم السلام کے انفاس طیبہ کی توجہ کے سبب استحکام حاصل کرتے ہم اس میں تبدیلی نہیں لا سکتے۔ حضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ اور رجوع کیجئے، اس نقص و خامی کا علاج ان کی بارگاہ سے ہوگا۔ چنانچہ میں نے آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بارے میں التجا کی جس کے نتیجے میں شغل نفی و اثبات مجھ پر غالب آیا اور بہت ہی آسان ہو گیا۔ اس انداز پر کہ میں کمسنی کے باوجود ایک ہی سانس میں دوسو مرتبہ یہ ذکر کر سکتا تھا۔ میں نے کسی طالب حق میں اس ذکر کے لیے ایسی جذب و کشش نہیں دیکھی باوجود اس بات کے کہ میں تحصیل علم میں مشغول تھا اور دوسرے موانع بھی حائل تھے مجھے نفی و اثبات میں سرور حاصل ہونے لگا۔

(۱) اسم ذات کا شغل یہ ہے کہ اسم ذات (اللہ) کا لطیف قلب میں دھیان رکھے جس کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے۔ بلا لحاظ وقت و طہارت، ہاں طہارت اولیٰ ہے کیونکہ طاب و مطہر کا ذکر طہارت سے ہونا چاہئے۔
(۲) شغل نفی و اثبات، دم بند کرے اور اکو لطیفہ نفسی سے لطیفہ سری خفیٰ اخفیٰ تک۔ وہاں سے اللہ لطیفہ روحی تک۔ وہاں سے اللہ اور ہائے اللہ دل پر مارے۔ ایک ہی جس میں اکیس دفعہ دوسری بار محمد رسول اللہ ملائے۔ آخر اکیس تک نہ پہنچ سکے تو جہاں تک پہنچ جائے یہی عدد اکیس بار تمام وظیفہ ہے۔

حضرت خواجہ حافظ سید عبداللہ قدس سرہ

شوق علم و ہدایت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبداللہ اصل میں قصبہ کھیری کے رہنے والے تھے جو بارہ کے نواح میں واقع ہے۔ ان کے والد نے کھیری کو وطن بنا لیا تھا۔ کسئی ہی میں ان کے والدین فوت ہو گئے تھے اور ان کے دل میں اسی وقت سے خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوا۔ جگہ جگہ اولیائے کرام کی تلاش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ پنجاب کے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے جو علم قرأت میں یدِ طولی رکھتے تھے اور صحرائے پنجاب کی ایک مسجد میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ لوگوں کے میل جول اور آمد و رفت سے بالکل فارغ البال اور انتہائی متوکل علی اللہ تھے۔ سید صاحب ان کی خدمت میں رہ کر راجح طلب کرنے لگے، ان بزرگ نے سید صاحب سے فرمایا کہ تمہاری تلقین و ہدایت ایک اور بزرگ سے وابستہ ہے جہاں تم انشاء اللہ ضرور پہنچو گے۔ البتہ ہاں حفظ قرآن کی نعمت مجھ سے حاصل کیجئے۔ چنانچہ سید صاحب اسی جنگل میں مدتوں ٹھہرے رہے اور قرآن حفظ کیا، ان بزرگ کے فیضِ صحبت سے گوشہ نشینی اور ترک دنیا کے آداب سیکھے اور نفس و شیطان کی کج رویوں سے کنارہ کشی کے انداز حاصل کئے۔

مجالس قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ ایک دن وہ بزرگ اور حضرت سید صاحب دونوں قرآن مجید کا دور کر رہے تھے کہ کچھ لوگ عرب صورت، ہمز پوش گروہ درگروہ ظاہر ہوئے۔ ان کا سردار مسجد کے قریب کھڑا ہو کر ان قاریوں کی تلاوت سننے لگا اور کہا: بارک اللہ اذیت حق القرآن (اللہ برکت دے تلاوت قرآن کا خوب حق ادا کیا) یہ کہہ کر واپس پلٹے۔ ان بزرگ کی عادت تھی کہ تلاوت قرآن کے وقت آنکھوں کو خنید کی سی حالت میں رکھتے تھے اور کسی طرف بھی توجہ نہیں کرتے تھے۔ جب زیرِ تلاوت سورت کو آخر تک پہنچایا تو سید عبداللہ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ تھے؟ جن کی ہیبت سے میرا دل کانپ اٹھا مگر عظمت قرآن کے سبب میں اپنی جگہ سے اٹھ نہ سکا۔ سید صاحب نے کہا قبلہ! یہ اس موضع کے لوگ تھے جب ان کا سردار پہنچا تو مجھ میں یہ طاقت نہ رہی

کہ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہوں۔ مجبوراً اٹھا اور ان کی تعظیم بجالایا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اسی وضع قطع کا ایک اور آدمی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت نبی اکرمؐ کل مجمع اصحاب میں بیٹھے ہوئے اس جنگل کے رہنے والے حافظ کی تعریف و صفت فرما رہے تھے اور ساتھ ہی فرما رہے تھے کہ کل علی الصبح ہم اسے دیکھنے جائیں گے اور اس کی قرأت بھی سنیں گے کیا آپ تشریف لائے تھے یا نہیں؟ اگر آئے تھے تو کدھر کو گئے۔ ان دونوں بزرگوں نے جب یہ بات سنی تو دائیں بائیں دوڑے مگر کوئی نشان نہ پایا (اللہ ان دونوں کی قبروں پر رحمت کے پھول برسائے)

راقم الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کا گمان ہے کہ حضرت والد نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس واقعہ کے بعد مدتوں اس جنگل سے خوشبو مہکتی رہی جسے لوگ سونگھتے اور محسوس کرتے تھے۔

طالبان حق کے ادنیٰ مجاہدات

جب حفظ قرآن سے فراغت حاصل ہوئی تو اس بزرگ نے رخصت عطا فرمائی کہ جاؤ اور جہاں بھی کوئی صاحب ولایت ملے اس کی خدمت گزاری میں انتہائی کوشش کرو۔ یہ سیر کرتے ہوئے ”سامانہ“ میں شیخ اور بیس سامانی کی خدمت میں جا پہنچے۔ یہ بزرگ متوکل تھے اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر کے انتہائی مشکل حالات میں گزارہ کر رہے تھے۔ یہ سلسلہ قادر یہ سے منسلک تھے۔ پہلی مرتبہ جب ان سے ڈب بھڑھوئی تو شیخ نے فرمایا کہ فقیر بہت سارے ہیں۔ کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔ میرے پاس تو اس مردے (۱) کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہر سکتا جو طعام، لباس اور تعلقات دنیوی سے بالکل کٹ چکا ہو اور حوائج ضروریہ کے بغیر میرے دروازے سے باہر قدم نہ رکھے۔ حضرت حافظ عبد اللہؒ نے ان تمام شرائط کو قبول کیا اور ان کے سامنے راہ سلوک طے کرنا شروع کیا بلکہ مردانہ وار اس اختیاری موت پر صابر اور رضا مند رہے۔ یہ دیکھ کر ان پر حضرت شیخ نے اپنی توجہ بڑھادی۔ اسی اثنا میں شیخ کا بیٹا ان سے قرآن مجید حفظ کرنے لگا جس کی بنا پر شیخ کی توجہ دینی ہو گئی اور انھوں نے بھی شیخ کی خدمت گزاری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حضرت حافظ سید

(۱) رہبانیت اور ترک دنیا کی نیت سے ایسا کرنا مذموم ہے، مگر نفس کشی اور پوری توجہ ایک نقطے پر جمانے کے لیے یہ عمل محمود ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے غار حرا میں قیام فرمایا۔ ذات حقیقی کے عرفان خالص کی خاطر دنیاوی آلائشوں سے یکسوئی کا یہ عمل ہے۔ موتوا قبل ان تموتوا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن عمرؓ کو یہ فرمانا کہ اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کرو۔ (ترمذی)

عبداللہ فرماتے تھے ان دنوں میں نے اپنی عادت بنالی تھی کہ درویشوں کیلئے استنجے کے ڈھیلے پتھر سے رگڑ کر صاف کیا کرتا تھا۔ ایک روز اسی حقیقت پر غور کرنے سے اپنے اندر کبر و نخوت اور خود پسندی کا سرور پایا۔ شیخ میری اس حالت پر مطلع ہوئے اور فرمایا کہ میرے چہرے اور جسم پر کوئی نشان یا تبدیلی دیکھتے ہو۔ عرض کی ہاں۔ فرمایا ابتدائے سلوک میں ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچا تو ان کیلئے استنجوں کے ڈھیلوں کو اپنے چہرے اور بدن سے رگڑ کر صاف کیا کرتا تھا اور اس سے مجھے ایک روحانی لذت ملتی تھی۔ یہ زخموں کے نشانات اسی کی یادگار ہیں۔ نیز حضرت حافظ سید عبداللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ان دنوں میری عادت تھی کہ حضرت شیخ اور ان کے اہل خانہ کے کپڑے ہر جمعرات کو نندی کے کنارے لے جاتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے دھوتا تھا تا کہ نماز جمعہ صاف ستھرے کپڑوں سے پڑھ سکیں۔ ایک بار اتفاق سے جمعرات کے دن میں فاقہ سے تھا اور دستور کے مطابق کپڑے سر پر اٹھا کر نندی کے کنارے چلا گیا۔ آدمیوں سے ایک طرف ہو کر کپڑے دھونے میں مشغول ہو گیا۔ جب سورج تیز ہو گیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت نے غلبہ پایا تو میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ناگاہ ایک برقع پوش میرے سر پر پہنچا اور مجھے بیدار کیا۔ برقع میں سے گرم روٹی نکال کر مجھے دی اور کہا۔ کیا تو نے یہ نہیں پڑھا ولا تلتقوا بایديکم الی التھلکة (اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو) مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں شیطان تو نہیں جو مجھے دھوکا دے رہا ہے؟ اس بناء پر میں نے روٹی قبول نہ کی۔ وہ بزرگ میرے اس اندیشے پر مطلع ہوئے اور فرمایا۔ ”اے فلاں: یہ گمان مت کر۔“ یہ لفظ سنتے ہی یہ خیال میرے دل سے دور ہو گیا۔ میں نے روٹی پیٹ بھر کر کھائی۔ دل میں خیال آیا کہ نہر کا پانی گرم ہے۔ کاش یہاں ٹھنڈا پانی ہوتا تا کہ میرا ہوکڑ پیتا۔ وہ اس کھٹکے پر بھی مطلع ہو گئے اور برق کے اندر سے مجھے پانی کا آنکھورہ نکال کر دیا۔ نہایت ٹھنڈا پانی تھا۔ میں نے جی بھر کر پیا اور پھر کپڑے دھو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جونہی مجھے دیکھا فرمانے لگے! سید خضر (علیہ السلام) کے ہاتھ سے روٹی لے لی؟ محمد یوں کو خضر (۱) کا احسان ہرگز نہیں اٹھانا چاہئے۔

عالم استغراق

حضرت والد ماجد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ ادریس سامانی حجرے میں یاد

(۱) کچلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

خدا میں مشغول تھے۔ ان کے اہل خانہ کی عادت تھی کہ ہر سال اسی حجرے میں جانوروں کے لیے گھاس، بھوسا وغیرہ ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی گھڑی اہل خانہ نے حجرے میں گھاس ڈالنا شروع کی۔ انھیں حجرے میں شیخ کی موجودگی کا کوئی علم نہ ہوسکا۔ نیز شیخ بھی اپنی ہستی سے اس قدر بے خبر اور محو تھے کہ انھیں اپنے اوپر گھاس پڑنے کا احساس تک نہ رہا۔ چنانچہ حجرے کو گھاس سے بھر کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد شیخ کی پوچھ کی گئی۔ مسجد میں بھی ڈھونڈا گیا لیکن کہیں نہ ملے۔ آنے جانے والوں سے پوچھا گیا۔ کچھ معلوم نہ ہوا۔ مایوس ہو کر تلاش و تجسس بھی چھوڑ دی چھ ماہ بعد جب چارہ باہر لانے کی ضرورت پڑی تو حجرے کا دروازہ کھلا اور گھاس باہر نکالے گئے۔ بالآخر ایک دن گھاس اٹھانے والے کا ہاتھ شیخ پر جا پڑا تو وہ چونک اٹھا کہ یہاں کوئی آدمی ہے۔ جب اچھی طرح ٹٹولا تو شیخ کو پہچان لیا، یہ سن کر لوگوں کا ہجوم ہو گیا اور اس وقت شیخ کو بھی حالت سکر سے آفاقہ ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نہ تو انہیں درازی مدت کا احساس رہا اور نہ ہی ان کے جسم و جان پر کچھ نہ کھانے پینے سے کوئی اثر پڑا اور یہ واقعہ عجیب و غریب واقعات میں سے ہے، واللہ اعلم۔

www.KitaboSunnat.com

مقام مجدد

سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ بزرگوار شیخ احمد (۲) سرہندی کے ارشادات و کمالات عام ہوئے تو شیخ اور یس نے ان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ”اگر میں زمین کی طرف دیکھتا ہوں تو زمین

(۱) حضرت خضر علیہ السلام کے نسب و خاندان اور دیگر حالات کے بارے میں کوئی مستند معلومات نہیں مانتیں۔ قرآن مجید سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ کے ایک برگزیدہ بندہ۔ ملاقات ہوئی تھی۔ جن کو علم لدنی حاصل تھا اور یہ علم علوم تشرعی سے جدا گانہ ہے۔ حضرت خضر کے بارے میں آپ حیات کا جو افسانہ لوگوں میں مشہور ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ بات کہ وہ زندہ ہیں۔ اور مشکل حالات میں مدد کرتے ہیں، اگرچہ یہ بات براہ راست کتاب و سنت سے مستند طور پر ثابت نہیں ہوئی مگر اکثر جملہ مشائخ تصوفیہ، اہل معرفت کے نزدیک ان کا زندہ ہونا حقیق علیہ ہے، چنانچہ حضرت خضر کی زیارت، ملاقات، مشکل حالات میں ان کی دیکھ بھری کے قصے اس اثبات سے زبان زد خاص و عام ہیں کہ ان کا شمار اہل انکار نہیں۔

(۲) حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی ۱۳ شوال ۹۷۰ھ کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ولد شاہ، مہدالاحد فاروقی بھی مشہور عالم بزرگ تھے۔ مجدد الف ثانی نے سترہ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون مراد و قرآن سے فراغت حاصل کر لی۔ آپ نے طریقہ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ مکندرنیر شاہ کمال دہلوی تھے اور طریقہ (اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

کو نہیں پاتا اور اگر آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا ہوں تو آسمان کو معدوم پاتا ہوں اور اسی طرح عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ کو بھی موجود نہیں پاتا اور جب کسی کے سامنے جاتا ہوں تو اس کا وجود بھی نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ اپنے وجود کو بھی غیر موجود پاتا ہوں اور وجود حق سبحانہ تعالیٰ تو بے پایاں ہے جس کی انتہا کو کوئی نہیں پاسکا۔ تمام مشائخ بھی محض یہی نکتہ کہہ کر رہ گئے ہیں اور اس مقام سے آگے کوئی نہیں جاسکا۔ اگر آپ بھی اسی انتہا کو اپنا کمال سمجھتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر کوئی دوسری بات اس کمال سے درے معلوم ہوئی ہے تو اس سے ہمیں بھی مطلع کیجئے تاکہ ہم اور ہمارے ایک ایسے دوست جو اس مقام تک پہنچنے کی بہت خواہش رکھتے ہیں، وہاں تک پہنچ سکیں۔“ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے جواب میں لکھا۔

”میرے مخدوم! یہ اور اس قبیل کے دوسرے حالات کمون قلب (۱) کا نتیجہ ہیں۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ ان حالات کا حامل مقامات قلب میں ایک چوتھائی سے زیادہ طے نہیں کر سکا۔ ابھی اسے تین حصے طے کرنے چاہئیں تاکہ معاملہ قلب کو تمام و کمال طے کر کے سمجھ سکے۔ مقام قلب سے گزرنے کے بعد مقام روح آتا ہے۔ مقام روح (۲) سے آگے بڑھتے تو مقام سر کا دروازہ کھلتا ہے اور مقام سر کو طے کیجئے تو مقام خفی تک رسائی ہوتی ہے۔ تب جا کر کہیں مقام اخفی کے اسرار و رموز کھلتے ہیں۔ ان چار حصوں کے علاوہ قلب پر کچھ اور اثرات بھی مرتب

نقشبند یہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے خلافت و اجازت حاصل کی، احیائے سنت کے سلسلے میں آپ نے بے مثال کارنامے انجام دیے۔ اکبر کے دین الہی اور جہانگیر کے غیر اسلامی رسوم کے خلاف یہ مرد خدا علی الاعلان ڈٹ گیا۔ ہمارے دینی لڑچکر میں آپ کے مکتوبات کا بہت اہم مقام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ ہر دور کے مسلمان کے لیے روشنی کا مینار ہے اور آپ کی ذلت عام اسلام کی مایہ ناز شخصیات میں سے ایک۔ آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ شیخ احمد و قلاب ہے جس میں ہم جیسے کئی ستارے مہم ہو جاتے ہیں۔ آپ نے حقیقت میں سنیوں کے نظریہ وحدۃ الوجود کے مقابلے میں جس میں وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا جو بہت زیادہ تشبہ و تواتر سے نہ رہا، آپ کی وفات ۹۳۴ھ میں ہوئی۔ سرہندیؒ نے میں حرام جمع خلاق ہے۔

(۱) توحید قلاب راہ سلوک میں بالکل ابتدائی منازل کا نام ہے، جہاں ابھی تک سادہ صفات کے پیکر میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اور ذات تک اس کی رسائی نہیں ہوتی ان حالات کے تعدد کی وجہ سے قلب کو قرار حاصل نہیں ہوتا۔ اسی کیفیت کا نام کمون ہے۔

(۲) مکتوب سرہندیؒ کی طرف اشارہ ہے جو یہ ہیں۔ ۱۔ قلب ۲۔ روح ۳۔ نفس ۴۔ ر ۵۔ خفی ۶۔ اخفی

ہوتے ہیں۔ جن کے احوال و کیفیات جدا جدا ہیں۔ ان تمام کو فرداً فرداً طے کرنے چاہئے۔ (آخر مکتوب تک)

یہ خط پڑھ کر شیخ ادریسؒ نے حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی خدمت میں حاضری دینے اور ان کی عزیمت صحبت سے فیض حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ مگر بعض موانعات کے سبب ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی، یہاں تک کہ شیخ احمد سرہندیؒ کے ایام رشد و ہدایت پورے ہو گئے۔

کچھ بعید نہیں کہ یار دیگر سے مراد سید عبداللہ شاہؒ ہوں۔ فقیر کا خیال ہے کہ حضرت والد ماجد یہ قصہ حضرت شیخ آدم بنوریؒ کے سلسلے میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

ولی کی وسعت نظر

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شیخ ادریسؒ نے حضرت شیخ آدم بنوریؒ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ ”مجھے ہر چیز میں ایک خدا نظر آتا ہے اور ہر درو دیوار کو اس ایک نور کی تجلیات سے بھر پور پاتا ہوں۔“ شیخ آدمؒ نے جواب میں لکھا ”کہ بابرکت اور عجیب حالت ہے، لیکن کا ملین سلوک کے حالات سے موازنہ کیا جائے تو مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ بھائی! کسی کوچہ تنگ سے گزرنے کا سوال نہیں کہ راہ سلوک میں اتنے سمٹ کر رہ گئے ہو۔ یہاں تو ایک شاہراہ عظیم کھلی ہوئی ہے جس پر تو سن فکر و خیال کو بڑھا چڑھا کر دوڑایا جاسکتا ہے۔“ یہ پڑھ کر ان پر شیخ آدمؒ کی ملاقات کا شوق غالب آیا مگر قضائے الہی کہ وہ انہی دنوں بیمار ہو کر رحمت خداوندی کے سائے میں چلے گئے اور سید عبداللہ اسی واقعے کی بنا پر ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ آدمؒ کی خدمت میں پہنچے۔ (۱)

حاصل کلام سید عبداللہؒ شیخ آدم بنوریؒ قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے اور ان کی صورت میں ایک عالی مقام، منبع شریعت، حامل عرفان با اثر شیخ کو پالیا۔ ان کی طرز زندگی اور طریق فقر کو پسند کرتے ہوئے ابام و شکوک کی قوتوں کو شکست دے کر مدتوں ان کی صحبت میں مستحکم اور مقیم رہے۔ واضح رہے کہ سید عبداللہؒ کے چچا یا چچا زاد بھائی جن کا نام نامی سید عبدالرحمنؒ تھا نہایت خوشحال تھے۔ اور ان کا شمار بڑے امراء میں ہوتا تھا۔ مگر ساتھ ہی دین داری میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ حضرت والد ماجد ان کی دین داری کا بہت ہی ذکر فرمایا کرتے تھے۔ یہ امیر نمدار و نیش بھی شیخ آدمؒ

(۱) (نوٹ) معنوم نہیں کہ یہ وہی پہلا قصہ ہے جو ہونسیان سے ذرا تبدیل ہو گیا یا کوئی دوسرا واقعہ ہے۔

ہنرمندی کا مریہ تھا۔ اسی بنا پر حضرت سید عبداللہ انتقال شیخ کے بعد ہمیشہ سید عبدالرحمن کی صحبت میں رہتے تھے اور آپس میں انتہائی محبت و انس رکھتے تھے۔ حضرت سید عبداللہ عقیف و پاکدامن تھے۔ زندگی بھر شادی نہ کی۔ محلہ ”کوشک نر“ میں حضرت عبداللہ کی اقامت کا سب سے بڑا سبب سید عبدالرحمن موصوف کی رفاقت تھی۔ شیخ آدم کے تمام مکتوبات میں جو سید عبداللہ کے نام لکھے جاتے رہے۔ سید عبدالرحمن کا ذکر بھی محض ملتا ہے۔ شہادت کے طور پر شیخ آدم کے دو مکتوب بعینہ نقل کئے جاتے ہیں جو حافظ عبداللہ اور سید عبدالرحمن کے نام صادر ہوئے

نامہ شیخ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خير خلقه محمد وآله
اجمعين الاكرمين

اللہ تعالیٰ دینی اور دنیوی کاموں میں اپنی رضا کے مطابق جمعیت خاطر اور اطمینان قلب کی توفیق ارزانی کرے اور ہمارے دلوں کو خالص و مخلص رکھے۔۔

زاں یار دنوازم شکریت نے شکایت

گر نکتہ دان عشقی خوش بشنو ایں حکایت

(اگر نکتہ دان عشق ہو تو مجھ سے یہ لطف انگیز بات سنو کہ اس محبوب دنواز کا ہر حالت میں شکر گزار رہنا چاہئے۔ کسی بھی عالم میں زبان شکایت نہ کھولئے۔

ہمارا یہ فقیہانہ سلام نامہ ان برادران معنوی تک بطریق انتباہ مطالعہ سے گزرے کہ چل چلاؤ کا وقت ہے اور کل کا کام کل ہی کے عمل میں شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق دینے والا ہے اور اسی سے ہی راہ راست اور رشد و ہدایت کی توفیق اس کے حبیب آل اطہار، اصحاب کبار اور تابعین ذی وقار کے طفیل نصیب ہوتی ہے۔ ان سب پر صلوٰۃ و سلام ہوں۔ یہاں کے تمام احباب کی طرف سے برادرانہ تسلیمات مطالعہ فرمائیے۔

حضرت شیخ آدم ہنرمندی کا دوسرا مکتوب جو سیادت پناہ سید عماد، حافظ عبداللہ اور حافظ عبدالرحمن کے نام صادر ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ

اجمعین الاکرمین

”بندگان افی معنوی سیادت پناہ و توفیق آقا رسیدنماد و حافظ عبدالرحمن سلام فقیرانہ کے بعد مطالعہ فرمائیں کہ اس طرف کے حالات لائق حمد و شکر ہیں اور آپ بھائیوں کی سلامتی و استقامت اللہ سے مطلوب ہے۔ وہی ذات پاک نخل تمنا کو ہار آور کرنے والی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ آنجناب کا ایک ایک گرامی نامہ جو اخلاص سے پر تھا۔ ”بارہ“ سے اور دوسرا عنایت نامہ محترم حافظین (حافظ عبداللہ و حافظ عبدالرحمن) کا لکھا ہوا اکبر آباد سے موصول ہوا۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ آپ حضرات صحت و سلامتی سے ہیں اور فقیروں کی یاد سے بھی غافل نہیں۔ بہر حال امیدوار ہوں کہ اس اخلاص کا نتیجہ سعادت دارین کی صورت میں نمودار ہوگا (اللہ کے فضل و احسان سے) اے بھائی! وقت ایک چلتا دھارا ہے، گریہ و زاری اور صدق دل سے دعاؤں میں سعی و کاوش دکھانا ضروری ہے تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ بقیہ زندگی اس دار فانی میں ضائع کرنے سے بچائے۔“

تصفیر قلب

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ سید عبداللہؒ نے فرمایا کہ آغاز کار میں جب میں شیخ آدم کی خدمت میں پہنچا۔ میرا قلب نسبت روحانی سے بالکل خالی ہو گیا اور جمعیت خاطر میں فتور ظاہر ہونے لگا۔ میں پریشان ہوا اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی۔ فرمایا ”پہلی نسبت سرکہ کا حکم رکھتی ہے اور جو جمعیت قلب ہماری صحبت میں پاؤ گے۔ اس کی مثال گلاب کی سی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر بوتل میں سرکہ ہو اور اس میں گلاب ڈالنے کا ارادہ کیا جائے تو سب سے پہلے بوتل کو خوب دھو کر صاف کیا جاتا ہے تاکہ سرکہ کا ذرہ بھر بھی اثر باقی نہ رہے۔ تب وہ بوتل گلاب کے قابل بنتی ہے۔“

کلام ربانی کی تاثیر و اعجاز

حضرت والد ماجد صاحب شیخ آدم بنوریؒ کی اولاد میں سے کسی بزرگ سے نقل فرماتے تھے کہ سید عبداللہؒ صحبت شیخ آدمؒ کے دوران ایک دن کسی درخت کے نیچے پورے اطمینان قلب کے ساتھ آنکھیں بند کئے تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔ اسی اثناء میں بہت سی چڑیاں درخت سے گر کر مرتی رہیں اور وہ لوگ جو ماوراء النہر سے حضرت شیخ کی بیعت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ذوق سماع سے وجد میں آ گئے۔ کسی نے حضرت شیخ آدمؒ کو اس صورت حال سے مطلع کیا آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ حافظ! اب بس کرو۔ حافظ نے آنکھ کھولی، انکساری کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور چپ سادہ لی۔

حضرت والد گرامی فرماتے تھے کہ سید صاحب بھی قرآن پڑھتے۔ مسجد میں کوئی شخص ایسا نہ ہوتا جو ان کی قرأت سکر ذوق سماع سے سر نہ دھن رہا ہو۔ ایک مرتبہ دارالاشکوہ نے نو قاری ان کے امتحان کے لیے بھیجے۔ ہر ایک مختلف قواعد مثلاً وقف، مد، تفسیم، ترقیق، رملون وغیرہ میں امتحان لینا چاہتا تھا اور حضرت حافظ سے ان قواعد میں قرأت کی استدعا کر رہا تھا۔ سید صاحب نے فرمایا اگر دور کو ع سننا چاہتے ہو تو ابھی سنائے دیتا ہوں اور اگر تھوڑا سا انتظار کر لو تو نماز چاشت کے بعد دو پارے سنا دوں گا۔ چنانچہ یہ حضرات رک گئے مگر ان دو سپاروں کی قرأت میں کوئی لائق بحث بات نہ پاسکے۔ فراغت کے بعد حضرت حافظ نے فرمایا کہ لوگ سات قرأتوں کو اس طریق پر پڑھتے ہیں کہ ہر لفظ کو مختلف طریق سے تلفظ کرتے ہیں مگر یہ طریقہ میرے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ میرے خیال میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک بار طریق عاصم کوئی پر تلاوت کی جائے کہ دوسرے کسی کا طریقہ بھی اسی قرأت میں مخلوط نہ ہو اور دوسری بار تمام قرآن کو ابو عمرو کے طریق پر پڑھا جائے اور اس میں دوسروں کے طریق کو نہ ملایا جائے اور اسی طریق پر باقی تمام قرأتوں کی تکمیل کی جائے۔ یہ سن کر متحن قاری عاجز آ گئے۔

کشف و کرامت نہیں، جہد و استقامت

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ میں نے یہ نکتہ حضرت حافظؒ سے کئی بار سنا کہ ”کشف بر سر کشف“ (کشف و کرامت کے سر پر جوتے) یعنی صوفیاء کے نزدیک استقامت معتبر ہے نہ کہ

کرامت۔ قبلہ والد صاحب فرماتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب کا طریقہ عزالت و گمنامی تھا۔ لوگوں میں اس طرح گھل مل کر رہتے تھے کہ کوئی انہیں کسی خصوصیت سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اکثر بوڑھی یا بیوہ عورتوں کے دروازوں پر چکر لگایا کرتے تھے تاکہ انہیں پانی اناج وغیرہ ضروریات خانگی بازار سے لا کر دے سکیں۔ بسا اوقات ضعیف خادما میں اپنے آقاؤں کا سامان لینے آتیں تو حضرت حافظ صاحب ان کی یہ خدمات اپنے ذمے لے کر منزل مقصود تک پہنچا آتے اور ساتھ ہی کہتے کہ آقاؤں سے مت کہنا تاکہ وہ تمہیں ایذا نہ دے سکیں الغرض باوجود اس گمنامی اور انکساری کے شیخ آدم بنوریؒ کے صحبت یافتگان جیسے شیخ عبداللہ کہاتی جن کا لقب حاجی بہادر تھا۔ شیخ بایزید اور اس قسم کے دوسرے لوگ حضرت سید کی انتہائی تعظیم کرتے تھے۔

اہل دل سے پردہ

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ سید عبداللہ سنایا کرتے تھے کہ طلب کے ابتدائی ایام میں، میں ایک مجذوب کی خدمت میں پہنچا جو ہمیشہ بازاروں میں ننگا پھرا کرتے تھے۔ جب مجھے دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں بھی انکے پیچھے تیز تیز چلنے لگا۔ جب قصبے سے باہر آئے تو وہاں ایک بڑھیا لکڑیاں جمع کر رہی تھی۔ مجذوب نے اس کا دوپٹہ لے کر تن ڈھانپ لیا اور میری طرف متوجہ ہو کر کہا السلام علیکم۔ پھر کہنے لگے کہ اس وقت میں ننگا تھا اور تم آرہے تھے مگر تم نے میرا تعاقب کیوں کیا؟ عرض کی میں جانتا تھا کہ آپ کی عادت ہی کچھ ایسی ہے۔ فرمانے لگے۔ قصبے والے جانور ہیں اولنک کمالانعام بل ہم اضل (یہ جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدترین راہ پر چلنے والے) اس لیے ان سے پردہ نہیں کرتا۔ مگر جب کوئی اہل دل پہنچ جاتا ہے تو پابند ہو جاتا ہوں۔ (۱)

مستقبل بینی

والد ماجد نے فرمایا کہ سید عبداللہ فرماتے تھے۔ جن دنوں شیخ آدم بنوریؒ قدس سرہ نے حج بیت اللہ کا عزم مصمم کیا میں نے بھی ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا۔ انھوں نے مجھے جانے سے (۱) سرحد شہید کے متعلق مشہور ہے کہ آپ اکثر برہنہ رہا کرتے تھے۔ علماء نے اور تکذیب مانگیں پر زور دیا کہ سرحد شہید کو اس حرکت کی سزا دیں۔ جب بادشاہ نے سرحد شہید سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا۔

ماربمہ اسباب پیشانی داد

بے عیال را لباس حیاتی داد

آنکس کہ توانا جہانی داد

پوشانید لباس برکریہ دید

روک دیا۔ روانہ ہونے لگے۔ میں نے عرض کی کہ اہل وعیال والے تو دولت ہمراہی سے مشرف ہو رہے ہیں، فقیر جو غیر شادی شدہ ہے اور کسی کے نان و نفقہ کا متحمل بھی نہیں اسے کیوں محروم کیا جا رہا ہے؟ فرمانے لگے کہ تمہارا تھہرا نا حکمت پر مبنی ہے جو تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ حکمت تمہاری تربیت سے عہدہ برآ ہوا تھا۔

ہو نہ ہار بروا

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ سید عبداللہؒ سنایا کرتے تھے کہ جب تم (شاہ عبدالرحیمؒ) بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ تو ہم اپنے دل میں تمہارے لیے کشش محسوس کرتے تھے اور دعا کیا کرتے تھے بار خدا! اس بچے کو زمرہ اولیاء میں شریک کر اور اس کے کمالات میرے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ الحمد للہ کہ میری دعاؤں کا اثر ظہور پذیر ہوا۔

کرامت مکتب یا فیضانِ نظر

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبداللہؒ مجھ سے کوئی خدمت نہیں لیتے تھے۔ اگر میں خدمت کرنا چاہتا تو کسی بہانے باز رکھنے کی کوشش کرتے۔ ان کی اس روش سے ایک رات میرے دل میں وسوسہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس خیال کے اظہار کی خاطر میں ان کے حجرے میں چلا گیا۔ گرمی کا وقت تھا۔ کپڑے بدن سے اتار رکھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا اور فرمایا میرے جسم کی میل کھریج لو۔ میں انتہائی مسرت سے بدن کی میل صاف کرنے لگا، درمیان میں فرمایا پورے ہاتھ کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ کام تو دو انگلیوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے دو انگلیوں سے میل صاف کرنے پر اکتفا کی۔ پھر فرمایا۔ راہ طریقت میں طالب سے خدمت لینے کی جو شرط تھی وہ میرے ساتھ ہیوست ہو کر تم نے پوری کر لی ہے۔ آئندہ کسی بھی ایسے اندیشے کو دل میں راہ مت دو۔ کیونکہ میں نے اپنی طرف سے صحبت ظاہری و باطنی کے تمام حقوق تمہیں معاف کر دیے ہیں۔

حضرت سید صاحب ایک بزرگ سے جو شیخ آدم بنوریؒ کا صحبت یافتہ تھا (شاہ صاحب کے گمان میں یہ بزرگ سید صاحب کے علم محترم یا ان کے کوئی عم زاد بھائی تھے) روایت کرتے تھے کہ سید علم اللہؒ مجھ سے تعظیم حاصل کیا کرتے تھے۔ اسی دوران انہیں طریقت کا شوق پیدا ہوا اور شیخ آدم

ہنوری کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ اکثر اوقات حصول علم میں بھی حرج اور ناغہ ہونے لگا۔ اس بات پر میں نے انہیں بہت ٹوکا۔ اسی اثناء میں میری زبان سے نکلا۔ ”علم سے بے بہرہ حامی فقیروں سے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ یہ سن کر سید علم اللہؒ کی حالت تبدیل ہو گئی اور کہنے لگے کہ تم اور تم جیسے لوگ اگر ان کی صحبت میں آئیں تو اپنے آپ کو گونگے اور جاہل مطلق سمجھنے لگیں۔ میں یہ سنکر بہت تلملایا اور بھڑک اٹھا اور علم کلام کا ایک انتہائی مشکل ترین مسئلہ تلاش کر کے انہیں عاجز اور زچ کرنے کی نیت سے ان کے پاس پہنچ گیا۔ بہت عزت و تکریم سے پیش آئے، میں نے اپنا اشکال پیش کیا۔ پہلے تو فرمانے لگے۔ ”یہ مسئلہ خالص علمی ہے اور فقیر عامی ہے، ہاں البتہ تم عالم ہو۔ میں کیا جانوں! یہ تو تم ہی سے حل کرانا چاہئے۔“ اسی طرح نال منول کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے یقین کر لیا کہ انہیں علم لدنی کا کوئی دعویٰ نہیں اور اس مشکل مسئلے پر ان کی بے مائیگی مجھ پر ظاہر ہو گئی۔ میرے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ ایک دم ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور بلند آواز سے فرمانے لگے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر مشرق و مغرب کے علماء جمع ہوں تو بھی حل نہ کر سکیں۔ ہاں البتہ ہم اسے حل کریں گے۔ پھر غیر مبہم، شگفتہ اور پرتاثر تقریر شروع کی۔ جس سے اشکال رفع ہو گیا۔ آپ نے ایسے معارف اور نکات بیان کیے جن تک میرا فہم و شعور نہیں پہنچ سکتا تھا اور اکثر باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔ میں اپنے آپ کو ان کے آگے طفل مکتب سمجھنے لگا۔ جب ان کی مجلس سے اٹھا تو خیال آیا کہ ان کی سچائی ظاہر ہو چکی ہے لہذا توبہ کر لینی چاہئے مگر جھوٹی انا اور خواہش نفس نے ایسا جکڑ رکھا تھا کہ دوبارہ علم تفسیر کا ایک مشکل ترین مسئلہ ڈھونڈ کر ان کے سامنے پیش کیا۔ اس بار بھی روز اول کی طرح تعظیم سے پیش آئے اور شروع میں حد سے زیادہ معذرت کرنے لگے۔ جس سے مجھے شبہ گزرا کہ شاید اس مسئلے کے بیان سے عاجز آگئے ہیں۔ مگر ایک دم پلٹا کھایا اور تقریر دل پذیر شروع کر دی۔ تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا جس سے متاثر ہو کر میں نے دل ہی دل میں کہا کہ یہ راست رو اور منصف مزاج ہیں لیکن میرے اندر کج روی اور خامی ہے۔ چنانچہ میں نے ان کا امتحان اور آزمائش لینے سے توبہ کی اور اپنی خطا و قصور کا معترف ہو کر نیاز مندگی و انکساری سے ان کی مجلس میں پہنچا۔ اس بار کوئی توبہ نہ فرمائی۔ جوتیوں میں بیٹھا توبہ وزاری کا اظہار کرتا رہا۔ فرمانے لگے تم تو صاحب علم ہو، سر کے بال کنپٹیوں سے نیچے کیوں

چھوڑ رکھے ہیں، اور تہ بند ٹخنوں سے نیچے کیوں لٹک رہا ہے؟ حجام کو بلوایا، سر منڈوا دیا اور تہ بند ٹخنوں سے اوپر کرایا اور بیعت میں قبول فرمایا۔

سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابراہیم مراد آبادی طریقہ چشتیہ کے ایک نامور بزرگ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ طلب سلوک کے آغاز میں جب میں شیخ آدم بنوریؒ کی خدمت میں پہنچا تو ان کے دوستوں میں سے ایک بزرگ نے میری سفارش کی کہ حضرت! یہ شخص صحیح معنوں میں طالب خدا ہے۔ اسی وقت مجھ پر شیخ نے ایسی نگاہ ڈالی کہ مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی جو اب تک باقی ہے۔ چند روز وہاں ٹھہر کر راہ سفر لی اور شیخ محمد صادقؒ کے حلقہٴ ارادت میں شامل ہو گیا۔ وہاں سے بھی بے انتہا روحانی فوائد حاصل کئے، مگر ریاضت اور تصفیہٴ قلب کے بعد معلوم ہوا کہ میری جمیعت خاطر اور للہیت کا اصل سرمایہ شیخ آدمؒ کی وہی نگاہ کرم ہے۔ ریاضات اور مجاہدات نے اس میں رونق و صفا کے علاوہ کوئی اضافہ نہیں کیا۔ سننے میں آیا ہے کہ شیخ بایزید جو اللہ کو کے لقب سے مشہور تھے۔ مردخی اور بے طمع تھے۔ خلق خدا پر انتہائی شفقت فرماتے تھے اور ان کا یہ وصف شہرہ آفاق تھا۔

نگاہ شیخ

فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائے سلوک میں جب میں حضرت شیخ آدمؒ کی بارگاہ میں پہنچا تو دیکھا کہ تمام ارادت مندوں نے شیخ کے گھر کا کاروبار آپس میں بانٹ رکھا ہے اور کوئی خدمت بھی باقی نہیں چھوڑی۔ کچھ مدت میں نے انتظار کیا تو دیکھا کہ جو ارادت مند جنگل سے کٹڑیاں وغیرہ لانے پر مقرر ہے بہت ہی کمزور اور لاغر ہے۔ صحیح معنوں میں یہ خدمت سرانجام نہیں دے سکتا۔ میں چونکہ تو مند جوان تھا یہ کام میں نے اپنے ذمے لے لیا۔ ہر روز دو ڈھیر اٹھاتا تھا۔ مگر ابھی تک یہ شرف حاصل نہ تھا کہ شیخ کی مجلس میں باریاب ہو سکوں۔ کچھ مدت کے بعد شیخ ایک نہر پر غسل کرنے تشریف لے گئے۔ ارادت مند بدن کی میل دور کرنے اور مالش کرنے میں مشغول ہو گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا، ان سب کی بہ نسبت میں نے خدمت بہتر طور پر انجام دی جس کی بنا پر شیخ اسی وقت میری طرف متوجہ ہوئے۔ ایک ہی نگاہ نے میرا کام تمام کر دیا اور اسی نہر میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ساتھی مجھے مردے کی طرح وہاں سے خانہ شیخ تک اٹھالائے۔ چھ ماہ بعد پھر اسی نہر پر شیخ کی مالش بدن میں مصروف تھا کہ ازراہ کرم پھر مجھ سے دریافت حال فرمایا۔ اس التفات کی

کیفیت سے میں پھر بیہوش ہو گیا۔ میرے پلے جو کچھ بھی ہے یہ اسی نگاہ لطف کا صدقہ ہے جو حضرت شیخ نے دومرتبہ مجھ پر مبذول فرمائی۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے شیخ آدمؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر توجہ طلب کی، فرمایا۔ وضو کر کے دو رکعت پڑھ لے۔ یہ سن کر میرے سامنے اس شخص نے منہ بنا کر کہا۔ نماز کا وضو تو حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے گناہوں کا کفارہ ہے پھر تمہاری توجہ کی کیا ضرورت ہے؟ شیخ اس کی بے ادبی سے درگزر فرماتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔ اسی وقت الہام (۱) ہوا کہ ہم نے تو تمہیں اپنی مخلوق میں اس لیے رکھا ہے کہ ان کی بے ادبیوں سے درگزر کرو اور انہیں راہ ہدایت دکھاؤ۔ تم نے وسدرون بالحسنة السیة (برائی کے بدلے نیکی کو اختیار کرتے ہیں) پر عمل کیوں نہ کیا؟ اس پر شیخ نے اس آدمی کے پیچھے کسی کو بھیجا تا کہ اسے واپس لے آئے اور آداب مجلس سلوک کے برعکس اس پر خاص توجہ فرمائیں۔ شیخ کا قاصدا سے واپس لانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شیخ نے قاصد سے فرمایا کہ اس کے دونوں کانوں میں اللہ کا اسم پڑھو۔ چنانچہ لفظ اللہ سنتے ہی وہ بیہوش ہو گیا اور اسے مردے کی طرح اٹھا کر شیخ کی خدمت میں لائے۔

گردن نہ جھکی جس کی شہنشاہ کے آگے

حضرت والد ماجد نے حضرت شیخ آدمؒ کے رفقاء سے نقل کیا کہ جب شیخ کی شہرت عام ہو گئی تو ان کی دھوم شہنشاہ ہند شاہجہان تک بھی جا پہنچی۔ شاہجہان نے اپنے وزیر سعد اللہ خان اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو بھیجا تا کہ شیخ سے مل کر حقیقت حال کا پتہ کریں۔ دونوں شیخ کی خدمت میں پہنچے شیخ اس وقت مراقبے میں تھے۔ کافی دیر دروازے پر بیٹھے رہے۔ جب شیخ حالت مراقبہ سے باہر نکلے تو دونوں ان کے حجرے میں داخل ہو گئے۔ شیخ ان کی تعظیم بھانے لائے یہ دیکھ کر دونوں بزرگوں کا مزاج بگڑ گیا۔ سعد اللہ خان نے کہا۔ میں تو اہل دنیا ہوں۔ مشائخ کے نزدیک مستحق تعظیم نہیں مگر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی تو عالم دین ہیں۔ ان کی تعظیم ضروری ہے۔ شیخ نے فرمایا حدیث میں آتا ہے۔ العلماء ابناء النیین مالم یخالطوا الملوک فاذا خالطوہم فہم اللصوص (علماء بحفاظہ دین ہیں۔ جب تک کہ بادشاہوں سے دور رہیں۔ جب سلاطین کی (۱) الہام کی حقیقت یہ ہے کہ بلا واسطہ کسی نفروا کتساب کے کوئی حقیقت قلب میں القا ہو جائے۔ مانعین زکاۃ کے بارے میں حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ ان اللہ شرح صدور ابی مکر۔ الہام ہی کی فہم

بارگاہوں تک جا پہنچیں تو وہ علماء نہیں چور ہیں) پھر ان دونوں نے پوچھا۔ آپ کا نسب کیا ہے؟ فرمایا سید ہوں مگر چونکہ ہماری مائیں افغان قبائل سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے عوام کی زبان پر افغان مشہور ہو گئے۔ پھر پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ علم لدنی رکھتے ہیں، فرمایا ہاں اور اس نعت پر اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ یہ سن کر دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور شاہجہان سے جا کر کہا کہ یہ ایک عامی اور مشکبر فقیر ہے جو لمبے چوڑے دعوے کرتا ہے۔ اصل میں افغان ہے مگر سید کہلاتا ہے۔ باوجود اس کے پٹھان اس کے بے حد معتقد ہیں۔ لہذا اسے چھیڑنے سے خوف ہے کہ کہیں فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ یہ سن کر شاہجہان بگڑ گیا۔ قاصد کے ہاتھ شیخ کو کہنا بھیجا کہ آپ حج کو چلے جائیں۔ شیخ انتہائی غلٹ میں عازم مکہ ہو گئے۔ جب سورت میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حاکم سورت آپ کا ارادت مند ہے۔ شیخ نے کہا۔ تمہارے ذمے یہ خدمت ہے کہ ہمیں جلد تر جہاز میں سوار کر دو۔ جب سوار ہوئے تو بادشاہ کا حکم پہنچا کہ اس فقیر کو جلد واپس لوٹائیے کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس درویش کا باہر جانا میرے ملک کے لیے زوال کا باعث ہوگا۔ حاکم سورت نے معذرت لکھی کہ شای ختم پہنچنے سے پہلے حضرت شیخ جہاز پر سوار ہو گئے۔ بہت ہی جلد بادشاہ قید ہوا۔ ادھر شیخ کی وفات مدینہ منورہ میں واقع ہوئی اور جنت البقیع میں قبر حضرت عثمانؓ کے قریب مدفون ہوئے۔ (اللہ ان کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے۔)

حسد سدا راہ ہے

والہ ماجد فرمایا کرتے تھے کہ طالب نامی ایک درویش حضرت سید عبداللہ قدس سرہ کی خدمت میں رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ روتا اور ہائے ہائے کا نعرہ لگاتا رہتا تھا۔ حضرت سید نے اس سے ہمیشہ روتے رہنے کا سبب پوچھا تو میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ یہ عزیز حصول علم میں مشغول رہتا ہے اور میں فارغ الہال اور یکسو ہوں مگر پھر بھی اس پر مجھ سے زیادہ روحانی عقدے اور مخفی اسرار آشکارا ہوتے جا رہے ہیں۔ فرمانے لگے اس فکر و اندیشے میں مت پڑو۔ یہ عطاے الہی ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ حوصلہ و ہمت تفویض ہوئی ہے۔ مگر وہ پھر بھی روتا رہا۔ حضرت سید نے فرمایا۔ تیرنی اصلاح یوں ہو سکتی ہے کہ تو سفر میں رہا کر۔ چنانچہ اس نے دائمی سفر اختیار کیا۔ کبھی کبھی مجھے دیکھنے کے لیے آ جایا کرتا تھا اور کہا کرتا کہ حضرت سید صاحب کے منہ سے

جو بات نکل گئی اس کا یہ اثر ہے کہ سفر میں مجھے ہمیشہ جمعیت خاطر اور انبساط حاصل رہتا ہے لیکن ایک جگہ قیام میں تنگی و غمگینی۔ کبھی کبھی وہ مغلوب الحال ہو جاتا۔ ایسی حالت میں ایب مرتبہ کسی کے گھر میں گھس گیا۔ انھوں نے پکڑ کر اسے تکلیف دی اور قید کر ڈالا۔ جس قدر بھی اس کی قید اور تکلیف بڑھتی رہی اس کے گھریلو نقصان میں اضافہ ہوتا رہا اس کا بیٹا مر گیا۔ گھوڑا لنگڑا ہو گیا۔ دوسرا بیٹا بیمار پڑ گیا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ سخت نادم ہوا، توبہ کی اور پھر میرے ساتھ نیاز مندانہ سلوک شروع کیا۔

ہزار خوانی آمد

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جن دنوں اورنگ زیب اکبر آباد میں تھا، میں میرزا زابد بروی محتسب لشکر سے کچھ اسباق پڑھتا تھا۔ اسی تقریب کے بہانے میں اپنے والد کے ہمراہ اکبر آباد آ گیا۔ سید عبداللہ بھی سید عبدالرحمنؒ کی رفاقت کے سبب وہاں موجود تھے وہاں انہیں ایک عارضہ ہو گیا اور رحمت حق سے واصل ہوئے۔ انھوں نے وصیت کی کہ مجھے مسکینوں کے قبرستان میں دفن کرنا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ میں بھی اس دن شدید بیمار تھا۔ جنازے کے ساتھ جانے کی سکت نہیں تھی۔ جب میں تندرست ہوا اور چلنے پھرنے کی طاقت پیدا ہوئی تو ایک ایسے ساتھی کے ساتھ جو ان کے جنازہ میں دفن میں موجود تھا۔ زیارت و برکت کے لئے ان کے مزار مبارک کی طرف چل پڑا۔ یہ ان کی آخری وصیت کا کمال تھا کہ میرے ساتھی کافی غور و فکر کے باوجود ان کی قبر نہ پہچان سکے۔ آخر اندازے سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا۔ میں وہاں بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا۔ میری پشت کی طرف سے سید صاحب نے آواز دی کہ فقیر کی قبر ادھر ہے لیکن جو کچھ شروع کر چکے ہو، اسے وہاں ہی تمام کر لو اور اس کا ثواب اسی قبر والے کو بخشو۔ جلدی مت کرو۔ جو کچھ پڑھ رہے ہو اسے انجام تک پہنچاؤ۔ یہ سن کر میں نے ساتھی سے کہا۔ اچھی طرح غور کرو۔ سید صاحب کی قبر وہی ہے جدھر تم نے اشارہ کیا میری پیٹھ کے پیچھے ہے۔ تھوڑی دیر سوچ کر کہنے لگا، میں غلطی پر تھا۔ حضرت سیدؒ کی قبر تمہارے پیچھے ہے۔ میں اسی سمت ہو کر بیٹھا اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ اسی اثناء میں دل گرفتہ اور غمگین ہونے کے سبب اکثر مقامات پر قواعد قرأت کی رعایت نہ کر سکا۔ قبر میں سے آواز آئی کہ فلاں فلاں جگہ پر تسابیل سے کام لیا ہے۔ قرأت کے معاملے میں حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔

تذکرہ حضرت خواجہ خورشید فرزند خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱) شیوہ اہل نظر

والد ماجد فرماتے تھے کہ رسائل صفار (شرح عقائد سے پہلے کے رسائل) سے لے کر شرح عقائد و حاشیہ خیالی تک جملہ متداول کتب میں نے مخدومی اخوی ابوالرضا محمد سے پڑھیں اور دوسری درسی کتب میرزا زاہد ہروی سے ایک دن شرح عقائد و حاشیہ خیالی کے درس کے دوران میرے دل سے ایک اعتراض اٹھا۔ مخدومی ابوالرضا جواب میں گویا ہوئے۔ اس مناظرے نے طول پکرا اور معامدہ رنج و غصے تک جا پہنچا۔ میں نے کتاب پڑھنا چھوڑ دی۔ کچھ عرصہ بعد ایک دن ہم دونوں خواجہ خورشید (۲) کی خدمت میں پہنچے آپ نے مجھ سے پوچھا کہ خیالی کو کہاں تک پہنچایا ہے؟ عرض کی عرصہ ہوا کہ ترک کر دی ہے فرمایا کیا سبب ہوا۔ عرض کی نماز، روزے کے ضروری احکام معلوم ہو چکے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ میسر نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ نے حقیقت معلوم کرنے میں مبالغے سے کام لیا، بالآخر بات ظاہر ہو گئی۔ تاکید سے فرمانے لگے۔ مجھ سے پڑھ لیا کرو۔ صبح سویرے کتاب لے کر خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے درس دینا شروع کیا اور میرے سابقہ اعتراض کو بہت ہی پسند کیا اور قوت استدلال کو سراہا دوسرے اور تیسرے روز بھی سلسلہ یونہی چلتا رہا چوتھے دن فرمایا کہ تمہارے جد بزرگوار شیخ رفیع الدینؒ نے بھی مجھے تین دن سے زیادہ سبق نہیں پڑھایا تھا۔ لہذا میں بھی تین اسباق سے زیادہ نہیں پڑھاؤں گا۔ پھر یوں حکایت شروع کر دی کہ آغاز جوانی میں میں حسن پرستی شعار رکھتا تھا۔ شیخ رفیع الدینؒ کا ایک صاحبزادہ بہت ہی خوبصورت

(۱) حضرت مجدد الف ثانی کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد باقی باللہ، کابل میں ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد قاضی عبدالسلام بھی جلیل القدر عالم اور بزرگ تھے۔ آپ نے اس دور کے مشہور فاضل مولانا طوطائی سے تعلیم حاصل کی۔ یوں تو آپ اویسی المشرّب تھے۔ آپ کی باطنی تربیت براہ راست سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خواجہ بہاؤ الدینؒ کی روحانیت سے ہوئی لیکن ظاہراً آپ نے ماوراءالنہر اور ہندوستان کے سینکڑوں مشائخ سے کسب فیض کیا۔ آخر میں حضرت خواجہ گنجی اسماعیلیؒ سے مجاز طریقت ہوئے۔ آپ شریعت و طریقت کے مابین تھے۔ اکتالیس سال کی عمر میں ۲۵ جمادی الثانی ۱۰۱۳ھ کو وفات پائی۔ مزار مبارک دہلی میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

(۲) خواجہ خورشید کا اصل نام خواجہ عبداللہ ہے۔ آپ حضرت خواجہ محمد باقی کے فرزند ارجمند اور ظاہری و باطنی علوم کے جامع والد گرامی کے نقش قدم پر کار بند تھے۔

تھا۔ اس کو دیکھنے کے ارادے سے گیا اور شرح لمعات بھی ساتھ لیتا گیا تاکہ لوگ سمجھیں کہ مسائل تصوف کی تحقیق کے لیے آیا ہے کیونکہ حضرت شیخ رفیع الدین مشکل مسائل کے حل کرنے کے سلسلے میں شہر کے اندر اپنی مثال آپ تھے۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہ) سے توسل کے سبب میرے ساتھ انتہائی مہربانی سے پیش آئے اور تعظیم بجالائے۔ جب میں نے سبق شروع کیا تو سرسری طور پر دو چار چیزیں بیان فرمائیں اور زیادہ تحقیق نہ فرمائی۔ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اسی صاحبزادے کو بلا کر فرمایا کہ خواجہ کی خدمت میں رہو۔ یہ دیکھ کر میں شرمندہ اور نادام ہوا مگر چونکہ ایام شباب تھے۔ دوسرے روز بھی اسی نیت اور ارادے سے جا پہنچا اور پھر بھی وہی سلوک ہوا۔ تیسرے روز مجھ پر انتہائی ندامت غالب ہوئی۔ میں نے توبہ کی اور خلوص نیت کے ساتھ پہنچا۔ اخلاص کی تلقین فرمائی اور پہلے سے بھی زیادہ التفات دکھایا اور اس روز نکات تصوف پر خوب زور دار تحقیقی تقریر فرمائی اور اس لڑکے کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب سبق سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اگر تمہاری غرض اس فن کی تحقیق سے ہے۔ تو مجھے حکم دیجئے کہ ہر روز قیام گاہ پر حاضر ہوتا رہوں، کیونکہ آپ کا یہاں تشریف لانا میرے لئے بے ادبی کے مترادف ہے۔ میں نے عرض کی مجھے آپ آنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ آپ کی تکلیف فرمائی کے لیے میں تیار نہیں۔ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کام کو موقوف رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ دراصل ایک اور سبب ہے۔ یہ کہہ کر میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد فیروز شاہ (۱) میں لے آئے اور ایک متعین مقام پر لے جا کر کہنے لگے کہ تمہیں تصوف کی ہر مشکل کتاب کا مطالعہ اس جگہ بیٹھ کر کرنا چاہئے۔ اگر پھر بھی مسئلہ حل نہ ہو تو میرا دمہ رہا۔ اس دن کے بعد جب بھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو میں وہاں جا کر مطالعہ کرتا اور وہ حل ہو جاتا۔ اگر ایک بالشت بھی اس جگہ سے ادھر ادھر ہو جاتا تو دوسرے مقامات کی طرح وہاں کوئی خاص فیض حاصل نہ ہوتا۔ جب خواجہ خور دین قہر بیان کر چکے تو میں نے عرض کی کہ تین اسباق پر اکتفا کرنا بھی شاید اسی کرامت سے مقید تھا۔ آپ بھی اگر ایسا ہی تصرف فرمائیں تو کیا ہی بہتر ہوا فرمانے لگے۔ یہی تو عرض کر رہا ہوں کہ اگر تمہیں بھی کوئی علمی مشکل پیش آئے اور اسے حل نہ کر سکو تو مجھے بتاؤ کہ فلاں نالائق نے میرا راستہ روک رکھا ہے! والد

(۱) مسجد کوئلہ فیروز شاہ، بنی دہلی۔ (قاسمی)

ماجد فرماتے تھے کہ اس کے بعد مجھے کوئی ایسا مشکل مسئلہ پیش نہیں آیا جو حل نہ کر سکا ہوں۔ اگرچہ میں نے مکمل درس و تحصیل علوم میرزا زابد سے حاصل کی مگر ان کے پاس پڑھنا بھی گویا تحصیل حاصل تھا۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ میں اول سے پڑھ رہا ہوں اور آخر سے درس دے رہا ہوں۔
دست بہ کار

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خوردا اپنے انگوٹھے سے ہمیشہ انگلیوں پر کوئی چیز لکھتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اسباق اور باتوں کے درمیان بھی ایک دن میں ان سے پوچھ بیٹھا فرمانے لگے۔ یہ ایک عمل ہے جسے میں ہمیشہ کرتا رہتا ہوں۔ مگر تیرے سوا یہ بات آج تک کسی نے نہیں پوچھی۔ آغاز حال میں مجھے شغل استکباب سے لگاؤ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب بھی گاہے گاہے یہ عادت پوری کر لیا کرتا ہوں۔

نسبت و ارادت کا احترام

فرمایا ایک دن خواجہ خوردا اپنے اصحاب و احباب میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خود پٹنگ پر تشریف فرماتھے۔ باقی لوگ چٹائی پر اس موقع پر میں بھی خدمت میں جا پہنچا۔ حد سے زیادہ تعظیم و تکریم فرمائی۔ خود پٹنگ کی پانکتی کو ہو بیٹھے اور مجھے صدر نشین بنایا۔ ہر چند میں نے معذرت چاہی۔ مگر نہ مانے۔ اس معاملے سے اہل مجلس کے چہرے متغیر ہو گئے۔ ان کے فرزند خواجہ رحمت اللہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ مجلس میں ان سے بھی زیادہ معراور لائق تعظیم لوگ بیٹھے ہیں آخر ان میں کیا خصوصیت ہے، جو آپ اس قدر انکساری سے پیش آرہے ہیں۔ فرمایا میں یہ اس لیے کر رہا ہوں کہ تم سلوک کا مشاہدہ کر سکو اور میری طرح ان سے پیش آتے رہو۔ جب میں ان کے جد مادری حضرت شیخ رفیع الدینؒ کے دولت خانے پر حاضری دیتا تھا تو وہ میرے ساتھ اسی طرح سلوک فرماتے تھے۔ حالانکہ وہ میرے استاذ تھے اور میں نے ان سے فیوض حاصل کئے تھے۔ جب شیخ رفیع الدینؒ ہمارے پیشوا خواجہ محمد باقی قدس سرہ کی خدمت میں آئے تھے تو قریب قریب وہ بھی ان کے ساتھ ہی سلوک کرتے تھے۔ اگرچہ شیخ رفیع الدینؒ حضرت خواجہؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ مگر چونکہ ابتدائے سلوک میں حضرت شیخ قطب العالمؒ کی خدمت میں رہ کر کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور فوائد علمی حاصل کیے تھے۔ لہذا ہمیں بھی یہی سلوک روا رکھنا چاہئے۔

شمرہ اخلاص

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہم دونوں بھائی حضرت خواجہ خورڈکی خدمت میں حاضر تھے کہ ان پر بھوک کا غلبہ ہوا۔ جس کے سبب وہ درس دینے کے قابل نہ رہے۔ اپنے گھر والوں سے پوچھا۔ کوئی کھانے کی بھی چیز موجود ہے۔ انھوں نے کہا۔ ہاں بچوں میں سے کسی بچے کے لیے تھوڑا سا طعام پکایا ہے، فرمایا اس میں سے تھوڑا سا لے آؤ۔ چنانچہ پیالی میں بہت ہی تھوڑا طعام لایا گیا۔ آپ نے ہاتھ دھوئے اور حاضرین سے کہا۔ آئیے مل کر کھائیں۔ سب کو کافی ہے۔ سب لوگ تعجب میں آگئے میں دوسرے انداز میں دوبارہ اشارہ کیا۔ ہم چلے گئے اور ہم تینوں نے مل کر کھایا۔ یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور پیالی میں پھر بھی کچھ بچ رہا! جو بچے کے لیے بھیج دیا گیا۔

ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

حضرت والد ماجدؒ نے فرمایا کہ ایک شخص خواجہ خورڈکی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ بادشاہ مجھے کسی مہم پر بھیج رہا ہے۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور میں اسباب جنگ سے خالی ہوں۔ جانے سے انکار بھی نہیں کر سکتا۔ آپ توجہ فرمائیے کہ یہ مصیبت ٹل جائے۔ خوش طبعی کے طور پر فرمایا۔ کچھ نقدی پیش کرو تا کہ ہمارا دل تمہاری طرف متوجہ ہو جائے۔ اتفاقاً اس وقت اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ دوستوں سے بھی اسے کچھ نہ مل سکا، کمر سے لٹکا ہوا خنجر گروی رکھ کر دس روپے حضرت کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے میعاد مقرر فرمادی اور فرمایا کہ فلاں دن جنگ لڑو۔ دشمن کی کثرت اور دوستوں کی قلت سے خوف مت کھاؤ۔ اپنی جگہ پر مستحکم رہو اور پھر مجھے فرمایا کہ جب مقررہ تاریخ آئے تو مجھے خبر کرنا۔ جب وہ وقت آیا میں نے یاد دہانی کرائی۔ حجرے میں اکیلے بیٹھ گئے اور مجھے دروازے پر بٹھادیا تا کہ کوئی شخص خلل انداز نہ ہو۔ کچھ دیر بعد خوش ہو کر باہر نکلے اور فرمایا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دوست بہت ہی کم، پہلے حملے میں دوستوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا مگر وہ عزیز شکست سے گھبرایا نہیں اور نہ ہی اپنی جگہ سے اکھڑا۔ ہم بھی اس حالت میں وہاں پہنچ گئے۔ الحمد للہ فتح نصیب ہوئی۔ دشمن کافی تعداد میں قتل ہوئے اور باقی ماندہ لشکر نے شکست کو غنیمت جانا۔ کافی عرصے بعد اس عزیز کا عریضہ پہنچا۔ جس میں یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ بطور نذرانہ اس نے بہت سامان بھیجا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔

ولایت کی عقیانی نگاہ

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ محلہ ”کوشک نر“ کے ایک آدمی نے حضرت خولجہ خورڈ کی خدمت میں التماس کیا کہ توجہ فرمائیے تاکہ حصول علم سے جلد فراغت نصیب ہو۔ فرمایا ہم جواب دیں گے۔ جب گھر واپس آئے تو ایک آدمی کے ہاتھ اس کو رقعہ بھجوا یا۔ جس میں لکھا کہ کل انشاء اللہ تمام علوم سے فارغ ہو جاؤ گے یہ مژدہ سنکر وہ متعجب ہوا اور دوسری صبح بغیر کسی ظاہری سبب کے سوتے میں ہی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

کسی نے حضرت والد ماجد سے سوال کیا کہ لوگوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ خولجہ خورڈ شراب خوری کے مرتکب ہوئے تھے یہ کیا قصہ ہے؟ فرمایا کمسنی میں حضرت خولجہ کو کوئی انتہائی جاناکہ مرض لاحق ہوا۔ طبیبان شہر نے بالاتفاق علاج کے لیے شراب تجویز کی۔ علماء نے بھی نزاکت حال کے پیش نظر جواز کا فتویٰ دیا۔ مگر خولجہ خورڈ ان تمام رعایتوں کے باوجود شراب کے استعمال پر آمادہ نہ ہوئے۔ پھر خولجہ حسام الدین نے اس بارے میں انتہائی اصرار و مبالغہ سے کام لے کر انہیں بطور دوا شراب پینے پر مجبور کر دیا۔ شراب پینے کا قصہ اس قدر ہے مگر جاہلوں نے خولجہ پر قہمتوں کے طومار باندھے اور ان کے اس فعل کو غلط رنگ چڑھا دیا۔ ایسے مواقع پر اباحت کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے انھوں نے اس فعل کو شرعی کوتاہی پر محمول کیا۔

فقر کی بے نیازی

فرمایا۔ ایک دن بہمن یار خاں لباس فاخرہ زیب تن کر کے حضرت خولجہ خورڈ کی خدمت میں آئے۔ اس وقت حضرت کے گھر میں کوئی فرش نہیں تھا۔ لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بہمن یار خاں بھی زمین پر بیٹھ گا۔ حاضرین میں سے کوئی شخص اٹھا اور خولجہ کے کان میں کہا کہ یہ بہمن یار خاں ہے۔ اس کی تعظیم کرنی چاہئے۔ حضرت خولجہ نے بلند آواز سے فرمایا۔ اگر یار ہے تو محتاج تعظیم نہیں اور اگر غیر ہے تو لائق تعظیم نہیں۔ یہ نکتہ سن کر بہمن یار خاں بہت محفوظ ہوا۔ (یہ قصہ مختصر کیا گیا ہے)

بزرگوں کی خوردی

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ خولجہ کے خدام میں سے ایک نے شراب پی

رکھی تھی۔ میں اس سے جھگڑ پڑا۔ بات پریشان خاطر ہی تک جا پہنچی۔ میں نے حرم گریا کہ دوبارہ ادھر کبھی نہیں جاؤں گا۔ دو تین روز بعد خولجہ خورہ بنفس نفیس تشریف لائے اور میرے دروازے پر آکر کسی بڑھیا سے میرا پتہ معلوم کیا۔ اس نے کہا خیند میں ہے۔ فرمایا۔ ”جب بیدار ہوں تو انہیں کہہ دینا کہ خورہ تمہیں ڈھونڈ رہا ہے اور مسجد جہوٹ میں سویا ہوا ہے۔ ذرا اس کی بھی خبر رکھ لینا۔“ میں جب بیدار ہوا بڑھیا نے مجھے اطلاع دی۔ جلد ہی اس مسجد میں پہنچا۔ حضرت خولجہ اپنی دستار سر کے نیچے رکھ کر بے تکلف سو رہے تھے۔ جب ظہر کی اذان ہوئی تو بیدار ہوئے اور میرے ساتھ بڑے لطف و کرم سے پیش آئے اور دیر تک خیر و عافیت پوچھتے رہے۔ حضرت والد فرمایا کرتے تھے کہ خولجہ خورہ اور خولجہ کلاں (۱) دونوں کمسن تھے کہ حضرت خولجہ محمد باقی وقات پا گئے۔ جب یہ دونوں صاحبزادے سن بلوغ کو پہنچے تو حضرت شیخ احمد سرہندی کے پاس گئے اور بہت دن وہاں مقیم رہے۔ خولجہ کلاں کے حالات تو معلوم نہیں ہو سکے البتہ خولجہ خورہ نے حضرت شیخ احمد سرہندی سے طریقہ نقشبندیہ میں فیض حاصل کیا اور اجازت بیعت بھی پائی۔ وہاں سے آکر خولجہ حسام الدین اور شیخ اللہ داد (خلفائے خولجہ محمد باقی باللہ) سے بھی رشد و ہدایت اور فیوض روحانی میں کمال حاصل کیا۔ واضح ہو کہ خولجہ حسام الدین آغاز عمر میں امراء کے زمرے میں شمار ہوتے تھے اور ان کے والد اپنے وقت کے امیر الامراء تھے۔ جب یہ خولجہ محمد باقی باللہ کی صحبت میں پہنچے اور جذب طریقہ نے ان میں تاثیر دکھائی اور انھوں نے سب کچھ ترک کر دیا۔ رضا کارانہ طور پر تمام امور دنیوی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جب ان کے اقرباء نے انہیں فقرانہ وضع میں دیکھنا پسند نہ کیا تو انھوں نے اپنے آپ کو دیوانہ قرار دیا اور برسر عام گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر اپنے کپڑوں کو اس سے آلودہ کیا۔ یہ دیکھ کر عزیز واقرباء نے ان سے ہاتھ دھو لئے۔ حضرت خولجہ محمد باقی باللہ کی اولاد، ان کے مریدین، ان کے طریق تصوف اور اشغال و اوراد کے بارے میں جس قدر رعایت و کوشش ان دو بزرگوں (خولجہ حسام الدین و خولجہ اللہ داد) کے دل میں پائی جاتی تھی، کسی عقیدت مند میں بہت کم دیکھی گئی۔

(۱) خولجہ کلاں کا اصل نام حضرت خولجہ عبید اللہ ہے۔ آپ حضرت خولجہ محمد باقی باللہ کے بڑے فرزند اور خولجہ خورہ خولجہ عبد اللہ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ جید عالم، متقی، پرہیزگار اور اپنے اسلاف کے طریق پر گامزن تھے۔

طریق نقشبندیہ^(۱) کی انفرادیت

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار آغاز جوانی میں حضرت خواجہ خورشید عوامی کے شغل میں مشغول تھے کہ جنات نے مزاحمت کی یہاں تک کہ خواجہ کے جسم میں حلول کر گئے۔ جس سے خواجہ بے ہوش ہو کر مردے کی طرح گر پڑے۔ خواجہ حسام الدین اتفاق سے وہاں پہنچے۔ کچھ دیر ان پر توجہ ڈالی۔ خدا کے فضل سے اتفاق ہو گیا۔ شیخ اللہ داد پہلے دوسرے سلاسل سے بہرہ یاب ہوئے اور بہت سے ہم عصر بزرگوں کی خدمت میں پہنچے۔ جب خواجہ محمد باقی کی بارگاہ میں آئے تو پچھلے تمام دفتر معرفت کو بالکل لپیٹ کر رکھ دیا اور خواجہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ خانقاہ کی تمام خدمات اپنے ذمے لے لیں۔ خواہ ظاہری خدمات مثلاً قیام و طعام کا انتظام خواہ باطنی خدمات یعنی طالبان حق کی مزاج پرسی، دریافت حال اور ان پر پوری توجہ دینا ہو۔ بخودی اور استفراق کی کیفیت جو نسبت نقشبندیہ کا حاصل سمجھی جاتی ہے۔ شیخ اللہ داد میں اس قدر تھی کہ باوجود ان تمام خدمات اور مشاغل کے وہ ہر وقت اس سے پر کیف رہتے تھے۔

واضح ہو کہ حضرت والد ماجد طریقہ نقشبندیہ کی مختلف شاخوں میں سے حضرت خواجہ محمد باقی کی شاخ کو اس قدر پسند کرتے تھے اور اس کے ساتھ ایسی رغبت رکھتے تھے کہ دوسری شاخوں میں سے کسی کے ساتھ ایسی رغبت نہ تھی۔ آپ کی تمام تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت اسی شعبے کے ذریعے تکمیل کو پہنچی ہے۔

(۱) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی اہم خصوصیت نسبت دائمی حضور آگاہی ہے۔ جس کے ساتھ نسبت کا کوئی تعلق نہیں۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدانی نے ان اٹھ اصطلاحات پر طریقہ کی بنیاد قائم کی ہے۔ ۱۔ ہوش در دم یعنی ہر دم ہشیاری اور ہر سانس پر یہ تجسس کہ غافل ہوں یا ذاکر، ۲۔ نظر بر قدم سے یہ مراد ہے کہ چلتے پھرتے ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ نظر کو پریشانی سے بچانے کے لئے قدم پر ہی جمائے رکھے ۳۔ سفر در وطن بشری صفات خمیرہ سے ملگوتی صفات فاضلہ کی طرف نقل کرتا ہے۔ ۴۔ خلوت در انجمن، جمع حالات بشری میں رہ کر بھی اللہ سے مشغول رہے، ۵۔ یاد کر، مرشد نے بھی ذکر کی تعلیم دی ہے۔ اس کی تکرار کرتا رہے ۶۔ بازگشت ذکر کے اندر مناجات کرے اور مناجات کے بعد ذکر اس طرح کرے کہ نہ غطا داشت خطرات نفس اور وساوس خاطر کے دور کرنے کا نام ہے۔ ۸۔ یادداشت ایسی توجہ جو واجب الوجود کی حقیقت پر الفاظ اور تجملات سے خالی ہو کر کی جائے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے یہ تین اصطلاحیں اور زیادہ کی ہیں۔ وقوف زمانی، وقوف قلبی، وقوف مدنی۔

شیخ تاج سنہلی جو خوجہ محمد باقی باللہ کے اولین خلفاء میں سے ہیں اور آخر عمر میں مکہ معظمہ میں اقامت اختیار فرما کر وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی رفعت شان کا عالم یہ ہے کہ اس فقیر نے آخری دور کے مشائخ ہند میں سے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا۔ جس کے ساتھ اہل مکہ شیخ سنہلی سے زیادہ عقیدت رکھتے ہوں اور شیخ تاج سے زیادہ اس کی کرامات و کمالات بیان کرتے ہوں۔ چنانچہ شیخ تاج سنہلی نے سلسلہ نقشبندیہ کی اسی محبوب ترین شاخ یعنی شعبہ باقویہ کے اشغال و عقائد کے بارے میں مستقل ایک رسالہ لکھا جو افراط و تفریط سے پاک اور واضح باتوں پر مشتمل ہے۔ حضرت والد ماجدؒ نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ بھی کیا ہے جسے جا بجا مہارت و اقوال سلف سے مزین کیا گیا ہے۔ اس فقیر (ولی اللہ) نے حضرت والد کی خدمت میں یہ دونوں رسالے مطالعہ سے گزارے اور اس پر اللہ کا شکر ہے۔

کچھ نہیں سب کچھ ہے یارو

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خوجہ خورد کی طرز بود و باش گمنامی اور عزت نشینی سے عبارت تھی۔ ایک بزرگ عالم جن سے ہمارے شہر کے اکثر لوگ استفادہ کیا کرتے تھے اور جن کا نام نامی محمد صالح تھا۔ وہ مسجد فیروز شاہ میں درس دیا کرتے تھے اور حضرت خوجہ خورد سے بیعت ہو گئے تھے۔ خوجہ نے تاکید فرمادی تھی کہ میرے ساتھ اپنی نسبت کبھی ظاہر نہ کرنا اور صحبت بھی خلوت میں اختیار کرتے رہنا۔ چنانچہ یہ ہمیشہ بیگانوں کی طرح رہتے تھے۔ جب مولانا محمد صالح نے اپنے وطن پنجاب کو جانے لگے تو عرض کی کہ لوگ اگر پوچھیں کہ طریق فقر کس سے حاصل کیا ہے تو کیا جواب دوں؟ فرمایا اگر مجبوراً بتانا پڑے تو میرا نام لے دینا ورنہ اظہار سے احتراز کرنا۔

طریقہ نقشبندیہ میں عرس کا اہتمام

حضرت خوجہ خوردؒ کبھی کبھار حضرت خوجہ محمد باقی باللہ کا عرس بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بار بار دیکھا کہ کوئی شخص ان کے سامنے آکر کہتا ہے کہ حضرت چاول میرے ذمے! دوسرا آکر کہہ رہا ہے حضور! گوشت میرے ذمے۔ ایک اور صاحب کہتا کہ فلاں قوال کو میں لا رہا ہوں اور اسی طرح دوسرے انتظامات بھی ہو جاتے۔ حضرت خوجہ خوردؒ اس دوران کوئی تکلف نہیں برتتے تھے۔

نسبت نبوی کا احترام

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خورڈ نے آخری عمر میں مجھ سے فرمایا کہ ”مجھے حضرت خواجہ محمد باقی کے روضہ اقدس میں جوتے اتارنے کی جگہ میں دفن کرنا اور حضرت خواجہ بزرگ کی نسبت روحانی براہ راست ذات نبویؐ سے مستحکم ہونے کی رعایت سے مجھے مقبرے میں دفن نہ کرنا۔ میں مقام نعلین میں دفن ہونے کے لائق ہوں“ میں نے عرض کی آپ کی تدفین کا کام تو دوسروں کے سپرد ہوگا۔ مجھے اس پر کیا اختیار؟ فرمایا۔ ”سیری وصیت ان کو پہنچا دینا“ حضرت خواجہ خورڈ کی وفات کے بعد میں نے آپ کی وصیت و رثاء سے بیان کی مگر ان کے کان پر جوں تک نہ رہی۔

تذکرہ خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی قدس سرہ

صوفیا کا ذوق علمی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب اکبر آبادی میں حضرت سید عبداللہ، اللہ کو پیارے ہوئے تو میں بہت رنجیدہ اور ملول ہوا اور کسی ایسے بزرگ کی طلب محسوس ہوئی جس کی صحبت سے کچھ فیض پاسکوں۔ اسی نواح میں کسی نے حضرت خلیفہ ابوالقاسمؒ کا اس سلسلے میں ذکر خیر کیا چنانچہ میں اس شخص کی معیت میں حضرت خلیفہ کی مجلس گرامی میں پہنچا۔ جب پہلی بار حاضر ہوا تو حضرت خلیفہ اپنے گھر کی تعمیر میں مشغول تھے اور معمار کو ہدایات دے رہے تھے۔ اسی دوران یہ شعر آپ کی زبان مبارک پر آیا۔

پیش ہر ذرہ در تجود بود

ہر کرا ذرہ وجود بود

(جسے ذوق و وجدان سے ذرہ بھر نعمت بھی حاصل ہے وہ کائنات کے ہر ذرے کو لائق سجدہ سمجھے گا)

میں نے ادنیٰ تصرف کے ساتھ اس شعر کو یوں دہرایا کہ۔

پیش ہر ذرہ در تجود بود

ہر کرا ذرہ شہود بود

(جسے شہود باری تعالیٰ کی نعمت کا ذرا ساعرقان حاصل ہو۔ وہ ذرات عالم کو مسجود تصور کریگا)

فرمانے لگے۔ میں نے کثرت سے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا ہے۔ جن میں لفظ وجود رقم ہے۔

عرض کی فقیر نے بھی صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں لفظ شہود پایا ہے۔ فرمانے لگے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے بھی بہرہ ور ہو؟ عرض کی اگر راہ حق میں یہ علم ضرر رساں ہو تو اس سے توبہ کر لوں۔ فرمایا علم ہر شخص کے لیے نقصان دہ نہیں اور نہ ہی ہر شخص کے لیے نافع ہے اور پھر یہ شعر پڑھا۔

علم را برتن زنی مارے بود علم را بردل زنی یارے بود

(اگر علم پرورش جسم و تن کے لیے حاصل کیا جائے تو وہ سانپ کی مانند ہے اور اگر

حصول تعلیم کا مقصد ارتقاء روح ہو تو وہ رفیق راہ ثابت ہوتا ہے)۔

عرض کی کہ آپ کا ضمیر مصفا ہمارے لیے کسوٹی ہے لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرا علم میرے لیے نافع ہے یا نقصان دہ! یہاں پہنچ کر مجلس ختم ہو گئی اور جواب میں کچھ بھی نہ فرمایا۔ دوسرے دن دل میں آیا کہ کل تعمیر مکان میں مشغول تھے۔ بات ادھوری رہ گئی اور زیادہ تحقیق بیان نہ کر سکے لہذا آج پھر ان کی خدمت میں جانا چاہئے۔ جب میں پہنچا تو خندہ پیشانی اور حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا کل میں تعمیر میں مشغول تھا۔ بات نامکمل رہ گئی۔ اب کہئے کہ اختلاف نسخہ کی وجہ سے لفظ شہود والے نسخے کی صورت میں آپ اس مصرعہ کا کیا معنی لیں گے۔ عرض کی۔

”جس کسی کو بھی پہلے ذرات عالم میں حضرت حق تعالیٰ کا شہود حاصل ہو گا وہ لامحالہ

ہر ذرے کو سجدہ کرے گا“۔

لیکن لفظ وجود کی صورت میں جو عبارت ہے مرتبہ جمع سے۔ مشاہدہ کرنے والا ذات باری میں مستغرق ہو گا لہذا وہ قید وجود سے فارغ ہو گا۔ فرمانے لگے بعض صحیح نسخوں میں لفظ وجود بھی پایا جاتا ہے۔ اس صورت میں آپ اس کی کیا تاویل کریں گے؟ عرض کی اس صورت میں مناسب ہو گا کہ لفظ وجود وجدان کے معنوں میں لیا جائے جو کہ شہود کے قریب المعنی ہے اس بات سے انہیں بوئے آشنائی آئی اور طبع مبارک پر شگفتگی چھا گئی۔ اس روز کی مجلس بڑی خوشگوار رہی۔ اس کے بعد میں مسلسل ان کی خدمت میں جاتا رہا اور وہ مجھ پر التفات فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ کچھ قہقیرہ لوگ مجھ سے حسد کرنے لگے۔

احوال خلیفہ

واضح ہو کہ خلیفہ ابوالقاسم ملا عمرؒ کے داماد تھے جنہوں نے شرح ملا پر حاشیہ لکھا اور اپنے زمانے

کے معتبر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ملا عمر حضرت میر ابو العلیٰ (ہانی سلسلہ ابو العلائیہ) کی خدمت میں بھی رہ چکے تھے۔ نیز ملا ولی محمد کے شاگرد رشید تھے جو اپنے زمانے کے اکابر میں سے تھے اور حضرت میر ابو العلیٰ کے ممتاز خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ انہیں حضرت میر ابو العلیٰ کے خلفاء میں وہی مقام حاصل تھا۔ جو شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی (۱) کو حضرت شیخ نظام الدین دہلوی (۲) قدس سرہ کے خلفاء میں حاصل ہے۔ ملا ولی محمد بھی اکبر آباد میں مدفون ہیں۔

سوانح میر ابو العلیٰ

معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت میر ابو العلیٰ اکبر آبادی آبائی سلسلے میں حسینی سید تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب امیر تقی الدین کرمانی تک جا پہنچتا ہے۔ امیر تقی الدینؒ اور خواجہ عبید اللہ احرار کا ایک واقعہ ”رحمات“ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ امیر ابو العلیٰ کے نہائی مورث علیٰ خواجہ محمد فیضی ابن خواجہ ابو الفیض بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ عبید اللہ احرارؒ ہیں۔ حضرت میر ابو العلیٰ کے والد ماجد ابو الوفا خواجہ ابو الفیض مذکور کے نواسے تھے اور میر ابو العلیٰ کے جد محترم میر عبدالسلام خواجہ عبداللہ بن خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے نواسے تھے۔ اسی لحاظ سے میر ابو العلیٰ کو دو طرف سے نسبت احراری حاصل تھی۔ میر ابو العلیٰ کے والد بزرگوار اور جد امجد علاقہ سمرقند سے سفر کر کے ہندوستان کے راستے مکہ معظمہ پہنچے اور وہیں واصل بحق ہوئے۔ حضرت امیر ابو العلیٰ اسی سفر کے دوران متولد ہوئے اور اپنے والد و جد امجد کی وفات کے بعد خواجہ فیضی (مصاحب مان سنگھ صوبیدار پورب (۳)) کے سایہ عاطفت میں پرورش پا کر جوان ہوئے اور جب خواجہ فیضی وفات پا گئے تو کچھ دن بعد میر ابو العلیٰ نے بھی

(۱) شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے مشہور اور ممتاز خلیفہ ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ صاحب اسرار اور احوال شیخ کے وارث تھے۔ ۱۸/ رمضان المبارک ۱۰۵۷ھ کو انتقال فرمایا۔

(۲) شیخ الشیوخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے خلیفہ متاخر چشتیہ مشائخ کے سرخیل ہیں۔ پورا نام محمد بن احمد بن علی بخاریؒ اور لقب سلطان المشائخ ہے۔ بارگاہ الہی میں مقبول و مقرب تھے۔ آپ ۱۱/ ربیع الاول ۷۲۵ھ کو رحمت ایزدی کی آغوش میں چلے گئے۔

(۳) صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ پورب سے کیا مراد ہے تاہم اندازہ ہے کہ جو پور، الہ آباد اور لکھنؤ وغیرہ کا علاقہ ہے۔

انہی کی روش پر مان سگھ کے لشکر میں ملازمت اختیار کر لی۔

انہی دنوں ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ تین بزرگوں نے آکر انہیں فرمایا کہ یہ کیا روش اختیار کر رکھی ہے؟ وضع تو یہ ہے کہ جو ہم رکھتے ہیں۔ ہماری وضع قطع اختیار کرو اور اگر معاش کی فکر ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ نور السموات والارض (اللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے) یہ کہہ کر ان میں سے ایک آدمی نے استرا پکڑا اور ان کا سر موٹھ دیا۔ دوسرے نے ایک پیراہن پہنا دیا۔ تیسرے نے دستار بندھا کر نعلین پکڑا دی۔ اس خواب کے بعد حضرت امیر ابو اعلیٰ کے دل میں ایک قسم کا اضطراب اور قلق پیدا ہوا۔ چاہا کہ ملازمت ترک کر دیں مگر مان سگھ مانع ہوا یہاں تک کہ اذا اراد اللہ شیاً ہیا اسبابہ کے تحت ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ چارونا چار یہ ملازمت سے فارغ ہو گئے اور تلاش خدا میں یکسو اور یک رو ہو کر لگ گئے۔ اسی اثناء میں حضرت خولجہ معین الدین قدس سرہ کے مزار پر انوار کی طرف متوجہ رہنے لگے اور بارگاہِ خولجہ کی عنایات اور فیوض سے بہرہ ور ہوئے۔

مردی ہے کہ میر ابو اعلیٰ کے اہل خانہ نے ان کے فرزند میر ابو اعلیٰ کے عارضہ علالت کے سبب ایک روپیہ اور ایک چادر بطور نیاز مزار خولجہ پر بھجوائی تھی۔ حضرت امیر کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔ ایک دن صاحب مزار کی طرف متوجہ تھے کہ مزار سے ندا آئی کہ تمہارے فرزند کی صحت کے لیے تمہارے گھر سے یہ کچھ نیاز آئی ہے اور اہل خانہ نے دوسرے فرزند کے لیے بھی التجا کی ہے۔ نیاز قبول اور التجا مبذول ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مزار خولجہ سے خطاب ہوا کہ یہ نعت جو تمہیں عنایت ہوئی ہے بائیس یا ایک سو تیس سال بعد بزرگان خاص میں سے کسی ایک کو عنایت ہوگی (پھر بطور جملہ معترضہ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے ارشاد فرمایا کہ) ہمارے زمانے میں یہ نعت ہمیں عنایت ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد سید تقی الدین کرمانی مذکور کے پوتے سید جعفر کی قبر کی توجہ سے امیر ابو اعلیٰ کے دل میں اپنے عم بزرگوار امیر عبداللہ کی بیعت کا شوق اور خواہش دامن گیر ہوئی۔ حضرت امیر ابو اعلیٰ ظاہراً اگرچہ نوکری پیشہ تھے۔ مگر حقیقت میں ان کی ذات سے دلالت کے آثار نمایاں تھے اور طریقت میں ان کا رابطہ اپنے خالو خولجہ یحییٰ کے ساتھ تھا۔ جو حضرت خولجہ عبید اللہ احرار کے خلیفہ و فرزند اور اپنے عم بزرگوار خولجہ عبدالحق سے مجاز تھے۔ حضرت امیر ابو اعلیٰ طریقہ

تصوف میں اسی سلسلے کے مطابق عمل فرماتے تھے۔ مگر حقیقت میں ان کی تربیت اویسیانہ طریق پر تھی۔ امیر ابو اعلیٰ کے ارشادات و کلمات طیبات میں سے چند یہ ہیں۔

سیر روحانی

نسبت روحانی کا ارتقاء بھی سیر کشتی کی مانند ہے۔ کشتی کا سوار ہمیشہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ساکن ہے جب ساحل پہ پہنچتا ہے تو وہ قطع منزل پر مطلع ہوتا ہے۔

مقصود سماع

سماع اور بے خودی سے مقصود بشریت کی عادات مذموم کو ختم کرنا ہوتا ہے نہ کہ ان کے ذریعے محض عقل و ہوش کو مغلوب کرنا جیسا کہ غواص کا اصل مقصد موتیوں کا حصول ہوتا ہے نہ کہ منہ اور ناک میں پانی داخل کرنا۔

تعلق باللہ کی حقیقت

مشاغل دنیوی کے دوران حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے آگاہی و عرفان کے تعلق کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص مٹکے پر مٹکا سر پر رکھ کر باتوں میں مشغول ہو جائے۔ اسی اثناء میں اس کی باطنی توجہ مٹکے کی آواز سے منقطع نہیں ہوتی۔

کشف و کرامت

اگر کوئی شخص ہماری صحبت و مجلس میں اس صحرانورد کی طرح سکون و اطمینان محسوس کرتا ہے جو انتہائی گرمی کے موسم میں اچانک کسی درخت کے سائے میں پہنچ کر اپنے تن بدن کی راحت محسوس کرتا ہے تو اسے ہماری صحبت مبارک ہے۔ ورنہ وہ دوسری جگہ چلا جائے۔ ہمارے ہاں کشف و کرامت کی دنیا نہیں بلکہ عالم خداوندی ہے۔

برکات اسم ذات

میر نور اعلیٰ جس دم کے ساتھ ذکر نفی و اثبات کثرت سے کرتے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا جو کچھ تم نے اختیار کیا ہے یہ طریقہ سلف ہے مگر اسم ذات کی ورزش دوسرے اذکار سے زیادہ موثر ہے۔

وصول حق کے طریق

اگر کوئی شخص ان سے وصول حق کی طلب کرتا ہے تو اس سے دریافت کرتے کہ محنت

و مشقت سے حاصل کرنا چاہتے ہو یا مفت میں؟ اگر کوئی شخص پہلا طریقہ پسند کرتا تو اسے طریقہ ذکر لکھ کر دیدیتے اور اگر دوسری خواہش کا اظہار کرتا تو فرماتے صحبت میں آیا کرو۔

قوتِ توجہ

فرماتے تھے کہ جس شخص نے بھی ہمارے سامنے آکر کچھ فیوض حاصل کر لئے، بالفرض اگر وہ دولت آباد جا کر بھی مرتکب گناہ ہو تو ہمارا فیض اس سے ضائع نہیں جائے گا ہاں البتہ اس کی راہ ترقی مسدود ہو سکتی ہے۔

تاثیرِ وجد و رقص

نقل ہے کہ حضرت امیر عارضۂ فالج میں مبتلا ہو گئے۔ جس کے سبب خاص طور پر طہارت اور وضو کے وقت آپ کو انتہائی تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دن یہ شعر پڑھنے لگے۔

دردم از یار است و در ماں نیز ہم دل فدائے اوشد و جاں نیز ہم

(میر اور دہم بھی تو در ماں بھی تو۔ میرا قلب و جسم و جان بھی تو)

اس شعر کی تاثیر سے آپ پر زبردست وجد طاری ہوا۔ جس کی حرارت سے تمام اعضاء و جوارح میں کشادگی پیدا ہو گئی اور قوت بدن پہلی حالت پر واپس لوٹ آئی۔

تاثیرِ کلاہ

حضرت امیر نے ایک آدمی کو اپنی ٹوپی عنایت فرمائی جسے اس نے جنگ میں پہنا۔ اتفاق سے کسی سپاہی کا تیر اس ٹوپی کو آکر لگا۔ اس کا پھل نیز ہا ہو گیا اور تیر گر پڑا۔

سود کی نحوست

ایک رات حضرت امیر نے رفیقانِ مجلس پر بھرپور توجہ ڈالی مگر انھوں نے کچھ اثر قبول نہ کیا۔ آپ متعجب ہوئے۔ اچانک چراغ گل ہو گیا۔ اسی وقت مجلس میں عجیب و غریب آثار نمودار ہونے لگے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ چراغ ایک سود خوار لایا تھا۔ واضح ہو کہ حضرت امیر جذب و کشش کی انتہائی قوت رکھتے تھے۔ جب بھی کسی پر توجہ ڈالتے۔ وہ تیغ و ہو کر مردے کی طرح کھنچا چلا آتا تھا۔

جانوروں پر توجہ کا اثر

منقول ہے کہ حضرت امیر کی سواری کے جانوروں میں سے ایک جانور آپ سے اس قدر متاثر تھا کہ وہ ان کی مجلس میں دوسرے طالبان حق کی طرح باادب ہو کر بیٹھتا تھا۔ جب اہل طلب امیر کی خدمت میں پہنچتے اور ان کے رخ انور کو دیکھ کر جوش و مستی میں بے قراری کا مظاہرہ کرتے۔ ان کے گرنے پڑنے سے اگر اس جانور کو کوئی چوٹ، ضرب یا دخول دھبہ لگ جاتا تو وہ اپنے آپ ہی میں مست بیٹھا رہتا۔ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاتا۔ جانوروں کے اس قسم کے بیشمار قصے حضرت امیر سے روایت ہیں۔

سلسلہ ابوالعلائیہ کی خصوصیات

واضح رہے کہ حضرت امیر ابوالعلیٰ کا طریقہ تصوف شریعت نبویؐ کے اتباع اور طریق محمدیؐ کی پیروی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا جادہ طریقت پر انھوں نے کسی چیز کا بھی اضافہ نہیں کیا۔ اور اس جادہ نبویؐ سے وہ سر مو بھی انحراف نہیں فرماتے تھے۔ نہ قول میں اور نہ ہی فعل میں۔ ان کے ابتدائی صحبت یافتگان مثلاً ملا ولی محمد وغیرہ بھی اسی روش پر کار بند تھے۔ ان کے بعد عہد نام کن مرد کوٹنا سے چند قسم کے ایسے لوگ آئے جنھوں نے خواہش نفسانی کا اتباع کیا۔ فاسد عقیدوں اور کھوٹے اعمال کو اختیار کیا اور اللہ کے اس فرمان کے مصداق بنے کہ۔ ومن ذریتہما محسن و ظالم لنفسہ (۱) (اور ان کی اولاد میں کوئی اچھا کام کرنے والا اور کوئی جان پر صریح ظلم کرنے والا ہے) حالانکہ حضرت امیر کی دستار مقدس اس خس و خاشاک سے پاک تھی اور ان کے طریقہ عالیہ کا دامن اس گندگی سے آلودہ نہیں تھا۔ ملا لطف اللہ جامع مقامات حضرت امیر نے اس بات کو زیادہ واضح طور پر بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

”حضرت امیرؒ کے حاضرین مجلس پر ہمیشہ بے اختیار وجد طاری ہوتا تھا۔ یوں نہیں کہ کوئی ان کی محفل میں کوئی خلاف شرع ارتکاب کرے اور مزامیر و سرود کی آواز پر رقص کرے۔ آپ مزامیر کو بھی خواجہ بزرگ (خواجہ معین الدینؒ) کے فرمان کہ ”مانہ ایں کاری کنیم نہ انکاری کنیم“ کے مطابق کبھی کبھار اتفاق سے سن لیا کرتے تھے۔“

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے نور العلیٰ خلف الصدق میر ابو العلیٰ سے زیادہ حق گوئی کو نہیں دیکھا۔ میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میر ابو العلیٰ سماع کی طرف حد سے زیادہ راغب تھے۔ فرمانے لگے مجھے یاد نہیں کہ سوائے چند تقریبات کے انھوں نے سماع میں حصہ لیا ہو۔ میں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ میر ابو العلیٰ جس شخص پر بھی نگاہ فرماتے تھے یا اسے پان چبا کر دیتے تھے وہ بیہوش ہو جاتا تھا۔ فرمانے لگے میں نے ان کا چبایا ہوا پان کئی بار استعمال کیا ہے۔ یہ کوئی کلیہ نہیں تھا۔ واضح ہو کہ حضرت والد ماجد نے میر ابو العلیٰ کی کافی صحبت اٹھائی اور ان سے کلاہ و خرقة بھی حاصل کیا تھا۔

حضرت خلیفہ کی پختگی ارادت اور توکل

حضرت والد فرماتے تھے کہ خلیفہ ابو القاسم کو بھی میر ابو العلیٰ کی صحبت نصیب ہوئی لیکن حصول فیض کا رابطہ اور بیعت کا شرف ملا ولی محمد سے حاصل تھا۔ ایک دن میر ابو العلیٰ نے حضرت خلیفہ سے فرمایا کہ تم ہم سے بیعت کیوں نہیں کرتے؟ خلیفہ نے عرض کیا کہ ملا ولی محمد کی بارگاہ بھی آپ کی بارگاہ کی مظہر ہے۔ اس عاجز نے جب علم ظاہری ان سے حاصل کیا ہے اور حصول علم کے دوران ان سے بے حد محبت پیدا کی تو رابطہ بیعت بھی ان کے ساتھ بہتر سمجھا۔ حضرت امیر یہ سن کر تبسم اور تحسین فرمانے لگے۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ خلیفہ ابو القاسم پر مشرب گوشہ نشینی غالب تھا۔ کسی سے تعلقات نہیں رکھتے تھے۔ نیز ان کا مشرب توکل کل اور ترک کار و بار تھا اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

نشان بود ولی را

چوتھا نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے ان کی روزی کا کفیل ہوتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ بات حضرت خلیفہ کے حق میں بالکل درست تھی۔ ظاہری سامان نہ رکھتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ پر لطف زندگی گزارتے تھے۔

ذخیرہ اندوزی سے تنگی رزق

ایک بار حضرت خلیفہ کے گھر میں گھی ختم ہو گیا اور کئی دن تک کہیں سے گھی میسر نہ آ سکا۔ آپ متعجب ہوئے اور بغیر گھی کے گزارہ کرتے رہے۔ ایک دن کسی سبب سے اچانک مکان کی چھت پر

تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ لنگر کے گھی کا ایک مڈکا اہل خانہ میں سے کسی نے چھپا رکھا ہے۔ فرمایا ان ایام میں غیب سے روزی نہ ملنے کا سبب یہی تھا۔ چنانچہ وہ گھی لنگر میں خرچ کیا اور اس کے بعد متواتر لنگر میں گھی آتا رہا۔

قرب سلطانی سے استغناء

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شہنشاہ عالمگیر کے زمانے میں فتاویٰ عالمگیری حکم شاہی سے جب تدوین و ترتیب اور نظر ثانی کے مراحل سے گزر رہا تھا تو کچھ تحریری کام شیخ حامد کے سپرد بھی ہوا جو میرزا محمد زاہد (۱) کے مدرسہ میں ہمارے شریک درس تھے۔ یہ علمی خدمت ملنے پر وہ میرے پاس آئے کہ تم بھی میرے ساتھ اس کام میں تعاون کرو۔ تمہارے نام اتنا روزیہ مقرر ہو جائے گا۔ میں نے قبول نہ کیا۔ والدہ ماجدہ نے یہ قصہ سن کر انتہائی ناگواری کا اظہار کیا اور مجھے اس کام پر آمادہ کرنے کے لیے بہت مبالغے سے کام لیا۔ مجبور ہو کر ایک مقررہ وظیفے پر میں اس کام میں مشغول ہو گیا۔ حضرت خلیفہ جب اس حقیقت سے مطلع ہوئے تو فرمایا کہ یہ ملازمت ترک کر دو۔ عرض کی والدہ ماجدہ ناراض ہوتی ہیں تو فرمایا اذا جاحق اللہ ذہب حق العباد (جب اللہ کا حق آجاتا ہے تو بندوں کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں) ایک سچی بات ہے۔ عرض کی دعا فرمائیے کہ حق سبحانہ تعالیٰ بغیر کوشش کے یہ ملازمت مجھ سے چھڑا دے تاکہ والدہ کی ناراضگی سے بھی بچ جاؤں۔ آپ نے دعا فرمائی چنانچہ کچھ دنوں میں بادشاہ نے تدوین فتاویٰ کے تمام ملازموں کی فہرست طلب کی اور از سر نو تقرری و برطرفی کے احکام صادر کئے۔ جب میرے نام پر پہنچا تو وظیفہ خواروں سے کاٹ کر لکھا کہ اگر چاہیں تو اتنی زرعی زمین ان کو دی جائے۔ اہلکاروں نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے قبول نہ کی اور اس نجات پر شکر بجا لایا اور حمد و ثناء پڑھی۔

(۱) میرزا زاہد بروی کے والد قاضی اسلم ہرات سے عہد جہانگیر میں ہندوستان آئے۔ قاضی اسلم ملا فاضل کے اور وہ میرزا جان شیرازی مشہور منطقی عالم کے شاگرد تھے۔ میرزا زاہد بچپن سے بڑے ذہین تھے کل تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ عالمگیر کے دور میں مختلف خدمات پر مامور ہوئے۔ علاوہ زواہد خلاش کے ان کا ایک حاشیہ تجرید پر بھی ہے اور اشرافیوں کی کتاب، ہیا کلن النور پر بھی ایک شرح لکھی ہے۔ ۱۶۹۰ء میں آپ نے انتقال فرمایا۔

صوفیا کا تبحر علمی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن فتاویٰ عالمگیری کے مٹوضہ حصے پر نظر ثانی کے دوران ایک ایسی عبارت پر میری نظر پڑی جس میں صورت مسئلہ کو گنڈمڈ کر کے گجھلک بنا دیا گیا تھا۔ میں نے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جو اس مسئلے کا ماخذ تھیں۔ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مذکور ہے۔ اور ہر کتاب میں مختلف انداز سے بیان ہوا ہے۔ مؤلف فتاویٰ عالمگیری نے دونوں عبارتوں کو یکجا کر دیا ہے چنانچہ اس وجہ سے صورت مسئلہ کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔ میں نے اس مقام پر ایک نوٹ دیا جس میں لکھا۔

من لم یفقه فی الدین قد خلط فیہ هذا غلط و صوابہ کذا۔ یعنی جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا۔ اس نے یہاں گڑبڑ کر دی ہے اور صحیح یوں ہے۔

ان دنوں عالمگیرؒ کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں حد سے زیادہ اجتنام تھا اور ملا نظامؒ روزانہ ایک دو صفحات بادشاہ کو پڑھ کر سناتے تھے۔ جب میرے اختلافی نوٹ پر پہنچے تو اتفاقاً نوٹ کو متن کے ساتھ ملا کر ایک ہی سانس میں پڑھ ڈالا۔ بادشاہ چونک اٹھا اور کہا یہ عبارت کیسی ہے۔ ملا نظام نے اس نشست میں دفع الوقتی کرتے ہوئے کہا۔ اس مقام کا میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے کل تفصیل سے عرض کروں گا۔ جب گھر لوٹے تو ملا حامد پر گہڑے کے فتاویٰ کا یہ حصہ میں نے تمہارے اعتماد پر چھوڑا ہوا تھا۔ تم نے مجھے بادشاہ سے شرمندہ کیا ہے۔ فرمائیے یہ لفظ کیا ہے؟ ملا حامد اس وقت کچھ نہ بولے۔ بعد میں مجھ سے اظہارِ ملال کیا۔ اس پر وہ کتابیں جو اس مسئلے کا ماخذ تھیں میں نے پیش کر دیں اور مسئلے کا ابہام اور عبارت کا گجھلک پن ان پر اس انداز سے واضح کیا کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس دن کے بعد مفتیان کرام کا یہ گروہ مجھ سے حسد کرنے لگا۔ میری برطرفی کا ظاہری سبب یہ واقعہ بنا زیادہ بہتر خدا جانتا ہے۔

خواب فقراء

والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ تعمیر مکان میں مشغول تھے۔ کاریگر کھڑی کی موٹی دیوار میں میخ نکال رہے تھے۔ میں بھی اسی دوران جا پہنچا۔ مجھے دیکھ کر خوش ہوئے۔ میں نے اپنے کپڑے کس لیے اور چاہا کہ گل گارا تیار کروں۔ فرمانے

لگے۔ اس سے پہلے بھی کبھی گارا تیار کیا ہے۔ عرض کی نہیں مگر اندازے اور قیاس سے ضرورت کی ہر چیز بنا سکتا ہوں۔ فرمانے لگے۔ یہ کام انکل بچو سے صحیح طور پر نہیں ہو سکتا۔ تمہارے لیے ایک اور کام تجویز کیا ہے۔ ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ چار پائی لاکر سایہ دیوار میں بچھا دو اور مجھے حکم دیا کہ تم دور سے آئے ہو، ذرا آرام کر لو۔ میں تعمیل حکم میں لیٹ گیا مگر نیند کو سوں دور تھی۔ فرمانے لگے درویشوں کی نیند تو اختیاری ہوتی ہے۔ یعنی ماسوی اللہ سے فراغت اور خیال حق میں کھوجانا، اسی اثناء میں ایک دوسرا رفیق سید عبدالرسول نامی آیا۔ فرمانے لگے وقت پر پہنچے ہو۔ وہ کمر کس کر حکم کا انتظار کرنے لگا۔ فرمایا میرا مطلب یہ ہے کہ اس چار پائی پر بیٹھ کر اس درویش کے پاؤں داب دیجئے کیونکہ یہ لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں۔ بہر حال اس قسم کے الطاف کریمانہ فرماتے رہے اور ہر روز کرم و احسان میں اضافہ ہوتا رہا۔

حج درویشاں

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ کو حج کا خیال آیا۔ بغیر سواری زاوراہ اور بلا رخصت اہل خانہ گھر سے نکل کر حجاز کی راہ لی۔ راستے میں بعض مخلص ان کے ہم سفر ہونے لگے۔ اگر کوئی غیر متاہل ہوتا تو اسے ساتھ لیتے اور عیال و ارکوبہ کہہ کر رد کر دیتے کہ ہم نے طویل سفر کا قصد کر رکھا ہے۔ اسی طرح حجاز جا پہنچے اور کافی عرصہ وہاں رہے۔ بہت دنوں بعد گہوارہ امن و بہبود کو واپس لوٹے۔ سفر حجاز میں آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔ مثلاً ان میں سے ایک یہ ہے کہ رفقاء میں مشہور تھا کہ آپ جب گھر سے نکلے تھے تو صرف ایک چونی پاس تھی۔ پورے سفر میں کہیں بھی اسے صرف کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یہاں تک کہ جب واپس لوٹے تو جیب میں وہی چونی موجود تھی۔ جب ان سے اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو فرمایا کہ تا حال کسی نے بھی اس بارے میں سوال نہیں کیا۔ جب میں گھر سے نکلا تو ایک شخص نے یہ چونی بطور نیاز پیش کی اور میں نے جیب میں رکھ لی۔ بعد میں کہیں بھی اس کی ضرورت پیش نہ آئی۔ جب وہ کپڑے اتار کر میں نے نیا لباس پہنا تو ہم سفرؤں نے وہ چونی کپڑے میں باندھ کر محفوظ کر دی۔ اس کے بعد لباس بدلتا رہا اور وہ چونی باندھ کر محفوظ کی جاتی رہی۔ مجھے پورے سفر میں نہ اترے ہوئے لباس اور نہ اس چونی کی طرف کوئی التفات ہوا۔ جب گھر لوٹے تو وہ کپڑے اور چونی رفقاء سفر نے

پیش کی اور یہ قصہ مشہور ہو گیا۔

طوفانوں پر تصرف

حضرت خلیفہ سفر حجاز میں عموماً اپنے رفقاء جہاز کو مقامات اور کرامات اولیاء سنایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ اولیاء کے پانی پر چلنے اور دور دراز مقامات کو آنا فانا طے کرنے کی بات چل پڑی تو جہاز کے کپتان نے ان کرامات سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ ایسے جھوٹ کے طومار بہت سے سننے میں آتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ یہ سن کر آپ کی غیرت ایمانی جاگ اٹھی اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کپتان کو ملامت کی اور وہ خود بھی اس بات پر نادم ہوا کہ میرے جھگڑے کی وجہ سے فقیر ہلاک ہوا اور رفقاء خلیفہ بھی حضرت کے تصور مجبوری سے غمناک ہونے لگے۔ عین اسی وقت حضرت خلیفہؒ نے بلند آواز سے کہا کہ رنجیدہ نہ ہوں۔ میں خیر و عافیت سے پانی کی سطح پر سیر کر رہا ہوں۔ یہ سن کر تمام اہل جہاز اور کپتان نے آئندہ درویشوں سے گستاخی کرنے سے توبہ کی اور حلقہ نیاز منداں میں شامل ہو گئے۔ ان کے رجوع و توبہ کے بعد حضرت خلیفہؒ وسلم جہاز پر چڑھ آئے۔

قلندر ہر چہ گوید ویدہ گوید

حرمین شریفین میں ایک ایسا شخص مقیم تھا۔ جسے حضرت غوث الاعظمؒ کی کلاہ مبارک تبرکاً سلسلہ وار اپنے آباء و اجداد سے ملی ہوئی تھی۔ جس کی برکت سے وہ شخص حرمین شریفین کے نواح میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور شہرت کی بلندیوں پر فائز تھا۔ ایک رات حضرت غوث الاعظمؒ کو (کشف میں) اپنے سامنے موجود پایا جو فرما رہے تھے کہ یہ کلاہ ابوالقاسم اکبر آبادی تک پہنچا دو۔ حضرت غوث الاعظمؒ کا یہ فرمان سن کر اس شخص کے دل میں آیا کہ اس بزرگ کی تخصیص لازم کوئی سبب رکھتی ہے۔ چنانچہ امتحان کی نیت سے کلاہ مبارک کے ساتھ ایک قیمتی جہ بھی شامل کر لیا اور پوچھ پگچھ کرتے حضرت خلیفہ کی خدمت میں جا پہنچا اور ان سے کہا کہ یہ دونوں تبرک حضرت غوث الاعظمؒ کے ہیں اور انھوں نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ یہ تبرکات ابوالقاسم اکبر آبادی کو دیدو۔ یہ کہہ کر تبرکات ان کے سامنے رکھ دیئے۔ خلیفہ ابوالقاسمؒ نے تبرکات قبول فرما کر انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔ اس شخص نے کہا۔ یہ تبرک ایک بہت بڑے بزرگ کی

طرف سے عطا ہوئے ہیں۔ لہذا اس کے شکریے میں ایک بڑی دعوت کا انتظام کر کے رؤسائے شہر کو مدعو کیجئے۔ حضرت خلیفہ نے فرمایا۔ کل تشریف لانا۔ ہم کافی سارا طعام تیار کرائیں گے۔ آپ جس جس کو چاہیں بلا لیجئے۔ دوسرے روز علی الصبح وہ درویش رؤسائے شہر کے ساتھ آیا۔ دعوت تناول کی اور فاتحہ پڑھی، فراغت کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ آپ تو متوکل ہیں ظاہری سامان کچھ بھی نہیں رکھتے۔ اس قدر طعام کہاں سے مہیا فرمایا ہے؟ فرمایا کہ اس قیمتی جے کو بیچ کر ضروری اشیاء خریدی ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص چیخ اٹھا کہ میں نے اس فقیر کو اہل اللہ سمجھا تھا مگر یہ تو مکار ثابت ہوا۔ ایسے تبرکات کی قدر اس نے نہیں پہچانی۔ آپ نے فرمایا چپ رہو۔ جو چیز تبرک تھی۔ وہ میں نے محفوظ کر لی ہے اور سامان امتحان تھا ہم نے اسے بیچ کر دعوت شکرانہ کا انتظام کر ڈالا۔ یہ سن کر وہ شخص متنبہ ہو گیا اور اس نے تمام اہل مجلس پر ساری حقیقت حال کھول دی جس پر سب نے کہا کہ الحمد للہ تبرک اپنے مستحق تک پہنچ گیا۔

قحط میں خوشحالی

حاجی نور محمد جو حضرت سید عبداللہ اور خلیفہ ابوالقاسم دونوں کے صحبت یافتہ اور ہمارے یار قدیمی تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حضرت خلیفہ مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ اتفاق سے سخت قحط پڑا۔ قریب تھا کہ لوگ انسانوں کو کھھا جاتے۔ انہی ایام میں بارہا ہم حضرت خلیفہ کی خدمت میں پہنچے تو انہیں بیانی وغیرہ ایسے لذیذ طعام تناول کرتے ہوئے پایا جو ہمیں بھی عنایت فرماتے تھے جسے کھا کر ہم لوگ تعجب کرتے تھے۔ ایک روز ہم اس معمر کے بارے میں پوچھ بیٹھے تو متبسم ہو کر فرمایا کہ جو خدا اکبر آباد میں تھا۔ وہ یہاں بھی ہمارے ساتھ ہے۔

احترام مہمان

والد ماجد فرماتے تھے کہ ایک روز ہم حضرت خلیفہ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھ کہ حمام کی تیاری کر کے گھر سے باہر آئے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر واپس پلٹے۔ چمچ، پیالہ، گلاب اور بتاشے میرے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ پھر فرمایا جی چاہے تو بتاشے کھا لیجئے ورنہ گلاب میں ڈال کر شربت نوش کیجئے۔ ان کے مریدوں میں سے ایک درویش نے جلدی سے کہا کہ موسم سرد ہے لہذا محض بتاشے کھانا مناسب، میں گئے۔ آپ خاموش رہے اور مجھ سے فرمایا کہ آپ کو کیا پسند ہے۔ میں

نے عرض کی شربت۔ فرمایا کیوں عرض کی مختصر ایہ کہ آپ جو چھپ، پیالہ اور گلاب لائے ہیں اور محض پیتاشوں پر اکٹفا کر لوں تو یہ چیزیں بیکار جائیں گی حالانکہ اولیاء کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت لازمی ہوتی ہے اور تفصیلاً یہ کہ آپ حمام کو جارہے ہیں۔ حمام کی تکلیف کو بھی شربت ہی تسکین دے سکتی ہے۔ ادھر فقیر لمبا سفر کر کے آرہا ہے اور خفقان کا مریض بھی ہے اور شربت خفقان کے لئے مفید ہوتا ہے۔ یہ سن کر آپ اس درویش کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تم نے بغیر پوچھے کیوں جواب دیا؟ بے ادب ہماری مجلس کے لائق نہیں ہو۔ آپ بہت غصہ ہوئے اور اس سے فرمایا کہ اٹھ کر چلے جاؤ۔ فقیر نے گزارش کی کہ یہ درویش مجھے بددعا دے گا۔ کیونکہ میری وجہ سے وہ آپ کی مجلس سے محروم ہو رہا ہے۔ اس مرتبہ درگزر فرمائیے۔ اگر دوبارہ اس سے کوتاہی سرزد ہو تو آپ کو اختیار ہے۔ بہر حال اسے معاف کر دیا۔ آپ اس طرح لوگوں کو ادب سکھایا کرتے تھے۔

خانقاہی بے تکلفی

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہؒ نے جب ارادہ کیا کہ مجھے ارشاد و ہدایت میں اجازت بخشیں تو اپنے ایک انتہائی خلص کو حکم دیا کہ طعام تیار کرو۔ لوگوں کو دعوت پر بلایا اور فقیر کو بھی طلب کر کے دستار بند حائى اور دم کی مانند پیچھے سے شملہ بھی چھوڑ دیا۔ میں نے عرض کی کہ میں مہتمم بالشان کام کی لیاقت نہیں رکھتا اور ان حقوق کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔ فرمانے لگے تمہیں دوسری جگہ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ سید عبداللہؒ کے ساتھ تمہارا معاملہ کیسا تھا۔ عرض کی انھوں نے تمام حقوق اراوت مجھے معاف کر رکھے تھے۔ فرمانے لگے ہم نے بھی تمام ظاہری و باطنی حقوق معاف کر دیئے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض فقراء جان بوجھ کر کام کیا کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ عذ بہ (شملہ کے لیے مستعمل لفظ) علاقہ یا تعلق کو کہتے ہیں اور اس کے پس پشت ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ تمام حقوق کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔

فقیر اور دنیوی سکون

حضرت والد نے فرمایا کہ خلیفہ ابوالقاسمؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے آرام کے لیے بھی فقیری اختیار نہیں کرتے یعنی جب طبیعت یکسو ہو اور تمام خطرات و وساوس دور ہو جائیں تو آدمی کو ظاہری حرج کے باوجود بھی کیفیت آرام و سکون حاصل ہو جاتا ہے۔

صوفیا اور وقت کی قدر

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ کے مختص مریدوں میں سے ایک مہمارا اکثر و بیشتر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

کار عالم درازی دارد ہر چہ گیرید مختصر گیرید

(کاروبار دنیا کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ جس قدر ممکن ہو کاروباری دنیوی کو مختصر کرو اور

فرصت کے لمحات کو غنیمت جانو)

انداز تربیت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے حضرت خلیفہ کے مختص مریدوں میں سے ایک مرد درویش سید عبدالرسولؒ کی ایک صاحبزادی تھی۔ اس کی شادی کے لیے جب پریشان ہوئے تو ارادہ کیا کہ کچھ مالداروں سے مدد طلب کریں۔ حضرت خلیفہ کے پاس آئے کہ میں دہلی جا رہا ہوں۔ خلیفہ نے رخصت فرمایا اور فرمایا سب سے پہلے فلاں آدمی سے ملاقات کرنا اور یہ کہہ کر میرا نام (عبدالرحیم) لیا۔ اس کے بعد پھر جہاں جی چاہے چل جانا۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے میرے پاس آئے۔ میں نے ملتے ہی کہا کہ حضرت خلیفہ کا اصل مقصد آپ کو دولت مندوں کے دروازوں سے باز رکھتا تھا۔ مگر جب آپ کو پریشان دیکھا تو نہ چاہا کہ اپنی زبان سے منع کریں۔ یہ سنتے ہی سید صاحب اصل حقیقت تک پہنچ گئے اور اغنیاء کے دروازوں تک جانے کا خیال ترک کر دیا۔ جب یہ بات حضرت خلیفہ تک پہنچی تو فرمایا واقعی اس (عبدالرحیم) کے پاس بھیجنے سے میری غرض یہی تھی۔

امانت فقر

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت خلیفہ مجھے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شہر کے درویشوں کی زیارت کیا کرو لیکن میں پس و پیش کر جاتا تھا۔ کیونکہ میں اپنے دل میں کلی طور پر بجز ان کے کسی کی کشش نہ پاتا تھا۔ ایک روز تاکید سے فرمایا اور جب جھجک دیکھی تو خادم سے فرمایا۔ انہیں سید عظمت اللہ کی خدمت میں لے جاؤ (جو مشائخِ چشتیہ کے مشہور بزرگوں میں سے تھے)۔ انہیں میرا سلام کہہ کر عرص کرنا کہ ایک درویش کو آپ کی ملاقات کے لیے بھیج رہا ہوں۔ جب ہم ان کے محلے میں پہنچے تو خادم ان کا مکان بھول گیا۔ اتفاق سے وہاں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ میری نگاہ

ایک بچے پر پڑی تو میں نے فوراً کہا کہ یہ بچہ تو بزرگ زادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سے پوچھ لیجئے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ سید عظمت اللہ کا بیٹا ہے۔ چنانچہ وہ ہمیں گھر لے گیا اور حضرت خلیفہ کا پیغام جناب سید تک پہنچایا۔ انھوں نے کہلوا بھیجا کہ میں بستر عیالت پر پڑا ہوں۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ خاندان کی سب عورتیں گھر میں جمع ہیں۔ پردہ بھی نہیں ہو سکتا مجھے معاف کیجئے۔ یہ یکا یک ایک دوسرے آدمی کو بھیجا کہ حضرت خلیفہ کے درویشوں کو بٹھائیے اور خادموں سے اپنی چارپائی اٹھوا کر دروازے تک پہنچائی اور فرمایا کہ میں معذور تھا مگر پھر خیال آیا کہ حضرت خلیفہ کا بھیجنا حکمت سے خالی نہ ہوگا۔ پھر مجھ سے نام و نسب اور وطن کے بارے میں پوچھنے لگے اور خوب جانچ پڑتال کرتے رہے۔ میں نے اپنے جد بزرگوار شیخ عبدالعزیز شکر بار کی نسبت کو مخفی رکھا۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ سید صاحب کا سلسلہ حضرت شیخ تک پہنچتا ہے اور اس اعتبار سے وہ ایسی تکلیف کے وقت میں بھی تواضع و خدمت سے باز نہ آئیں گے جو ان کے لیے تکلیف دہ ہوگی مگر انھوں نے فراست سے پہچان لیا اور ایک علمی اشکال میرے سامنے پیش کر کے جواب کے طالب ہوئے۔ میں نے عرض کی۔ میں فائدہ حاصل کرنے آیا ہوں نہ کہ فائدہ پہنچانے۔ فرمانے لگے ہم یہ سوال پیش کرنے پر مامور ہیں۔ بہر حال اس وقت جو کچھ ظاہر اور منکشف ہوا میں نے بیان کر دیا جسے سن کر ان کے چہرے پر تازگی اور مسرت پھیل گئی اور اپنے آپ کو چارپائی سے نیچے گرا دیا اور فرمایا نادانی میں مجھ سے کوتاہی سرزد ہو گئی۔

دوران گفتگو فرمایا کہ شیخ عبدالعزیز شکر بار قدس سرہ نے میرے دادا صاحب کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر میری اولاد میں سے کوئی آپ کے پاس آئے اور اس علمی اشکال کا جواب اس طرح سے پیش کرے تو میری امانت اس تک پہنچا دینا اور وہ امانت میرے بعض تبرکات اور اجازت طریقہ پر مشتمل ہے۔ میرے جد محترم زندگی بھر تلاش کرتے رہے۔ وہ میرے والد کو وصیت فرما گئے۔ والد محترم بھی تلاش و تجسس کے باوجود نہ پاسکے تو نوبت مجھ تک پہنچی میں بھی عمر بھر تلاش کرتا رہا ہوں اور نہیں پاسکا۔ اب دم آخر ہے۔ اس لیاقت کا کوئی فرزند بھی نہیں رکھتا مگر الحمد للہ کہ صاحب امانت خوبی تقدیر سے سامنے آ گیا۔ یہ کہہ کر عمامہ میرے سر پر باندھا، اجازت طریقت عنایت فرمائی۔ کافی مقدار میں شیرینی اور کچھ نقد نذرانہ بھی پیش کیا۔ جب میں واپس لوٹا تو حضرت خلیفہ خوش روئی سے

ملے اور فرمایا۔ کامل اور بھرپور ہو کر آئے ہو۔ میں نے وہ سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ فرمانے لگے نقد ظاہری خوشحالی کی طرف اشارہ ہے اور عمامہ سکون قلب اور اجازت طریقت کی طرف اشارہ ہے اور ان دونوں چیزوں میں کوئی کسی کا حصہ دار نہیں ہو سکتا۔ بعد میں آپ نے تھوڑی سی چیر قبول فرمائی۔ والد ماجد نے فرمایا کہ اسے قصے سے کئی کرامات کا انکشاف ہوتا ہے۔ خاص طور پر شیخ عبدالعزیزؒ اور حضرت خلیفہ ابوالقاسم (اللہ ان سے راضی ہو) کی کرامات کا اظہار۔

سوانح شاہ عظمیٰ اللہ

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ مفتاح العارفین کی تحقیق کے مطابق جو میر محمد نعمان نقشبندیؒ کے اخلاف کی تصانیف میں سے ہے۔ شاہ عظمیٰ اللہ بن بدر الدین بن سید جلال قادری متوکل اکبر آبادی کے فرزند ارجمند اور حسینی ترمذی سادات میں سے تھے۔ ان کا مولد و مسکن اکبر آباد تھا اور مدفن بھی یہی شہر بنا۔ نایاب شخصیت کے مالک تھے۔ فقراء ہوں یا انبیا سب سے بے نیاز ہو کر گوشہ نشینت میں لمحات زندگی بسر فرماتے تھے۔ سلسلہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور شطاریہ میں لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔ بہتر برس کے ہو کر ۳ ربیع الاول ۱۰۸۴ھ کو جان آفریں کے سپرد کی اور اپنے محلہ میں مدفون ہوئے۔

فقراء اور مجاذیب کے ساتھ حضرت والد ماجد کی ملاقاتیں

مسلم معاشرہ میں تقریبات عرس کا سلسلہ

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خواجہ بیرنگ کے ایک ایسے خلیفہ کو دیکھا جو ضعیف العمری کے باوجود تابناک چہرے والے اور انتہائی جلیل القدر بزرگ تھے۔ آپ شیخی کے نام سے مشہور تھے۔ تقریب عرس مناتے تھے۔ چھ سات سال کی عمر میں میں بھی کئی دفعہ ان کے عرس میں شامل ہوا۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس جلیل القدر مرد بزرگ کا اصل نام شیخ نعمت اللہ تھا اور وہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے تھا مگر عرف عام میں وہ شیخی کے نام سے معروف تھے۔ جب شیخ نعمت اللہ خواجہ بیرنگ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے ان پر بے حد لطف و کرم فرمایا۔ حضرت شیخی نے ۱۰۶۷ھ میں رحلت فرمائی۔ خواجہ شیخی کے ذکر کے بعد حضرت

والد نے لطفی کے انداز میں ایک حکایت بیان کی۔ فرمانے لگے۔ خوبہ شنی مرد ولایتی تھے۔ بڑی سی پگ سر پر رکھتے اور کشادہ جبہ پہنتے تھے مگر عرس میں تبرک کے لیے انتہائی چھوٹی روٹیاں تقسیم کرتے تھے۔ ایک ظریف نے ازراہ تمسخر کہا، میاں شنی! جبہ شاہزادہ کی، دستار شہزادوں و مان شاہی، (میاں شنی تمہارا جبہ تو وسیع و عریض ہے، دستار وہ ہے مگر روٹی یہ! گویا اونچی دکان اور پھیکا پکوان والا قصہ ہے۔

آئینہ دل

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میں اکبر آباد میں جا رہا تھا کہ مجذوب شکل ایک درویش سامنے آگیا اور زمانے بھر کے مجذوبوں کے نام لے لے کر کہنے لگا کہ شام میں فلاں مجذوب ہے۔ روم میں فلاں مجذوب ہے وغیر ذلک۔ میرے دل میں آیا کہ کاش ہندوستان کے مجذوبوں کے نام بھی لیتا۔ میرے دل میں اس خیال کے آتے ہی ہندوستان کے مجذوبوں کے نام گنتے لگا۔ اسی اثناء میں کہنے لگا کہ فلاں مجذوب بہت ہی خوب ہے (راقم الحروف کا خیال ہے کہ رائے بھیر کا مجذوب کے بارے میں تھی، اور فلاں آدمی نیم مجذوب ہے۔ راقم کا گمان ہے کہ یہ بات اس نے پیرا مجذوب کے متعلق کہی اسی دوران میرے دل میں خیال آیا کہ کاش ہندوستان کے سالکوں کے بارے میں بھی کچھ بیان کرتا۔ اس خیال پر فوراً مطلع ہو کر کہنے لگا۔ اکبر آباد میں خلیفہ ابوالقاسم کا غانی کوئی نہیں ہے۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ تم کیوں کھڑے ہو چلے جاؤ اور میں وہاں سے چل پڑا۔

منوا مجذوب

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں کسی تقریب کے سلسلے میں سوئی پت گیا تو دل میں آیا کہ منوا مجذوب کی زیارت بھی کر لوں۔ ان کی جگہ پر گیا تو وہ سوئے ہوئے تھے۔ میری آہٹ پا کر گدڑی لپیٹ لی اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنا ستر ڈھانپ لیا۔ کچھ دیر میں یونہی بیٹھا رہا اور وہ بھی خاموش رہے۔ بالآخر میں نے آغاز کلام کیا اور کہا کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اگر ہوش و آگاہی سے جواب دیں تو پوچھوں ورنہ رہنے دوں۔ فرمایا حتی الامکان احتیاط برتوں گا۔ میں نے پوچھا کہ آخر منزل سلوک میں آپ کو وہ کونسا مقام حاصل ہوا ہے کہ عقل و شعور سے بھی

ہاتھ دھو بیٹھے ہو۔ کچھ دیر سوچ کر کہا کہ اگر کوئی شخص گرمی سے شرابور ہو کر آئے اور اچانک ٹھنڈی ہوا چلنے سے اسے راحت و فرحت نصیب ہو تو اس راحت کو تم کن الفاظ سے تعبیر کرو گے؟ میں نے کہا یہ کچھ اور اس سے بھی بہتر بہت کچھ سالکان طریقت کو حاصل ہوتا ہے مگر باوجود اس کے ان کی عقل برقرار رہتی ہے۔ کہنے لگا یہ فضل اور عطاء الہی ہے جس کو جس حال میں چاہے رکھے۔

مجاہدات سلوک

والد ماجد فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کہ میرے والد ماجد (جد شاہ ولی اللہ) کسی دور دراز سفر سے آئے ہوئے تھے اور ارادہ یہ تھا کہ شہر سے باہر ہی باہر کسی دوسرے سفر پر چلے جائیں۔ مجھے طلب فرمایا۔ میں زیارت کو چل پڑا۔ راستے میں میرا گڑا ایک باروفتی باغ پر سے ہوا۔ میں اس میں سیر و تفریح کرنے لگا۔ اس میں ایک درخت تھا جس کی شاخیں زمین سے لگی ہوئی تھیں۔ ان شاخوں کی گچھا میں ایک مغلائی صورت مجذوب بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی آواز دی کہ دوست ادھر آؤ۔ کچھ دیر ہمارے ساتھ بھی بیٹھو۔ میں جا کر بیٹھ گیا اس نے اپنے سلوک و مجاہدات کی باتیں شروع کر دیں۔ ان باتوں میں سے ایک یہ بھی بتائی کہ میں آغاز سلوک میں ایک پہر بلکہ اس سے بھی زیادہ جس دم کرتا تھا۔ یہ مجذوب بظاہر مولانا قاضی قدس سرہ کے سلسلے سے نسبت رکھتا تھا اسی اثنا میں کہنے لگا کہ تمہارے ساتھ فلاں طعام ہے اس میں سے تھوڑا سا میرے لیے منگواؤ میں نے منگوا دیا تو انھوں نے تناول فرمایا۔ پھر کہنے لگے تمہاری جیب میں اس قدر پیسے ہیں۔ مجھے ان میں سے ایک سکے کی ضرورت ہے تاکہ حجام کو دے کر سر اور داڑھی کی اصلاح کرا سکوں۔ میں نے پیسے انکے سامنے رکھے اور اسی وقت چل پڑا۔

طعام اغنیاء سے نفرت

والد ماجد فرماتے تھے کہ مارواڑ کی طرف ایک مجذوب رہتا تھا جو مسجد میں کبھی نہیں آتا تھا کہتا تھا کہ ہم پلید ہیں۔ ہمیں مسجدوں میں آنا مناسب نہیں علاوہ ازیں اس علاقے کے زمینداروں کا کھانا بھی نہیں کھاتا تھا اور اس سلسلے میں ہندی میں کچھ کہا کرتا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس طعام میں گھن اور روحانی قبض ہے۔ جب میں اس طرف گیا تو مجھے دیکھتے ہی وہ مسجد میں چلا آیا اور میرے ساتھ طعام بھی تناول کیا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیوں؟ کہنے لگا۔ اس بزرگ کے سبب میں

پاک ہو گیا اور تمہارے طعام کی گھٹن بھی دور ہو گئی۔

حدیث دل

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شرح ملا جامی (۱) کی بحث عطف میں ایک ایسی مشکل عبارت پیش آئی جس کو بڑے بڑے فضلاء اور خوش مزاج (دوسروں کو زچ کرنے کے لیے) اپنا موضوع بنائے رکھتے تھے۔ آغاز جوانی میں میں نے ایک رات اس مقام کا مطالعہ کیا اور ایک اعتراض مرتب کر کے شیخ حامد کے سامنے پیش کیا۔ کہنے لگے بعینہ یہی اعتراض مجھے سوچا ہے تو ارد ہو گیا ہے۔ دوسری رات میں نے اس کا حل سوچا۔ شیخ حامد نے شرح ملا کا نسخہ منگوا کر دیکھا تو اس مقام پر یہ اعتراض لکھا ہوا تھا اور آخر میں فائل کا لفظ مرقوم تھا۔ کہنے لگے عبارت میں تامل اور غور و فکر سے یہی حل نکل سکتا ہے۔ تیسری رات میں نے اس حل کو کمزور کر ڈالا اور اعتراض کی تقویت کی۔ بہر حال میں اسی بحث و مباحثے میں مسجد جنو میں آدمی آدمی رات تک مطالعہ کرتا رہتا۔ اسی دوران ایک رات میں اکیلا تھا کہ ایک کشیدہ قامت خوش رو مجذوب آیا جو فارسی میں کلام کے موتی لٹاتا رہا میرے قریب آ بیٹھا اور خوش طبعی سے کہنے لگا۔ اے استاذ! دستار کا شملہ چھوڑنا مکروہ ہے یا حرام؟ میں ان دنوں شملہ نہیں رکھتا تھا۔ میں نے دستار کے نیچے سے اس قدر کو نہ کھینچا کہ شملہ بن گیا۔ پھر میں نے فوراً کہا کہ بعض روایات میں سنت ہے اور بعض میں مستحب۔ یہ حرکت دیکھ کر وہ بہت ہنسا۔ اسی اثناء میں اس نے کہا کہ کس قدر اچھی رات ہے کسی طالب علم کی گردن پر سوار ہو کر اسے اس مسجد میں دوڑانا چاہئے۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ میں ڈرا کہ کہیں مجھ پر نہ جھپٹے، فخر میرے پاس تھا۔ اسے ہاتھ میں مضبوط پکڑ کر میں نے کہا آج رات کتنی اچھی ہے۔ کسی درویش کو ذبح کر کے اس کا گوشت پوست کھانا چاہئے۔ بہت ہنسا اور کہا اے استاذ! یہ کس کتاب میں پڑھا ہے کہ درویشوں کو ذبح کرنا اور ان کا کھانا حلال ہے۔ میں نے کہا کہ اور تم کس کتاب

(۱) آپ کا پورا نام عبدالرحمن ہے۔ آپ کے جد امجد مولانا شمس الدین نے پہلے پہل خراسان کے موضع جام میں اقامت اختیار کی۔ آپ کے والد مولانا نظام الدین بھی تبحر عالم اور مشہور درویش تھے۔ مولانا عبدالرحمن جامی موضع جام ہی میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجموعہ کمالات و جامع شخصیت بنایا۔ علم نور میں آپ کی کتاب شرح ملا جامی اپنے موضوع کی بہترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ آپ کا عارفانہ، عاشقانہ اور نعتیہ کلام بے حد مقبول ہے۔ آپ ۱۹ ربیع الثانی ۸۹۶ھ کو اصل بحق ہوئے۔

میں پڑھا ہے کہ طالب علم پر سوار ہو کر اسے بیہوش کرنا مباح ہے۔ کہنے لگا۔ ان الفاظ سے میں مجازی معنی لے رہا تھا یعنی طالب علم کو اپنے تصرف میں لے کر اسے دنیاۓ آب و گل کی تکالیف سے نجات دلانی چاہئے۔ میں نے کہا میں بھی مجازی معنوں میں کہہ رہا ہوں۔ یعنی درویش کے قلب پاک کو کلی طور پر اپنی طرف متوجہ کر کے اس سے کمالات حاصل کرنے چاہئیں۔ کہنے لگے مجاز کو حقیقی معنوں سے کچھ تعلق ہونا چاہئے۔ میرے مجاز کا تعلق ظاہر سے ہے۔ فرمائیے تمہارے مجاز کا حقیقت سے کیا تعلق ہے۔ میں نے کہا منقول ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے آغاز عمر میں خواب دیکھا کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیاں مبارک قبر سے باہر نکال کر انہیں ایک دوسرے سے چھانٹ رہے ہیں۔ آپ اس خواب کی ہیبت و عظمت سے متاثر ہو کر بیدار ہو گئے اور مشہور معبر ابن سیرینؒ کے اصحاب میں سے ایک کے سامنے یہ خواب بیان کی۔ انھوں نے کہا مبارک اور بشارت ہو کہ تم سنت نبویؐ کو بخوبی پہچانو گے اور صحیح کو غلط سے جدا کر سکو گے یہ تعبیر میرے مجاز کے تعلق پر شاہد ہے۔ دوران گفتگو انہوں نے کہا کہ اگر ان تین راتوں میں ذکر الہی کرتے تو اخروی فوائد حاصل ہوتے۔ اگر آرام کرتے تو تن بدن کو راحت نصیب ہوتی مردوں کے جھڑوں سے تجھے کیا حاصل۔ عرض کی سچ کہتے ہو مگر کیا کروں۔ ایسی علمی تحقیقات سے اس قدر الفت پیدا ہو چکی ہے کہ اس کا ترک ممکن نہیں۔ فرمانے لگے خوش ہو، ان لایعنی امور کے ترک کا زمانہ قریب پہنچ گیا ہے۔ پھر فرمانے لگے۔ مجھ سے ایک شعر لکھ لو۔ عرض کی دوات و قلم ساتھ نہیں۔ فرمانے لگے۔ حافظے پر نقش کر لو۔

کار نسا ختم و مدین گرفت صبح
اوج چراغ خانہ بافسانہ سو ختم

(زندگی کے سفر میں کوئی کام نہ کر سکے کہ صبح طلوع ہو گئی۔ چراغ خانہ کی بتی یونہی افسانہ گوئی میں جل کر رہ گئی۔)

ولی را ولی می شناسد

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ مذکورہ واقعہ کے بعد مطالعہ کرنے سے دل بچھ گیا اور پھر کبھی طالب علموں کی طرح مطالعے کا اتفاق نہ ہو سکا۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ راستہ میں جا رہا تھا کہ ایک مجذوبہ سامنے آ گئی۔ بتی کے تیل سے ترکی ہوئی چیتھڑوں کی گدڑی اس نے اپنے اوپر لے رکھی تھی۔ میرا راستہ پکڑ لیا اور بلند آواز سے پکاری کہ یہ شخص لوائے نقشبند یہ کا حامل ہے جسے خواہش

ہوا سے دیکھ لے۔ میں نے کہا اس سے زیادہ مجھے رسوا مت کرو چنانچہ یہ سن کر وہ چلی گئی۔ راقم الحروف کے گمان میں حضرت والدؑ نے اس روز یہ بھی فرمایا کہ مجھے البہام ہوا ہے کہ آج کے دن تجھے جو بھی دیکھے گا وہ بخشا جائے گا اور اسی وجہ سے میں بازار چلا گیا تھا۔

فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میرے دل میں آیا کہ صوفیا کے لباس میں قید رہنا تکلف سے خالی نہیں۔ چنانچہ میں نے یہ لباس اتار دیا۔ سپاہیوں والا عمامہ باندھ کر کمر سے شمشیر لٹکائی اور گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ ایک مجذوب سامنے آگیا اور کہنے لگا کہ کوئی شخص چاند کو پیالے سے ڈھانپ سکتا ہے؟ تجھے قسم ہے معبود والجلال کی۔ یہ وردی اتار اور لباس صوفیا پہن اس دن کے بعد میں نے اپنے اوپر صوفیانہ لباس لازم قرار دے دیا۔

آنانکہ خاک را بنظر کیما کنند

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ شاہ ارزانی ایک مجذوب بزرگ تھے جو عموماً حاکمانہ وضع میں رہتے تھے۔ میری دعوت قبول کرنے میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ کبھی کبھی ایسی خلعت فاخرہ میں ملبوس ہو کر باہر نکلتے جو سلاطین کے سوا عموماً کسی کو میسر نہیں آتی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد لباس اتار کر ننگے ہو جاتے ایک روز ہم مسجد جنو میں بیٹھے تھے کہ میں اُٹھ کر کہیں چلا گیا اور اہل خانہ کو بھی مجذوب کی خدمت اور مہمان نوازی کے بارے میں کچھ کہنا بھول گیا۔ چند روزوں بعد واپس آیا تو انہیں وہیں پایا۔ اس عرصے میں ایک دو بار سے زیادہ انہیں کھانا نہ مل سکا۔ مگر اس کے باوجود ان کے بدن پر نقاہت وغیرہ کے کوئی آثار نہیں تھے۔ برادر گرامی (ابوالرضا محمدؒ) ابتدا میں انتہائی تنگدست تھے۔ انھوں نے اس سلسلے میں انہی مجذوب بزرگ سے رجوع کیا۔ مجذوب نے اکتالیس بار سورہ مزمل پڑھنے کو کہا۔ اللہ تعالیٰ نے برادر گرامی کو وسعت اور خوشحالی سے بہرہ ور فرمایا ایک دفعہ کسی دوست کے بارے میں ان سے سفارش کی کہ تنگدست اور عیال دار ہے اس پر توجہ فرمائیے۔ چند شرائط کے ساتھ ایک دعا پڑھنے کو فرمایا۔ ان شرائط میں ترک کذب اور ترک قتل حیوان بھی شامل تھا۔ اسی دوران اس نے ایک جوں کو مارا اور ایک لڑکے کو بلا کر کہا آؤ اور لے جاؤ مگر دیا نہیں۔ یہ سن کر مجذوب نے فرمایا۔ اب یہ دعا پڑھنے کی تکلیف نہ اٹھاؤ۔ تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا مگر اس نے چلہ پورا کیا اور توبہ و رازی کے ساتھ مجذوب سے رجوع کیا۔ مجذوب نے ایک کورا

برتن طلب کیا۔ اس میں نقش لکھا اور سیما ب ڈال کر آگ پر رکھ دیا۔ اس میں سے تھوڑا سا جوڑا بنا اور کچھ ایسے ہی رہ گیا۔ اس کے بعد ان مجذوب کی زبان سے معلوم ہوا کہ یہ شخص اس قابل نہیں تھا ورنہ میں نے جو کچھ چاہا ہے وہ بغیر کسی شرط کے ہو جاتا رہا ہے۔

مگس راہما کنند

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شیخ لعل کے پاس عجیب قسم کی دعائیں تھیں۔ ایک دن مجھ سے کہا سماع کا ذوق رکھتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ پھر ایک کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ سنگریزے پر کچھ لکھا اور وہیں ڈال دیا۔ عجیب و غریب سازوں کی آوازیں آنے لگیں۔ کبھی کبھار ایسی دعائیں ہتے کہ بھڑکھل آتے اور پہلے سے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لٹاخی سے انہیں مارتے اور خالص سونا بن جاتا ایک دن میرے پاس آئے کہ زندگی کے آخری لمحات ہیں۔ مجھ سے یہ اعمال (دعوت وادراہ) لے لیجئے۔ میں نے کہا۔ مجھے کچھ ضرورت نہیں۔ کہنے لگے اگر تم نہیں لیتے تو دریا میں ڈالتا ہوں کیونکہ دوسرا کوئی اہل نظر نہیں آتا۔ میں نے کہا ڈال دیجئے۔ چنانچہ اعمال وادراہ کی وہ تمام کتابیں انھوں نے دریا میں ڈال دیں۔

بئس الفقیر علی باب الامیر

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شہر میں ایک صالح وفاضل مرد رہتے تھے جو انتہائی بے تعلق رہ کر اپنا وقت گزارتے تھے۔ سعد اللہ خان کے بعض خواجہ سرا ان سے تعلیم حاصل کرنے آتے اور ان کی خدمت بجا لاتے۔ سعد اللہ خان انہیں اپنے پاس ہر چند بلانے کی کوشش کی مگر وہ اس کے پاس نہ گئے۔ اتفاقاً ایک دن ان کی خدمت میں جا پہنچا۔ میں ان دنوں کافیر پڑھتا تھا۔ ایک خواجہ سرانے منادئی کے مباحث میں سے مجھ سے ایک سوال کیا۔ فوری جواب ذہن میں نہ آنے کے سبب میں کچھ محزون ہوا تو وہ بزرگ صالح میری پریشانی خاطر کا سبب معلوم کر کے خواجہ سرا پر غصہ ہوئے اور کہا اس بچہ کو نہیں جانتے کہ کون ہے؟ ایک وقت آئے گا کہ اس کی نعلین تیرے آقا کے سر تک پہنچنا اپنے لئے ننگ و عار سمجھے گی۔

ہستی قریب ہے

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حاجی شاہ محمد ایک معمر اور سیاح بزرگ تھے۔ بہت سے بزرگوں

سے مل چکے تھے۔ مزاج میں انتہائی گرمی تھی۔ میں مرض الموت میں ان کی عیادت کو گیا۔ میں نے کہا آپ کا وجود مسود تو غنیمت ہے فرمانے لگے یہ وجود تو تنور میں ڈالنے کے قابل ہے۔ میں نے کہا ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ جو وجود تنور کے لائق ہوا سے تنور میں ڈالا جائے۔ آپ کا وجود اللہ کی نعمت ہے۔ جو حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائی ہے۔ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

استاذ اور شاگرد کے روابط

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شرح مواقف اور کلام و اصول کی دیگر کتابیں میرزا زاہد ہروی کو قوال سے پڑھیں۔ ان کی توجہ میری طرف اس حد تک مبذول تھی کہ اگر کبھی میں کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا تو فرماتے ایک دوسطریں پڑھ لیجئے تاکہ ناند نہ ہو۔ ایک دن بادشاہ وقت نے کسی کے ہاتھوں انہیں بلوا بھیجا۔ یہ فوراً ادھر جانے لگے۔ دروازے سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ میں بھی ان سے جا ملا۔ میں نے دروازے کے دونوں تختے مضبوطی سے تھام لیے اور میرزا زاہد ہروی سے کہنے لگا۔ جب تک آپ فلاں کام پورا نہیں کریں گے میں دروازہ گزر نہیں کھولوں گا۔ فرمانے لگے تم بیٹھو تاکہ میں واپس آ کر اطمینان سے تمہاری بات سنوں۔ اس وقت دل پریشان ہے۔ میں نے کہا کہ جب تک کام پورا نہیں کریں گے دروازہ نہیں کھولوں گا۔ جب یہ اصرار دیکھا تو رُک گئے اور جب تک کام پورا نہ کیا پاؤں باہر نہ رکھا۔ جب لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تعجب کیا۔

زوال پذیر اسلامی حکومت کے ارکان کی خدا ترسی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میرزا محمد زاہد نے ایک دن رمضان المبارک میں میری دعوت کی۔ میں انہی کے گھر میں تھا کہ مغرب کے وقت ایک کباب فروش نے کہا بوں کا خوانچہ ان کے سامنے لا کر رکھا کہ نیاز لایا ہوں۔ مرزا متبسم ہوئے اور کہا اے عزیز میں تمہارا استاذ ہوں نہ پیر! پھر یہ نیاز کیسی! البتہ کوئی ضرورت پیش آئی ہوگی سو بیان کرو۔ کہنے لگا کسی چیز کی ضرورت نہیں، مرزا نے استفسار میں اصرار کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی دکان راستے میں ہے اور مرزا کے کارکن چاہتے ہیں کہ اس کو اٹھا دیں۔ مرزا کہنے لگے کل کسی منصف کو بھیجوں گا تاکہ بغیر کسی علم و زیادتی کے تمہاری حق رسی کر دے اور یہ کہہ کر اسے جانے کا حکم دیا کبابی کہنے لگا۔ یہ اتنے سارے کباب میں نے آپ کے لئے تیار کئے تھے۔ اب تو وقت بھی کافی گزر گیا ہے۔ اس جنگ وقت میں یہ کباب بک

نہیں کیس گئے۔ اس گفتگو میں مرزا کے بچوں کا استاذ بھی موجود تھا۔ اسے کہنے لگے اے فلاں، ان کہاؤں کی قیمت لگا کر میرے گھر سے لاد دیجئے۔ اس نے اٹھنی لا کر دیدی۔ اس فقیر (شاہ عبدالرحیم) نے مرزا کو آہستہ سے کہا کہ اس سارے معاملے میں آپ کا مقصد رشوت سے بچنا تھا مگر وہ پورا نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ ان کہاؤں کی قیمت زیادہ ہے مگر اپنی مجبوری کے تحت کباب فروش اس قیمت پر راضی ہو گیا ہے۔ مرزا نے یہ بات سنتے ہی کباب فروش کو بلایا اور اس سے پوچھا کچ بتا! گوشت کتنے میں خریدا تھا، مصالحے وغیرہ کتنے میں! اور تیری مزدوری کتنی ہے؟ حاصل کلام جب حساب کیا تو ان کہاؤں کی قیمت تین گنا بڑھ گئی۔ پوری قیمت اس کو دے کر استاذ کو طلب کیا اور اس پر بے حد بگڑے اور کہا کیا تم چاہتے ہو کہ ہم مال حرام سے روزہ افطار کریں۔ یہ کہاں کی عقل اور کہاں کی دوستی ہے۔

سوانح میرزا زاہد ہرویؒ

واضح ہو کہ میرزا محمد زاہد ہرویؒ قاضی اسلم کے فرزند تھے جو جہانگیر کے زمانے میں ہرات سے ہندوستان آئے اور بادشاہ نے انہیں قاضی القضاۃ بنادیا۔ وہ ملا محمد فاضل کے شاگرد تھے۔ ملا محمد فاضل کا وطن مالوف بدخشاں تھا۔ آغاز جوانی میں سب سے پہلے کامل میں ملا صادق حلوائی کی شاگردی اختیار کی پھر توران میں جا کر مشہور علمی مشکلات کے حل کرنے والے اور معقولات کے گرہ کشا ملا میرزا جان شیرازی کی صحبت اختیار کی نیز فنون حکمت کا اکتساب ملا میرزا جان شیرازی کے تلمیذ ارشد اور اپنے وقت کے استاذ العلماء ملا یوسف سے کر کے لاہور میں آ کر قیام پذیر ہوئے اور لاہور ہی میں علم تفسیر و اصول ملا جمال لاہوری سے حاصل کیا جو ادب عربی میں یگانہ روزگار تھے۔ اس طرح میرزا محمد زاہد ہروی تیرہ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول سے فارغ ہو گئے تھے۔ وہ جودت طبع اور فہم رسا کے لحاظ سے اپنے زمانے میں بے نظیر مانے جاتے تھے۔ ان کی تصانیف میں سے شرح مواقف، شرح تہذیب اور رسالہ تصور و تصدیق کے حواشی شہرہ آفاق اور علماء و طلباء میں متداول ہیں۔ علاوہ ازیں مرزا کی اور تصانیف بھی ہیں، مثلاً حاشیہ شرح تجرید اور حاشیہ ہیائل، معلوم ہوتا ہے کہ حاشیہ شرح مواقف کی مسودہ نگاری کا کام میرزا نے اسی سلسلے میں کیا۔ جب والد گرامی ان سے یہ کتاب پڑھتے تھے اور اس کا مسودہ کابل میں تیار ہوا کیونکہ میرزا

منصب احتساب سے استعفا کے بعد کابل میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ میرزا زاهد صوفیائے صافیہ کے مشرب سے بھی حصہ وافر رکھتے تھے اور انھوں نے مشائخ عظام کی صحبت میں رہ کر طریق تصوف میں کمال حاصل کیا۔ ان کی تصانیف تصوف میں سے دو تین نکتے تو فقیر کے دل میں پیوست ہو کر رہ گئے مثلاً وحدت الوجود کی بحث میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

نکات تصوف اور میرزا زاهد کا منطقی استدلال

حقیقت یہ ہے کہ لفظ وجود مصدری معنی کے لحاظ سے ایک ایسا امر ہے جو قابل اعتبار اور حقیقت نفس الامری میں ثابت ہے اور حقیقی (وضعی) معنوں کے اعتبار سے وجود کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جائے گا جو موجود بنفسہ ہو بلکہ جس کا وجود اپنی ذات کے لئے واجب اور ضروری ہو اور یہ اس لئے کہ کسی چیز کے قابل اعتقاد (اعتباری) اور نفس الامر میں ثابت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس وجود کا موصوف اس حیثیت میں ہو کہ اس پر سلب وجود کا اطلاق بھی صحیح ہو سکے، کسی بھی شے کے سلب و وجود کے سلسلے میں تین امور کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

امر اول یہ کہ وجود سے جس چیز کا سلب کیا جا رہا ہے۔ کیا وہ ماہیت وجود ہے؟ (جس حیثیت میں بھی ہو) دوسرا یہ کہ کیا سلب کردہ چیز وجود کا مصدری معنی ہے؟ تحقیق و تدقیق سے جب ان دونوں امور کا جواب نفی میں ملا تو تیسرا امر خود بخود ثابت ہوا کہ منشاء انتزاع وجود کا ماہد الموجدی معنی ہے اور وہ یہ ہے کہ وجود اپنی قوت و حیثیت میں قائم اور اپنی ذات کے لئے واجب ہے اس لئے کہ محض انضمام کی وجہ سے وجود کو قائم بالمماہیہ نہیں کہا جاسکتا اگر کہا جائے تو اس کا اپنے موصوف سے موخر ہونا لازم آتا ہے جو بدیہی طور پر غلط ہے اور نہ ہی وجود سے ہیئت کے انتزاع کی وجہ سے اسے قائم بالمماہیہ کہا جاسکتا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو وجود مصدری سے انتزاع کے وقت دوسرا انتزاع لازم آسکتا ہے اور اس طرح انتزاعات کا ایک لامتناہی سلسلہ چل سکتا ہے۔

علم واجب الوجود کی بحث میں ایک نفیس نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

جاننا چاہئے کہ ذات واجب الوجود تعالیٰ شانہ کے لئے علم اجمالی بھی ہے اور علم تفصیلی بھی۔ علم اجمالی سے علم تفصیلی کے لئے مبداء و ماخذ اور صورت ذہنیہ و خارجیہ کیلئے خلاق ہے۔ یہی علم حقیقی ہے اور یہی صفت کمال اور عین ذات ہے۔ اس مسئلہ کی جو تحقیق مجھے میرے پروردگار نے اپنے

فضل و کرم سے الہام فرمائی ہے سو یہ ہے کہ ممکن کے لئے دو جہت ہیں ایک وجود اور فعلیت کی جہت دوسری عدم وجود اور لا فعلیت کی جہت اور ممکن جہت ثانی سے متعلق ہونے کی صورت میں یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ علم اس سے متعلق ہو۔ اس لئے وہ جہت ثانی سے متعلق ہونے کی بنا پر معلوم محض ہے۔ بس جس جہت کے ساتھ علم متعلق ہو سکتا ہے وہ جہت اولیٰ ہے اور اسی جہت اولیٰ کا مرجع علم ہے کہ وجود ممکن بعینہ وجود واجب ہے جیسا کہ اہل تحقیق کا مسلک ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے علم بالممکنات اس کے علم بذات میں سو یا ہوا ہے اس حیثیت سے کہ اس سے ممکنات اور ذات کی کوئی چیز خارج قرار نہیں پائے گی۔ موصوفات کے ساتھ اوصاف انتزاعی کے احوال سے بھی آپ کو اس سلسلے میں مدد ملے گی۔ اوصاف انتزاعی بھی وجود رکھتی ہے جو آثار کے مرتب ہونے پر وجود خارجی کے مقابل پایا جاتا ہے اور یہی منشاء اتصاف ہوتا ہے اور اسی کی بناء پر موصوف اور صفات میں امتیاز قائم کیا جاتا ہے۔ اور علم تفصیلی سو موجودات خارجی اور علوی و سفلی مراتب میں صور ذہنی کے علم حضوری کو کہتے ہیں۔ پس غور و فکر کرو، شاید کہ یہ اہم مسئلہ خالی الذہن ہو کر بار یک بنی سے اور زیادہ واضح ہو، ہم نے اس کی کچھ مزید تفصیلی تعلیقات شرح تجرید میں بیان کر دی ہے۔

کشف ارواح اور اس قسم کے دوسرے احوال پر حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے وقائع

مرتبہ فتانی التوحید

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چشم حقیقت سے دیکھا تو ایک جماعت حضرت حق تعالیٰ کو واقعہ میں دیکھنے کا ارادہ کر کے رواروی میں جا رہی ہے اور میں بھی اس جماعت میں شامل ہوں۔ ایک صاف قطعہ زمین سامنے آیا اور ادھر وقت عصر ہو گیا۔ ان لوگوں نے مجھے اپنا امام بنالیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے جماعت کی طرف رخ کر کے کہا کہ دوستو! اس قدر سعی و کوشش کسی کی تلاش میں دکھا رہے ہو؟ کہنے لگے حق تعالیٰ کی طلب میں۔ میں نے کہا کہ میں وہی تو ہوں جس کی تلاش میں تم نکلے ہو۔ وہ یکدم اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کرنے لگے۔ راقم الحروف (ولی اللہ)

کہتا ہے کہ اس قسم کے واقعات کی حقیقت و اصلیت یہ ہے کہ کبھی تو ایسا واقعہ حق تعالیٰ کی اعانت سے تصرف فی الخلق کے مقام حاصل ہونے کی نشاندہی کرتا ہے اور کبھی کبھار ایسا دعویٰ شیخ اس عالم میں کرتا ہے کہ جب وہ فنا فی التوحید ہوتا ہے۔

مقام قیومیت

فرمایا کرتے تھے کہ اوقات تدبر و فکر میں سے ایک وقت میں حق سبحانہ و تعالیٰ سے میں نے تحقیق و اطمینان کی نیت سے ذات بیچوں کا مثالی صورتوں میں ظہور طلب کیا۔ میرے اوپر ایک حالت طاری ہو گئی اور اپنے آپ کو قیوم عالم کی صورت میں ملاحظہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ کائنات کے ذرے ذرے کا تعلق اور ربط میری ذات کے ساتھ اس حیثیت سے ہے کہ اگر وہ تعلق منقطع ہو جائے تو پوری کائنات لاشی محض ہو کر رہ جائے۔

تصرف بالحق فی الخلق

والد گرامی فرماتے تھے کہ ایک رات میں نے عیاانہ دیکھا گویا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ میرے گھر میں تشریف لائے ہیں اور میں جگہ کی تنگی سامان خانہ کے کھرے ہوتے اور اس قسم کی دوسری بے سلیقہ باتوں کے سبب جو بزرگ ہستیوں کی تشریف آوری کے وقت غیر موزوں سمجھی جاتی ہیں، شرمندہ اور خجل ہوں اور باوجود اس کے ادھر سے بے انتہا لطف و کرم مبذول ہو رہا ہے۔ اتفاق سے صبح اٹھتے ہی حافظہ عبداللطیفؒ کے گھر گیا۔ انھوں نے مجھے اپنے گھر میں بٹھایا اور میرے جانے پر جگہ کی تنگی وغیرہ سے اظہارِ ندامت کرنے لگے۔ میں نے کہا آج رات حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو میں نے دیکھا اور اسی طور پر عرقِ ندامت میں غرق رہا مگر ادھر سے اظہارِ نوازش ہوتا رہا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی نصرت حق کے ذریعے تصرف فی الخلق کے مقام کے حصول پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بات واضح ہے کہ اس واقعہ میں حق پر دلالت کرنے والی ہستی خود صورت حق میں ظہور پذیر نظر آ رہی ہے۔

صوفیاء اور رویت باری

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ بعض درویشوں کے بارے میں مجھے تردد تھا کہ حضرت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ کیا مرتبہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے چشم مشاہدہ سے ایک تجلی دیکھی گویا

حضرت حق حسین صورت میں متمثل ہو کر برقعہ پوش ہیں۔ میرے اور حضرت حق کے درمیان کچھ فاصلہ ہے۔ جب اس کا جمال پاک مجھ پر ظاہر ہوا تو دل ہاتھ سے چلا اور مجھے اس سے بھی زیادہ قرب کی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ میری اس تمنا پر مطلع ہو کر قدرے اور نزدیک ہوا۔ اس پر آتش شوق بھڑک اٹھی اور خواہش قرب میں اور اضافہ ہوا۔ اس پر مطلع ہو کر وہ اور نزدیک آ گیا۔ اس مرحلہ پر میں برقعہ کی موجودگی سے تنگ آ گیا اور اس کے ہٹانے کی آرزو کی۔ فرمایا برقعہ تو بہت باریک ہے جو حسن مستور کو اور نمایاں کر رہا ہے۔ عرض کی پھر بھی حجاب تو ہے۔ بالآخر نقاب انھادی اور پھر فرمایا کہ بعض سالکوں کو پہلا مرتبہ حاصل ہے۔ خاص سالکین کو دوسرا مرتبہ اور انھیں الخواص کو مرتبہ ثالث میسر ہے۔ اور فلاں فلاں ان تینوں میں سے کوئی مرتبہ بھی نہیں رکھتے۔

بے صورت اندر صورت آمد

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں انتہائی روحانی گھٹن محسوس کر رہا تھا کہ واقعاً مجھ پر ایک تجلی وارد ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک حسین و جمیل عورت زیورات اور جاذب نظر لباس سے مزین ہے وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگی اور اس کے قرب سے میرا شعلہ شوق بھڑکنے لگا۔ بالآخر وہ مجھ سے بغل گیر ہو کر یک تن ہو گئی۔ میرا وجود اسی کی شکل میں متمثل ہو گیا اور وہ تمام زیورات اور لباس میں نے اپنے وجود پر موجود پائے۔ یہ دیکھ کر مجھے انتہائی انبساط و سرور حاصل ہوا اور وہ گھٹن جاتی رہی۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی مقام توحید کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور گزشتہ واقعہ کی ہی ایک شاخ ہے۔

اسمائے الہیہ کے ظہور کی کیفیت

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے بصورت واقعہ (کشفی) دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء، جی، علیم، سمیع اور بصیر روشنی بخش دائروں مثلاً سورج اور چاند کی شکل میں میرے لئے صورت پذیر ہو گئے ہیں اور یکے بعد دیگرے طلوع و غروب کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بسط کے شکل پذیر ہونے کے لئے قریب تر صورت دائرے کی ہے، اسی وجہ سے اسمائے الہیہ دائروں کی شکل میں نمودار ہوتے رہے۔

تصرفات و علوم صوفیاء

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن عصر کے وقت میں مراقبے میں تھا کہ غیبت (۱) کی کیفیت طاری ہوگئی۔ میرے لئے اس وقت کو چالیس ہزار برس کے برابر وسیع کر دیا گیا اور اس مدت میں آغاز آفرینش سے روز قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے احوال و آثار کو مجھ پر ظاہر کر دیا گیا۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کا گمان ہے کہ آپ نے یہ کلمات بیان کرتے ہوئے بھی فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کے حروف کا فاصلہ اتنے ہزار برس کا ہے۔ واللہ اعلم۔

مقامات صوفیاء

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دو آدمی دکھائے گئے۔ ایک ذکر حق میں اس قدر مستغرق تھا کہ ماسوی اللہ کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی۔ اور نہ ہی کچھ اپنا ہوش تھا۔ دوسرا اس سے بھی زیادہ کامل! لیکن وہ اس قدر ذکر حق کے باوجود تمام کائنات پر بھی نظر رکھتا تھا اور اپنا شعور بھی رکھتا تھا اور ظاہری و باطنی آداب سے بھی کمال درجہ مزین تھا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں الہام ہوا کہ پہلا ذات حق میں فانی ہے اور دوسرے کے مقام کو آیہ کریمہ فَلْنُحْيِيَنَّهٗ حَیٰوَةً طَیِّبَةً (۲) (البتہ ہم ایسے مردان خود آگاہ و حق آگاہ کو پاکیزہ دائمی زندگی عطا فرماتے ہیں) بخوبی بیان کر رہی ہے۔

شمان عبدیت

والد گرامی فرماتے تھے کہ اوقات عزیز میں سے ایک وقت فنا کے کلی (۳) اور غیبت نامہ میسر ہوئی تو دیکھا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ میرے فلاں بندے کو ڈھونڈ لاؤ۔ زمین میں تلاش کیا نہ پایا آسمان چھان مارے نہ ملا۔ بہشت میں تلاش کیا نہ پایا اس پر حق سبحانہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا کہ جو بھی مجھ میں فنا ہوا وہ نہ آسمان میں ملے گا نہ زمینوں میں پایا جاسکے گا اور نہ ہی بہشت میں۔

(۱) اپنے نفس اور خلق سے غائب اور حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہنے کو غیبت کہتے ہیں۔

(۲) پ ۱۳ اس ۱۶ ت ۹۷

(۳) فنا بیت عدم شعور کو کہتے ہیں۔ ذات احد میں اس درجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے۔

جنت اولیاء

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میں نے بہشت کو دیکھا گویا میں اس کے درمیان میں کھڑا ہوں اور اس کی حوروں اور محلات کو بخوبی دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت دل میں آیا کہ ہم نے تو حور و قصور کے خیال کو دل سے نکال دیا تھا اور یکسو ہو کر حضرت حق تعالیٰ کی طلب میں لگے رہتے تھے۔ یہ کیا ہوا کہ یہاں حور و قصور پیش نظر ہیں مگر مقصود حقیقی نہیں مل رہا۔ اسی وقت مجھ پر وجد اور گریہ طاری ہوا۔ وہاں کے لوگ آ آ کر مجھے اپنی آستینوں اور دامنوں میں چھپانے لگے اور کہنے لگے یہ تو مسرت و شادمانی کی جگہ ہے نہ کہ گریہ و غم کی۔ میں نے ان کے دامن جھٹک دیئے اور منہ پھیر لیا۔ بالآخر انہوں نے کہا کہ تجھے اپنے معبود و مقصود کی قسم ہے۔ بتا کہ تیرے رونے کا سبب کیا ہے۔ ان کی بات سکر میں پریشان ہوا اور اپنے اسرار و رموز کی کچھ باتیں انہیں پیش کیں۔ اسی اثناء میں مولائے مہربان نے الہام فرمایا کہ کیا تم نے ہماری کتاب میں یہ نہیں پڑھا کانت لہم جنات الفردوس نزلا (۱) (ان بندگان خدا کے لئے فردوس کے باغ بطور مہمانی ہیں) نزل اس چیز کو کہتے ہیں جو بوقت آمد فوری طور پر مہمان کے لئے بچھائی جاتی ہے تاکہ وہ اس پر بیٹھ جائے۔ اس کے بعد اس کی ضیافت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ پس تم اس قدر گریہ و زاری کیوں کر رہے ہو؟

علوم اولیاء

اس فقیر نے حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) کے خادم قدیم شیخ فقیر اللہ سے (جو حسب ذیل واقعہ کے معنی شاہد اور قاصد رہے ہیں) خود سنا ہے کہ محمد فاضلؒ کے رشتہ داروں میں سے راجہ نامی ایک عورت کے بچہ نہیں ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے حضرت والا سے رسد ادکی۔ آپ نے توجہ کامل سے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ جب نومولود سات ماہ کا ہوا تو اس پر حالت نزع طاری ہو گئی۔ آپ اس وقت اکبر آباد (آگرہ) میں تھے۔ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کے دل پر روشن کیا کہ یہ شخص (نومولود) جو تمہارے متوسلین میں سے تھا قریب المرگ ہے مگر تجھے غمگین نہیں ہونا چاہئے۔ ہم تجھے اس کا اجر جمیل عطا کریں گے۔ اس سانحہ کو دل سے نکال دیجئے۔ اس الہام کے بعد آپ کی حالت درست ہو گئی مگر آپ کو قدرے تاہل ہوا کہ یہ متوسل کون ہے۔ اس خیال

کے آتے ہی آپ پر منکشف ہوا کہ یہ رابعہ کا بچہ ہے جو فلاں تاریخ اور فلاں وقت میں مر گیا ہے۔ آپ نے شیخ فقیر اللہ کو بھیجا تا کہ محمد فاضل کو اس سارے قصے سے آگاہ کرے اور رسم تعزیت بھی ادا کرے۔ محمد فاضل نے اس واقعہ کو وقت اور تاریخ کے ساتھ ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیا۔ ایک ہفتہ بعد اس کا خط پہنچا تو مذکورہ واقعہ بے کم و کاست سچ ثابت ہوا۔

بدعتی کی مجلس میں جانے پر تنبیہ

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک صاحب کشف آدمی کی تعریف سن رکھی تھی میں نے چاہا کہ اس کی صحبت سے کچھ حاصل کروں تو میرے دماغ میں یہ بات سمونی گئی کہ وہ بدعتی ہے اس کے پاس نہیں جانا چاہئے۔ میں نے اس واہمہ کو دل سے نکال دیا۔ دوبارہ دماغ میں یہ خیال ڈالا گیا۔ پھر میں نے اسے جھٹک دیا اور اٹھا کہ اس کے پاس جاؤں مگر بغیر کسی کیچڑ، سنگ و خشت اور لکڑی کے میرا پاؤں پھیلا۔ شدیدہ چوٹ لگی اور میں گر پڑا دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ اگر پہلی مرتبہ کے انتخاب پر عمل کرتے تو یہ تکلیف نہ پہنچتی۔

فرمایا کرتے تھے کہ مجھے الہام کیا گیا ہے کہ تیرا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اوکما قال۔
جبہ غوث الاعظمؒ

فرمایا کرتے تھے ایک دن میرے دل میں ایک بات ڈالی گئی جس کا اہمال یہ ہے کہ آج تجھے ایک نعمت ملے گی۔ میں میری تفریح کے خیال سے باہر نکل کر شہر کے بعض مقامات سے گزرا تو دل نے یہ گواہی دی کہ تیرا مطلوب یہیں ہے میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش یا فاضل ہے تو جواب ملا کہ ہاں فلاں درویش یہاں رہتا ہے۔ میں اس کی زیارت کو پہنچا تو وہ کہنے لگا کہ حضرت غوث الاعظمؒ کا جبہ تیرا مجھ تک پہنچا ہے اور آج رات مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج کے دن جو شخص بھی سب سے پہلے میرے سامنے آئے میں یہ جبہ مبارک اسے دیدوں۔ میں نے وہ جبہ اس درویش سے لے لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

نگاہ ولی

ایک دن سمت قبلہ کے تعین کی بات چل پڑی تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہماری چشم و جدان کے مشاہدہ کے مطابق عمل کیا جائے تو چاہئے کہ اس سمت کو کھڑے ہوں۔ یہ کہہ کر آپ قدرے

دائیں طرف کو مڑ گئے۔

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ذکر اسم ذات کے دوران میں نے بعض فرشتوں کو دیکھا کہ میرے ارد گرد بیٹھے ہوئے تسبیح و تقدیس اور تحمید و تکبیر میں مشغول ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے قریب آؤ اور ذکر اسم ذات میں میرا ساتھ دو۔ کہنے لگے ہم تیرے نزدیک آنے اور تیرے ذکر میں شامل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ذکر اسم ذات میں مقام کمال

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائے حال میں بازاری لوگوں کی آوازیں بھی مجھ پر اسم ذات کی صورت میں ظاہر ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ میں نے نیا جوتا پہنا تو چلنے میں اس سے جو آواز نکلتی اس پر بھی میں جل جلالہ کہتا جسے سن کر لوگ تعجب کرتے۔

فضیلت بیعت

فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار میں مہملت (۱) میں تھا۔ مجھے ایک درجہ دکھایا گیا کہ یہ درجہ اس شخص کے لئے ہے جو آج کے دن تمہاری بیعت کرے گا۔ اسی روز ایک عورت بیعت کے لئے تیار ہو کر آئی اور رسم کے مطابق شیرینی وغیرہ بھی ساتھ لائی۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہ عورت تو اس درجے کے قابل نہیں۔ تھوڑی دیر گزری کہ اسے ایک زنانہ عارضہ لاحق ہوا اور وہ شرف بیعت حاصل نہ کر سکی۔ صالحات میں سے ایک دوسری نیک بخت آئی۔ اس کی شیرینی وغیرہ خرید کر بیعت کر لی۔

شرف اقتداء

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ اس نماز میں جو شخص بھی تیری اقتداء کرے گا وہ بخشا جائے گا۔ اس جماعت میں ایک ایسا آدمی تھا جس کے بارے میں میرا دل یہ گواہی دیتا تھا کہ اسے یہ دولت نصیب نہیں ہوگی۔ جب تکبیر کہی گئی

(۱) مہملت ضلع مظفر نگر (پونہ) کا ایک گاؤں ہے جو میرٹھ سے شمال کی طرف تقریباً بیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا مولد اور نہال بھی مہملت ہے۔ شاہ صاحب نے چھوٹے بھائی شاہ اہل اللہ کا مزار بھی بنایا ہے۔

تو اتفاق اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ جب وہ دوبارہ وضو کر کے پہنچا تو ہم نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ ایک اور اجنبی شخص آیا اور اس کی جگہ شریک نماز ہو گیا۔

عطیہ سرکار دو جہاں

فرمایا کرتے تھے کہ ابتداء میں میں نے چاہا کہ دائمی روزہ اختیار کروں۔ حضرت ختمی مرتبت علیہ السلام کی بارگاہ میں متوجہ ہوا تو چشم حقیقت دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روٹی عطا فرمائی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا الہدایا مشترک ہدیہ مشترک ہوتا ہے۔ میں نے وہ روٹی ان کی خدمت میں پیش کر دی۔ انھوں نے ایک ٹکڑا لے لیا۔ اسی وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ الہدایا مشترک میں نے پھر روٹی انہیں پیش کی۔ انھوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا الہدایا مشترک تو میں نے ان کی بارگاہ میں روٹی پیش کی۔ انھوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔ اسی دوران حضرت عثمانؓ نے فرمایا الہدایا مشترک میں نے عرض کی اگر روٹی اسی طور تقسیم ہوتی رہی تو اس درویش کو کیا حصہ ملے گا؟ آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ اسی موقع پر میں بیدار ہو گیا۔ ایک عرصہ تک میں غور و فکر کرتا رہا کہ حضرت ذوالنورینؓ کی باری پر حرفِ عذر کہنے میں آخر کیا نکتہ پوشیدہ تھا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ مثالی صورتوں میں ایسے امور اور واقعات کی مثالوں سے رابطہ مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے طریقہ نقشبندیہ کا تعلق ہے۔ حضرت عمرؓ تک ہمارا شجرہ نسب پہنچتا ہے اور حضرت علیؓ کی ذات گرامی کے ساتھ والدہ کی طرف سے ہماری نسب اور اصل کا تعلق ہے اور طریقہ نقشبندیہ نیز دیگر سلاسل صوفیا بھی انہی کی ذات گرامی تک پہنچتے ہیں اور بعض واقعات میں آنجناب کی ذات گرامی سے ہم نے فیوض بھی حاصل کئے ہیں تو یہ معاملہ ان اصحابِ ثلاثہ کی ذات گرامی تک محدود رہنا ضروری تھا۔ جبکہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان وجوہات و اسباب میں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

مشکل میں حضورؐ کی دستگیری

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ماہ رمضان میں ایک دن میری نکسیر پھوٹ پڑی تو مجھ پر ضعف طاری ہو گیا۔ قریب تھا کہ میں کمزوری کی بنا پر روزہ افطار کر لوں کہ صوم رمضان کی فضیلت کے

ضائع ہونے کا غم لاحق ہوا۔ اسی غم میں قدرے غنودگی طاری ہوئی تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھے تعویذ اور خوشبو وار زردہ مرحمت فرمایا ہے۔ پھر انتہائی خوشگوار ٹھنڈا پانی عطا فرمایا جو میں نے سیر ہو کر پیا۔ میں اس عالم غنودگی سے نکلا تو بھوک اور پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی اور میرے ہاتھوں میں ابھی تک زردہ کے زعفران کی خوشبو موجود تھی۔ عقیدت مندوں نے احتیاطاً میرے ہاتھ دھو کر پانی محفوظ کر لیا اور تبر کا اس سے روزہ افطار کیا۔

مجلس سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت ختمی مرتبت (علیہ اتم الصلوٰۃ واکمل التحیات) کو چشم حقیقت اس انداز میں دیکھا کہ آپؐ یا قوت سرخ کی ایک ایسی مسجد میں تشریف فرما ہیں کہ جس کا ظاہر و باطن حسن و خوبی کا مظہر ہے۔ آپؐ بہ شکل مراقبہ تشریف فرما ہیں اور صحابہ کرامؓ و اولیائے کاملین بھی مراقبے کی صورت میں صف باندھے ہوئے آپ کے ارد گرد بیٹھے ہیں۔ جب مسجد کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ یا قوت کے رنگ کا پردہ لٹکا ہوا ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ اور خواجہ نقشبند قدس اللہ اسرارہما اندر سے اٹھ کر میرے پاس آئے اور میرے ہی بارے میں آپس میں مناظرہ کرنے لگے۔ حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے گئے کہ اس شخص کے آباء و اجداد میرے خلفاء سے توسل رکھتے تھے اس لئے میں اس سے زیادہ قریب ہوں اور حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا اس شخص کے میرے خلفاء سے روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ اس لئے مجھے اس پر زیادہ حق حاصل ہے یعنی آپ کی مراد اس سے تھی کہ اس نے شیخ رفیع الدین خلیفہ خواجہ محمد باقی سے روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ اس گفتگو نے طول پکڑا یہاں تک کہ مجھے خوف ہوا کہ اس مجلس کے ختم ہونے تک کہیں میں اس فیض سے محروم نہ رہ جاؤں۔ بالآخر حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا جب کہ آپ کے اور ہمارے طریقے میں کوئی فرق نہیں تو پھر اس قدر مناظرے کی کیا ضرورت ہے۔ خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ اگر کچھ فرق نہیں تو پھر یہ سعادت میں کیوں نہ حاصل کروں۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔ آپ ہی اسے اندر لے جائیے۔ حقیقت میں یہ شخص میرا عز و شرف ہے اور میں اسے اپنی ہی نسبت سے بہرہ ور کروں گا۔ یہ تمام مناظرہ ایسے ادب و احترام کی فضا میں ہوتا رہا۔ جس سے زیادہ بہتر صورت ناممکن ہے۔ اسی وقت خواجہ نقشبندؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس مسجد

میں داخل کیا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہل صف سے ذرا آگے لایٹھایا اور آپ میرے ساتھ صف برابر میں بیٹھ گئے۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس صورت میں بجز اس کے اور کیا حکمت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراقبے سے سر اٹھائیں تو سب سے پہلے آپ کی نگاہ کرم مجھ پر پڑے اور جب کوئی شخص پوچھے کہ تجھے کون لایا ہے تو خولہ نقشبند عرض کر سکیں کہ اسے میں نے حاضر کیا ہے۔ خولہ اس خیال پر مطلع ہوئے اور فرمایا کہ واقعی اس انداز میں بٹھانے کا سبب یہی ہے۔

اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مراقبے سے سر اٹھایا اور بے پایاں لطف و کرم سے مشرف فرمایا۔ کاتب الحروف کا گمان ہے کہ اس واقعے کا تتمہ یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلوت میں لے گئے اور نفی و اثبات کی عجیب و غریب کیفیات سے تلقین فرمائی۔ واللہ اعلم۔

جمال محمدی

فرمایا کہ انا املح و احی یوسف اصبح والی حدیث کے بارے میں میرے دل میں حیرت پیدا ہوتی تھی کیونکہ ملاحت حسن عاشقوں کے لئے صباحت سے زیادہ بے قراری و اضطراب کا موجب بنا کرتی ہے اور یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف لباس فاخرہ پہن کر جلوہ گر ہوتے تھے تو جمال یوسفی کی تاب نہ لا کر بہت سے لوگ دارالبقا کو سدھار جاتے تھے۔ جب کہ اس قسم کی کوئی بات حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نہیں ہے تو معاملہ برعکس ہونا چاہئے تھا۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے چشم حقیقت سے دیکھا اور اس نکتے کے بارے میں استفسار کیا تو فرمانے لگے کہ خدائے غیور نے میرے جمال حسن کو لوگوں کی آنکھوں سے مستور رکھا ہے۔ اگر میرا حسن ظاہر ہو جاتا تو ہر شخص وہی کچھ کرتا جو یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والے کیا کرتے تھے۔ اسی توجیہ سے میں نے جانا کہ حضرت عائشہ یا حضرت فاطمہ علیہا السلام کی یہ روایت کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عمر میں ایک یا دو بار دیکھا ہے کیا معنی رکھتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان معصومات کو قوت اخذ و قبول کے مطابق اس جمال جہاں آراء کے خم خانے سے ان تک ایک آدھ جرعہ پہنچا ہے۔

ولایت اور نبوت کے مراتب اور ان میں فرق

فرمایا کہ حضرت سید المرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میں نے صورت واقعی میں دیکھا۔ میری طرف متوجہ ہوئے۔ محض توجہ گرامی سے میں مقامات اولیاء کو عبور کر گیا اور وہ تمام مقامات مجھ پر بخوبی منکشف ہو گئے حتیٰ کہ میں اس مقام تک جا پہنچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ولی اس سے آگے جاسی نہیں سکتا۔ میں نے عرض کی کہ اس فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس محال (ناممکن) کی طرف متوجہ ہوں وہ امکان کی صورت قبول کر لیتا ہے۔ کچھ مشکل نہیں کہ استعداد نہ ہونے کے باوجود بھی اس مقصود کا چہرہ مجھ پر جلوہ نمائی کرے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری روح کو اپنی روح کے سائے میں لے کر مقام صدیقیت سے بھی عبور فرما گئے جو ولایت کا انتہائی مقام ہے۔ وہاں برزخ ہمارے سامنے دیا گیا آگ کا دریا ہے جسے کوئی ولی پار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ولایت کے مقامات سابقہ کی مثل ہم پر کچھ مقامات منکشف ہوئے۔ مقام صبر اور مقام توکل سابق مقامات کی طرح ہمیں مشاہدہ کرائے گئے بجز اس فرق کے کہ اب یہ مقامات بطور حقیقت دکھائے گئے جبکہ سابق مقامات محض مجازی تھے گویا اس مرتبہ یہ مقامات اصولی کی حیثیت رکھتے تھے جب کہ پہلی مرتبہ اشباح و تماثیل کی صورت میں دکھائے گئے

کاتب الحروف نے حضرت والد ماجد کی روح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے سائے (ضمن) میں لینے کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمانے لگے یوں محسوس ہوتا تھا گویا میرا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے مل کر ایک ہو گیا ہے خارج میں میرے وجود کی کوئی الگ حیثیت نہیں تھی بجز اس کے کہ میرا علم مجھے اپنا شعور دلا رہا تھا۔ کاتب الحروف کے نزدیک واقعہ مذکورہ میں آگ کے دریا کو مثالی صورت میں دیکھنے کے سرخفی کا سمجھنا اس مقدمے پر موقوف ہے کہ نبوت کے حصول کا سبب ہر مصلحت سے خالی محض عنایت ازلی کی توجہ کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ عنایت ازلی کی توجہ سے نبوت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور اس کی قوم کو دنیا میں ہونے والے عظیم واقعات طوفانوں اور قیامت وغیرہ کے آثار و قرائن سے مطلع کرتا رہتا ہے اس کے برعکس اولیائے کرام کا ہر کمال محض ان کے نفوس قدسی کی استعداد اور ہمت پر منحصر ہوتا ہے گویا کمالات ولایت کے عطا کرنے میں عالم انفس و آفاق کی مصلحتوں اور تدابیر کی بہ نسبت اولیاء کے

نفوس اور ذوات کی مصلحتوں کا بطور خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ان کے مقابلے میں انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت عالم انفس اور عالم آفاق میں حکماء تدبیر عالم و مصالح کے رموز و اسرار پر محنتی و مشتمل ہوتی ہے۔ پہلا حکم یعنی مصلحت تدبیر عالم انفس وجود دہنی رکھتا ہے اور دوسرا حکم یعنی مصالح تدبیر عالم آفاق وجود خارجی۔ حکم اول کا منشا و حکمت خلق اور حکم ثانی کا منشا حکمت تدبیر ہے۔ مجموعی طور پر پہلے حکم یعنی مصالح تدبیر عالم انفس میں کسب و محنت اور ریاضات کو بھی دخل ہے مگر نبوت کے حکم ثانی یعنی مصلحت تدبیر عالم آفاق میں کسب و محنت نہیں بلکہ موبہت الہی اور عنایت ازلی کو دخل ہے گویا حکم اول کے لئے الگ استعداد کی ضرورت ہے اور حکم ثانی کے لئے دوسری استعداد کی حاجت۔

حاصل کلام یہ کہ کمالات نبوت کے حکم ثانی کے متمتع الحصول یا ناممکن الحصول ہونے کی وجہ سے کمالات اول کی استعداد و اولیت رکھنے اور روح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغلیب ہونے کی بنا پر حضرت والد ماجد کے سامنے کمال ثانی یعنی مصالح تدبیر عالم آفاق کو آگ کے دریا کی شکل میں برزخی طور پر پیش کیا گیا۔

موئے مقدس کی برکات

فرمایا کہ ایک بار مجھے بخار نے آلیا اور بیماری نے طول پکڑا یہاں تک کہ زندگی سے ناامید ہو گیا۔ اسی دوران مجھ پر غنودگی طاری ہوئی تو میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالعزیزؒ سامنے موجود ہیں اور فرما رہے ہیں بیٹے! حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تیری بیمار پرسی کو تشریف لارہے ہیں اور شاید تیری پاستی کی طرف سے تشریف لائیں۔ اس لئے چار پائی کو اس طرح رکھنا چاہئے کہ حضور کی طرف تمہارے پاؤں نہ ہوں۔ یہ سن کر مجھے کچھ افاقہ ہوا۔ قوت گویائی نہیں تھی۔ حاضرین کے میرے اشارے پر چار پائی کا رخ پھیر دیا۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کیف حالک یا بنی (اے بیٹے کیسے ہو)

اس کلام کی لذت اس قدر غالب ہوئی کہ مجھ پر آہ و بکا اور وجد و اضطراب کی عجیب و غریب کیفیت طاری ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس انداز سے اپنی بغل میں لیا کہ آپ کی واڑھی مبارک میرے سر پر تھی اور آپ کا جبہ مبارک میری آنکھوں سے تر ہو گیا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ

وجد و اضطراب کی کیفیت حالت سکون میں بدل گئی۔ اسی وقت میرے دل میں آیا کہ ایک مدت سے مومئے مبارک کے حصول کی آرزو رکھتا ہوں۔ کیا ہی کرم ہو کہ اس وقت تبرک عنایت فرمائیں۔ میرے اس خیال سے آپ مطلع ہوئے اور داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر کر دو مقدس بال میرے ہاتھ میں تھما دیئے۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ یہ دونوں مقدس بال عالم بیداری میں بھی میرے پاس رہیں گے یا نہیں۔ اس کھٹکے پر مطلع ہو کر آپ نے فرمایا۔ یہ دونوں بال عالم ہوش یا بیداری میں بھی باقی رہیں گے۔ اس کے بعد آپ نے صحت کلی اور طویل عمر کی خوشخبری سنائی۔ اسی وقت مرض سے افاقہ ہو گیا۔ میں نے چراغ منگوا یا وہ دونوں مقدس بال اپنے ہاتھ میں نہ پائے تو میں غمگین ہو کر بارگاہ عالی کی طرف متوجہ ہوا۔ غیبت واقع ہوئی اور آنحضور کثالی صورت میں جلوہ فرما ہوئے، فرمایا اے بیٹے! عقل و ہوش سے کام لو وہ دونوں بال احتیاطاً تمہارے سر ہانے کے نیچے رکھ دیئے تھے۔ وہاں سے لے لو۔ افاقہ ہوتے ہی میں نے وہ مقدس بال وہاں سے اٹھائے تعظیم و تکریم سے ایک جگہ محفوظ کر کے رکھ دیئے۔ اس کے بعد دفعۃً بخار ٹوٹا اور انتہائی ضعف، نفاہت طاری ہوئی۔ عزیزوں نے سمجھا کہ موت آچکی، رونے لگے۔ مجھ میں بات کرنے کی سکت نہیں تھی۔ سر سے اشارہ کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد اصل طاقت بحال ہوئی اور صحت کلی نصیب ہوئی۔ اسی سلسلے میں یہ کلمات بھی فرمائے تھے کہ ان دو بالوں کے خواص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپس میں گتھے رہتے ہیں مگر جب درود پڑھا جائے تو جدا جدا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ تاثیر تبرکات کے منکروں میں سے تین آدمیوں نے امتحان لینا چاہا۔ میں اس بے ادبی پر راضی نہ ہوا مگر جب مناظرے نے طول کھینچا تو کچھ عزیزان مقدس بالوں کو سورج کے سامنے لے گئے۔ اسی وقت بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا۔ حالانکہ سورج بہت گرم تھا اور بادلوں کا موسم بھی نہیں تھا۔

یہ واقعہ دیکھ کر منکروں میں سے ایک نے توبہ کی اور دوسروں نے کہا یہ اتفاقی امر ہے۔ عزیز دوسری مرتبہ لے گئے تو دوبارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا۔ اس پر دوسرے منکر نے بھی توبہ کر لی۔ مگر تیسرے نے کہا یہ تو اتفاقی بات تھی۔ یہ سن کر تیسری بار مومئے مقدس کو سورج کے سامنے لے گئے۔ سہ بارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا تو تیسرا منکر بھی توبہ کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ مومئے مبارک زیارت کے لئے باہر لے آیا۔ بہت بڑا

جمع تھا۔ ہر چند صندوق تبرک کا تالا کھولنے کی کوشش کی گئی لیکن نہ کھلا۔ اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا فلاں آدمی ناپاک ہے۔ جس کی ناپاکی کی شامت کے سبب یہ نعت میسر نہیں آ رہی۔ عیب پوشی کرتے ہوئے میں نے سب کو تجدید طہارت کے لئے حکم دیا۔ وہ ناپاک آدمی بھی مجمع سے چلا گیا اور اسی وقت بڑی آسانی سے تالا کھل گیا اور ہم سب نے زیارت کی۔ حضرت والد ماجد نے آخری عمر میں جب تبرکات تقسیم فرمائے تو ان دونوں بالوں میں سے ایک کا تب الحروف کو عنایت فرمایا جس پر پروردگار عالم کا شکر ہے۔

سجدہ غیر اللہ کی ممانعت

فرمایا ایک مرتبہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم حقیقت دیکھا۔ جب اس مظہر اتم میں صفات الہیہ کا کمال ظہور مشاہدہ کیا تو سجدے میں گر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار تعجب کے طور پر انگلی منہ میں دبالی اور اس شکل سے منع فرمایا۔ بار بادل میں آیا کہ اس صورت سے منع کرنے میں کیا نکتہ پنہاں تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انسان کو دو طرح سے سجدہ کیا جاسکتا ہے ایک اس صورت میں کہ اس کے معبود ہونے کا اعتقاد دل میں ہو اور یہ کفر ہے دوسرا اس صورت میں کہ اس میں صفات الہیہ کے ظہور کا مشاہدہ کر کے سجدہ کیا جائے اور یہ مشابہت کفر کی وجہ سے ممنوع ہے لہذا اس باریک فرق کی بنا پر اس وضع سے آپ نے منع فرمایا۔

قربت رسول کا مقام

فرمایا ایک آدمی کے سید یا غیر سید ہونے کے بارے میں مجھے تردد تھا۔ حضرت پیغمبر ﷺ کو دیکھا۔ گویا ایک پلنگ پر دراز سو رہے ہیں۔ عنایت سے پیش آئے اور آخر میں فرمایا پلنگ کے نیچے دیکھو میں نے اس شخص کو دیکھا، سو رہا ہے۔ فرمایا اگر سید ہونے کی قربت نہ رکھتا تو یہاں کیسے پہنچتا حضور کا پسندیدہ درود

فرمایا کہ ایک دن میں نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حاضرین میں سے ہر شخص اپنے فہم و فراست کے مطابق آپ کی بارگاہ میں درود پیش کر رہا ہے۔ میں نے بھی یہ درود عرض کی اللہم صل علی محمد النبی الامی و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ جب آپ نے یہ سنا تو آپ کے چہرہ مبارک سے بشارت اور تازگی نمودار ہو رہی تھی۔

حضورؐ کی نیاز کی اشیاء کی بارگاہِ نبویؐ میں مقبولیت

فرمایا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عرس مبارک کے دنوں میں ایک مرتبہ اتفاقاً خزائنہ غیب سے کچھ میسر نہ آسکا کہ میں کچھ طعام پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کی نیاز دلوا سکتا۔ لہذا تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے اور قند پر اکتفا کرتے ہوئے میں نے آپ کی نیاز دلوا دی۔ اسی رات چشمِ حقیقت دیکھا کہ انواع و اقسام کے طعام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ اسی دوران وہ قند اور چنے بھی پیش کئے گئے۔ انتہائی خوشی و مسرت سے آپ نے وہ قبول فرمائے اور اپنی طرف لانے کا اشارہ فرمایا اور تھوڑا سا اس میں سے تناول فرما کر باقی اصحاب میں تقسیم فرمایا۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس قسم کا قصہ اگلے بزرگوں سے بھی روایت کیا جاتا ہے مگر یہ قصہ بلاشبہ حضرت والد ماجد کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ توارد ہو گیا ہو۔

نسبت فقر

فرمایا امر واقعہ میں دیکھا کہ حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کسی راستے میں یا قوت سرخ کی پہلی پر سوار ہیں جو بغیر جانوروں کے محض قدرت الہی سے چل رہی ہے۔ میں بھی ان کے ہم رکاب سیر کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آؤ اور ہمارے ساتھ پہلی میں بیٹھ جاؤ۔ مگر میں رعایت ادب کی وجہ سے اس بات پر راضی نہیں ہوا بلکہ بات ہلکے مزاح پر جا پہنچی اور بلا کر فرمایا کہ پہلی کے پردے کو نیچے لٹکا دو۔ میں اس کے پائے پر چڑھ کر پردہ لٹکانے ہی والا تھا کہ ایک ہاتھ سے حضرت امام حسنؑ اور دوسرے ہاتھ سے امام حسینؑ نے مضبوط پکڑ لیا اور ہنستے ہوئے فرمایا۔ اب خبر دیجئے کیسے رہے۔ میں نے عرض کی کہ اس شخص کی حالت کا بیان کی جائے جس کے دونوں ہاتھ قرۃ العین حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں ہوں۔ بہر حال مجھے پہلی میں بٹھا کر مسرت و شادمانی کے ساتھ اپنے گھر تک لائے جہاں مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ملاقات نصیب ہوئی۔ آنجناب کی خدمت میں میں نے التماس کی کہ ہم فقیروں کو کسب و ریاض سے جو نسبت فقر حاصل ہوتی ہے۔ کیا وہی نسبت ہے جو حضرت پیغمبرؐ کی بارگاہ سے صحابہ کرام حاصل فرمایا کرتے تھے یا زمانہ دراز گزرنے کے سبب اب کچھ تبدیل ہو گئی ہے۔ فرمانے لگے کچھ دیر اپنی نسبت میں غرق

ہو جاؤ تا آنکہ میں اپنی نسبت روحانی کی طرف متوجہ ہو کر مستغرق ہوا تو تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا کہ تمہیں بھی بغیر کسی فرق کے وہی نسبت حاصل ہے جو صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھی۔

اجازتِ سلسلہ

فرمایا کہ ابتدائے احوال میں مختلف طریق سلوک کے اصحاب طریقت کو میں نے دیکھا اور ان سے امر واقعی میں اجازت حاصل کی۔ منجملہ ان اصحاب طریقت کے حضرت خواجہ نقشبند کو بھی میں نے پچشم حقیقت دیکھا کہ لکڑی کے پیالے میں انھوں نے مجھے پانی دیا میں نے سیر ہو کر پیا پھر انھوں نے مختلف طریق و سلاسل کی باتیں بیان کیں اور آخر میں تلقین طریقت کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

خواجہ جمیری سے خلافت

فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ کو میں نے دیکھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک چراغ روشن ہے لیکن اس چراغ کی بتی حرکت کی محتاج تھی تاکہ تازہ ہو کر روشنی پھیلا سکے۔ مجھے انھوں نے اس خدمت پر مامور فرمایا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اپنی خاص نسبت مجھے عنایت فرمائی اور اس واقعے کی تعبیر بھی اجازت طریقت تھی۔

سیر روحانی

فرمایا کہ ایک بار اولیاء اللہ کے سلاسل مجھے اس طرح مشاہدہ کرائے گئے کہ گویا ایک وسیع بازار ہے جس میں خوبصورت پختہ دکانیں ہیں اور ہر دکان میں صاحب سلسلہ بزرگ اپنے اپنے خافاء اور معتقدین کے ساتھ فروکش ہیں۔ میں سب بزرگوں کی زیارت کرتا ہوا بازار سے گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت غوث اعظمؒ کی دکان پر پہنچا اور آپ کی مجلس مبارک میں بیٹھ گیا۔ اس وقت الاعیان ماحضت راحۃ الوجود پر بحث ہو رہی تھی۔ حاضرین میں سے ہر شخص اپنی فہم و فراست کے مطابق اس کے معانی بیان کر رہا تھا اپنی باری پر میں نے اس کا مفہوم بیان کیا۔ حضرت غوث اعظمؒ نے میری تشریح پر خوش ہو کر فرمایا غرض آں بے چارہ ہمیں بود (اس بیچارے (مصنف) کی مراد بھی یہی تھی) اس واقعے کو عرصہ گزر گیا۔ لیکن فارسی زبان میں ادا کئے ہوئے

آپ کے یہ کلمات ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ اس کے بعد آپ اس مجلس سے اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے اور فرمانے لگے۔ کیا تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی کھٹکا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! تمام صاحب سلسلہ بزرگوں نے مجھے بلا واسطہ اجازت و خلافت عطا فرمائی ہے سوائے آپ کے! آپ نے فرمایا۔ میرے خلفاء سے تم نے اجازت حاصل کر لی ہے۔ گویا بلا واسطہ مجھ سے کسب فیض کر لیا ہے۔ کیونکہ میرے خلفاء اور میں معنایک ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یہ درست ہے لیکن بلا واسطہ فیض میں ایک خاص لطف و لذت ہے۔ اس پر ارشاد فرمایا: اچھا میں نے بھی تم کو اجازت دی۔ میرے طریقہ پر لوگوں کو ارشاد و سلوک کی تعلیم دو۔ جب اشغال کی نوبت آئی۔ فرمایا تم نے ابتدائی، درمیانی اور انتہائی تینوں قسم کے اشغال کر رکھے ہیں۔ مزید ضرورت نہیں ہے۔ پھر آپ نے میرے دل پر توجہ ڈالی اور خاص نسبت عنایت فرمائی بعد میں آگے روانہ ہوا اور سلاسل کی سیر کرتا رہا۔ اس دوران میں نے بے شمار عجائب و حقائق دیکھے۔ آخر میں عرش کے زیر سایہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سلسلہ عرش کے ساتھ معلق ہے اور حضرت خواجہ نقشبندؒ اس کو تھامے ہوئے حالت استغراق میں ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ کے استغراق کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے خلفاء (زندہ ہوں یا رفتہ) میں مخلوق کی طرف توجہ کی ریاضت و مشقت زیادہ ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) عرض کرتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کی وسعت لطیفہ سر میں زیادہ ہے اور حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کی وسعت لطیفہ روح میں روحانی تربیت اسی اعتبار سے ظہور پذیر ہوتی ہے اسی طرح قدیم صوفیائے کرام کی نسبت لطیفہ نفس میں زیادہ ہے۔ اسی بناء پر قدیم صوفیائے کرام کے ہاں سخت مشکل ریاضتیں پائی جاتی ہیں۔ قدر

بقا ہر آپ نے بے چارے کا لفظ اسی لئے استعمال فرمایا کہ وہ نفوس قدسیہ کے جو ارشاد کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک عجیب و غریب علوم و معارف کو خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔

مقامات اولیاء

فرمایا کہ ایک بار میں حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گیا۔

ایک میرے دل خیال پیدا ہوا کہ میری گنہگار آنکھیں اور وجود اس قابل نہیں کہ اس مقدس بارگاہ میں حاضری دیں۔ اس خیال کے آتے ہی مزار مبارک سے متصل چبوترے پر رک گیا۔ اسی دوران آپ کی روحانیت جلوہ گر ہوئی اور مجھے علم دیا کہ آگے آؤ! میں دو تین قدم آگے بڑھا۔ اسی اثنا میں نے دیکھا کہ آسمان سے چار فرشتے ایک تخت اٹھائے ہوئے آپ کی قبر مبارک کے قریب اترے، معلوم ہوا کہ اس تخت پر حضرت خواجہ نقشبندؒ ہیں قرآن السعدین ہوا۔ دونوں شیوخ نے خلوت میں راز و نیاز کی باتیں کیں۔ اس کے بعد حسب سابق فرشتے تخت کو اٹھا کر روانہ ہو گئے اور حضرت خواجہ قطب الدین میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ نزدیک آؤ میں دو تین قدم اور آگے بڑھا۔ آپ بار بار نزدیک آنے کے متعلق فرماتے رہے اور میں آہستہ آہستہ قریب ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت کے بہت نزدیک ہو گیا۔ پھر آپ نے پوچھا۔ شعر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا کلام حسنه حسن و قبيحه قبيح (شعر بھی منجملہ دیگر کلام کے ہے۔ اس میں جو بہتر ہے وہ اچھا ہے اور جو خراب ہے وہ قبیح ہے) اس پر آپ نے فرمایا۔ بارک اللہ

پھر آپ نے دریافت فرمایا۔ خوبصورت آواز کے بارے میں تمہارا نظریہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (یہ لطف ایزدی ہے) آپ نے فرمایا بارک اللہ! لیکن جب یہ دونوں باتیں (شعر و آواز) جمع ہو جائیں پھر؟ میں نے کہا۔ نور علی نور بھدی اللہ لنورہ من یشاء۔ آپ نے فرمایا بارک اللہ۔ تم بھی کبھی کبھار ایک دو بیت سن لیا کرو۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی موجودگی میں آپ نے یہ بات کیوں نہیں فرمائی؟ خاف ادب تھا! یا مصلحت نہیں تھی! (ان دو باتوں میں سے آپ نے ایک فرمائی) حضرت والد ماجد نے فرمایا عرصے کی بات۔ صحیح الفاظ یاد نہیں ہے۔

بشارتِ فرزند

فرمایا ایک دفعہ میں انہی (حضرت شیخ قطب الدینؒ) کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گیا۔ آپ کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور مجھے فرمایا کہ تمہیں ایک فرزند پیدا ہوگا۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اس وقت میری زوجہ عمر کے اس حصے کو پہنچ چکی تھیں۔ جس میں اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے۔ میرے اس وہم

پر آپ فوراً مطلع ہو گئے اور فرمایا میرا مقصد یہ نہیں بلکہ یہ فرزند (جس کی بشارت دی گئی ہے) خود تمہاری صلب سے ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد دوسرے عقد کا خیال پیدا ہوا اور اسی سے کاتب الحروف فقیر ولی اللہ پیدا ہوا۔ میری پیدائش کے وقت والد ماجد کے ذہن سے یہ واقعہ اتر گیا اس لئے انھوں نے ولی اللہ نام رکھ دیا۔ کچھ عرصہ بعد جب انھیں یہ واقعہ یاد آیا تو انھوں نے میرا دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔

مجالس ارواح اولیاء

فرمایا ایک دفعہ میں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کو خواب میں دیکھ کر وضو فرما رہے ہیں اور نماز کی تیاری میں مشغول ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ تو عالم (آخرت) تکلیف (عمل) نہیں ہے۔ یہاں پر وضو اور نماز کی حکمت کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ دنیا میں اکثر وقت ان امور کی انجام دہی میں گزرا ہے اس لئے ان میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ یہاں پر ان کی ادائیگی کسی فریضے پر نہیں بلکہ لطف و لذت کی خاطر ہے۔ نماز کے بعد ارواحِ اولیاء جمع ہوتیں اور ان کے درمیان گفتگو شروع ہوگئی حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم بھی ہماری محفل میں شامل ہو جاؤ۔ میں اس مقدس مجلس میں جانے سے گریز کرنے لگا۔ اس پر آپ نے فرمایا ہماری مجلس عام مجالس کی طرح نہیں ہے۔ چنانچہ میں حاضر ہو گیا۔ اس روحانی محفل میں وجد بھی دیکھا گیا۔

تصرف اولیاء

فرمایا کہ اکبر آباد میں میرزا محمد زاہد سے تعلیم کے دوران ایک دفعہ درس سے واپسی پر ایک لمبے کوچے سے گزر ہوا۔ اس وقت میں خوب ذوق میں سعدی شیرازی کے یہ اشعار گنتا تار با تھنہ جز زیاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطل است
سعدی بشوی اون دل از نقش غیر حق
علمی کہ رہ بحق نہاید جہالت است
اتفاق کی بات چوتھا مصرعہ میرے ذہن سے اتر گیا۔ ہر چند ذہن پر زور دیا لیکن یاد نہ آیا۔ اس تار کے ٹوٹنے سے میرے دل میں سخت اضطراب اور بے ذوقی کی کیفیت پیدا ہوئی کہ اچانک ایک فقیر منش، بیچہ، دراز زلف، پیر مرد نمودار ہوا اور اس نے مجھے لقمہ دیا۔

علمی کہ رہ بحق تمنا یہ جہالت است

میں نے کہا جزاک اللہ خیر الجزاء۔ آپ نے مجھے کتنی پریشانی سے نجات دلائی ہے۔ اور میں نے ان کی خدمت میں کچھ پان پیش کئے۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ یہ بھولا ہوا مصرعہ یاد دلانے کی مزدوری ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں یہ تو بطور ہدیہ اور شکر یہ پیش کر رہا ہوں۔ اس پر انھوں نے فرمایا میں پان استعمال نہیں کیا کرتا۔ میں نے عرض کیا۔ پان کے استعمال میں کوئی شرعی پابندی ہے یا طریقت کی رکاوٹ! اگر کوئی ایسی بات ہے تو مجھے بتائیے تاکہ میں بھی اس سے احتراز کروں۔ انہوں نے فرمایا۔ ایسی کوئی بات نہیں البتہ میں پان کھایا نہیں کرتا۔ پھر فرمانے لگے مجھے جلدی جانا چاہئے۔ میں نے کہا میں بھی جلدی چلوں گا۔ انھوں نے فرمایا میں جلد تر جانا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر انھوں نے قدم اٹھایا اور کوچہ کے آخر میں رکھا۔ میں جان لیا کہ کسی اہل اللہ کی روح مبارک انسانی شکل میں جلوہ گر ہے میں نے آواز دی کہ اپنے نام سے تو اطلاع دیتے جائیے تاکہ فاتحہ تو پڑھ لیا کروں! فرمایا فقیر کو سعدی کہتے ہیں۔

مقام مجاذیب

فرمایا میں نے چشم حقیقت سے دیکھا کہ میں آسمان پر گیا ہوں۔ وہاں ایک شخص گدڑی لپیٹے ہوئے مخو خرام ہے اور اس سے محبت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص حلقہ مجاذیب کا سرخیل ہے اور ہر مجذوب اس کا خوشہ چین ہے۔ ظاہر ا یہ مجذوب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان مبارک سے پہلے ہو گزرا ہے۔

کاتب الحروف عرض پرداز ہے کہ ممکن ہے کہ مجاذیب کے لئے یہ مثالی صورت تربیت الہی اور عقل و خرد سلب کرنے والی عظیم نسبت کا راز ہو۔

دعوت مخدوم اللہ دیہ

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے ان احباب سے جو خود اس واقعے میں یحییٰ شاہ تھے۔ سنا ہے کہ ایک بار حضرت والد ماجد، مخدوم شیخ اللہ دیہ صاحب کے مزار کی زیارت کے لئے قصبہ ڈاسنہ میں گئے ہوئے تھے۔ یہ رات کا وقت تھا۔ اسی دوران آپ نے فرمایا کہ مخدوم صاحب نے ہماری دعوت کی ہے اور فرمایا ہے کہ کچھ تناول کر کے جائیں۔ آپ نے دعوت کا انتظار فرمایا۔ یہاں تک

کہ رات گزر جانے کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت بھی ختم ہوگئی۔ احباب ملول ہوئے، اچانک ایک عورت میٹھے طعام کا تھال لئے نمودار ہوئی اور اس نے کہا میں نے منت مانی تھی کہ جس وقت میرا شوہر گھر واپس آئے گا میں اسی وقت طعام پکا کر مخدوم اللہ دیہ کی درگاہ میں قیام پذیر فقراء میں تقسیم کروں گی۔ اسی وقت میرا شوہر گھر واپس پہنچا ہے میں نے اپنی منت پوری کی ہے۔ میری خواہش تھی کہ خدا کرے اس وقت رات گئے درگاہ میں کوئی موجود ہوتا کہ طعام تناول کرے۔

ذکر الہی

فرمایا ایک دفعہ رات کے وقت میں سیر کرتا ہوا ایک بہت ہی خوبصورت مقبرے میں پہنچا۔ میں تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا۔ اسی اثناء میں میرے دل میں خیال آیا کہ اس جگہ اس وقت میرے بغیر کوئی شخص بھی ذکر الہی میں مصروف نہیں ہے اس خیال کے آتے ہی اچانک ایک کوزہ پشت معر شخص ظاہر ہوا۔ اور اس نے پنجابی زبان میں گانا شروع کیا۔ اس کے گیت کا مفہوم یہ تھا۔
دوست کے دیدار کی آرزو مجھ پر غالب آگئی ہے

میں اس کے نغمے سے متاثر ہو کر اس کی طرف بڑھا۔ میں جوں جوں اس سے نزدیک ہو رہا تھا وہ اس قدر مجھ سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ تمہارا خیال یہ ہے کہ اس مقام پر تمہارے علاوہ اور کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا۔ میرا یہ خیال زندوں کے بارے میں تھا۔ اس پر اس نے کہا۔ اس وقت تو تم نے مطلق تصور کیا تھا۔ اب تخصیص کر رہے ہو۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا۔

حسن نیت

فرمایا۔ شیخ بایزید اللہ گو نے حرمین کی زیارت کا قصد کیا۔ آپ کی معیت میں بہت سے ضعیف العمر، بچے اور عورتیں بھی تیار ہو گئیں حالانکہ زادراہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ برادر گرامی اور میں نے متفق ہو کر ارادہ کیا کہ انہیں واپس لایا جائے۔ جب ہم تعلق آباد پہنچے تو دن بہت گرم ہو چکا تھا۔ ہم لوگ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام کی غرض سے بیٹھ گئے۔ اس دوران تمام احباب سو گئے اور میں اکیلا ان کے کپڑوں اور سامان کی حفاظت کے لئے جاگتا رہا۔ اپنے آپ کو بیدار رکھنے کے لئے میں نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی۔ چند سورتیں تلاوت کر کے میں خاموش ہو گیا۔

اچانک قرعہ قبور میں سے ایک صاحب قبر مجھ سے مخاطب ہوا۔ قرآن مجید کے زندگی بخش نعمات سننے کے لئے مدت سے ترس رہا ہوں۔ اگر کچھ وقت اور تلاوت کریں تو احسان مند ہوں گا میں کچھ اور تلاوت کر کے پھر خاموش ہو گیا۔ صاحب قبر نے مزید استدعا کی۔ میں نے پھر پڑھا۔ میرے چپ ہونے پر اس نے تیسری بار درخواست کی۔ میں نے اس دفعہ بھی اس کی درخواست قبول کی اور قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کیں۔ اس کے بعد یہ صاحب قبر مخدومی برادر رانی جو پاس ہی سو رہے تھے کو خواب میں آیا اور کہا۔ میں نے ان کو بار بار تلاوت کے لئے کہا ہے اب مجھے حیا آتی ہے۔ آپ انہیں فرمائیں کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ زیادہ تلاوت کر کے میرے لئے روئے کی غذا فراہم کریں۔ وہ نیند سے اٹھے اور مجھے صورت حال سے آگاہ کیا۔ میں نے نسبتاً زیادہ تلاوت کی اور اس پر ان اہل قبور میں خوشی و مسرت کی خاص کیفیت میں نے محسوس کی اور انہوں نے مجھے فرمایا جزاک اللہ عنی خیر الجزاء۔

اس کے بعد میں نے ان سے عالم برزخ کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا میں ان قرعہ قبور میں سے کسی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ البتہ میں اپنا حال آپ کو سناتا ہوں۔ جب سے میں نے دنیا سے انتقال کیا ہے۔ میں نے کسی قسم کا عذاب یا عتاب نہیں دیکھا۔ اگرچہ بہت زیادہ انعام و اکرام بھی نہیں ہے۔ میں نے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ کون سے عمل کی برکت سے تمہیں نجات ملی ہے۔ اس نے کہا۔ میں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ دنیاوی بکھیڑوں سے خود کو آزاد کروں اور ذکر الہی اور عبادات سے غافل کرنے والی چیزوں سے کنارہ کشی کروں۔ اگرچہ اپنے اس ارادے کو مکمل عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ تاہم خدائے تعالیٰ نے میرے حسن نیت کو پسند فرما کر مجھے یہ صلہ عطا فرمایا۔ قیلولہ سے فراغت حاصل کر کے شیخ بابزیدؒ سے صحبت ہوئی اور انہیں واپس لائے۔

تاثیر ذکر

فرمایا ایک دفعہ میں حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی درگاہ کے قریب سیر کر رہا تھا۔ اس دوران مجھے ایک ایسی قبر نظر پڑی کہ اس کے ذکر کی وجہ سے زمین سے تخت الٹری اور فضا میں عرش اعلیٰ تک ہر چیز ذکر ہے۔ مجھے تعجب ہوا۔ میں نے فضیلت پناہ شیخ محمدؒ سے جو اس وقت میرے ہمراہ تھے کہا۔ آپ بھی اس قبر پر مراقبہ کر کے اس کا حال معلوم کریں۔ مراقبہ کے بعد قریب قریب انھوں

نے بھی وہی کیفیت بیان کی جو میں مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس وقت وہاں ہمیں ایک عمر رسیدہ دیہاتی ملا۔ میں نے اس قبہ کے متعلق اس سے استفسار کیا۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک بزرگ کا مزار ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ اس وقت میری عمر ۸۰ سال ہے۔ میرے والد سو برس کے ہو کر فوت ہو گئے اور میرے دادا نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ میں نے اپنے والد سے سنا ہے وہ اپنے والد سے بیان کرتے تھے کہ اس مزار پر ہر وقت لوگوں کا میلہ لگا رہتا تھا۔ لوگ نذر و نیاز لایا کرتے تھے۔ حضرت قطب الدینؒ کے مزار کی طرح زائرین دور دراز کے علاقوں سے آکر یہاں قیام پذیر ہوتے تھے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ بزرگ گمنامی میں چلے گئے اور لوگ ان سے ناغل ہو گئے۔

قصر نماز

فرمایا ایک سفر کے دوران مجھے خیال آیا کہ سفری نماز میں قصر رخصت ہے کبھی کبھار سفر کی حالت میں مکمل نماز بھی پڑھ لینی چاہئے۔ چنانچہ اس دفعہ میں نے قصر نہیں کی۔ رات کو خواب میں نے حضرت امام شافعیؒ کو دیکھا کہ آپ بیحد مسرور اور میری طرف متوجہ ہیں۔

علوم اولیاء

فرمایا کہ میرے والد شہید شہادت کے بعد کبھی کبھار ظاہری شکل و صورت میں مجسم ہو کر میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور حال و استقبال کی خبریں سنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ خدیو برادر گرامی کی دختر کریمہ بیمار ہو گئی۔ اس کی بیماری نے طول پکڑا۔ انہی ایام میں ایک دن تنہا میں اپنے حجرے میں سو رہا تھا کہ اچانک والد شہید تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ کریمہ کو ایک نظر دیکھ لوں لیکن اس وقت گھر میں بہت سی دوسری مستورات آئی ہوئی ہیں۔ ان کی موجودگی میں وہاں جانا طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ تم ان مستورات کو ایک طرف کر دو تاکہ میں کریمہ کو دیکھ لوں! چونکہ اس وقت ان مستورات کا وہاں سے اٹھانا خلاف مصلحت تھا اس لیے میں نے ان کے اور کریمہ کے درمیان پردہ لٹکا دیا۔ اس کے بعد وہ اس طرح ظاہر ہوئے کہ کریمہ اور میرے علاوہ انہیں اور کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ کریمہ نے انہیں پہچان لیا اور کہا عجیب بات ہے کہ لوگ تو ان کو شہید کہتے ہیں حالانکہ یہ زندہ ہیں۔ فرمانے لگے۔ بیٹی! اس بات کو چھوڑ دو تم نے بیماری میں

کافی تکلیف برداشت کی ہے۔ انشاء اللہ کل صبح کی اذان کے وقت تمہیں مکمل نجات مل جائے گی۔ یہ بات فرما کر اٹھے اور دروازے کے راستے باہر نکلے۔ میں بھی ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ فرمایا تم ٹھہرو! اور پھر غائب ہو گئے۔ دوسرے روز فجر کی اذان کے وقت کریمہ کی روح پر دروازہ کھلی اور اس نے ہر قسم کی تکلیف سے نجات حاصل کر لی۔

تاثیر جذب و رقص

حضرت والد ماجدؒ ایک دفعہ قصبہ بھلت میں تھے۔ عرس کے روز ایک بزرگ تشریف لائے۔ قوالوں نے نغمہ چھیڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے۔ شیخ ابوالفتح قدس سرہ کی روحانیت محفل میں آکر رقص کر رہی ہے عنقریب ان کے جذب کے اثرات اہل محفل پر طاری ہو جائیں گے تھوڑی دیر گزری کہ مجلس کا رنگ بدل گیا اور ہا، ہو کے مستانہ نعروں سے محفل گونج اٹھی۔

فیوض اولیاء

حضرت والد گرامی جب کبھی مخدومی شیخ محمد قدس سرہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھتے فرماتے کہ ان کی روح نماز میں میری اقتداء کرتی ہے اور مجھ سے معارف کسب کرتی ہے۔ ایک دفعہ اس فقیر (ولی اللہ) کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض فیوض و معارف عطا فرمائے۔ پھر فرمایا۔ مخدومی شیخ محمد قدس سرہ کی روح پر فتوح نے مجھے حکم دیا ہے کہ فلاں کو کچھ معارف کی تعلیم دو۔ وہ تمام میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیتے ہیں۔

موکل و باء

فرمایا ایک دفعہ میں چند احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک طویل القامت پر ہیبت شخص ہاتھ میں تیر و کمان لئے ہوئے آیا اور مسنون طریق سے مجھے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے بتایا کہ میں و باء پر مقرر کیا ہوا فرشتہ ہوں۔ عرصے سے آپ کی ملاقات کی خواہش تھی۔ آج ہمارے لشکر نے اس علاقے سے گزر رکھا ہے۔ میں نے سوچا اچھا اتفاق ہے آپ سے مل لوں۔ آج ہمیں فلاں جگہ سے کوچ اور فلاں مقام پر پہنچنے کا حکم ہے۔ میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ آپ کے احباب اور معتقدین میں سے کوئی شخص بھی اس وبا میں بلاک نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اس نے سلام کیا اور چلا گیا۔ چنانچہ چند دنوں میں وبا بھی اس کے بتائے ہوئے علاقے

میں منتقل ہو گئی اور معتقدین و احباب بھی محفوظ رہے۔

موت اختیاری

فرمایا ایک دن تھا میں اپنے حجرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھے کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو ابھی اسی دنیائے دوں سے دارالآخرت کی طرف منتقل ہو سکتے اور اگر چاہو تو کچھ عرصہ بعد میں نے جواب دیا۔ ابھی کچھ کمالات اور منازل حاصل کرنا باقی ہیں۔ اور میں ان کی امید میں ہوں۔ کہنے لگا۔ اچھا تمہاری مرضی کے مطابق تمہاری موت موخر کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ شخص واپس ہوا۔ میں نے اس کی پشت پر جڑے ہوئے مرصع جواہرات دیکھے۔ یہ قصہ مختصر اہیان کیا گیا ہے۔

انجام کفر

فرمایا ایک دفعہ میں رہنک کے شہر میں تفریح کے ارادے سے باہر نکلا راستے کی تھکاوٹ اور دن کی گرمی کے باعث تھوڑی دیر ستانے کے لیے ایک مقبرے میں چلا گیا۔ اندر جاتے ہی مجھے احساس ہوا کہ ان قبور میں آگ بھڑک رہی ہے اور اس کی تپش کے اثرات، میں محسوس کرنے لگا۔ میں نے احباب سے کہا کہ اس مقبرے سے جلدی باہر نکلو۔ کیونکہ یہاں آگ بھڑک رہی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہاں کوئی مسلمان مدفون ہے۔ اتفاقاً اس وقت مجلس میں ایک ہندو بھی موجود تھا۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگا۔ آپ نے کس طرح معلوم کر لیا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہیں۔ میں نے کہا کشف کے ذریعے! پھر اس ہندو نے اعتراف کیا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہیں بلکہ یہاں چند جوگی زندہ درگور ہو گئے تھے۔ بعد میں لوگوں نے مسلمانوں کی طرز پر ان کی قبریں بنا ڈالیں۔ اولیاء اللہ کے ساتھ بحث و تکرار

فرمایا ایک صاحب کشف بزرگ سے جو بعض کشفی مسائل کے بارے میں اکثر مجھ سے جھگڑتے رہتے تھے۔ میں نے معاہدہ کیا کہ ہم دونوں میں سے جو بھی اس دنیا سے پہلے انتقال کر جائے وہ دوسرے کو ان مسائل کی حقیقت سے مطلع کرے۔ اس بزرگ کی وفات کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ وہ فردوس بریں میں بلند مقام پر فائز اور گونا گوں نعمتوں سے بہرہ مند ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی بصارت کمزور ہے۔ میں نے بصارت کی کمی کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ اس

کا باعث وہی عقیدہ ہے کہ جس پر میں تمہارے ساتھ بخشیں کیا کرتا تھا۔

کاتب المحروف (شاہ ولی اللہ) عرض پرداز ہے کہ شیخ عبدالہادی لکھنؤی نے وحدت الوجود کے متعلق بہت مطالعہ کیا ہوا تھا لیکن کم فہمی کی بنا پر عبادات اور اسلامی عقائد کے بارے میں سست واقع ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد والد گرامی ان کے مزار پر تشریف لے گئے اور کچھ دیر وہاں قیام فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ عبادات و عقائد میں کمزوری اور سستی کی وجہ سے ماخوذ تھے لیکن میں نے ان کی شفاعت کر دی ہے۔

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

فرمایا ایک دفعہ اکبر آباد میں بارش اور ہواؤں کے موسم میں سوار ہو کر جا رہا تھا، دیکھا کہ راستے میں ایک جگہ کتے کا پلا دلدل میں ڈوب رہا ہے اور خوب زور زور سے چلا رہا ہے یہ دیکھ کر اس کی وردناک آواز سے میرا دل بھر آیا۔ میں نے خادم سے کہا کہ جلدی جاؤ اور اس پلے کو باہر نکالو! اس نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے انکار کیا میں جلدی جلدی گھوڑے سے اتر ا کھڑے اوپر چڑھائے اور پانی میں اترنے کے لئے آگے بڑھا۔ خادم نے جب یہ صورت حال دیکھی تو چاروتا چار وہ خود آگے بڑھا اور پلے کو باہر نکال لایا۔ قریب ہی ایک حمام تھا۔ وہاں سے گرم پانی لے کر میں نے اس کو نہلایا طہائی سے روٹی اور شور بالے کر اسے خوب کھلایا۔ پھر میں نے کہا یہ کتا اس محلے کا ہے۔ اگر اس محلے والے اس کی خبر گیری کا ذمہ اٹھائیں تو بہتر ورنہ ہم اس کو اپنے محلے میں لے جائیں گے۔ طہائی نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ چنانچہ یہ کتا اس کے حوالے کر کے میں رخصت ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد میں اسی محلے کے اسی کوپے سے گزر رہا تھا میں نے دیکھ کر سامنے ایک کتا آ رہا ہے اور اس کوپے میں کچھ کچھ بھی ہے۔ میرے دل میں آیا اس جگہ سے جلدی گزر جانا چاہئے تاکہ کتے کے ناپاک چھینٹے کپڑوں پر نہ پڑیں۔ میں تیزی سے بڑھا مگر کتا مجھ سے بھی زیادہ تیزی سے آگے آیا، اسی کچھڑ پر ہم ایک دوسرے کے قریب آ گئے مجھے دیکھ کر وہ کتا ٹھہر گیا اور صاف زبان میں کہنے لگا۔ السلام علیک، میں نے دیکھ السلام کہا۔ پھر اس نے کہا تم نے حدیث قدسی میں پڑھا ہے۔ رب العزت فرماتا ہے یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ علیکم محرما فلا تظالموا۔ (میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔ اسی طرح تمہارے لئے بھی ظلم

حرام ہے۔ پس ظلم نہ کرو) مجھ پر تم نے کیوں ظلم کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے تو کچھ علم نہیں کہ میں نے کون سا ظلم کیا ہے۔ اس نے کہا راستہ اور کوچہ انسان اور حیوان دونوں کی گزرگاہ ہے اصولاً ہمیں حسب عادت نرم رفتار سے آنا چاہئے تھا۔ پھر بھی ہم دونوں اُٹرا کٹھے ہو جاتے تو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ میں نے کہا انسان پر عبادت الہی کی بجا آوری کیلئے جسم اور کپڑوں کی پاکیزگی بھی فرائض میں شامل ہے۔ میں نے سوچا میں جلدی سے گزر جاؤں کیونکہ اگر میرے کپڑے ناپاک ہو گئے تو انہیں پاک کرنے میں وقت لگے گا۔ اس نے کہا اس وقت تمہارے دل میں یہ خیال نہ تھا بلکہ تم نے محض کتے سے کراہت اور نفرت کے سبب جلدی گزر جانا چاہا۔ اب اپنے اس فعل کو صحیح ثابت کرنے کیلئے ایک جائزہ نذر کا بہانہ بنا رہے ہو اگر تمہارے کپڑے پلید ہو جاتے تو وہ پانی کی معمولی مقدار سے پاک ہو سکتے تھے لیکن انسانی قلب تکبر اور خود بینی کی پلیدی سے ناپاک ہو جائے تو وہ سات دریاؤں کے پانی سے بھی پاک نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس بات پر اس کی داد دی اور دل میں شرمسار ہوا۔ اس کے بعد میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور اسے کہا۔ تم نے مجھے نصیحت کی ہے اب اس راستے سے گزر جاؤ۔ کہنے لگا گزشتہ زمانے کے درویش قربانی و ایثار کا جذبہ رکھتے تھے لیکن اس دور کے فقراء اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں۔ میں نے کہا ان دو لفظوں کی تشریح تو کرو کہنے لگا پہلے فقراء خسیس اپنے لئے اور نفیس دوسروں کیلئے اختیار کرتے تھے۔ لیکن اس دور کے درویش اچھی چیز اپنے لئے لے لیتے ہیں اور بری دوسروں کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ صاف راستہ تم نے پسند کر لیا ہے اور کچھ والا راستہ میرے لئے چھوڑ دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میں خراب راستے کی طرف ہولیا اور اس کیلئے صاف راستہ چھوڑ دیا۔ پھر کہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ عقل عطا کرے اور عقل کو رے بچائے۔

میں نے پوچھا۔ پاکیزہ عقل کیا ہے اور عقل کو کونسی۔ کہنے لگا پاکیزہ عقل یہ ہے کہ بغیر کبے سے آدمی صحیح راستہ اختیار کرے اور عقل کو یہ کہ جب تک اسے بتایا نہ جائے وہ بھٹکتا رہے۔ اس کے بعد اس نے سلام کیا اور رخصت ہو گیا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ میں نے جان لیا کہ ملے کو باہر نکالنے کا عمل مقبول ہو گیا ہے اور اسی کے نتیجے میں یوں تعلیم و تربیت دی جا رہی ہے۔ واقف اسرار چڑیا اور موحد کوا

فرمایا۔ رمضان المبارک کے آخری دن (جب کہ عید کے چاند کی توقع ہوتی ہے) میں مسجد

مہوط میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک چڑیا آکر کہنے لگی۔ کل عید ہے۔ میں نے یہ بات حاضرین مجلس سے کہی مگر ہادیج کہنے لگے۔ حیوانات کی باتوں کا کیا اعتبار۔ اس پر وہ چڑیا کہنے لگی۔ جسوٹ نبی آدم کا وطرہ ہے۔ ہم اس سے آزاد ہیں۔ پھر وہ ازگنی اور اپنی ایک دوسری ہم جنس کو لائی۔ اس نے بھی اس بات کی گواہی دی۔ اس کے بعد جلد ہی قاضی شہر کے سامنے شرعی شہادتیں پیش ہو گئیں۔ کہ عید کا چاند دیکھا گیا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) نے چڑیوں کی گفتگو کے بارے میں پوچھا۔ فرمانے لگے ان کی آواز اور چوں چوں بھی بالکل دوسری چڑیوں کی طرح تھی۔ مگر لطف ربانی سے میں نے ان کی چوں چوں سے بامعنی مفہوم اخذ کر لیا۔

شیخ فقیر اللہ بیان کرتے تھے کہ ایک جنگلی کوادوسرے تیسرے دن حضرت کی خدمت میں آیا کرتا تھا اور توحید کے بارے میں باتیں پوچھا کرتا تھا۔ کچھ عرصے بعد آپ نے اسے نہ پایا تو راوی (شیخ فقیر اللہ) سے پوچھا کہ اکثر یہاں پر ایک کوا بیٹھا کرتا تھا جسے میں چند دنوں سے نہیں دیکھ رہا۔ میں نے عرض کیا، فلاں شخص نے اسے شکار کر کے اپنے شکاری پرندے کو کھلا دیا ہے۔ آپ نے بہت افسوس کیا۔ رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ کوا موحّد تھا مجھ سے توحید کے بارے میں اکثر سوالات پوچھا کرتا تھا۔

صالح جن

فرمایا ابتدائے حال میں بعض اوقات ساری ساری رات اور بعض دفعہ اکثر شب ذکر الہی میں گزرتی تھی۔ یہ ذکر کبھی اونچی آواز میں ہوتا کبھی آہستگی سے، ذکر کے وقت ہمارے ساتھ ایک نیک بخت جن بھی انسانی شکل میں شریک ہوا کرتا جب بعض احباب نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے بڑی درشتی سے جواب دیا کہ تم یہ سوال کیوں پوچھتے ہو۔ جمعہ کے دن میرے وعظ میں بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ جنات میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو نماز اور روزہ ادا کرتے ہوں۔ میں نے کہا۔ ہاں یہ شخص جو تمہارے درمیان موجود ہے۔ جنات کے متقی افراد میں سے ہے وعظ سننے کے لئے آیا کرتا ہے۔ یہ سن کر وہ ایسا غائب ہوا کہ پھر نظر نہ آیا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) نے اس کی شکل و شبہات کے بارے

میں پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ اس کی پیشانی اور آنکھوں سے وحشت پختی تھی۔
جن کی ہمدردی

فرمایا ایک جن نے مجھ سے بیعت کے اشغال و اوراد کیے۔ ایک دن میں گھوڑے پر سوار جارہا تھا کہ وہ متشکل ہو کر میرے سامنے آگیا اور صلوٰۃ و تسبیح کے بارے میں پوچھنے لگا۔ میں نے اسے بتایا، جہاں میری بات اسے پوری طرح سمجھ میں نہ آتی۔ وہ دوبارہ پوچھتا۔ یہاں تک کہ اچھی طرح سمجھ گیا۔ ایک دن محمد غوث کی چار پائی، پر یاں اٹھا کر لے گئیں اور اسے تکلیف پہنچانے لگیں۔ یہی جن وہاں پہنچ گیا اور اس نے پریوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر محمد غوث کو چھڑایا اور اسے کہا کہ حضرت والا سے سلام کے بعد کہنا کہ یہ پر یاں تھیں جو تمہیں ایذا پہنچا رہی تھیں۔ میں نے انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا ہے۔ ایک بار اور آکر کہنے لگا۔ میرا دکن جانے کا ارادہ ہے۔ معلوم نہیں وہاں سے زندہ واپس آسکوں یا نہ۔ میری نجات کے لئے دعا کیجئے۔ میں نے دعا کی۔ اس کے بعد پھر وہ نظر نہ آیا۔

ایک متعلم جن کا نظام الاوقات

فرمایا اکبر آباد میں میرزا محمد زاہد کے درس سے واپسی پر سید لطف سون پتی کے دروازے سے میرا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ دروازے پر پریشان کھڑے ہیں۔ میں نے سبب پوچھا تو فرمانے لگے۔ ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مجھے گھر کے اندر لے گئے۔ ان کی ایک عزیزہ کو جن نے پاگل کر رکھا تھا مجھے دیکھتے ہی وہ تعظیم کے لئے اٹھا اور سلام کیا۔ میں نے کہا تم کون ہو؟ اس نے کہا میرا نام عبد اللہ ہے اور میں محمد طاہر کے درس میں انسانی شکل میں پڑھتا ہوں۔ جس روز آپ اکبر آباد میں داخل ہوئے تھے اور محمد طاہر اپنے تلامذہ سمیت آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے تھے تو میں بھی ان میں موجود تھا۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں البتہ آپ مجھے نہیں پہچانتے۔ میں نے کہا کیا پڑھتے ہو؟ کہنے لگا کافیہ میں مفعول مطلق کی بحث کا وہ حصہ پڑھا ہوں جہاں سے مصنف لبیک و سعید کے بحث کرتے ہیں۔ میں نے کہا ان دونوں لفظوں کی اس طرح نحوی تشریح کرو کہ جسے کوئی طالب علم بیان نہ کر سکتے ہوں۔ اس نے تشریح کی میں نے کہا میں محمد طاہر سے تمہاری سفارش کروں گا تا کہ وہ تمہاری طرف زیادہ توجہ رکھیں۔ اس نے کہا اگر

انہیں پتہ چل گیا کہ میں جن ہوں تو وہ مجھے ہرگز نہیں پڑھائیں گے۔ پھر اس نے کہا میرا طریقہ یہ ہے کہ میں رات کو چار حصوں میں تقسیم کر لیتا ہوں۔ ایک حصے میں نماز پڑھتا ہوں۔ دوسرے میں نفی و اثبات کرتا ہوں۔ تیسرے حصے میں کافیہ کا مطالعہ کرتا ہوں اور آخری حصے میں آرام کرتا ہوں اور دن بھر محمد طاہر کے پاس رہتا ہوں۔ ایک اونچی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا میں یہاں رہتا ہوں۔ اس عورت نے اس مقام پر پیشاب کر کے میری جگہ کونا پاک کر دیا ہے اور میرے نظام الاوقات کو خراب کر دیا ہے۔ اسی لئے میں نے اسے تکلیف دی ہے آپ نے حکم دیا۔ فوراً ہی اس جگہ کو پاک کر کے خوشبو میں بسا دیا گیا۔ چنانچہ اس انتظام سے وہ باغ باغ ہو گیا اور واپس چلا گیا۔ اسی وقت وہ عورت ہوش میں آ گئی اور شرم و حیا کے مارے اپنا چہرہ ڈھانپنے لگی۔

.....

شاہ عبدالرحیمؒ کے تصرفات، مکاشفات اور دیگر کرامات کا بیان طریق تربیت

فرمایا شیخ عبدالاحد سرہندیؒ کی مجلس میں ایک آدمی کہنے لگا کہ اس زمانے میں کوئی صاحب کرامت نہیں ہے۔ انہوں نے شخص مذکور کے غلط عقیدہ کی اصلاح کے لئے اسی کے سامنے سات روپے میری نذر کے لئے مقرر کر دیئے۔ پھر فرمایا پہلے پانچ روپے پیش کریں گے۔ دیکھیں کیا فرماتے ہیں۔ پھر مجھے کہلا بھیجا کہ آج میں آپ کی ملاقات کے لئے آ رہا ہوں۔ میں نے کہا مقدر یہ ہے کہ میں آپ کی ملاقات کے لئے آؤں۔ انھوں نے فرمایا تکلیف نہ کریں۔ میں نے سواری کا انتظام کر لیا ہے۔ میں نے کہا سواری کا ارادہ بے سود ہے ہمارے درمیان جب یہ بات بڑھی تو ہم نے ایک درمیانی جگہ کا انتخاب کر لیا کہ ہم میں سے جو بھی پہلے اس مقام پر پہنچے گا وہ دوسرے کو واپس لے جائے گا۔ میں نے گھوڑے کے لئے بہت کوشش کی لیکن کہیں سے میسر نہ آ سکا۔ اسی طرح شیخ عبدالاحدؒ نے پاکی تیار کرائی لیکن انہیں چوتھا کہا نہ مل سکا۔ آخری وقت میں ان سے پہلے اس جگہ پہنچے ہمیں اور انہیں واپس ان کے دولت کدہ پر لے گیا۔

جب ہم وہاں پہنچے تو انھوں نے پانچ روپے میرے سامنے رکھ دیئے اور فرمانے لگے یہ آپ کی نذر ہیں۔ میں نے کہا میری نذر یہ نہیں۔ میری نذر تو سات روپے ہے چنانچہ انھوں نے پورے سات روپے پیش کئے۔ اس کے بعد شیخ عبدالاحدؒ کے ازراہ خوش طبعی فرمایا کہ اس کامیاب امتحان پر آپ کی خدمت میں دو روپے اور بھی پیش کرنے چاہئیں۔ چنانچہ دو روپے مزید مجھے پیش کئے گئے۔ پھر فرمایا یہ سب کچھ اس شخص کی اصلاح کے لئے کیا ہے۔

مستقل بنی

فرمایا شیخ عبدالاحدؒ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں تھے۔ میں ان سے ملاقات کے لئے وہاں پہنچا، اثنائے گفتگو میں انہوں نے کہا پرسوں عید ہے۔ پھر ملاقات ہوگی۔ میں نے کہا نہیں بلکہ عید اس کے بعد ہوگی فرمانے لگے۔ جنسری والے یہی کچھ کہتے ہیں۔ میں نے کہا لیکن میرا حساب یوں کہتا ہے۔ چنانچہ جیسے میں نے کہا تھا اسی طرح وقوع پذیر ہوا۔

نگاہ دور رس

فرمایا ایک دفعہ شیخ عبدالاحد پورب یا کسی دوسرے علاقے سے واپس آئے تو میرے لئے ایک تحفہ بھی لیتے آئے مگر فرمانے لگے کہ کشف سے بتا دیں کہ کیا لایا ہوں تو سمجھوں گا کہ تحفہ قبول ہو گیا۔ میں نے کہا ابھی تو معلوم نہیں، بعد میں بتلا سکوں گا۔ چند دنوں بعد میں جائے آرام و استراحت میں تھا کہ اس ہدیے کی شکل مجھے دکھائی گئی۔ جب دوسری بار ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ یہ ایک دوہرے رنگ کا کپڑا ہے ایک حصہ سبز پھولدار ہے اور دوسرا حصہ بادامی رنگ کا ہے اور وہ بناوٹ میں ہمارے لباس کی طرح نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی چادر ہے کہ اس کی بالائی طرف مدور اور زیریں حصہ مستطیل ہے یہ چادر ایک چہارخانہ کپڑے میں لپیٹی ہوئی ہے۔ کہنے لگے اور تو ساری بات درست ہے لیکن وہ چارخانہ کپڑے میں لپیٹی ہوئی نہیں ہے۔ کچھ روز بعد انھوں نے یہ کپڑا ایک آدمی کے ہاتھ بھجوایا لیکن اس وقت وہ مذکورہ کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا۔ انھوں نے اس کے متعلق پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ پہلے یہ کپڑا ایک دوسرے کپڑے میں باندھا ہوا تھا۔ جب وہ کپڑا کام آگیا تو پھر اسے چارخانہ کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا۔ اس درمیانی تبدیلی کا شاہ عبدالاحد کو علم نہیں ہو سکا تھا۔

جو چاہے سو آپ کرے

فرمایا کہ شیخ عبدالاحد سرہند سے چارحل طلب مسئلے لے کر میرے پاس آئے جب باتیں چلیں تو کہنے لگے ایک تو ان میں سے بہت ہی آسان ہے۔ دو اوسط درجے کے اور چوتھا بمشکل پورا ہونے والا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ جسے تم زیادہ مشکل سمجھ رہے ہو وہ تو بادشاہ سے پہلی ملاقات میں ہی پورا ہو جائے گا اور وہ دو جو اوسط درجے کے ہیں ایک دو تین مہینے بعد اور دوسرا پانچ چھ مہینے میں پورا ہو جائے گا اور جسے تم آسان سمجھ رہے ہو اس کا ہونا نہ ہونا میری زبان پر موقوف ہے۔ جب تک میں نہیں کہوں گا اس کے حل کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی! اس گفتگو کے بعد انھوں نے بادشاہ سے ملاقات کی۔ میری ترتیب سے بتایا ہوا پہلا عقدہ اسی وقت حل ہو گیا اور دوسرا تیسرا میری بتائی ہوئی میعاد کے مطابق مگر چوتھا جوں کا توں رہ گیا۔ دوبارہ ملاقات کی اور مجھ سے توجہ کے طالب ہوئے۔ میں نے کہا ایسے نہیں پہلے تمہیں شہر کے ان بزرگوں سے رجوع کرنا چاہئے جو

کشف و کرامت میں شہرت تامہ رکھتے ہیں اور ان سے مشکل حل ہونے کی میعاد مقرر کرنی چاہئے۔ مشائخ میں سے ایک نامور صاحب کشف بزرگ کے پاس گئے۔ انھوں نے تین ہفتے کی میعاد مقرر کی۔ وقت گزر گیا مگر مطلوبہ کام کی خوشبو تک ان کے دماغ تک نہ پہنچی۔ پھر دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کیا۔ انھوں نے ایک ماہ کا عرصہ بتلایا۔ وہ بھی گزر گیا مگر کام ہونے کے کچھ آثار نظر نہ آئے۔ پھر میرے پاس لوٹ کے آئے اور توجہ کے طالب ہوئے۔ میں نے کہا کچھ فرصت چاہئے تاکہ خود بخود میری زبان سے عقدہ حل ہونے کی بشارت نکلے۔ انھوں نے اپنا عقدہ کاغذ پر لکھ کر فقیر اللہ کے حوالے کر دیا تاکہ روزانہ اشراق اور نماز عشاء کے بعد وہ مجھے دکھاتا رہے۔ ایک مدت ہوئی اور انتظار کی گھڑیاں حد سے بڑھ گئیں۔ اتفاق سے ایک دن طبیعت کھل اٹھی اور میں نے فوراً کہہ دیا کہ آج بادشاہ کے پاس جاییے کام ہو جائے گا۔ وہ اسی دن دربار میں چلے گئے۔ بادشاہ نے توجہ سے پوچھا کہ کوئی مطلب ہے تو بتلایئے۔ انھوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ اسی وقت ان کے حسب منشا کام سرانجام پا گیا۔

ختم خواجگان

فرمایا کہ میں شیخ عبدالاحد کے دولت کدہ پر گیا۔ وہ ختم خواجگان پڑھ رہے تھے۔ مجھے بھی اس میں شریک ہونے کی درخواست کی۔ میں نے کہا ختم پڑھنا بے سود ہے۔ اس سے آپ کا کام نہیں ہوگا۔ کہنے لگے کیا آپ کو معلوم ہے کہ کون سا کام ہے؟ میں نے کہاں۔ فلاں کام ہے اور اس کا حل ایک عورت کے ہاتھ میں ہے جن کی شکل ایسی ہے اور عمر یہ ہے۔ اسی طرح میں ان کی زندگی کا پورا کچا چٹھا بیان کرنے اور ان کے کروتات ظاہر کرنے لگا تو وہ کہنے لگے خدا را بس کیجئے راز ظاہر ہوتے ہیں۔

آداب مجلس اولیاء

حضرت والد ماجد ایک دفعہ شیخ عبدالقدوس کے گھر گئے تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ حضرت کی خدمت میں شربت گلاب پیش کرو۔ وہاں دو بوتلیں رکھی تھیں۔ لڑکے نے بڑی بوتل رکھ دی اور چھوٹی لاکر پیش کی۔ حضرت والد ماجد نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ بیٹے بڑی بوتل کیوں چھوڑ آئے ہو، دیکھی۔ آؤ۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ عبدالاحد یتیم ہوئے اور حضرت والد ماجد عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ فقیر بھی ہمراہ تھا۔ شیخ نے صحت کے لئے دعا کی درخواست کی تو حضرت والد چپ ہو گئے۔ ان کے عزیزوں نے دعا کے لئے زور دیا تو پھر بھی خاموش رہے بالآخر شیخ عبدالاحد نے حضرت والد کے دل کی بات سمجھ لی اور اپنے عزیزوں کو دعا کے لئے مجبور کرنے سے منع کر دیا کہ اولیاء کی بارگاہ میں اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت والد ماجد وہاں سے اٹھے تو فقیر سے فرمایا کہ شیخ کی زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ اس وقت دعا سے کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ میری خاموشی میں یہی حکمت تھی۔ شیخ چند دنوں بعد آغوشِ رحمت میں چلے گئے۔

فراست مومن

ایک دن حضرت والد ماجد اس فقیر کو علم و عرفان کے عجیب نکتے تعلیم فرما رہے تھے کہ حدیث نبوی اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله کی بحث چل نکلی۔ اس کی تشریح میں آپ نے دو قصے بیان فرمائے ایک قصہ شیخ رفیع الدین کی فراست کا جو اپنی جگہ بیان ہوگا اور دوسرا قصہ اپنی فراست کا کہ ایک مرد فقیرانہ وضع، نقاب پوش حد درجہ دردمند جو ہر لمحے کوئی نہ کوئی عاشقانہ شعر یا پرسوز ہندی دو ہے پڑھتا اور گریہ و زاری کرتا رہتا تھا! میرے پاس آیا اور رشد و ہدایت کی طلب کے ساتھ قیام کے لئے حجرہ بھی مانگا۔ میں نے بالکل انکار کر دیا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے کہا یہ کالا سانپ ہے اس سے ڈرنا چاہئے۔ حاضرین نے اس بات کو تسلیم کرنے میں تامل کیا ایک مدت کے بعد وہ فقیر عورتوں کے لباس میں آیا اور عاقل خاں صوبیدار دہلی کے گھر میں خیرات کی تقریب میں عورتوں کے ساتھ چلا گیا۔ باہر آتے وقت ایک دربان نے اس کی رفتار دیکھ کر کہا کہ یہ تو عورتوں کی چال نہیں ہے اور تجسس کے خیال سے اس کے پیچھے چل پڑا۔ حقیقت حال واضح ہو گئی اور اسے قید کر لیا گیا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ وہ کسی عورت کو بھگاتے ہوئے پھر رہا تھا۔ اسی لئے اس نے نقاب پوشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اس کا فقیرانہ سوز و ساز اور دردمندی محض ایک چال تھی دست پیراز غائبان کو تاہ نیست

فرمایا عبدالحفیظ تھامیری نے اپنے وطن جانے کا ارادہ کیا اور میرے پاس رخصت کے لئے آئے۔ ایک دستار اور نصف روپیہ نذرانہ بھی لائے اور چاہا کہ دوسرا نصف روپیہ مخدومی محمد

ابوالرضاء کی خدمت میں پیش کرے۔ میں نے خوشدلی سے کہا کہ تمہیں اعظم آباد کے میدان میں بہت خوفناک مشکل پیش آئے گی۔ بہلی کا ایک پیہ نکل جائے گا۔ میدان میں اسے ٹھیک کرانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ جو شخص بہلی کی سواریوں کی حفاظت کرے گا چوروں اور ڈاکوؤں کی ماروھاڑ سے بچانے اور ساز و سامان کی حفاظت میں کوشش کرے گا۔ مناسب ہے کہ اسے پورا روپیہ دیا جائے۔ اسے پورا روپیہ مجھے دے دیا اور رخصت ہو گیا۔ ایک مدت کے بعد جب واپس لوٹا تو کہا کہ اس خوفناک وادی میں جہاں ڈاکوؤں کا بہت خطرہ تھا۔ بہلی کا پیہ جدا ہو گیا اور کچھ دور تک بغیر پیسے کے گاڑی چلتی رہی۔ ہمیں کوئی تکلیف بھی نہ پہنچی اور پھر اس بیابان میں آسانی کے ساتھ ٹھیک ہو گئی۔ یہاں تک کہ ہم ساتھ والے قافلے سے ذرا بھر پیچھے نہ رہے۔

چراغ فقر ہوا بھی جسے بجھانہ سکی

سننے میں آیا ہے کہ ایک دن مخدومی شیخ ابوالرضاء، محمد کی مجلس میں توجہ اور تاثیر کی بات چل پڑی۔ رات کا وقت تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ چراغ روشن کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ حضرت والد نے فرمایا کہ نگاہیں چراغ پر مرکوز رکھو، قدرت کے عجیب تماشا مشاہدے میں آئیں گے۔ چراغ کو پیالے میں رکھ کر لے آئے۔ حضرت والد چراغ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب حضرت نے پوری دلجمعی کے ساتھ توجہ ڈالی تو پیالہ بھی چراغ سے ہٹا دیا گیا۔ چراغ خوب جل اٹھا اور اس کے شعلے میں آندھی کے اثر کی کوئی لپک نہ تھی۔

توجہ و تاثیر

فرمایا محمد مظفر نے مجھے خط لکھ کر ایک آدمی کے ہاتھ روانہ کیا، جس میں لکھا تھا کہ خط لانے والا تاثیر و توجہ کا منکر ہے۔ اگر اس پر نگاہ عنایت ہو جائے تو اس کے لئے ہدایت کا سبب بن جائے گی۔ خط پڑھتے ہی میں نے اس پر توجہ ڈالی تو وہ بے ہوش ہو کر کلیٹا اپنے آپ سے بے خبر ہو گیا اور انکار تاثیر کے عقیدے سے تاب ہوا۔

ایک منکر سے بزور نذر وصول کی

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ فرہاد بیگ کو ایک مشکل پیش آئی۔ اس نے نذر مانی کہ بار خدایا اگر میری مشکل حل ہو جائے تو اتنی رقم حضرت والد (شاہ عبدالرحیم) کی خدمت میں ہدیہ

پیش کروں گا۔ وہ مشکل حل ہوگئی تو نذر کا خیال دل سے جاتا رہا۔ کچھ دنوں بعد اس کا گھوڑا بیمار ہو کر بلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے اس بات کی روحانی طور پر اطلاع ہوئی تو ایک نوکر کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے کے سبب ہے۔ اگر گھوڑا بچانا چاہتے ہو تو جو نذر فلاں موقع پر تم نے مانی تھی وہ بھیج دو۔ یہ سن کر وہ نادم ہوا اور نذر بھجوا دی۔ اسی لمحے اس کا گھوڑا تندرست ہو گیا۔

ولی اور عامل میں فرق

فرمایا ایک مستجاب الدعاء شخص ایران کے راستے روم سے ہندوستان پہنچا۔ اسے عبد اللہ حلیی کہتے تھے۔ اس سے بہت سے عجائبات مشاہدے میں آئے۔ ان میں ایک تو یہ دیکھا گیا کہ وہ اپنے حجرے میں چالیس دن تک بغیر روٹی اور پانی کے اعتکاف میں رہا۔ حجرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ اپنے پورے وجود کے ساتھ بغیر کسی مزاحمت کے وہ باہر نکل آتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ کمرے کے اندر اندھیرے میں قرآن مجید لکھا کرتا تھا اور باہر یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ زمین کے اندر دھنس جاتا اور جہاں سے چاہتا باہر نکل آتا تھا۔

لوگ کہتے تھے کہ یہ صاحب کرامات اولیاء میں سے ہے۔ میں بھی اسے دیکھنے چلا گیا۔ ان دنوں وہ ایرانیوں میں سے ایک کے گھریا درشاہ سے چھپ کر رہ رہا تھا۔ پہلے پہل جاتے ہی میں رافضیوں میں گھل مل گیا۔ بارہ مسائل میں گفتگو چل پڑی۔ میں نے تمام مسائل میں الزامی جوابات دے کر انہیں خاموش کر دیا، داد دیتے اور میری باتیں قبول کرتے رہے مگر آغاز گفتگو میں میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ میں سنی ہوں بلکہ یوں کہا کہ میرا مذہب خذ ما صفا دع ما کدر (اچھی چیز لے لو بری چھوڑ دو) ہے۔ اس بناء پر وہ کچھ تعصب سے پیش نہ آئے اور موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے ایک ایک مسئلہ دلائل برہانی، خطابی اور الزامی جوابات کی صورت میں ان کے سامنے بیان کیا۔ وہ قبول کرتے رہے اور انکار کی گنجائش نظر نہ آئی۔ ان سے نمٹ کر میں نے عبد اللہ سے ملاقات کی مگر اس کے اندر میں نے طریقہ اولیاء میں سے کوئی بہرہ نہ پایا۔ یہ دیکھ کر میں نے اس کی تعظیم سے منہ پھیر لیا۔ ایرانیوں میں سے ایک نے پوچھا کیا سبب ہے کہ انتہائی شوق سے آئے مگر دیکھنے کے بعد منہ پھیر لیا۔ میں نے کہا ولی سمجھ کر آیا تھا مگر یہ تو دعائیں پڑھنے والا نکلا۔ عبد اللہ نے یہ سن کر خوب داد دی۔ اس کے بعد وہ دعائے سیفی پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ جب

ایسے مقام پر پہنچا کہ جہاں قواعد نحو یہ کی رو سے دو اعراب پڑھنے کا احتمال تھا مگر ذوق وہ جہان کی رو سے ایک اعراب متعین تھا۔ اس نے خلاف ذوق اعراب اختیار کیا۔ میں نے اسے کہا کہ غلط پڑھ رہے ہو۔ کہنے لگا یہ غلط نہیں بلکہ ٹھیک ہے اور اس بارے میں مناظرہ کرنے لگا اور دعائے سیفی کے وہ تمام نسخے منگوا لئے جو اساتذہ سے اسے ملے ہوئے تھے۔ تمام نسخے اسی کے اعراب کی تائید کر رہے تھے یہاں تک کہ تیرہواں نسخہ جو حضرت شیخ احمد جام کے تبرکات میں سے تھا! بعض امراء کے گھر سے منگوا یا اس میں اعراب میرے موافق نکل آیا۔ دادوی اور اعتراف کیا۔ پھر ایرانیوں سے کہنے لگا جانتے ہو کہ اتنی بحث میں کیوں کر رہا ہوں۔ میں جب بھی اس مقام پر پہنچتا تھا۔ نور کی بجائے ظلمت نظر آتی تھی۔ بالآخر یہ عبداللہ جلیبی طریقہ قادر یہ میں مجھ سے بیعت ہوگا۔

دردل کا وخر

فرمایا ایک دفعہ سید لطفؒ کے دولت کدہ پر جانا ہوا تو وہاں ایک ایسے فاضل سے ملاقات ہوئی جو صوفیاء کی بعض باتوں کا منکر تھا۔ اتفاقاً نماز کا وقت ہو گیا۔ اسے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا گیا۔ اس وقت چولہے پر دیہی رکھا ہوا تھا اور نوکر بازار گیا ہوا تھا۔ منکر صوفیاء امام کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کہیں طعام نہ جل جائے اور پوری نماز میں اسے یہ خیال ستاتا رہا۔ میں اس کی اس بات پر روحانی طور پر مطلع ہوا اور اس کی اقتداء چھوڑ کے تنہا نماز شروع کر دی۔ جب وہ نماز ختم کر چکے تو میرے ساتھ رنج سے شیش آئے کہ اکیلے نماز پڑھنے کا کیا سبب تھا؟ میں نے کہا تم تو نماز میں اپنے نوکر کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور طعام پکا رہے تھے۔ پھر میں تمہاری اقتداء کیسے کرتا! یہ سن کر اس نے داد کے طور پر اعتراف کیا اور احوال صوفیاء کے انکار سے رجوع کیا۔

تاثیر توجہ جانور پر اثر انداز مگر عابد معترض۔ کے لئے بے سود

حضرت والد ماجد سے اجمالا اور ان کے بعض احباب تفصیلاً سننے میں آیا ہے کہ سر بند کا ایک شخص طبعی طور پر منکر و اہیت تھا۔ پہلے پہل ایک بزرگ سے بیعت کر کے اس سے فیضان حاصل کیا۔ اتفاقاً عمید کے دن شیخ بزرگوار شیخ احمد سر بندی کے صاحبزادے شیخ محمد معصومؒ سے مصافحہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میاں دیر سے آئے ہو کہاں تھے؟ اور اس قسم کے دو تین جملے از راہ تلطف فرمائے تو اس کا دل ان کی طرف پھر گیا اور آنا جانا شروع کر دیا۔ پہلے بزرگ کے ہاں آنے جانے

میں کی کردی۔ جب اسے یہ قصہ معلوم ہوا تو وہ توجہ کے ذریعے شیخ محمد معصومؒ کے ہلاک کرنے پر کمر بستہ ہو گیا۔ انھوں نے مدافعت کی۔ یہاں تک کہ اس کا بھیجا ہوا شرا سی پر پلٹا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مرید اسی طرح ان کی خدمت میں رہتا رہا۔

کافی مدت کے بعد ادھر سے بھی اس کے دل میں شک و اضطراب پیدا ہوا۔ الغرض اسی طرح وہ درویشوں کے ہاں آتا جاتا اور انکار کرتا رہا۔ اور اس سبب سے کوئی نفع حاصل نہ کر سکا۔ ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کوئی شخص بھی صاحب تصرف نہیں ہے۔ یہ سن کر میں نے اس پر توجہ ڈالی تو بے خود ہو گیا اور اسی بے خبری کے عالم میں دیکھا کہ گویا اسے سبز خلعت دی گئی ہے۔ جب اسے اتفاقہ ہوا تو اس کا دیکھا واقعہ بھی میں نے اسے بیان کر دیا۔ اس نے واقعہ سن کر اعتراف کیا مگر فطر تا مکر دلایت ہونے کے سبب کوئی نفع حاصل نہ کر سکا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ واقعہ طویل ہے۔ مگر مجھے سبز خلعت پہنانے والے جملے تک ہی یاد رہے گا واللہ اعلم۔ حضرت والد سے اجمالا اور ان کے بعض دوستوں سے تفصیلاً یہ بھی سنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حالت غلبہ میں بکری پر توجہ ڈالی تو اس پر ایک عجیب حالت طاری ہو گئی تھی۔ کئی دن اسے گھاس اور پانی کا شعور تک نہ رہا اور بالآخر مر گئی۔

رافضیت سے توبہ

فرمایا ایک دفعہ میں دوستوں کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت مجھے کشفی طور پر ایک آدمی کی صورت دکھائی گئی اور میرے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ شخص تیرے ہاتھ پر رافضیت سے توبہ کرے گا۔ یہ واقعہ میں نے یاران مجلس کو سنایا اور اس آدمی کا پورا حلیہ بھی بیان کر دیا۔ اس واقعہ سے تقریباً بیس سال بعد میں محمد فاضل کے گھر گیا تو وہاں ایک مہمان کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ اسے پہچانا اور انتہائی لطف و کرم سے پیش آیا۔ دوستوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا کہ ایک ایسے اجنبی کے ساتھ جو رافضیت اور غلط عقائد کی وجہ سے بدنام ہے۔ اتنی مہربانی کا آخر کیا سبب ہے۔ یہ سن کر میں نے ان سے کہا کہ تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں رہا۔ معمولی غور کے بعد انھوں نے بھی اسے پہچان لیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس نے میرے ہاتھ پر توبہ کر لی۔ کچھ دنوں بعد مفسد لوگوں کی صحبت نے اسے پھر شکوک میں مبتلا کر دیا، تو اسے پیٹ کے درد نے آلیا۔ وہ جان گیا کہ درد کا سبب کیا ہے، پھر توبہ

کر لی! کچھ دنوں بعد پھر شک میں گرفتار ہو گیا تو پھر وہ پیٹ کے شدید درد میں مبتلا ہوا۔ تب دوستوں نے اس کے دماغ میں ڈالا کہ جب تک تو بہ انصوح نہ کرو گے ہلاک ہو جاؤ گے اور پھر وہ خالص سنی ہو گیا اور رافضیت سے کلی طور پر بیزار ہو گیا اور دور رہا۔ اس نے مجھ سے طریقت کا سبق بھی لیا۔ شروع میں اس نے پوچھا کہ کونسا طریقہ اختیار کروں! میں نے کہا طریقہ قادر یہ سب سے بہتر رہے گا۔ یہ اس لئے کہا کہ رافضی حضرت غوث اعظمؒ سے عداوت رکھتے ہیں۔

نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار

حضرت والد ماجدؒ سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً میں نے سنا ہے کہ تاشقلہ بیگ ایک ترکستانی تھا جسے حصول طریقت کا ذوق ترکستان سے بخارا لایا وہاں ایک مدت تک وہ حضرت خواجہ نقشبند کے مزار پر ٹھہرا رہا۔ اسی انتظار میں کہ اولیاء اللہ میں سے کسی دلی کا اسے پتہ دیا جائے۔ آخر حضرت خواجہؒ نے اسے کشف میں فرمایا کہ تیرا پیر ہندوستان کے شہر دہلی میں ہے اور حضرت والد ماجد کی شکل و صورت اسے دکھائی گئی۔ مگر اسے خیال آیا کہ دہلی تو بہت بڑا شہر ہے اس بزرگ کا وہاں ڈھونڈنا دشوار ہو جائے گا۔ اس خیال پر مطلع ہو کر حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ جس دن دہلی میں داخل ہو گے۔ اسی دن وہ بزرگ تمہیں وعظ کہتے ہوئے ملیں گے۔ اس واقعہ کے بعد تاشقلہ بیگ کو شوق بیعت کشاں کشاں دہلی لے آیا۔ پہلے پہل وہ شیخ فرید کے ہوٹل میں اتر ا۔ اتفاقاً جمعہ کا دن تھا۔ اس نے جامع مسجد کا پتہ پوچھا تو لوگوں نے اسے مسجد فیروزی کا پتہ دیدیا۔ وہاں پہنچا تو حضرت والد ماجد کو خواجہ نقشبند کے بتائے ہوئے حنیے کے مطابق پایا۔ جب نماز کے بعد حضرت والد نے وعظ فرمایا۔ اسے بھی تاشقلہ بیگ نے اپنے موافق پایا۔ فراغت کے بعد آپ کے ساتھ گھر آیا اور اپنے سر سے دستار اتار کر اظہار عقیدت کیا۔ حضرت نے فرمایا یہ شرط ہے کہ کچھ دن ہماری صحبت میں رہو تا کہ ہمیں سمجھ سکو۔ اس نے یہاں تک پہنچنے کا سارا قصہ بیان کر دیا۔ حضرت والد نے اسے اپنی بیعت میں لے کر اشغال و اعمال کی تلقین فرمائی کہ اس کے بعد وہ دکن چلا گیا۔ تو پھر واپس نہ آیا۔

حضرت والد ماجدؒ سے اجمالاً اور یاران طریقت سے تفصیلاً سنا کہ مرزا علی خوانی قصبہ خواف کا صحیح العقیدہ اور پاکیزہ خیال سنی تھا۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ

فرما رہے ہیں تیرا پیر دہلی میں ہے اور ساتھ ہی حضرت والد ماجد کی صورت بھی دکھلا دی کافی عرصے بعد وہ کسی تقریب سے واپس آیا مگر پھر بھی مدتوں ملاقات نہ ہو سکی۔ بعد میں محمد افضل پھلواروی سے حضرت والد کا نام نامی اور کچھ اوصاف سنے تو فوراً ان کی خدمت میں پہنچا اور بیعت و تلقین سے مشرف ہوا۔ بعض اوقات اس پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی تو چہرہ سرخ ہو جاتا اور کہتا کہ تم مجھے اس کے بارے میں ملامت کرتے ہو۔

ایک مرتبہ حضرت والد ماجد قصبہ بھکلت میں تھے کہ مرزا علی خوانی گرمی شوق سے بغیر زاد راہ اور سواری کے راستہ نہ جاننے کے باوجود ادھر دوڑ پڑا اور وہاں پہنچ کر عشق شورا انگیز اور شوق بلا خیز کی تمش بجالائی۔

حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور یاران طریقت سے تفصیلاً سنا کہ صوفی نامی سہارنپوں کا ایک آدمی تھا جو جوانی میں ایک صاحب کشف و رویش سے فیض حاصل کرتا رہا اور وہ اسے کہتے تھے کہ تیری بیعت ایک ایسے شخص سے متعلق ہے جو اس شکل و صورت اور وضع و قطع کے ہیں اور اس نام سے مشہور و اعظا ہیں۔ وہ صوفی اس بزرگ کے انتظار میں بوڑھا ہو گا اور مختلف قسم کے صوفیانہ اشغال اور ریاضتیں بھی کرتا رہا۔ آخر عمر میں محمد اسماعیل میرٹھی کے بتلانے پر حضرت والد کی خدمت میں پہنچا اور بیعت و تلقین سے مشرف ہوا۔ آغاز میں اپنے اشغال اور ریاضات خوب بیان کرتا تھا۔ حضرت والد نے فرمایا۔ آغاز اچھا ہے۔ انشاء اللہ دروازے کھل جائیں گے بالآخر وہ حضرت والد کی تربیت سے کامل ہو کر نکلا۔

باران کرم منتظر دست دعا ہے

فرمایا ایک مرتبہ علاقے میں بارش نہ ہوئی۔ لوگوں نے میری طرف رجوع کیا اور دعا چاہی۔ میں نے دعا مانگی اور بوند باندی شروع ہو گئی۔ میں نے کہا کہ موسلا دھار بارش کا نہ ہو نا ہماری دیواروں کی کمزور لیپا پوتی کی وجہ سے ہے۔ گویا تہ پیر خداوندی ہماری دیواروں کے گرانے سے احتراز کر رہی ہے۔ لوگ جلدی سے گارنا بنا کر لائے اور ہماری دیواروں کی لپائی شروع کر دی۔ فوراً ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

قوت تاثیر کا کرشمہ

فرمایا کہ اکبر آباد میں میرزا ابوالعلی کے پیروکاروں میں علی قلی نامی ایک شخص تھا جو اپنی توجہ دتائیر کی قوتوں کے سبب مشہور اور ان پر نازاں تھا۔ ایک دن شیخ عبداللہ محدث کو میں نے دیکھا کہ اس کے دروازے پر کھڑے ہیں مگر بار نہیں پارہے۔ میں نے چاہا کہ اسے اس غلط فہمی پر متنبہ کروں تو میں نے اپنے اور علی قلی کے درمیان ایک بھاری پتھر رکھوا کر کہا کہ قوت تاثیر یہ ہے کہ اس پتھر کو اپنی طرف کھینچا جائے۔ جب پینکس کی گئی تو وہ پتھر علی قلی کے مقابلے میں چند انگل زیادہ میرے قریب نکلا۔

روشن ضمیری

فرمایا شیخ ایوب مراد آبادی ہمیں دیکھنے کے لئے آئے۔ ان کی آمد کا اصل مقصد ہمارا امتحان تھا۔ اپنے ساتھیوں، سوار یوں اور سامان کو دور چھوڑ آئے اور خود اکیلے اجنبی وضع میں آئے۔ میں اسی وقت تیر اندازی کر رہا تھا۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی تیر کمان رکھ دیئے اور کہا خوب تشریف لائے۔ آئیے آئیے خیر و عافیت ہے؟ وہ متعجب ہو کر کہنے لگے میں اس سے پہلے آپ کی خدمت میں کبھی حاضر نہیں ہوا۔ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ میں نے کہا کیا تمہارا نام ایوب ہے۔ اس نے کہا حضرت والا نے کیسے معلوم کر لیا کہ میرا نام ایوب ہے۔ میں نے کہا کہ تمہاری صورت دیکھتے ہی میرے دل نے گواہی دی۔ تب شیخ ایوب نے کہا میں جان گیا ہوں بلاشبہ یہ آپ کی کرامت ہے لیکن یہ بتائیے کہ جس کام کے لئے میں لشکر کے ساتھ جا رہا ہوں اس میں کامیاب ہوں گا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ اس کے بعد لشکر میں چلے گئے اور جتنی بھی کوشش کی کچھ فائدہ نہ ہوا۔

..... صید نہ چھوڑا زمانے میں

فرمایا کہ محمد فاضل کے گھر کشتی کے لئے اکھاڑہ بنا ہوا تھا اور وہاں ایک پہلوان اس کے بیڑوں کو کشتی لڑنا سکھاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک بلند قامت اور انتہائی طاقت ور پہلوان آیا اور خواہش ظاہر کی کہ تربیت دینے والے پہلوان سے کشتی کے دو ہاتھ کرے۔ یہ بات محمد فاضل کے لئے بھی عزت و ذلت کا مسئلہ تھی۔ بظاہر دونوں کا مقابلہ ناممکن تھا۔ اس لئے اس پر غالب آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے یہ حالت دیکھ کر کہا ہے کہ جب تک میں اجازت نہ دوں کشتی شروع

نہیں کرنا۔ عین اس وقت کہا اکھاڑہ گرم ہوتا ہم نے چپ سادھ لی اور پھر ایک دم اجازت دیدی۔ اس طاقت ور پہلوان نے اسے جب دونوں ہاتھوں پر اٹھالیا۔ تو کمزور پہلوان نے اپنے دونوں پنجے زمین میں مضبوطی سے گاڑ دیے اور اپنے پاؤں طاقتور پہلوان کی گردن میں جکڑ لئے اور اپنے پاؤں کی طاقت سے اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ یہ دیکھ کر تماشاخیوں میں ایک شور بلند ہوا۔

سفر و حضر میں شیخ کی نگاہ الفت

فرمایا محمد فاضل نے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اجیر بھیج دے اور راستے کی بد امنی کے پیش نظر خود بھی اس کے ساتھ جاتا چاہا۔ جب مجھ سے رخصت ہونے آیا تو میں نے کہا کہ تمہارے جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بحفاظت واپس آجائے گا ہاں البتہ واپسی پر اجیر سے دو منزل ادھر ڈاکو قافلے پر حملہ کریں گے مگر اس کی حفاظت ہمارے ذمہ رہی۔ ہاں البتہ اسے سمجھا دیجئے کہ اس وقت اپنی پہلی الگ ایک طرف کھڑی کر دے۔ جب وہ وقت آیا تو حضرت والا ادھر متوجہ ہوئے اور توجہ کے دوران آپ کے بدن پر ملال ظاہر ہوا۔ حاضرین نے سب پوچھا تو فرمایا کہ کچھ دنوں کے سخت سفر نے تھکا دیا ہے۔ جب وہ لڑکا واپس آیا تو بیان کیا کہ وہاں ڈاکو آئے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی پہلی کو ایک طرف کرویا۔ وہاں حضرت والا مثالی صورت میں موجود تھے۔ ڈاکوؤں نے پورے قافلے کو لوٹا مگر میری پہلی محفوظ رہی۔

ہر کہ بادر دکشاں در افتاد بر افتاد

فرمایا کہ باقتدار امیر نے محمد فاضل کی مصالحتی میں حویلی کے لئے قطعہ کیا، قطعہ کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ حویلی میں میز ہوتی تھی۔ اس نے محمد فاضل سے دینی تنگی قیمت پر قدرے زمین مانگی مگر وہ نہ مانا۔ بالآخر ان کے درمیان رنجش اور جھگڑا ہو گیا۔ اس امیر نے کہا میں صبح جا کر بادشاہ سے کہوں گا کہ یہ زمین محمد فاضل کی ملکیت نہیں بلکہ سرکاری ہے۔ زمین کا یہ ٹکڑا چھوڑوں گا کسی بھی صورت نہیں بلکہ لے لوں گا چاہے ہزاروں روپے خرچ ہو جائیں۔ محمد فاضل رات کو میرے پاس آکر حد سے زیادہ گڑ گڑایا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ بادشاہ سے ہرگز نہیں مل سکے گا اور کسی بھی صورت یہ جھگڑا پیدا نہیں ہوگا۔ چنانچہ صبح سویرے جب وہ امیر گھر سے نکل کر دربار شاهی میں جانے لگا تو راستے میں اسے شاہی سواروں نے آلیا اور کہا کہ بادشاہ نے تمہارے لئے حکم دیا ہے کہ

ابھی ابھی فلاں مہم کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ امیر نے کہا میری خواہش ہے کہ بادشاہ سے روبرو مل کر کچھ ضروری باتیں عرض کروں۔ کارندوں نے اس کی یہ بات نہ مانی اور فوراً ہی کوچ کرنے پر مجبور کر کے اسے زبردستی اسی وقت شہر سے باہر نکال دیا اور وہ امیر اسی مہم میں مر گیا چنانچہ اسے محمد فاضل سے جھڑا کرنے کی فرصت ہی نہ ملی۔

از نہیب او بلرز دماہ و مہر

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ بات بھی عجیب اتفاقات میں سے ہے کہ حضرت والدؒ کچھ عرصہ کے لئے سیر کو نکل گئے۔ اس فرصت میں آپ کی طویل صحبتوں اور کرامات کے مشاہدے کے باوجود محمد فاضل فاسقوں کی صحبت میں آکر شراب کا رسیا ہو گیا۔ جب حضرت والا سیر و سیاحت سے واپس آئے اور یہ قصہ سنا تو سخت برا فروختہ ہوئے۔ جلال ولایت کی تاثیر سے مجلس شراب سوئی پڑ گئی۔ جام و مینا توڑ دیئے گئے۔ صراحیاں اوندھی کر دی گئیں اور محمد فاضل پر کپکپتی طاری ہو گئی اور دوبارہ دختر رز سے رشتہ توڑ کر پکی توپہ کر لی اور یوں اولنک قوم لایشقی جلیسہم کا مفہوم و معنی دلوں پر نقش ہو گیا۔ جس نے دیکھے نین متوارے ترے

فرمایا کہ شروع شروع میں جس پر بھی محبت کی نگاہ ڈالتا وہ میرا دیوانہ ہو جاتا۔ اس وجہ سے میں کسی پر بھی نگاہ التفات نہیں ڈالتا تھا اور کیا احمد فاضل کے بالا خانے پر رہتا تھا۔ ادھر ادھر جاتے وقت اپنے چہرے پر چادر ڈال لیا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن ہدایت اللہ بیگ رشتہ داری کی تقریب سے محمد فاضل کے گھر آیا۔ جب اس سے میرا سامنا ہوا تو وہ میرا دیوانہ ہو گیا اور مجھ سے بیعت کی خواہش کی۔ میں نے سن رکھا تھا کہ اسے ایک بزرگ متوکل نقشبندی سے ربط و تعلق ہے میں نے اس سے کہا کہ بات ایک ہی ہے۔ فقراء ایک تن کی مثال ہیں۔ اس بزرگ کا حق مقدم ہے۔ اس لئے انہی سے بیعت کیجئے۔ اس نے دور بارہ اصرار کیا اور اس کی محبت حد سے بڑھ گئی۔ بالآخر میں نے اسے بیعت میں قبول کیا اور کہا کہ ان بزرگ سے بھی تعلق نہ توڑیے گا! کچھ دنوں بعد اس بزرگ کو خبر پہنچی تو غصہ ہوئے اور ہدایت اللہ بیگ کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ابھی جوان ہو تمہیں حصول طریقت کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ بیعت و ارشاد۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اس کا

انحصار بڑی عمر پر نہیں ہوتا۔ پھر کہلا بھیجا کہ میں تم سے اس زیادتی کا بدلہ لوں گا۔ میں کہا لایسحق المکر السی الا باھله (یعنی چاہ کن راجاہ در پیش) جو کچھ چاہو کر کے دیکھ لو۔ اس کی افتاد تم پر ہی پڑے گی۔ اس نے مجھے تکلیف پہنچانے کے لئے اپنا عمل شروع کر دیا میں نے اپنی مدافعت کی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس بزرگ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے سینے میں فخر چھود یا گیا ہے اور موت سر پر آ پہنچی ہے۔ آدھی رات کے وقت ہدایت اللہ بیک کو بلا دیا۔ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگی اور میرے حق میں نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میری جان نہیں بچے گی مگر انہیں چاہئے کہ میرا ایمان چھیننے کا قصد نہ کریں میں نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر تم ایذا رسانی کا آغاز نہ کرتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ بھگد اللہ تمہارے ایمان کو ضرر نہیں پہنچے گا۔ وہ بے چارے اسی رات عالم قرار کو سدھار گئے ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

تقدیر شکن قوت باقی ہے، ابھی اس میں

فرمایا بادشاہ اورنگ زیبؒ نے کسی بات پر ہدایت اللہ بیک کو اپنے منصب سے ہٹا دیا۔ وہ اس بات پر بہت غمگین اور شکستہ خاطر ہو کر میرے پاس آیا مالی پریشانیوں اور کثرت عیال کا رونا روتا رہا۔ اس کے گزر گزرنے سے میرا دل اتنا پیچھا کہ پورے طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ پہلے پہل مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ اس بارے میں تقدیر مبرم ہو چکی ہے۔ میں نے بارگاہ النبیؐ میں التجا کی اور اس بارے میں میری توجہ اس حد تک جا پہنچی کہ اگر یہ کام میرے حسب مشائخہ ہوا تو میں صوفیانہ چولا اتار پھینکوں گا اور دوبارہ صوفیانہ وضع قطع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں گا۔ اسی عالم میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے میری دعا قبول کر لی اور مجھے بتایا گیا کہ اسے معزول کرنے کا مضبوط اور پختہ انتظام کرنے کے باوجود ہم نے اسے اپنے منصب پر بحال کر دیا ہے۔ میں نے دعا کی بار خدایا یہ عہدہ تو اسے پہلے ہی ملا ہوا تھا۔ میری آہ و زاری کا شرہ آخر کیا ہے؟ میرے خیال میں ڈالا گیا کہ اچھا یہ کچھ ہم نے اسے ترقی بھی دیدی ہے۔ صبح سویرے اسے میں نے خوشخبری سنائی۔ بادشاہ نے بغیر کسی ظاہری سبب کے اسے یاد کیا اور کہا کہ ہم نے تمہاری خطا معاف کر کے عہدہ بحال کر دیا ہے اور اس قدر اضافہ و ترقی بھی دے دی ہے یہ سن کر اس کے دشمنوں نے جتنی بھی کوشش کی کامیاب نہ ہو سکے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اولیاء اللہ کے اس قسم کے واقعات بیشمار روایت کئے گئے ہیں اور ان کیلئے تاویلات موجود ہیں اور اس پر ہم نے فیوض الحرمین میں تفصیل سے لکھا ہے۔

حکمت ایمانیات راہم بخواں

فرمایا ہدایت اللہ بیگ نے تجارت کے لئے کچھ اونٹ خریدے۔ میں نے اسے کہا کہ ان میں سے ایک ضرور مر جائے گا۔ لیکن مجھے اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ میں اپنی مرضی کے مطابق کسی ایک اونٹ کو موت کے لئے منتخب کر لوں۔ چنانچہ میں نے ان میں سے ایک کمزور اور لاغر اونٹ کو متعین کر دیا اور یہ شرط لگا دی کہ اسے آخر تک محفوظ رکھا جائے۔ اس نے سارے اونٹ بیچ دیئے اور سب سے آخر میں اس اونٹ کو بھی فروخت کر دیا۔ لیکن خریدار نے واپس لوٹا دیا۔ اور پھر اسی کے ہاتھ مر گیا۔

حضرت والد ماجد ہارہ کے علاقے میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ لوگ بیماروں کے قارورے لائے۔ آپ نے سب کے لئے فوراً نسخے تجویز کر دیئے۔ اس مجلس میں ایک ہندو طبیب بھی موجود تھا۔ ایک بیمار کے قارورے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے عرض کیا۔ حضرت اس کی بیماری بھی معلوم کی ہے یا نہیں؟ آپ نے ہنس کر فرمایا۔ یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا نام یہ ہے۔ ہاتھ ایسے ہیں۔ کردار یہ ہے اور اس کا بیماری کا سبب یہ ہے۔ آپ نے سبب ایسا بتلایا جسے بیان کرنے میں اس عورت کو شرم مانع تھی۔ گویا آپ کو اس عورت کا پورا کچا چٹھا معلوم تھا۔ اس ہندو نے یہ سب کچھ سن کر عرض کی کہ حضرت! طب میں یہ مسئلہ کہاں ہے؟ فرمایا یہ طب کی بات نہیں۔ یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی سچی فراست ہے۔

دست پیراز غائبان کوتاہ نیست

فرمایا کہ مجھے کشف میں دکھایا گیا کہ قصبہ بھلت کو آگ نے گھیر لیا ہے۔ میں نے اس وقت باطنی اندازے کے مطابق اپنے مخلصین کے گھروں کے ارد گرد ایک کیر کھینچ دی اور ان کو بشارت دی کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک سارے گھر آگ سے محفوظ رہیں گے۔ کچھ عرصے کے بعد قصبہ کو آگ لگ گئی۔ بعض لوگوں کے گھر جل گئے۔ اہل اللہ کے بارے میں نفاق رکھنے والوں نے اس بات کو موضوع بحث بنالیا۔ میں نے کہا ذرا ذہن پر زور دے کر سوچئے کہ جلنے والے گھر میرے

حصار میں داخل تھے یا اس سے باہر۔ جب انھوں نے سوچ بچار کی تو وہ گھر میری بتائی ہوئی حد سے باہر نکلے اور جھک مارنے والوں کے منہ بند ہو گئے۔

تصرف ولی

فرمایا قصبہ مہملت کے معتقدین کے دشمنوں نے وہاں کے رئیسوں کو برا بھانتہ کیا کہ اس جماعت (فقراء شاہ عبدالرحیمؒ) کے قبضے میں فرمان شاهی سے کچھ زیادہ زمین آئی ہوئی ہے۔ چنانچہ رئیسوں نے کچھ لوگوں کو پیناکش کے لئے مقرر کر دیا۔ اس بات سے مہملت والوں کو سخت پریشانی ہوئی اور مجھ سے التجا کی کہ جب ناپ کرنے والا بھی دشمن ہو تو ہماری تدبیر کیسے چل سکے گی؟ میں نے انہیں تسلی دی اور پیناکش کے دن خود پہنچا۔ کچھ توجہ ڈالی اور ان سے کہا کہ اب پیناکش کرو۔ جس کھیت کی پیناکش کرتے وہ اصل حساب سے بھی کم بیٹھتا۔ مہملت والے پھر رونے لگے کہ اگر سبھی کھیت اصل پیناکش سے کم نکلے تو دشمن پنواری پر شک کریں گے اور جھگڑے کی بنیاد ختم نہ ہوگی۔ چاہئے کہ کچھ کھیت کم نکلیں، کچھ برابر اور کچھ زائد تاکہ سب کھیت مل کر اجتماعی شکل میں برابر ہو جائیں۔ میں نے دوبارہ توجہ ڈالی۔ اگرچہ پنواری نے مختلف حیلوں، بہانوں سے کام لینا چاہا۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی اور مہملت والوں کے حسب منشاء کام ہو گیا۔

میں حقیر گدایان عشق الخ

فرمایا کہ رستم اور اسد اللہ ظالم قسم کے رئیس تھے جو قصبہ مہملت کے گرد و نواح کے لوگوں کو ہمیشہ تنگ کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مہملت والوں پر ایک لشکر چڑھا لائے۔ قصبے والے یہ دیکھ کر پریشان ہوئے اور مجھے اپنی چٹنا سنائی۔ میں نے کہا تمہیں فتح اور ان کے ٹولے کو شکست فاش ہوگی اور کچھ ہی دنوں میں پایہ زنجیر ہو کر اسی طرح مرجائیں گے۔ جب مقابلے کا دن آیا تو آیت کریمہ **کَم مِّن فِئْةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئْةً كَثِيرَةً** باذن اللہ کا نقشہ سامنے آ گیا۔ اس واقعہ سے چند دن بعد یہ لوگ ڈاکہ زنی، شراٹگیزی اور دوسرے جرائم میں ملوث ہوئے اور ان کے کچھ قریب ترین دوستوں نے بادشاہ اورنگ زیب کی خدمت میں ان کا کچا چھٹا پہنچا دیا۔ بادشاہ نے ان کی گرفتاری کے احکام صادر کر دیئے۔ حاکم نے انہیں ہوشیاری سے قید کر کے لشکر کے ساتھ بھیج دیا اور قید ہی میں مر گئے۔

دل راہ بہ دل رہ

فرمایا میں بھلت میں تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ صبح سویرے دہلی روانہ ہو جاؤں۔ اس وقت مجھے بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ میری بیعت کے لئے ایک بزرگ دور سے آرہا ہے۔ نماز عشاء کے بعد میں مسجد میں ٹھہر گیا۔ اور میری یہ نشست طویل ہو گئی۔ لوگ تنگ ہونے لگے اور طعام ٹھنڈا ہو گیا۔ معارف آگاہ شیخ محمد نے کہا کہ اب آرام کرنا چاہئے۔ اگر وہ بزرگ آئے تو دوبارہ گھر سے باہر آ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں نے کہا جب تک وہ نہیں آئے گا میں تو یہیں بیٹھا رہوں گا۔ جب آدھی رات گزری تو گھوڑے کے ٹاپ کی آواز آئی۔ میں نے کہا۔ اب وہ شخص پہنچ گیا ہے اس نے آتے ہی بیعت کر لی اور کہا کہ دن کے پچھلے پہر آنے کا ارادہ تھا مگر انتظام نہ ہو سکا۔ جب رات ہونے لگی تو یہ آرزو لے کر جلدی سے چل پڑا کہ اے کاش حضرت والا کو مسجد میں بیٹھا پاؤں۔

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً سنا ہے کہ سید غلام محی الدینؒ اور ان کے والد بیجاپور کی مہم میں بیمار ہو گئے اور وہ اس سخت مرض میں کافی عرصہ جٹتا رہے۔ اسی اثناء میں ایک رات حضرت غوث اعظمؒ کو خواب میں دیکھا کہ انھوں نے فرمایا اپنے شیخ سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟ جب بیدار ہوئے تو حضرت والد کے لئے کچھ نیاز مانی اور دل سے التجا کی۔ تین دن کے بعد خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد تشریف لائے ہیں اور ان کے قریب بیٹھ کر تندرستی کی بشارت دے رہے ہیں اور فرمایا کہ آج سے ساتویں دن قلعہ بیجاپور مورچہ غازی الدین خاں کی سمت سے فتح ہو جائے گا۔ اگر لشکر خاں جس کے ساتھ تم شریک ہو غازی الدین خاں کے ساتھ رفاقت کرے تو اس فتح کا سہرا اسی کے سر رہے گا۔ اور اس کی پلٹن کے لئے سرمایہ افتخار ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے غلام محی الدین کو سفید چادر پہنائی اور چلے گئے۔ صبح سویرے اس کے والد وفات پا گئے اور وہ تندرست ہو گیا۔ لشکر خاں کو صورت حال سے مطلع کر دیا گیا۔ چنانچہ وہ غازی الدین خاں کے ساتھ شامل ہو گیا اور اسی دن فتح ہو گئی جس سے اسے کافی مالی فائدہ پہنچا۔

حضرت والد نے بیماری، تندرستی، وفات، فتح اور غازی الدین خاں کے لشکر کی رفاقت یہ سب کچھ دوستوں کے سامنے یہاں بیان کر دیا تھا، کچھ عرصے بعد ان کا خط پہنچا۔ اس سے معلوم ہوا

کہ آپ کی باتیں پوری ہو کے رہیں۔

امداد اولیاء

فرمایا کہ اسد علی کا اپنے بعض ساتھیوں سے جھگڑا ہو گیا۔ ان سب نے مل کر اسے ہلاک کرنے کی ٹھان لی۔ یہ میرے پاس آ کر بہت گڑ گڑایا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ جاؤ مضبوط رہو اور کسی سے مت ڈرو! چنانچہ اس کے دشمن کئی ہزار مددگاروں کے ساتھ اس پر چڑھ دوڑے حالانکہ اس کے ساتھ صرف بیس ساتھی تھے۔ بالآخر لڑائی کے دوران میری شکل دیکھی کہ ثابت قدمی کا حکم کر رہا ہوں، چنانچہ اس نے بددوق داغ دی جو دشمن کے گھوڑے کو جا لگی۔ وہیں ڈھیر ہو گا اور دشمن مرعوب ہو کر بھاگ گئے۔

کیا ہے جو ان پہ عیاں نہیں

فرمایا محمد قلی اور نگ زیب کے لشکر کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ اس کے جانے پر کافی مدت گزر گئی اور اس کی طرف سے خبریت کی کوئی خبر نہ پہنچی۔ اس کا بھائی محمد سلطان بہت غمگین ہوا اور مجھ سے التجا کی۔ میں نے پوری قوت سے توجہ کی۔ جنگی لشکر کا خیمہ خیمہ چھان مارا مگر کہیں نہ پایا مردوں میں ڈھونڈا تو بھی نہ دیکھا۔ شاہی لشکر کے آس پاس نظر دوڑائی تو دیکھا کہ بیماری سے صحت یاب ہو کر غسل کیا ہے اور گروے رنگ کے کپڑے پہن کر کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور آنے کی تیاریوں میں ہے۔ میں نے یہ سب کچھ اس کے بھائی کو بتا دیا۔ چنانچہ دو تین ماہ بعد وہ آیا اور میری تمام باتوں کی تصدیق کر دی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ خواجہ محمد سلطان نے ایک گھوڑا لے رکھا تھا جو اس نے حضرت والد کو دکھایا۔ آپ نے اسے تہائی میں بلایا۔ اس وقت یہ فقیر بھی وہاں موجود تھا اور فرمایا کہ گھوڑا خوب ہے مگر اس کی عمر تھوڑی ہے۔ اس کی ایک بد زبان اور بد عادت بیوی تھی جس سے وہ تنگ آ چکا تھا۔ عرض کی کیا ہی اچھا ہو مگر اس عورت کی زندگی گھوڑے کو مل جائے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا ایسا ہی ہو جائے گا۔ تین مہینے نہ گزرے تھے کہ اس کی بیوی مر گئی اور گھوڑے کو بیچ کر خوب نفع کمایا۔

مال زکوٰۃ

فرمایا کہ ایک بار ایک شخص میرے سامنے کچھ روپے لایا کہ یہ آپ کی نذر ہیں وہ روپے دیکھ کر میں نے کہا کہ مجھے اس میں ایک خاص قسم کی قلت نظر آتی ہے۔ شاید یہ مال زکوٰۃ ہے بعد میں معلوم ہوا کہ ایسا ہی تھا۔

چاہ کن را چاہ در پیش

فرمایا اکبر آباد میں میرے والد ماجد ایک حویلی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کم و بیش ایک ہفتہ برسات ہوتی رہی مریض ہونے کی وجہ سے آپ میں چلنے پھرنے کی سکت نہیں تھی۔ اسی لمحے مجھ پر مشکف ہوا کہ یہ حویلی گرے گی اور اس میں رہنے والوں کا کافی نقصان ہوگا۔ اسی وقت باہر نکل کر میں نے بہت جستجو کی مگر کہیں بھی کرائے کا مکان نہ مل سکا۔ چونکہ بادشاہ کا لشکر اتر ہوا تھا۔ ہر جگہ حویلیاں بھر چکی تھیں۔ کافی تلاش کے بعد ایک غیر آباد خالی قطعہ مل گیا۔ شہر والوں سے اس کے مالک کا پتہ اور اس کی ویرانی کا سبب پوچھا تو کہنے لگے۔ یہ ایک ہندو کی ملکیت ہے اور یہاں ایک جادوگر جوگی رہتا ہے۔ جو بھی یہاں ٹھہرتا ہے یہ جادوگر اسے نقصان پہنچاتا ہے۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں اور تھوڑے سے کرائے پر وہ لے لیا۔ گھاس پھوس لا کر اسی حالت میں ایک چھپر کھڑا کر دیا اور اپنا بوریا و بستر وہاں لے آیا۔ اسی دن ہماری مٹرو کہ حویلی میں کوئی دوسرا شخص آ بیٹھا۔ اصطبل کی چھت گری اور سارے گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ بعد میں وہ جوگی ظاہر ہوا اور اس نے مجھے کہا کہ یہاں زندہ جوگی دفن ہیں۔ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں بلکہ جوگیوں کے دفن ہونے کی جگہ پوچھی تو اس نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا۔ ہم یہاں بیت الخلاء بنائیں گے یہ سن کر وہ چلا گیا اور مجھ پر جادو کرنے لگا جس کا سارا نقصان اسی پر پلٹا۔ چنانچہ ایک دن والد ماجد کی خدمت میں آ کر کہنے لگا کہ تمہارا بیٹا مجھے تکلیف پہنچا رہا ہے۔ آپ نے مجھے سمجھایا۔ میں نے کہا پہلے آپ اس سے یہ تو پوچھئے کہ میں نے اسے کس قسم کی تکلیف دی ہے۔ گالیاں دی ہیں یا مارا ہے؟ پھر اپنے ہاتھ سے مارا یا کسی کو کہہ کر مروایا۔ والد ماجد نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ ایسی کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچائی بلکہ ہمارے پیر (یعنی جن) سے ہمیں مروا رہا ہے۔

تسخیر جنات

فرمایا نواح دولت آباد کے ایک سید اپنے معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک دن رفع حاجت کے لئے ایک پرانی عمارت میں گئے۔ وہاں پر یوں کو مثالی شکل میں دیکھا۔ ان میں سے ایک پری ان پر لٹو ہو کر انہیں چٹ گئی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ مثالی شکل میں ان کے سامنے آتی اور وہ حد سے زیادہ تکلیف محسوس کرتے۔ اس کو ہٹانے کے لئے جتنی کوشش کی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر سب کچھ چھوڑ چھار کر میری طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں بھی وہ پری روزانہ ان کے پاس آتی رہی۔ جب وہ فرید آباد پہنچے تو پری نے حاضر ہو کر ان سے رخصت چاہی کہ اب میرے لئے تم سے ملنے کا امکان نہیں رہا۔ جب میرے پاس پہنچے، دن بدن تندرست ہوتے چلے گئے اور انہیں بغیر کسی علاج اور تعویذ کے وہ عارضہ بالکل چھوڑ گیا۔

فرمایا ایک شخص کو جن تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ اس کے گھر والوں نے مجھ سے رجوع کیا۔ میں نے کہا اسے میرا پیغام پہنچا دو کہ فلاں کہہ رہا ہے۔ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا انھوں نے پیغام پہنچایا مگر وہ پھر بھی نہ ملا۔ میں نے کہا۔ تم لوگوں نے میرا نام اس انداز اور تفصیل سے اسے نہیں بتایا ہوگا جس سے وہ دوسرے ناموں سے ممتاز ہو سکے۔ دوبارہ جاؤ اور اس انداز سے میرا نام لے کر اسے پیغام دو، چنانچہ وہ گئے اور اسی طریق سے میرا نام لیا، پھر اس جن نے اسے کبھی تکلیف نہ پہنچائی۔ فرمایا محلے والوں نے ایک مرتبہ مجھ پر جادو کر دیا۔ میں رات کے وقت بیت الخلاء گیا تو مجھے ایک جوگی کی شکل نظر آئی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے جوتا دے مارا تو وہ دھواں بن کر اڑ گیا۔

آتشیں آدمی اور برکت قرآن

فرمایا لوگوں نے مجھ پر دوبارہ جادو کیا تو میں نے عالم مثال میں دیکھا کہ ایک شخص آگ کی مثالی صورت لئے ہوئے آگ کے گھوڑے پر سوار آتشیں نیزہ ہاتھ میں لئے مجھ پر حملہ کر رہا ہے۔ میں نے بیدار کیا اور اس پر قرآن مجید کی چند سورتیں دم کر کے اسے مارا۔ وہ آتشیں آدمی اس کا نیزہ اور گھوڑا میری پھونک کے اثر سے مردہ ہو کر گر پڑے اور گرتے وقت وہ کہنے لگا کہ میں تمہارے عمل کے اثر سے نہیں گرا۔ صبح سویرے میں یہ واقعہ محمد و شیخ ابوالرضا کی خدمت میں عرض کر رہا تھا کہ

اس وقت میرے سامنے ایک بلی کا بچہ آیا۔ میں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اپنی جگہ سے کودا۔ اس کے منہ سے خون نکلا اور وہ مر گیا۔

فرمایا ان لوگوں نے پھر ایک مرتبہ جادو کیا۔ میں بیمار ہو گیا۔ جس قدر علاج کیا کچھ افادہ نہ ہوا۔ بزرگوں میں سے ایک کو خواب میں دیکھا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے گمان میں یہ خواجہ قطب الدین تھے کہ فرما رہے ہیں تجھ پر جادو کیا گیا ہے۔ فلاں فلاں آیات پڑھو۔

ولی کے خلاف جھوٹی شہادت کا انجام

فرمایا ایک مرتبہ ان لوگوں نے مجھے کسی جھوٹے مقدمے میں پھنسا کر قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا۔ جب میں عدالت میں حاضر ہوا تو گواہوں کے منہ کالے اور زبانیں سرخ ہو گئیں۔ جسے سب نے دیکھا۔ قاضی نے چاہا کہ اس بات کی تشہیر کرے مگر میں نے کہہ دیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اسی پر اکتفا کرو۔

مشائخ کی روحانی امداد

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور یاران طریقت سے تفصیل کے ساتھ سنا ہے کہ جن دنوں اور نگزیب (عامگیر) حسن ابدال کی طرف روانہ ہوا اور پٹھانوں نے بغاوت کر دی تو پوری کوشش کے باوجود کامیابی کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ بعض مخصوص نے حضرت والد ماجد سے اس بارے میں دعا طلب کی، جب متوجہ ہوئے تو فرمایا ایک معمر بزرگ کی شکل سامنے آ کر دعا سے منع کر رہی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شیخ بزرگوار حضرت آدم بنوری کے خلفاء میں سے حاجی یار محمد نے پٹھانوں کی مدد پر کربا نہ رکھی تھی۔

جب اورنگ زیب کی وفات ہوئی اور اس کی اولاد آپس میں لڑنے لگی تو بعض احباب نے پوچھا کہ کون کا میاب ہوگا تو فرمایا اعظم کی طرف تو سات ہندو قیں ابھی ہوئی دیکھ رہا ہوں کیسے بچ جائے گا؟ تھوڑے دنوں کے بعد ایسا ہی ہوا۔

جام جہاں نما است ضمیر منیر دوست

جب معز الدین تخت پر متمکن ہوا اور فرخ سیر نے پورب کی طرف سے اس پر چڑھائی کر دی تو وہ بہت پریشان ہوا اور درویشوں کی خدمت میں جا کر دعائے فتح مندی کی درخواست کرنے

لگا۔ کسی نے حضرت والا سے عرض کیا کہ وہ آپ کی خدمت میں بھی آنا چاہتا ہے فرمایا اس کا یہاں آنا مناسب نہیں رہے گا۔ اس لئے وہ چکی بات سے ناخوش ہوگا اور اگر جھوٹ بولوں تو مکروہ جھوٹ فقراء کا کام نہیں۔

جب فرخ سیر اور عبد اللہ خاں باہم لڑنے لگے تو حضرت والد کی خدمت میں ان کی لڑائی کا کچھ حال بیان کیا گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے عالم مثال میں دیکھا ہے کہ گویا فرخ سیر کے تحت کو لوگ الٹ دینا چاہتے ہیں اور میں لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ اسے میری وجہ سے معاف کر دو۔ کیونکہ ابھی ابھی پچھلے دنوں تو خوزری ہو چکی ہے بہر حال حضرت والد کی وفات سے پچاس دن بعد فرخ سیر قید ہو گیا۔

نازولایت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب فرزند عزیز صلاح الدین بیمار ہوا اور ہم نے اس کی زندگی سے ہاتھ دھو لئے تو میں نے کفن خریدنے اور قبر کھودنے کے لئے کہہ دیا۔ اچانک میرے دل میں جوش آیا اور ایک کونے میں جا بیٹھا۔ حد سے زیادہ گڑگڑا کر دعا مانگی۔ فرشتے نے آکر اس کی زندگی اور صحت کی بشارت دی، اسی دم وہ چھینکا اور اس کی زندگی لوٹ آئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی پیدائش کا قصہ

حضرت والد ماجد جب ساٹھ سال کے ہوئے تو ان پر منکشف ہوا کہ تقدیر کے فیصلے کے مطابق آپ کے ہاں ایک اور فرزند پیدا ہوگا۔ بعض خاص یا ران طریقت سے یہ بھی سننے میں آیا کہ آپ کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ نومولود علمی اور روحانی بلند مقامات کو پہنچے گا۔ چنانچہ آپ کے دل میں شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب مخدوی شیخ محمد نے یہ ماجرا سنا تو وہ اس کوشش میں رہنے لگے کہ یہ بچہ ان کی لخت جگر سے ہو۔ اس فقیر نے بعض لائقوں سے سن رکھا ہے کہ جب اس شادی کی بات چکی ہو گئی تو بعض مخالفین اور منافقین نے کہا کہ اس عمر میں شادی مناسب نہیں رہے گی۔ حضرت والد نے ان کی باتیں سنی اور فرمایا کہ میری عمر کا ابھی کافی حصہ باقی ہے اور لڑکے بھی پیدا ہوں گے۔ چنانچہ آپ اس شادی کے سترہ سال بعد زندہ رہے اور دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ فقیر (ولی اللہ) ابھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ ایک رات حضرت والد ماجد نماز تہجد پڑھ رہے تھے اور میری والدہ بھی ان کے قریب تہجد میں مشغول تھیں۔ نوافل کے بعد حضرت والد نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور والدہ آئین کبوتری رہیں۔ اسی اثناء میں دو اور ہاتھ ظاہر ہوئے۔ حضرت والد نے فرمایا۔ یہ دو ہاتھ ہمارے بیٹے کے ہیں جو پیدا ہوگا۔ وہ ہمارے ساتھ دعا مانگ رہا ہے۔ اس کے بعد یہ فقیر پیدا ہوا اور سات سال کی عمر میں نماز تہجد میں والدین کا ساتھی بنا اور اسی خواب والی وضع میں ان دونوں کے درمیان ہاتھ اٹھائے۔ وھذا تاویل روایاتی من قبل قد جعلہا ربی حقاً

قبل از پیدائش شاہ اہل اللہ کی بشارت

نیز یہ فقیر ابھی ماں کے پیٹ میں تھا کہ اس وقت حضرت والد نے ایک بھکارن کو آدمی روئی خیرات دی۔ وہ جانے لگی تو پھر اسے واپس بلا کر باقی آدھ بھی دے دی اور فرمایا کہ بچہ جو پیٹ میں ہے کہہ رہا ہے کہ خدا کی راہ میں ساری روئی دینی چاہئے۔ ایک دن جب کہ یہ فقیر ابھی بہت کمسن تھا۔ حضرت والا نے اہل اللہ کے نام سے کسی کو دو بار آواز دی۔ ایک آدمی نے پوچھا۔ حضرت والا کسے بلا رہے ہیں۔ میری طرف اشارہ کر کے فرمایا اہل اللہ اس کا بھائی ہے جو عنقریب پیدا ہوگا۔ اس کا نام خود بخود میری زبان پر جاری ہو گیا۔ حضرت والد مجلس اور تنہائی میں اکثر اس فقیر کی طرف

متوجہ ہو کر لطف و مہربانی فرمایا کرتے تھے مجھے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے اور فرماتے کہ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ ایک ہی دفعہ تمام علوم و معارف تیرے سینے میں ڈال دوں۔ جوش میں آ کر آپ بار بار یہ بات فرماتے۔ بالآخر آپ کی ان باتوں کا اثر ظاہر ہوا اور نہ اس فقیر نے حصول علم میں کچھ اتنی زیادہ محنت نہیں کی۔

انسانی فعل و عمل کی اہمیت

یہ فقیر (شاہ ولی اللہ) بچپن میں ہم عمر رشتے دار بچوں کے ساتھ باغ میں سیر و تفریح کیلئے چلا گیا۔ جب واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اے فلاں آج کے دن تم نے کوئی ایسی چیز حاصل کی ہے۔ جو تیرے لئے سرمایہ اور توشہ بنے۔ ابھی ابھی ہم نے اس مختصر وقت میں اتنی مرتبہ درود پاک پڑھ لیا ہے۔ محض یہ بات سنتے ہی فقیر کے دل سے باغات کی سیر کا شوق جاتا رہا اور پھر ایسا خیال کبھی نہ آیا۔

مرد مومن کی موت

حضرت والد ماجد کو شوال میں ایک ایسے مرض سے سابقہ پڑا کہ زندگی سے آس توڑ بیٹھے۔ انہی دنوں میں اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کو خلوت میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنے دل کو ہمہ وقت حضرت والا کی طرف متوجہ رکھوں اور یہ بھی فرمایا کہ یہ قید تین مہینے کے لئے ہے۔ اس وقت مجھے تین مہینوں کی تخصیص کا نکتہ سمجھ میں نہ آیا۔ جب شفا یاب ہوئے اور غسلِ صحت فرمایا اور تین ماہ بعد مرض پھر لوٹ آیا۔ اور بارہ صفر کو وفات پائی تو اس وقت یہ نکتہ سمجھ میں آیا۔

حضرت والا آخر میں جب صاحبِ فراش ہوئے تو اس فقیر کو فرمایا کہ قلم و دوات لاؤ میں چاہتا ہوں کہ اپنے خاص نکات معرفت تحریر کر دوں، میں نے دو چار مرتبہ قلم و دوات پیش کی مگر آپ نے لکھنے اور املا کرانے کی طاقت نہ رہی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد میرے دل میں حضرت والا کے حالات لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ تحریر کے دوران اکثر حالات میرے دل میں ایسے پختہ ہو جاتے گویا یہ تمام واقعات میرے سامنے ہوئے ہیں اور انہی دنوں چند مرتبہ خواب میں دیکھا گویا میں اپنی تحریریں حضرت والد کو سنار ہا ہوں اور وہ پورے ذوق کے ساتھ سن رہے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ سارے مسودات مکمل طور پر محفوظ ہو گئے۔ میرا غالب گمان ہے کہ آپ جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے اس

میں سے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جو حیطہ تحریر میں نہ آگئی ہو۔

جن کی نظر چڑھا ترار خسار آتشیں

اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک دن صلاح آثار محمد عاشقؑ اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کی دوستی و محبت میرے لئے مسرت و شادمانی کا سبب ہے۔ اس بات کی حقیقت بعد میں کھلی جب محمد عاشق فقیر کے ساتھ ربط بیعت پیدا کر کے نفع مند ہوا اور امید ہے کہ ہماری یہ دوستی بہت سے فوائد کا باعث بنے گی۔ جو شخص بھی حضرت والا کی صحبت میں خلوص نیت سے آتا تھا اس میں عجیب اثرات نمودار ہوتے تھے۔

محمد قلی سپاہیانہ روایتی، بے توجہی کے باوجود حضرت کی باتیں بیان کرتے وقت اس قدر مغلوب ہو جاتا کہ یہ ہوش ہو کر گر پڑتا تھا اور جب کبھی زیادہ مغلوب الحال ہو جاتا تو اس کا اثر سواری کے جانور گھوڑے پر بھی پڑتا۔ چنانچہ گھوڑا اگر پڑتا اور اس کی زین ادھر ادھر بکھر جاتی۔

ز ملک تا ملکوش حجاب بردارند

محمد فاضل کی دختر شریفہ خاتون کم سنی کے باوجود حضرت والا کی نورانیت کا عکس قبول کر چکی تھی۔ بہت سے امور اس پر بھی منکشف ہو جاتے تھے۔ ایک رات حضرت والد محمد فاضل کے گھر جارہے تھے کہ راستے میں آپ کے ہاتھ سے تسبیح گر پڑی شریفہ نے کہا میں دیکھ رہی ہوں کہ تسبیح فلاں جگہ گری ہے۔ شمع لے جا کر دیکھا تو تسبیح وہیں پڑی تھی۔

اپنے گھر میں ایک دن شریفہ کہنے لگی کہ حضرت والا ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں اور فلاں طعام کی خواہش رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ طعام تیار کیا گیا اور حضرت والا سے دریافت کیا گیا تو آپ نے شریفہ کی باتوں کی تصدیق فرمائی۔

ایک دفعہ شریفہ اپنے گھر میں تھی۔ حضرت والا بھی وہیں تھے کہنے لگے فتح محمد ہمارے گھر کا ارادہ کر رہا ہے۔ پھر کہا اب راستہ میں کھڑا کسی سے بات کر رہا ہے۔ وہ خود دھوپ میں اور دوسرا آدمی سائے میں کھڑا ہے۔ پھر کہنے لگی۔ اب اس نے تین نارنگیاں خریدی ہیں دو اپنے دونوں بیٹوں کے لئے اور ایک حضرت والا کے لئے، پھر کہا اب اس کی نیت بدل چکی ہے۔ دو حضرت والا کے لئے اور ایک دونوں بیٹوں کے لئے نامزد کر دی ہیں۔ پھر کہنے لگی اب وہ دروازے پر کھڑا

ہے۔ فتح محمد کے پہنچنے پر شریفہ کی ساری باتوں کی تصدیق ہو گئی۔

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شریفہ سے عجیب و غریب قصے سن رکھے ہیں۔ کہنے لگی ایک دفعہ میں نے حضرت والا سے گزارش کی کہ میں آپ کا دل دیکھنا چاہتی ہوں۔ فرمایا میرے سامنے بیٹھ کر میری طرف توجہ کرو۔ جب میں متوجہ ہوئی تو میں اپنے آپ سے بے خبر ہو گئی۔ اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ گویا حضرت والا کے حلق میں چلی گئی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت والا کا دل ایک آئینے کی مثل ہے۔ جو طول میں ایک ہاتھ اور عرض میں ایک بالشت ہے۔ اس آئینے میں اسم ذات ایسے رنگ میں ظاہر ہوا۔ جو چراغ کے شعلوں کا عکس آئینے پر پڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ روحانی امور سے شغف کی وجہ سے میں اس شعلے کو منہ میں لے کر نکل گئی۔ اسی وقت حضرت والا بیقرار ہو گئے۔ غش پڑ گیا اور بیہوش ہو گئے۔ جب افاتہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب تو نے میرے لطیفہ دل کو اپنے حلق کے اندر لیا تو میں کمزور ہو گا۔

مقام صبر

شیخ فقیر اللہ نے بتایا کہ حضرت والا کی والدہ جب فوت ہوئیں تو آپ نے بے حد غمگینی کے باوجود اظہار غم اور رونے دھونے سے اپنے آپ کو باز رکھا۔ اسی دوران ایک رات سوئے ہوئے تھے اور میں ان کے پاؤں داب رہا تھا۔ اس وقت میں نے ظاہری آنکھوں سے ایک ایسا نور دیکھا جسے محسوس کیا جاسکتا تھا جو ظاہر ہوا اور حضرت کے جسم کا احاطہ کر لیا۔ خاص طور پر ان کے سینے، چہرے اور منہ کو گھیر لیا۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو میں نے یہ واقعہ عرض کیا فرمایا یہ میرے صبر کا پھل تھا۔

خلیفہ فتح محمد حضرت والا کے قدیمی دوستوں میں سے تھا۔ جب آپ کسی کتاب سے کوئی مسئلہ نکالنا چاہتے اور مقام و صفحہ معلوم نہیں ہوتا تھا تو وہ کتاب ان کے ہاتھ میں تھا دیکھتے۔ معمولی غور کے بعد وہ کتاب کھولتے تو مطلوبہ جگہ ایک صفحہ آگے یا پیچھے نکل آتی تھی۔

مردان راہ خدا کا جمال باطنی

محمد غوث پھلپٹی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت والا حجرے میں اکیلے سو رہے تھے کہ میں ان کی زیارت کے لئے آیا۔ بعض عقیدت مندوں نے مجھے روکا کہ آپ آرام میں ہیں۔ حجرے

میں مت جاؤ۔ میں دروازے پر ٹھہر گیا۔ اسی اثنا میں حجرے سے رونے کی آواز میرے کان میں پہنچی۔ میں گھبرا کر بغیر اجازت حجرے میں چلا گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی بعض مغیبات مجھ پر منکشف ہوئیں مثلاً یہ کہ فرہاد خاں حسین پوری حضرت والا کی زیارت کو آ رہا ہے۔ جب حضرت والا کے قریب پہنچا تو آپ نے اپنے پاؤں میری طرف بڑھا دیے اور میں پاؤں دابنے میں مشغول ہو گیا۔ اسی حالت میں میرے دل میں خیال آیا کہ کہا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ کی ایک باطنی شکل و صورت ہوتی ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رہتی ہے۔ وہ باطنی جمال کیسا ہوگا؟ جب آنکھ اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ حضرت والا کے مبارک چہرہ سے ایک حجاب آہستہ آہستہ اٹھ رہا ہے۔ گویا بادل کا کٹڑا چاند سے جدا ہو رہا ہے جب تھوڑی سی جگہ پر وہ اٹھ گیا تو ایسی شعاعیں چمکیں کہ میں قریب قریب بیہوش ہو گیا۔ تب حضرت والا اٹھے اور وضو فرمایا۔ میں بھی آگے جا بیٹھتا کہ یہ قصہ عرض کروں، اشارے سے فرمایا کہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، کچھ دیر بعد فرہاد خاں نے بھی آکر شرف قدم بوسی حاصل کی۔

تاثیر شراب وحدت

حضرت والا ماجد جب جب بھی چاہتے تھے اور جس میں بھی چاہتے ایسی تاثیر پیدا کر دیتے کہ اسے اپنی شدہ بدھ نہیں رہتی تھی اور ایسے قصے اعداد و شمار سے زیادہ ہیں۔ بعض اوقات تو آپ کی توجہ سے جماعتوں کی جماعتیں بیہوش ہو گئیں اور بعض اوقات آپ کی توجہ سے لوگوں پر اس قدر بیہوش طاری ہو جاتی تھی کہ ان کے انتقال کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا۔

آخر میں آپ نے اس قسم کی توجہ سے ہاتھ روک لیا تھا اور اسے ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دن قصبہ پر تاب پور میں مستورات نے جمع ہو کر اس قسم کی تاثیر چاہی۔ آپ نے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کی والدہ کو ان مستورات پر توجہ کا حکم دیا اور یہ حکم دیتے وقت ایسی تاثیر پیدا کر دی کہ اسی دن والدہ نے جس کو بھی چاہا عالم بے خودی میں بھی پہنچا دیا، کم و بیش بیس عورتوں پر والدہ نے توجہ ڈالی۔ واللہ اعلم۔

دلوں کے بھید بتانے اور نادیدہ امور منکشف کرنے کے سلسلے میں، حضرت والد ماجد کے اس قسم کے واقعات بیشمار ہیں۔ ان کے معتقدین اور مخلصین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اسی قبیل کی پانچ

چھ کرامات اپنے مشاہدے کی روشنی میں بیان نہ کرتا ہو۔ فقیر (شاہ ولی اللہ) کی غرض حضرت وال
کے سلسلے میں صرف اپنی سنی ہوئی روایات محفوظ کرنا ہے۔
ع سفینہ چاہے اس بحر بیکراں کے واسطے

www.KitaboSunnat.com

حضرت والد ماجدؒ کے ملفوظات

صوفیاء اور رویت باری

فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار مشاہیر میں سے ایک بزرگ کی زیارت کو گیا تو وہ کہنے لگے۔ عرصے سے دو باتوں کی الجھن میرے دل میں پائی جاتی ہے اور اطمینان حاصل نہیں ہو رہا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ جو علماء کہتے ہیں کہ اس دنیا میں حق سبحانہ و تعالیٰ کا ظاہری آنکھوں سے دیکھنا محال ہے۔ حالانکہ ہم اللہ تعالیٰ کو چشم ظاہر دیکھتے ہیں۔ علماء کے قول کے مطابق کھلی حقیقت کا انکار نہیں کرنا چاہئے اور متقدمین صوفیاء بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں۔

دیدہ را فائدہ آنت کہ دلبر بند

ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را

(آنکھوں سے تو یہی فائدہ ہے کہ محبوب کو دیکھیں اور اگر نہ دیکھ سکیں تو پھر بینائی سے کیا

حاصل؟)

میں نے کہا اس شعر کے کہنے والے نے نہ جانے جمال حقیقی مراد لیا ہے یا مجازی، پہلی صورت میں تاویل کا دروازہ کھلا ہے۔ البتہ یہ جو چشم ظاہر آپ نے اپنے دیکھنے کا ذکر کیا ہے تو یہ بصیرت اور بصر کے اشتباہ کی وجہ سے ہے۔ آپ اپنی آنکھیں میچ لیں۔ انھوں نے آنکھیں بند کر لیں تو میں نے کہا۔ کیا اب بھی بند کرنے کی کیفیت کا ادراک باقی ہے۔ کہنے لگے ہاں باقی ہے۔ میں نے کہا۔ یہی تو اشتباہ کی علامت ہے۔

اس بزرگ نے کہا۔ دوسری الجھن یہ ہے کہ یہ جو نقشہ بندی کہتے ہیں کہ ہم جب سالک پر توجہ ڈالتے ہیں تو پہلی ہی صحبت میں بے خودی اور اپنے آپ سے کھوجانے کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ یہ بات سچ ہے یا نہیں اور آپ نے ایسی کیفیت اپنی آنکھوں سے بھی دیکھی ہے؟ میں نے کہا ہاں یہ حقیقت ہے اور ایسی بہت سی باتیں میں نے دیکھی ہیں بلکہ ایسی تاثیرات تو مجھ سے بھی کثرت سے وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ کہنے لگے تم نے سچ کہا ہے مگر میری تسلی نہیں ہوتی۔ میں نے

اسی وقت ان کے عزیزوں میں سے ایک پر جو میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا نگاہ اٹھا کر توجہ ڈالی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ وہ پریشان ہوئے کہ اس پر مرگی یا غشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ میں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ میری تاثیر کے سبب بخود ہوا ہے۔ جب وہ آدمی ہوش میں آیا تو اس سے سوال کیا گیا کہ کس وجہ سے بیہوش تھے؟ کہنے لگا میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ محض ان حضرت کی توجہ سے ان میں سے ایک نور نکل کر مجھ میں جذب ہو گیا اور میرا ہوش چاٹا رہا۔ یہ سن کر وہ بزرگ کہنے لگے کہ میں یقیناً تو حاصل ہوا ہے۔ مگر ابھی حق یقین نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ چونکہ آپ صاحب ارشاد بزرگ ہیں۔ آپ کو بخوبی علم ہے کہ ہر سلسلہ طریقت میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ کی یہ تاثیر بغیر ارتباط آپ کو سمجھنا قرین مصلحت نہیں۔

کاتب الخروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ مکہ معظمہ میں مسجد الحرام کے اندر میں شیخ آدم بنوری قدس سرہ کے ایک بزرگ خلیفہ کی روحانی مجلس سے محفوظ ہوا۔ جو اس دنیا میں ظاہری آنکھوں سے حق سبحانہ و تعالیٰ کی رویت کے قائل تھے۔ میں نے ایک موقع پر رویت باری سے متعلق انہیں اپنے نظریے سے آگاہ کیا تو انہوں نے اعتراض کیا کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ جہت اور مکان کی قید سے منزہ اور ماوراء ہے تو پھر ہر دیکھنے والے کی آنکھ کی پلکیں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اور دیکھنے والے کی آنکھ کے ذیل کے درمیان ہرگز روک اور حجاب نہیں بن سکتیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ آنکھیں جھپکنے کے باوجود بقائے مشاہدہ ہر لحظہ قائم رہتا ہے اور بصر و بصیرت میں کوئی فرق و امتیاز نہ بت نہیں کیا جاسکتا میں نے کہا۔ حقیقت رویت (کھلی آنکھوں سے دیکھنا) عامی مفہوم یا عرف عام میں ایک کامل و اشکاف اور کھلی حقیقت کے دیکھنے کو کہتے ہیں جو آنکھ پٹنی اور چکا چوند میں نہیں بلکہ ہمیشہ آنکھیں کھولنے کے بعد کے نظارے کو کہا جاتا ہے۔ ملا جلال نے رویت معاد یہ کی بحث میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ انکشاف جو آنکھیں بند کرنے کے دوران اور کھولنے کے بعد یکساں محسوس ہوا اسے رویت نہیں کہہ سکتے۔ واللہ اعلم

حصول رزق میں نیت کے ثمرات

فرمایا کہ میرے ایک ہم سبق نے مجھ سے سوال کیا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو بھی اپنے بندوں کے وسیلے سے روزی پہنچاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ ہی کی طرف کسی ذیلے بہانے

سے دیتا ہے۔ ہم سب کا اس بات پر ایمان ہے کہ رزاق حقیقی خداوند تعالیٰ ہے۔ لیکن آپ کے اور عام لوگوں کے درمیان کیا فرق رہا۔ میں نے کہا کہ تم حصول رزق کے لئے مخلوق کی طرف توجہ رکھتے ہو، لالچ میں ان کے آگے بچھے جاتے ہو۔ مگر ہم رزاق حقیقی کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ اسی سے طلب کرتے اور جو کچھ آتا ہے اسی کی عطا سمجھتے ہیں۔ کہنے لگا۔ ابھی فرق واضح نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تصرف سے کام لیا۔ یا بغیر کسی تصرف کے خداوند تعالیٰ نے یہ لطیفہ ظاہر فرمایا کہ اس کے دل میں یہ بات آئی کہ کچھ رقم مجھے نذرانہ پیش کرے۔ اس کی خواہش لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ بے اختیار ہو گیا۔ ادھر میں نے نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

وہ کافی دیر دھوپ میں کھڑا ہو کر گڑ گڑاتا اور عاجزی کرتا رہا اور کہنے لگا کہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ نذرانہ قبول کرنے میں میری بھلائی اور ٹھکرا دینے میں میری بد بختی ہے۔ میں نے نذرانے کی قبولیت کے لئے کچھ مشکل شرائط پیش کیں تو وہ بھی اس نے ہنسی خوشی پوری کیں۔ اس کے بعد میں نے اسے کہا کہ یہ نذرانہ میرے چوکھٹ پر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے ایک بھکارن گزر رہی تھی۔ میں نے اشارہ کیا کہ یہ اٹھالو۔ پھر میں نے اسے کہا کہ اب کچھ معلوم ہوا کہ امیروں سے تیرے حاصل کرنے اور میرے لینے میں کیا فرق ہے؟ کہنے لگا ہاں! اب یہ مسئلہ پوری طرح واضح ہو چکا ہے۔

راز درون پردہ زردان مست پرس

فرمایا شہ۔۔۔، و مشائخ کے اجتماع میں ایک آدمی نے کہا کہ یہ جو خواجہ حافظؒ نے فرمایا ہے۔ امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست (اے محبوب ازل! تیرا جلوہ حسن تو آج بھی ہم پر بے نقاب ہے۔ میں حیران ہوں کہ پھر یہ وعدہ فردا آخر کس لئے ہے؟)

اور عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس دنیا میں حق، جانہ و تعالیٰ کا دیدار ممتنع ہے۔ ان دونوں باتوں میں کیسے مطابقت پیدا کی جائے گی؟ اس مسئلے نے مناظرے کی صورت اختیار کر لی اور بات کافی بڑھ گئی۔ آخر سب نے تھک ہار کر مجھ سے رجوع کیا فریقین کو حاموش کرا کے میں نے کہا کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ محبت ہے اور محبوب نہیں یعنی خود ساختہ حجاب کی آڑ میں

ہے۔ کسی کے ڈالے ہوئے حجاب میں مستور نہیں۔ خواجہ حافظؒ نے تقاضائے شوق کے تحت فرمایا کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ قید حجاب میں نہیں اور ہماری نہ دیکھ سکنے والی کمزوری کے علاوہ اور کوئی چیز مانع بھی نہیں اور ان موانعات کا اٹھانا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر اس دنیا میں جمال جہاں آراء سے کیوں محروم رکھا جا رہا ہے۔ میری اس تشریح کے دونوں نے بغیر کسی تردد کے قبول کر لیا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ مناظرہ اس بات پر تھا کہ صوفیاء کے نزدیک حق سبحانہ و تعالیٰ کے بے پردہ ہونے سے مراد ایسا انکشاف ہے جس سے اوپر کوئی انکشاف نہیں اور اولیاء اللہ کو اس دنیا میں انہی معنوں میں رویت باری حاصل ہوتی ہے۔ البتہ عوام کے لئے ایسا دیدار آخرت پر موقوف ہے۔ علماء اسی معنی سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رویت کے لئے کھلی آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے۔

تاج شاہی فقر کے قدموں پر

حضرت والد ماجد کا ایک مخلص، بادشاہ اورنگ زیب کے مقررین میں سے تھا۔ ایک دن بادشاہ نے مراقبہ کیا اور وہ پنکھا چھلنے لگا۔ اس پر بھی شغل غالب آیا اور وہ بیخود ہو گیا۔ پنکھا اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ قریب تھا کہ بادشاہ کو تکلیف پہنچتی، پنکھا گرنے کی آواز سے بادشاہ مراقبہ سے چونکا اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے بادشاہ کو اپنے بیخود ہونے اور حضرت والا سے اپنی نسبت کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ بادشاہ کے دل میں حضرت والا سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ حضرت والا کو میرے پاس لاؤ۔ اس نے کہا۔ وہ بادشاہوں اور دولت مندوں کے ہاں جانا مناسب نہیں سمجھتے۔ بادشاہ نے حضرت والا کے ایک مخلص شیخ پیر کو بلوایا اور اس کے ہاتھ شوق زیارت اور خواہش ملاقات کے بارے میں کہلا بھیجا۔ آپ نے یہ بات قبول نہ کی۔ شیخ پیر کا اصرار بھی بیسود نکلا۔ جب وہ مایوس ہوئے تو کہا کہ کم از کم ایک خط ہی لکھ دیجئے تاکہ آپ کا نہ جانا میری کوتاہی پر محمول نہ کیا جائے۔ وہاں پر کاغذ کے ایک پھٹے پرانے ٹکڑے میں جوتے لپٹے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ کاغذ لے لیا اور اس پر لکھا کہ اس بات پر اہل اللہ کا اجماع ہے کہ بنس الفقیہ علی باب الامیر۔ (امراء کے دروازوں پر فقراء کا جانا بدتر ہے) اور حق سبحانہ و تعالیٰ فرمایا ہے۔ وما مناع الحیوة الدنیا الا قلیل (دنیا کی زندگی ناپائیدار کا سارا ساز و سامان کچھ بھی تو

نہیں) اس قلیل میں سے بہت ہی تھوڑا سا حصہ آپ کو ملا ہے۔ اگر بغرض محال آپ مجھے کچھ دینا بھی چاہیں تو وہ جزء لا یتجزی ہی ہو سکتا ہے۔ (ایسا ذرہ جسے آگے تقسیم نہ کیا جاسکے) اس معمولی مقدار کے لئے میں اپنا نام خدائے برتر کے دفتر سے آخر کیوں کر کنا دوں۔ مشائخِ چشت کے ملفوظات سے ثابت ہے کہ جو شخص بادشاہ کے دفتر میں اپنا نام لکھا دے۔ حق تعالیٰ کے دفتر سے اس کا نام کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس خط کی روایت معنا ہے۔ الفاظ محفوظ نہیں رہے۔ بہر حال یہ کچھ لکھ کر آپ نے بھجوا دیا۔ اس روایت کے ناقل نے بیان کیا کہ بادشاہ نے اس رقعہ کو اپنی جیب میں محفوظ رکھا۔ جب نیا لباس زیب تن کرتا تو اس کو جیب میں رکھ لیتا۔ یہاں تک کہ سات دفعہ نئے لباس تبدیل کرنے تک یہ خط محفوظ رہا۔ فرصت کے اوقات میں اسے مطالعہ کر کے روتا تھا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس قسم کے ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے کہ آخری دنوں میں بہادر شاہ کے بیٹے عظیم الشان نے طلب دعا اور عجز و انکساری سے بھرپور عریضہ لکھ کر زیارت کی خواہش کی اور کہا کہ اگر آپ خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کے قصد سے تشریف لائیں اور اس بہانے سے ہماری ملاقات بھی ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اعمالکم و انما ینظر الی قلوبکم و نیاتکم میں آپ کی چکنی چیزیں باتوں کے فریب میں نہیں آ سکتا۔

مقبولان بارگاہ ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں

شیخ احمد سرہندی کی اولاد میں سے شیخ نقشبند نامی ایک بزرگ نے ایک دن مجمع میں کہا کہ اس طبقے کے درویش پرانے گھسے پٹے نکات کے سوا معارف جدیدہ کے تازہ بتازہ نکات عرفان سے نااہل ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا ایسا نہیں بلکہ اس طبقے کے بعض لوگ تو خاص طور پر ایسے جدید معارف کا سرمایہ رکھتے ہیں کہ اس میں وہ کسی کے مقلد نظر نہیں آتے وہ کہنے لگے اگر ایسا ہے تو پھر ان میں سے کچھ ہمیں بھی سنا دیجئے تاکہ آپ کی اس بات کی حقیقت ہم پر بھی واضح ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کلموا الناس علی قدر عقولہم۔ حد مقرر ہو چکی ہے اس لئے عام مجلس میں ایسے رموز ظاہر نہیں کرنے چاہئیں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اس مجلس میں اکثریت اہل سلوک کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ معرفت کے بعض باریک نکاتوں کے سلسلے میں بہت سے اہل اللہ بھی عوام کا سا حکم

رکھتے ہیں۔ اس پر بھی جب وہ نہ مانے تو حضرت والا نے فرمایا۔ شیخ بطنائی کا قول ہے کہ نہیایۃ الصدیقین بدایۃ الانبیاء (کمال حدیث نبوت آغاز نبوت ہوتا ہے) اور اکثر اہل استقامت اسی راہ پر گامزن ہیں مگر عرفان کچھ اور تقاضا کرتا ہے۔ جب حضرت والا نے بات یہاں تک پہنچائی تو شیخ نقشبندؒ کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور ان کے چہرے پر ناگواری کے اثرات محسوس ہونے لگے۔ حضرت والا نے اس خیال سے کہ شاید شیخ نقشبندؒ اس دوسرے قول کو پسند کرتے ہیں کہ السو لایۃ الفضل من النبوة (ولایت نبوت پر فوقیت رکھتی ہے) فرمانے لگے کہ میرے نزدیک نہیایۃ الصدیقین ولایۃ الانبیاء والا مقام ایک برزخی حیثیت رکھتا ہے جسے نبی کے سوا کوئی طے نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد جو کچھ وہ بیان کر چکے تھے۔ اسے اس اسلوب سے دوبارہ بیان فرمایا کہ باقی اہل مجلس نے بھی سمجھ کر قبول کیا اور شیخ نقشبندؒ بھی انتہائی مسرور اور محظوظ ہو کر کہنے لگے کہ بایزید بطنائی والی بات تو روشنائی سے لکھی گئی ہے مگر آپ کا یہ نکتہ معرفت آب ذر سے لکھنے کے قابل ہے۔

فاتحہ خلف الامام میں شاہ عبدالرحیمؒ کا مسلک

واضح ہو کہ حضرت والد ماجدؒ اکثر مسائل میں حنفی مذہب کے مطابق عمل کرتے تھے مگر جہاں حنفی مسلک کے مقابلے میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا وجدان کے تحت دوسرے مسلک قابل ترجیح نظر آتے تو انہیں قبول کر لیتے جیسا کہ آپ امام کے پیچھے اور جنازے (۱) میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ ایک دن اس بارے میں شیخ عبدالاحدؒ نے بحث کی اور اپنے بعض اسلاف سے نقل کیا کہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر کوئی جماعت بادشاہ کی بارگاہ میں اپنی ضرورت بیان کرنے کے لئے کھڑی ہو تو تقاضائے ادب یہ ہے کہ سب مل کر اپنا کوئی ایک نمائندہ آئے کریں نہ یہ کہ ہر شخص

(۱) مختلف احادیث سے قرأت اور ترک قرأت کے طرز عمل ثابت ہوتے ہیں۔ دونوں حضرات نے حدیث کو مدار استدلال بنایا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک ایک حدیث اس لئے مدار استدلال ہے۔ وہ صحت کے اعتبار سے قوی تر ہے۔ دوسروں کے نزدیک وہ اس لئے استدلال کے قابل نہیں کہ اس سے معانی متعین کر کے قرآن سے ساتھ تطبیق دی جاسکتی ہو۔ اس لئے وہ ترک قرأت کو ترجیح دیتے ہیں کہ بقول شاہ ولی اللہ امام مالک کا مسلک دونوں کے درمیان تطبیق ہے۔ بعض حضرات کم فہمی کی بناء پر اسلامی عبادات کی اس وسعت اور اہمیت کو خود بخود اختلاف کا نام دے کر مذہب پر دھنڈلہ کرتے ہیں حالانکہ اسلامی نظام کے ایک پہلو کی وسعت اور عمق کی کمی نہ زندہ مثال ہے۔

بولنے لگ جائے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ نماز سے حقیقی غرض تو دعا اور خضوع اور خشوع کے ذریعے اصلاح نفس اور خدائے قدوس سے شرف ہم کلامی حاصل کرنا ہے جیسا کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بام الکتابہ والی حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ تو ایسا سمیع ہے کہ اگر تمام جہان ایک میدان میں کھڑا ہو جائے اور ہر شخص اپنی اپنی بونی میں کچھ کہے تو کسی ایک کی مناجات اللہ تعالیٰ کو دوسرے کی مناجات سننے میں خلل انداز نہیں ہو سکتی۔ بحث کے دوران ہم اس بات پر آگئے کہ بعض اوقات مقتدیوں کی قرأت امام کی قرأت میں خلل پیدا کر سکتی ہے لیکن اس زمانے کا حال تو یہ ہے کہ امام کی زبان پر لفظ الحمد ہوتا ہے اور حقیقت میں صلوٰۃ کے معنی کی طرف اسے کچھ توجہ نہیں ہوتی۔ اس لئے امام کی تشویش سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) اس ضمن میں عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (۱) (جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر خدا کی رحمت ہو) محض جہری نمازوں پر دلالت کرنا ہے اور اس کی تاویلات تفسیروں میں موجود ہیں۔

دائمی حضوری

ایک دن اولیاء اللہ کی دائمی حضوری پر بات چل نکلی۔ شیخ عبدالاحد نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک دائمی حضوری یعنی تعلق مع اللہ کی تعریف یہ ہے کہ ولی جس آن بھی حضوری حق کے لئے اپنے آپ میں توجہ کرے تو بغیر کسی کوشش کے دل میں حضور حق کی یادداشتیں آنا شروع ہو جائیں۔ حضرت والا نے فرمایا۔ یہ تو معمولی کوشش سے میسر آ سکتی ہے۔ میرے نزدیک دوام حضوری کی تعریف یہ ہے کہ وہ ولی سے ان معنوں میں کبھی منقطع نہ ہو، جیسے بصیر (دیکھنے والا) سے بصارت (نظر) کسی لمحے جدا نہیں ہو سکتی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ دائمی حضور ایسے آدمی کے لئے جو ابھی مقام فنا سے نہیں گزرا ایک قسم کا تکلف ہے۔ اور اس شخص کو جو فانی فی اللہ ہو، اپنے زندہ جاوید لفظ وجود یہ کی طرف جو کہ حقیقت عالم وجود ہے۔ ذرا سالتفات کرنے سے بھی حضور حق حاصل ہو جاتا ہے اور

فانی کو مطلق حضور حق جو کہ ایک لحاظ سے نقطہ موجود یہ بھی ہے یا التفات اجمالی ہمیشہ حاصل رہتا ہے۔ جیسا کہ بصر میں بصارت موجود رہتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قوت بصریہ کا یکجا مجتمع و متحد ہونا اور چلیوں کی گردش سے اس کا منتشر ہونا۔ آنکھ ان دونوں امور کی جامع اور نقطہ اتحاد ہے گویا بصارت آنا فانا آتی بھی رہتی ہے اور جاتی بھی رہتی ہے۔ اس تحقیق سے دونوں مسکوں کی حقیقت واضح ہو گئی ہے۔

فیوض باطنی کے باوجود ظاہری توسل سنت مشائخ ہے

شیخ عبدالاحدؒ (۱) ایک دن اپنے کچھ بزرگوں کے تصرفات بیان کر رہے تھے۔ جس سے حاضرین نے سمجھا کہ اس قسم کے تصرفات صرف انہی کے بزرگوں کا خاصہ تھے، حضرت والا نے قریب بیٹھے ہوئے دوستوں کو اشارہ کیا کہ فلاں فلاں قصہ بیان کرو۔ انھوں نے حضرت والا کے جو تصرفات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے، بیان کئے اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ کا سماں باندھ دیا۔ اس سے لوگوں کا شک مٹ گیا اور کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

شیخ فقیر اللہ جن کا لقب زین العابدینؒ تھا۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے پوتوں اور خولہ کلاں بن خولہ محمد باقی باللہؒ کے نواسوں میں سے تھے۔ اپنے خاندان کے بزرگوں سے کافی فیوض و برکات حاصل کرنے کے بعد دہلی میں آ گئے تو وہاں ایک مدت تک حضرت خولہ محمد باقی باللہؒ کے مزار فائض الانوار پر بیٹھ کر فیض حاصل کرتے رہے۔ ایک دن ان کے دل میں آیا کہ یہ نسبت اویسیہ جو حضرت خولہؒ کی روح مبارک سے حاصل ہو رہی ہے جب تک ظاہری استفادے کی شکل اختیار نہیں کرے گی مضبوط نہیں ہوگی۔ اس خیال کے آتے ہی حضرت خولہؒ کی طرف متوجہ ہو کر انھوں نے استعارہ کیا کہ وہ ظاہری طور پر کس بزرگ سے اپنا ربط پیدا کریں؟ حضرت خولہؒ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ اگر ہماری نسبت خاص کے طالب ہوا تو حضرت والا (شاہ عبدالرحیمؒ) کی صحبت میں جاؤ اور ان سے استفادہ کرو۔ شیخ زادے فوراً حضرت والا کی خدمت میں پہنچے اور آپ کی خدمت ہی میں ان پر حضرت خولہؒ کا لطف و کرم ظہور پذیر ہوا اور عجیب و غریب فیوض جلوہ گر ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے ان حالات و کیفیات کا اظہار اپنے ایک خط میں کیا ہے جو یہ ہے۔

(۱) شیخ عبدالاحد المعروف شاہ کل متخلص و حدت حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے اور صاحب علم بزرگ تھے۔

مکتوب شیخ فقیر اللہؒ

”حقیر ترین خلق زین العابدین، فیاض زمان، قبلہ مہربان کی خدمت میں سلام و تحیہ عرض کرتا ہے۔“

حقیقت حال یہ ہے کہ آپ کی صحبت سرمایہ سعادت کا اشتیاق اس قدر ہے کہ قلم سرخ زبان اسے بیان نہیں کر سکتی۔ دیوانگی اور بے تابی سے اکثر دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کچھ بھی ہو وہاں جا کر آستان بوی کا شرف حاصل کروں مگر کیا کیجئے کہ جسمانی کمزوریاں اور زوراء میسر نہ ہونے ایسی بشری کمزوریاں، منزل مقصود کیلئے سد راہ ہیں۔ آپ کے جمال مظہر کمال کی خاطر شب و روز دیوانگی میں خداوند قدوس سے سوال کرتا ہوں کہ جلد اور خیر و خوبی سے میسر آئے، انہ قریب مجیب، خدا کا شکر و احسان ہے کہ باوجود اس ظاہری دوری کے یہ ناکارہ آں موصوف کے فیوض و برکات سے لبریز ہے اور اپنے شب و روز دلی اطمینان کے ساتھ گزار رہا ہے۔ مصیبتیں اور سختیاں، جتنی شدت کے ساتھ حملہ آور ہوتی ہیں اسی قدر ترقی کی راہیں، کثرت کے ساتھ کھلتی ہیں۔ محبوب کی ایذا رسانی جو اپنے اندر کچھ مصلحتیں اور مقاصد رکھتی ہے۔ اہل محبت کی نظر میں خوب اور پسندیدہ ہے بلکہ انہیں تو نعمتوں سے بھی زیادہ لذت اسی میں ملتی ہے۔

ہجرے کہ بود مرا و محبوب

از وصل ہزار بار خوشتر

(عاشق کی دوری جسے محبوب زیادہ تر پسند کرتے ہیں، حقیقت میں عشاق کے لئے وصل یار سے بھی ہزاروں مرتبہ اچھی ہے)

پہلے بھی یہ حقیقت فقیر پر روشن تھی، مگر آپ کی صحبت کثیر البرکت کی تاثیر سے یہ دولت تمام و کمال حاصل ہوئی ہے اور اسی طرح دنیا اور اہل دنیا کی بے اعتباری، گھٹیا پن اور ان دونوں سے بے رغبتی بھی ان دنوں زیادہ ہو چکی ہے۔ دنیوی ترقی کی باتوں سے بھی دل کی خوشی نہیں ملتی۔ فقیرانہ وضع، دنیا اور اہل دنیا سے بے تعلقی

اور فقر کی بدولت پیدا ہونے والی بے سروسامانی خوب پسندیدہ و مستحسن نظر آتی ہے۔ جب کہ زوال دولت، اہل دولت کے لئے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ احقر کو بھی دنیوی وضع قطع کے زوال کا احساس قیام دہلی کے دنوں قدرے باقی تھا مگر آپ کی صحبت بابرکت سے فیوض و برکات کا جو اکتساب کرتا رہا وہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ ان دنوں آپ سے نسبت ربط نے بے اختیار مغلوب کیا ہوا ہے۔ اکثر و بیشتر آپ کی شکل مبارک سامنے رہتی ہے۔ جسے دیکھ کر یہ ادنیٰ خادم بے خود اور بیقرار ہو جاتا ہے۔ آستان بوسی کا شوق دیوانگی اس حد تک جا پہنچا ہے کہ نہ نیند میں چین اور نہ بیداری میں آرام ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تک کیسے پہنچوں، سخت گرمی اور بارش کے سبب گھر سے نکلنے کی جرأت نہیں پڑتی۔ ایسے موسم میں احقر کا اس طرف آنا باعث ہلاکت ہو سکتا ہے اور دوسری ظاہری رکاوٹیں بھی مانع ہیں۔ برسات گزرنے کے بعد اگر کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی تو امید ہے کہ آستان بوسی کر کے اپنی استعداد کے مطابق فیضیاب ہوں گا۔ اگر آپ کی باطنی عنایات جو فوری طور پر پہنچ کر تسلی کرادیتی ہیں۔ میسر نہ ہوتیں تو قریب تھا کہ درد عشق کی شدت بے جان ڈھانچہ بنا کر رکھ دیتی ہے مگر چونکہ آپ کا فرمان تھا کہ ہم غائبانہ بھی تمہارے دل پر متوجہ رہیں گے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ غائبانہ توجہ سے تمہیں فیوض و برکات حاصل ہوں گی۔ اس فرمان سے ذرا دلی سکون حاصل ہے مگر ساتھ ساتھ شرف صحبت کا ذوق و شوق بھی ہے۔ امید رکھتا ہوں کہ توجہ غائبانہ کی کرامت سے حصول پابوسی کا شرف بھی عنایت فرمائیں گے۔ ہفتہ میں آپ نے توجہ کے لئے جو جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا۔ اس پر پھر کا دن بھی بڑھادیجئے تاکہ آپ احقر کے حال پر ہفتے میں دو دن توجہ فرمائیں کیونکہ اس توجہ کے باعث پہلی ریاضات و مجاہدات کے مقابلے میں زیادہ کشائش اور روحانی ترقی حاصل ہوتی ہے۔ امید ہے کہ یہ التجا قبول فرمائیں گے۔ جمعرات کے دن نماز عصر کے بعد فرمان عالی کے مطابق آنجناب کی طرف متوجہ رہتا ہوں۔ ان لمحات میں بعض اوقات تو عجیب و غریب کیفیات نمودار ہوتی

ہیں۔ بالخصوص پندرہ صفر کو حسب دستور آپ کی روحانیت کی طرف متوجہ تھا۔
 کہ جذبہ روحانی کی نسبت شعاعوں کی شکل میں جلوہ گر ہوئی، قریب تھا کہ
 نسبت باطنی کے غلبے کی وجہ سے مدہوش اور بے خود ہو کر زمین پر گرنا کہ اسی درمیان
 میں نماز مغرب کی اذان ہوئی اور شغل نماز کی وجہ سے یہ کیفیت قدرے ہلکی ہو گئی۔
 اسی طرح اکثر اوقات توجہ باطنی کے دوران مغلوب النسبت ہو جاتا ہوں۔ پہلے کبھی
 کبھار یہ کیفیت ہوتی تھی۔ اب مستقل اور متواتر ہو گئی ہے۔ طبیعت گوش نشینی کو پسند
 کرتی ہے۔ علمی مشاغل اور تلاش روزگار کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو۔ طبیعت ان
 سے متغیر ہو چکی ہے۔ دوسطریں پڑھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ رخصت کرتے وقت
 آپ کی زبان گوہر افشاں سے نکلا تھا کہ تمہیں اصل نسبت حاصل ہو چکی ہے۔
 مدامت اور پابندی کرنے سے یہ روز بروز زیادہ ہوگی اور اس کے اثرات ظہور پذیر
 ہوں گے جی تو یہ ہے کہ آپ کا فرمان پورا ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ دن بدن نسبت مضبوط
 ہو رہی ہے اور اس کے آثار خاصیت جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کے
 لطف و کرم کا ثمرہ جانتا ہوں

من آں خاتم کہ ابر نو بہاری کند از لطف برمن قطرہ باری
 اگر بر روید از تن صد زبانم چوں سوسن لطف شکر کے توانم
 (میں وہ ناچیز مٹی ہوں کہ ابر نو بہار اپنے لطف و کرم سے مجھ پر رحمت کا مینہ برسا
 رہا ہے۔ اس لئے میرے بدن سے اگر سوز بانیں بھی پھوٹیں تو گل سوسن کی طرح
 اس کے لطف و کرم کا شکر ادا نہیں کر سکتیں)۔

میرے ساتھ نشست و برخاست رکھنے والے بعض احباب میری اس نسبت کی
 خبر اور کیفیت بتا دیا کرتے ہیں اور بعض تو خود مغلوب الحال ہو کر اپنے اندر ایک
 عظیم کیفیت مشاہدہ کرتے ہیں۔ برخوردار درویش احمد تو ان دنوں اس نسبت سے
 بھرپور ہے مگر تمنا یہ ہے کہ اس بے خودی اور مغلوب الحالی کی کیفیت تمام یاران
 طریقت میں نمودار پذیر ہو۔ جو ابھی تک دیکھنے میں نہیں آ رہی، البتہ آپ کی عنایات

سے امید رکھتا ہوں کہ فقیر کے حسبِ منشاء بھی ہو جائے گا۔ علمِ باطنی کی ترقی کے سلسلے میں احقر امید رکھتا ہے کہ توجہ مبذول فرمائیں گے کیونکہ بعض ضروری امور اسی کے حصول پر موقوف ہیں۔ احقر اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جمیع امورِ باطنی کی عقدہ کشائی آپ ہی کی توجہ پر منحصر ہے۔

سالہا در طلبِ روئے نکو در بدرم روئے بنما و خلاصم کن ازیں در بدری
(مدتوں سے رخِ انور کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں ذرا سی جھٹک دکھا کر مجھے اس کوچہ گردی سے نجات دلا)

ان پر اللہ کی سلامتی ہو جو سیدھی راہ چلتے ہیں۔

ایک اور خط میں حضرت والد ماجد کو لکھا کہ:-

”قبلہ گا! فیوض و برکات آپ کی زیرِ نگرانی مکمل کئے ہوئے چلے میں حاصل ہوئیں۔ ان کی تفصیل کسی بیان میں نہیں سہا سکتی۔ مختصراً یہ کہ بہت سی ایسی فتوحاتِ باطنی میں جن کا اہل نہیں تھا۔ آپ کی توجہِ عالی کی برکت سے حاصل ہوئیں اور نفس کے پلید و وسوسوں سے نجات پا کر نسبتِ روحانی کے مختلف مقامات پر فائز ہوا۔
گر برتنِ من زبان شود ہر مو یک شکر تو از ہزار نواہم گفت
(میرے وجود کا ہر بال اگر زبان بن جائے تو تیرے ہزاروں احسانات میں سے ایک کا بھی شکر ادا نہ کر سکوں)

دوسرے یہ کہ اب تک احقر آپ کے فرمانِ ہو جب آغازِ قلب کے خوف سے نکلنے والے نور کے مطالعہ و مشاہدہ میں مستغرق ہے۔ اس مشاہدہ و مطالعہ میں عجیب و غریب امور ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں جیسے بخود، حضوری، ربودگی اور بعض امور کوئی کا کشف اور اس مطالعہ و مشاہدہ کی مشق کے لئے جن مریدین کو اجازت دی تھی۔ ان کے بقول انوار و تجلیات بھی اس مشاہدہ میں میسر آتے رہتے ہیں۔ اگر حکم ہو تو یہ مطالعہ ہمیشہ جاری رکھا جائے یا پھر کوئی اور چیز مناسب حال ارشاد فرمائی جائے تاکہ اسے معمول بنالیا جائے۔ قبلہ گا! عجیب معاملہ ہے جب آپ کا اشتیاق

غالب ہوتا ہے تو گویا آپ کی طرف سے ایک کھڑکی کھل جاتی ہے اور آں موصوف کے فیوض باطنی اور برکات روحانی اس ادنیٰ خادم درگاہ پر موسلا دھار مینہ کی طرح برتی رہتی ہیں۔ جس قدر شوق تیز ہوتا ہے اسی قدر یہ برسات شدت اختیار کرتی ہے۔ احقر کو یقین کامل ہے کہ میری تمام باطنی فتوحات آپ کی توجہ کی محتاج ہیں، جناب والا کی ایک توجہ سو سالہ عبادت اور چلوں سے بہتر ہے۔

اگر از جانب معشوق نباشد کشے
کوشش عاشق بے چارہ بہ جائے نہ رسد

(اگر حصول وصل میں محبوب کی کشش اور عنایت شامل حال نہ ہو، تو عاشق مسکین کبھی منزل مقصود تک نہ پہنچ پائے گا)

نسبت آگاہی کے متعلق شاہ عبدالرحیمؒ کی تشریح

حضرت والد ماجد کے جوابی مکتوب میں مندرج تھا: کہ ذات الہی میں گم ہونے اور عرفان و آگاہی میں پوری توجہ صرف کرنے سے قوت مشاہدہ اور حضوری حق میں دوا می کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ اس کیفیت سے متاثر ہوتے ہیں اور کچھ متاثر نہیں ہوتے۔ میرے مشفق! جب یہ نسبت دوا می کیفیت حاصل کر لے تو کیفیت اور کیمیت کے لحاظ سے لحظہ بہ لحظہ ترقی کرتی رہتی ہے اور تمام ہستی موبہوم پس پردہ چلی جاتی ہے۔ طالب کو وجود حقیقی عطا ہوتا ہے اور عالم شہود میں وجود امکانی کے آثار کلی طور پر مت جاتے ہیں اور وجود حقانی کے انوار و آثار ظہور پذیر ہوتے ہیں اور سالک قرب نوافل کے مقام سے گزر کر قرب فرائض کے مقام میں جا پہنچتا ہے نوع انسانی تو کیا جانور بھی اس نسبت سے متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ محمدؐ قلی نامی فقیر کا ایک مخلص جس وقت بھی جذبہ آگاہی کی نسبت سے متاثر ہوتا تھا تو اس کا گھوڑا چلنے سے رک جاتا تھا، جب وہ اس نسبت سے مغلوب ہو جاتا تھا تو گھوڑا زمین پر گر جاتا تھا، جب اس سے بھی زیادہ مغلوب الحال ہوتا تو گھوڑے پر بھی بیخودی طاری ہو جاتی، بعض اوقات کچھ حیوانات نے اس فقیر کی نسبت سے بھی

متاثر ہو کر دانی پانی سے تین تین دن تک منہ پھیر لیا ہے، بلکہ بعض تو اس روحانی نشے کی تاب نہ لا کر مر بھی گئے۔ بزرگان طریقت کے ایسے قصے اور بیانات کے متاثر ہونے کی باتیں حد تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں اور ایسے مشاہدات کثرت سے واقع ہوئے ہیں مگر بعض اکابر سے آثار تصرف کا ظہور اس وقت ہوتا جب وہ معمور ہوتے تھے۔ بعض فقر مغلوب النسبت ہو کر ایسے آثار دکھاتے تھے اور بعض کا لہین ایسے بھی ہو گزرے ہیں جو جب چاہتے یہ تصرفات دکھا سکتے تھے، یہ عجیب بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ جوانی کے دنوں میں بعض احباب توجہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کا جسم ہوا میں اڑا اور پھر زمین پر لوٹا۔ متوقع ہوں کہ کچھ عرصہ اس نسبت کو دوام بخشنے کے سلسلے میں مجاہدات اور کوشش کریں گے تاکہ آپ کو اس میں دوام اور پختگی حاصل ہو اور آپ کے تمام احباب طریقت پر بھی اس کا اثر ظاہر ہو۔

جوانی مکتوب میں یہ بھی لکھا تھا کہ:-

سوموار کے دن بھی میری طرف توجہ ہوا کرو۔ میرے مخدوم و مشفق ایہ خط لکھ کر جمعرات کے دن بعد نماز عصر آں عزیز کی طرف توجہ ڈالی جائے گی انشاء اللہ آپ پر اس کے نیک اثرات کا ظہور ہوگا۔ نیز امید کرتا ہوں کہ آپ درس و تدریس اور کتابوں کے مطالعے کو سر دست موقوف رکھیں گے اور بہترین لمحات توجہ کامل کے ساتھ ہمیشہ نسبت مذکورہ حاصل کرنے میں صرف کریں گے۔

حرف کو کاغذی سیاہ کند دل کہ تیرہ است کے چوماہ کند
(جو حرف اچھے بھلے کاغذوں کو سیاہ کر دیتے ہیں وہ تاریک دل کو کیوں کر روشن چاند کا ہمسر بنا سکیں گے)

حروف اور ان کے لہجوں کو دل میں مت لاؤ بلکہ جاگتے سوتے حصول نسبت پر دھیان رکھو حق تو یہ ہے کہ خیند میں بیداری سے بھی زیادہ نسبت حاصل ہوتی ہے، مطالعہ نسبت کے مقابلہ میں ذکر جہری کا وہی مقام ہے جو ذکر قلبی سے دور رکھنے میں وسوسے کو حاصل ہے۔ اس لئے اس نسبت کے حصول میں حضوری پیدا کرنے کے

لئے ذکر ظاہری سے باز رہنا طریقت کے واجبات اور فرائض میں سے ہے، کیونکہ یہ نسبت یعنی نسبت آگاہی حقیقت ذکر کی حیثیت رکھتی ہے اور جہاں حقیقت حاصل ہو وہاں الفاظ و اقوال کے تخیل کا کیا دخل؟

میرے مشفق! یہ فقیر جب بھی پیشوائے عارفان حضرت خواجہ خورشید قدس سرہ کی خدمت میں جاتا تھا۔ یہی نصیحت فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو درس و تدریس، غیر ضروری کہانیوں اور کتابوں کے مطالعے سے دور رکھو اور اپنی تمام تر توجہ اس نسبت پر مبذول رکھو جو تمام برگزیدہ بندوں کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہم درس و تدریس اور کتابوں کے اسیر رہے، اس نسبت کے عجیب و غریب آثار ہم پر ظاہر نہ ہو سکے مگر جو نئی ان چیزوں سے ہاتھ اٹھایا جو چاہا وہی پایا اگر اپنے پیش رو بزرگوں کی توجہات اور تصرفات کے قہے لکھوں تو ان کے لئے دفتر چاہئیں۔

میرے مشفق! اس طریقے کے اکثر اکابر نسبت آگاہی اور مشاہدے کو اس لحاظ سے کہ مشاہدہ کرنے والے یا حق آگاہ کا وجود درمیان سے اٹھ جاتا ہے تجلی ذاتی گمان کرتے ہیں، اے کاش: اے کاش: کہ تجلی ذاتی ہم سے ابھی کو سوں دور ہے کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

كيف الوصول الى سعاد ودونها

قلل الجبال ودونها حنوف

سے

منزل عشقت مکان دیگر است

مرد این رہرو نشان دیگر است

(تیرے عشق کی منزل کا مکان ہی اور ہے راہ عشق کے رہروؤں کی علامات ہی)

(دوسری ہیں)

ہاں ہاں نسبت آگاہی تجلی ذات کا آئینہ ہے اور یہ نسبت سطوت محبت اور غلبہ

شوق کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے اور اس نسبت کا تعین صرف وہی علم کر سکتا ہے جو سالک کو باریک اور نازک تر مقامات تک پہنچا سکے۔

معشوق چوں نقاب ز رخ برنی کشد

ہر کسے حکایتے بھور چرا کند

(محبوب جب اپنے رخ سے پردہ نہیں ہٹا رہا تو پھر ہر شخص اپنے دل میں خیالی

تصویریں کیوں سجا رہا ہے)

بلند ہمت ارباب سلوک نے اپنی تمام روحانی قوت اور توجہ اس بات پر مبذول رکھی ہے کہ لطیفہ بدر کہ کو بجز ایک حقیقت کے جسے حق کہتے ہیں اور کچھ معلوم نہ ہو سکے آپ کی دانش و بینش کا تقاضا ہے کہ اپنے لطیفہ بدر کہ کو بھی بجز علم حقیقت حق باقی تمام آلاسٹوں سے پاکیزہ، خالی بیگانہ اور صاف و شفاف رکھنے کے لئے انتہائی اہتمام کریں تاکہ تمہیں استغراق کامل اور حضوری دائمی حاصل ہو۔ جو تمام مقامات سلوک کی انتہا ہے۔ یہ آیہ کریمہ **وَإِنَّ إِلَهَ رَبِّ الْمُسْتَهْنِی (۱)** (اے سالک مسالک حقیقت! تیری انتہا وصال ربی ہے) اسی مقام کی طرف اشارہ کر رہی ہے تاکہ اس حالت عظیم اور سعادت دائمی کے وسیلے سے سالک تجلی ذاتی کے اس بلند مرتبے پر فائز ہو سکے جہاں ظاہر و باطن اور قلب و روح میں بجز حقیقت حق سبحانہ اور کچھ نظر نہیں آتا، نیز کل شئی ہالک الا وجہہ (۲) کے رموز و اسرار بھی سالک پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتے ہیں بحمد اللہ کہ طریقہ خواجگان قدس اللہ اسرار ہم میں بعض برگزیدہ اور مقبول درویشوں کو یہ دولت آغاز سلوک ہی میں بغیر کسی ظاہری وسیلے کے صدق اعتقاد اور خلوص نیت کی بدولت مکمل طور پر حاصل ہو جاتی ہے، بے شک جس نے پانا چا پالیا اور گرفتار شک بے نصیب رہا۔ والسلام

ذَرَّه ذَرَّه جلوه گاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ ایک بزرگ نے توفیق الہی سے دنیوی مشاغل سے کنارہ

(۱) پ ۲۷۷، ج ۱، النجھت، ۴۱۔ (۲) پ ۲۰، ج ۱، عکبوت، ۸۷۔

کشی کر لی، اور اپنی تمام توجہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہونے اور درود پڑھنے میں صرف کر دی، کچھ دنوں میں اس پر نسبت اویسی ظاہر ہوئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پانے لگا اور اپنے آپ کو کوئی کے لقب سے مشہور کر دیا۔ اس تعلق سے کہ کمون کے معنی پردے کے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طریق اویسی کے ذریعے اسرار خفی سے سارے پردے اٹھا دیئے تھے، فرمایا مجھے بھی اس بزرگ سے ملاقات اور دوستی کا شرف تھا، ایک دن اس سے سنا کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاؤں میں، دھرتی پر، بیٹھنے اٹھنے، بولنے چالنے اور کھانے پینے الغرض ہر حالت میں دیکھتا ہوں، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حالت مبارک بھی مجھ سے چھپی نہیں رہتی، اور مجھ ناچیز پر حق سبحانہ و تعالیٰ کا یہ کرم خاص ہے۔ میں نے کہا آپ کی انتہائی محبت کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کریمہ آپ کی قوت متخیلہ میں رچ بس چکی ہے ورنہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حقیقہ نصیب نہیں، یہ سن کر وہ کہنے لگے اس پر دلیل لائیے تاکہ مجھے تصدیق حاصل ہو۔ میں نے کہا کہ فلاں آیہ کا معنی یا بدرؤا حد کا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیجئے۔ اگر ایسا جواب ملے جو علماء کے نزدیک یقینی اور تحقیقی ہے تو ماننا پڑے گا کہ آپ کو رویت حقیقہ حاصل ہے اور اگر کچھ معلوم نہ ہو یا خلاف حقیقت ظاہر تو پھر سمجھ لیجئے کہ آپ کے دماغ میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت خیالیہ بس رہی ہے اس پر اس بزرگ نے کچھ آیات و احادیث پڑھیں اور بزم خویش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار پوچھا مگر کچھ جواب نہ ملا میں نے کہا حقیقت واضح ہوگئی کہ فرط محبت کی وجہ سے آپ کے ذہن و خیال میں صورت خیالیہ کی کیفیت طاری رہتی ہے نہ کہ رویت حقیقہ۔ حضرت والا کے ہم نشینوں میں سے ایک اور بزرگ پر یہی حالت طاری ہوئی تو آپ نے اسے بھی یہی کچھ فرمایا۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) اس مقام پر ایک تحقیق پیش کرتا ہے اور وہ یہ کہ کبھی کبھی ایسے حضوری لوگوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح انور سے کامل مناسبت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے عالم میں حالت خواب اور بیداری کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور ان حضرات کو بغیر وقت نظر کے کائنات کے ذرے ذرے میں صورت محمدی جلوہ گر نظر آتی ہے اور اگر یہ کیفیت زندگی بھر طاری رہے تو بھی اسے رویت حقیقہ کہا جائے گا اور عالم خواب میں انبیاء و صالحین کے مبشرات اور صوفیا کے اس حال میں

کوئی فرق نہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ میں شخص مذکور کا آیات و احادیث کے معانی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر سکتا کچھ وجوہات رکھتا ہے مثلاً یہ کہ اس بزرگ کی نسبت اس پایہ کی نہیں تھی کہ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علوم و اسرار کی گرہ کشائی کر سکے یا صاحب نسبت ابھی خام تھا، یا اس لئے کہ صاحب نسبت نے چند خاص امور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسبت پیدا کی نہ کہ یہ نسبت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخفی علوم کے حصول کی نیت سے پیدا کی گئی۔ فقیر (شاہ ولی اللہ) کا گمان یہ ہے کہ مذکورہ بالا صاحب نسبت بزرگ کے ادعائے مناسبت کو حضرت والد ماجد نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حقیقہ کے ناممکن الوقوع ہونے کے سبب نہیں بلکہ کچھ اور وجوہات کی بنا پر مسترد فرمایا تھا۔ ضمناً یہ بات بھی ان وجوہات میں شامل ہوگئی۔ واللہ اعلم۔

پختگی نسبت کیسے حاصل ہوتی ہے؟

حضرت والد ماجد اپنے ایک ہم عصر بزرگ کی ملاقات کو گئے جو نسبت اویسیہ میں مشہور اور حد درجہ خوش طبع تھے۔ طویل گفتگو کے بعد حضرت والا نے انہیں فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح شریف سے فیضان حاصل کرنا نسبت کے بغیر ناممکن ہے اور نسبت کا تقاضا یہ ہے کہ صاحب نسبت اور مرکز نسبت کے درمیان تمام احوال و اعمال میں موافقت میں، بجایہ کہ آپ کو ایک قسم کی نسبت حاصل ہے لیکن اگر آپ فضول اور بے ہودہ کلام سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کو سیرت نبوی کا نمونہ بنائیں تو یقیناً آپ کی نسبت مضبوط تر ہو جائے گی اور در فیض بھی کھل جائے گا کس قدر بری بات ہے کہ چند گھنٹیا قسم کی رکاوٹیں آپ کو پاکیزہ مقاصد تک پہنچنے سے روکے ہوئے ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ حضرت والا کے یہ کلمات ان کے دل میں پیوستہ ہو گئے اور فضول گوئی سے قدرے رک گئے۔

نقشبندی مشائخ کے ایک قول پر اعتراض اور شاہ عبدالرحیمؒ کا جواب

فرمایا کہ شیخ میرٹھی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ جو نقشبندی حضرات کہتے ہیں کہ ہمارا آغاز منہجوں کا انجام ہے حالانکہ میں خولجہ نقشبندی باتوں سے بیزار ہوں، ہاں ہاں اسی بہاء الدین کی باتوں سے جس کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بایزید کا انتہائی قدم بھی ان کے اولین قدم کو

نہیں چھو سکتا، اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ جو شخص پچاس یا ساٹھ سال تک مجاہدے کرتا رہا ہو، وہ مبتدی امروز کے برابر کیسے ہو جائے گا؟ میں نے کہا تم لوگ یعنی سلسلہ شطاریہ کے پیروکار منازل سلوک کیسے طے کرتے ہو، کہنے لگا پہلے اسم ذات دو ضربی، پھر چار ضربی اور پھر اسی طریق سے شغل نفی و اثبات کرتے ہیں۔ میں نے کہا اس کے بعد کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا شغل امہات اور اسمائے ملتہ کا ورد کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا پھر؟ کہنے لگے شغل ٹو کلو۔ پوچھا اس کے بعد کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا شغل بے مثال۔ میں نے پوچھا پھر کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا اس کے بعد بائے ہویت میں غرق ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا نقشبندی سب سے پہلے بائے ہویت میں غرق ہوتے ہیں اور شیخ نقشبندؒ کے کلام کا یہی تو مطلب ہے نہ یہ کہ صوفیاء کے تمام احوال و آثار آغاز سلوک ہی میں ان پر طاری ہو جاتے ہیں۔

حضرت والد ماجد کے خاص معتقدین میں سے شیخ امان اللہ نے ایک دن سوال کیا کہ جب کوئی سالک کسی طریقہ صوفیاء کے اشغال و اوراد پورے کر کے جمعیت خاطر حاصل کر لے تو کسی دوسرے طریقے میں داخل ہو کر اس کے اعمال و اشغال میں منہمک ہونا اس کے لئے مفید ہے یا نہیں؟ اگر یہ بات اس کے لئے بہتر ہے تو اسے اس سے کیا فائدہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ایک طریقے میں کمال حاصل کرنے کے بعد دوسرے طریقے سے کسب فیض کرنا مستحسن ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ اسے اس طریقے کی نسبت حاصل ہوگی، اور ہر طریقے کی نسبت اور اس کے آثار مختلف ہوتے ہیں۔

مختلف سلاسل کی نسبتوں کے خصائص

واضح ہو کہ آپ کی زبان مبارک سے بارہا خلوت میں سنا گیا کہ مجھے جو نسبت حضرت غوث الاعظمؒ سے ملی ہے وہ بہت ہی صاف اور حد درجہ نازک ہے اور جو نسبت مجھے خواجہ نقشبندؒ سے ملی ہے وہ غالب تر اور حد درجہ موثر ہے۔ جمعیت قلب اور قبول عام اس میں بدرجہ اتم موجود ہے اور جو نسبت خواجہ معین الدینؒ سے پائی ہے وہ عشق کے قریب! تاثیر اسماء اور صفائے دل کی مظہر ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کو آپ کے الفاظ تو یاد نہیں رہے مگر مطلب تقریباً یہی تھا، واللہ اعلم نیز آپ کی باتوں اور عمل سے اکثر و بیشتر مترشح ہوتا تھا کہ کسی ایک طریقے کے بزرگ کو

دوسرے طریقے کے بزرگ پر فضیلت یا ترجیح دینے کو خاص طور پر اس انداز سے کہ کسی ایک کی تنقیص مقصود ہو آپ ناپسند فرماتے تھے۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے صلوٰۃ موسم کے متعلق صوفیاء اور محدثین کے اختلاف پر سوال کیا تو فرمایا کلام صوفیاء سے قطع نظریہ مطلق نوافل میں داخل ہے پھر کیوں نہ اسے نفل ہی کی نیت سے ادا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت والا راتوں کو عبادت سے زندہ رکھا کرتے تھے اور نوافل میں تعداد رکعات کی بجائے نشاط روح اور حضور قلب کا زیادہ خیال فرماتے تھے۔

بعض طالبان سلوک کی تربیت کے پیش نظر فرمایا کہ عدم اور غیبت کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں ہمارے زمانے کے ارباب سلوک نے جن باتوں کو قابل اعتماد سمجھا ہے وہ حقیقت کے خلاف ہیں بلکہ ان کے مزعومہ غیبت کی حقیقت یہ ہے کہ جب ان نام نہاد سالکین کے دماغوں پر تبخیر معده کے اثرات چڑھتے ہیں تو نیند کی سی ایک کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ میں کھو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کا آغاز حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے سے ہی کیوں نہ ہو، باقی رہا ان کا عدم تو بسیار خوری کی وجہ سے جب ان پر نسیان اور بے خودی کا دورہ پڑتا ہے تو اس کے سبب انہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ساری قوت یاداشت ختم ہو چکی ہے اور انہیں اپنے وجود کی کوئی شدہ بدھ نہیں رہی۔

مجھے کچھ یاد آ رہا ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی کہ ان دنوں میرے دل میں ذکر جاری ہو چکا ہے آپ نے ہنس کر فرمایا کہ اگر واقعی ذکر جاری ہے، تو مبارک ہو! بعد میں اس فقیر سے فرمایا کہ لوگوں پر خفقان کا دورہ پڑتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ لطیفہ قلب جاری ہو گیا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ہر انسان کے دل بلکہ تمام اعضا میں ایک متحرک نبض موجود ہوتی ہے اور اس کے حرکت میں آنے یا نہ آنے سے کمال انسانی میں کچھ فرق نہیں پڑتا، ہاں البتہ اگر اس حرکت کو کوئی شخص اسم ذات خیال کرے اور یہ تخیل اس پر غالب آ جائے تو یہ فائدہ ہوگا کہ اسم ذات اس کے دل پر نقش ہو کر رہ جائے گا ایسی حالت میں لائق اعتبار تخیلی ہے نہ کہ حرکت! واللہ اعلم

ترقی مدارج کی حقیقت

فرمایا کہ موت کے بعد ترقی درجات ایک ناقابل انکار حقیقت ہے مگر اس سلسلے میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ جب اس عالم میں ایک عام آدمی بھی دس گنایا سو گنا ترقی حاصل کرتے کرتے ہزاروں علماء و مشائخ کے مقامات طے کر کے انبیاء و اولیاء کا ہمسر بن سکے گا، تو کچھ مدت بعد ان اولوالعزم ہستیوں اور اس عالم میں کیا فرق باقی رہ جائے گا؟ یہ خیال آتے ہی کشفی طور پر جواب ملا کہ وہاں ہر شخص کی ترقی اپنے اپنے مقررہ مقام کے اندر ہوگی، کیونکہ اس عالم کا ہر مقام اپنے اندر اتنے پہلو، شائیں، مراتب اور درجات رکھتا ہے کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں، اسی مقام کے مختلف زینے، مراتب اور درجات طے کرنے کو یہ سمجھنا خلاف حقیقت ہے کہ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر ترقی کر رہا ہے بلکہ اس کا یہ روحانی سفر اپنے ہی مقام کے آخری حدود تک جاری رہ سکے گا۔

اس سلسلے میں کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک موت کے بعد ترقی مدارج اس لئے نصیب ہوتی ہے کہ مادی وجود کے تمام اجزاء گھل کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ملکوتی قوتیں پوری طرح ظہور پذیر ہو جاتی ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو ایک خاص استعداد دے کر پیدا کیا ہے جیسے فرمایا: وَمَا نَحْنُ إِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ (۱) (ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے لئے ایک مقام معلوم مقرر نہ کیا گیا ہو) لہذا مرنے کے بعد جب انسان کے اندر چھپی ہوئی یہی قوتیں اور مادی وجود کے فانی اجزاء منتشر ہو جانے سے صفائے روح اور رونق نوری پیدا ہوتی ہے تو انسان اپنے اس مقام کو پا لیتا ہے جسے مقام معلوم کہا گیا ہے۔

سلطان العارفین کے قول کی تشریح

فرمایا جب زرق برق لباس پہنتا اور پان چباتا تو اپنے آپ میں ایک ترقی محسوس کرتا، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس قسم کے واقعات سے آپ کی طہارت و پاکیزگی اور نفاست طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت والد ماجد، سلطان العارفین کے اس قول کا معنی بیان کرتے ہوئے توبۃ الناس عن ذنوبہم و توبتی عن قول لا الہ الا اللہ فرماتے تھے کہ لا الہ الا اللہ میں نفی و اثبات کا

جھٹڑا ہے جب کل شی ہالک الا وجہہ کا پہلو نظر آیا تو پھر نفی کس کی کریں؟ باوجود اس کے کہ خواص نفی کو حقیقت غیر ثابتہ سمجھتے ہیں مگر کبھی کبھی جب غیر اللہ کی جانب سے اطمینان و اقیانیت اور خوف و خطر کی کیفیات دل میں کھٹکتی ہیں، تو انہیں مٹانے کے لئے نفی و اثبات کا شغل اختیار کرنا پڑتا ہے۔

لہو و لعب سے اجتناب صفائی قلب کا ذریعہ ہے

فرمایا کہ طالب علمی کے زمانے میں میرے ہم سبق (۱) لڑکے شطرنج کا سامان اور ایک کتاب لائے، مگر مطالعہ کے باوجود وہ کچھ نہ سمجھ سکے، مجھے دی تو میں نے کہا کہ میں تو مہروں کے نام اور ان کی چالوں سے بھی بے خبر ہوں مجھے انہوں نے اس بارے میں کچھ باتیں بتلائیں، پھر میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا، اس میں کھیل سے متعلق لمبی چوڑی باتیں درج تھیں مگر عبارت میں کچھ غلطیاں اور تبدیلیاں تھیں میں نے ان کی اصلاح کر دی اور پھر ہر روز اس کتاب کا ایک آدھ سبق اپنے ہم درسوں کو سمجھاتا جس سے وہ بہت خوش ہوتے اور اسی انداز سے شطرنج کھیلتے، انہی دنوں میں بیمار ہو گیا، دلی سکون جاتا رہا اور سخت پریشان ہوا جب چھپرے کے کانوں پر نظر پڑتی تو مجھے شطرنج کے مہرے اور دوستوں کا کھیل یاد آ جاتا حضرت حافظہ سے بہت التجا کی کہ اس مصیبت سے نجات پاؤں تو فرمایا کہ تم ہر حال میں حضرت خاتمیت علیہ من الصلوٰۃ اتمھا ومن التسلیحات ایمنھا سے تربیت لینے کے عادی رہے ہو؟ اس لئے کثرت سے درود پاک پڑھو اور اسی بارگاہ میں التجا کرو میں نے کثرت سے درود پڑھا اور بارگاہ نبوت سے التجا کی تو کافی تکلیف کے بعد اس مصیبت سے جان چھوٹی اور شطرنج کے مہروں کے نام اور کھیل کے طریقے میرے دل سے محو ہو گئے، اس پر اللہ کا شکر کیا۔

والدین کے ساتھ نیکی و احسان کا عجیب نکتہ

فرمایا لوگ سمجھتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا بہت ہی مشکل ہے کیونکہ حقیقت میں ان کے ساتھ جتنی بھی نیکی کی جائے وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں لیکن میرے نزدیک یہ بہت ہی آسان ہے کیونکہ والدین تو معمولی سی دلجوئی سے بھی انتہائی مسرور ہو جاتے ہیں اور اولاد

(۱) اصل نسخے میں عبارت اس طرح ہے ”در ابتدا اے حال ہم در شان ما کتابے در جیل شطرنج آروند“ جس کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا ہم نے ”بہر رسان ما“ کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ س۔ م۔ ف۔ ق۔

کے معمولی احسان کو بھی انتہائی پدرانہ شفقت کے سبب بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں۔
کیفیت و حالت کی حفاظت کا طریقہ

فرمایا جب حق سبحانہ و تعالیٰ کسی کو حالت اور کیفیت عنایت فرمائے تو اس کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب کیفیت و حالت اپنے آپ کو کسی دوسری چیز میں مشغول نہ کرے اور اسے جس جگہ پر کیفیت حاصل ہوئی ہے وہیں ٹکا رہے اور اگر ممکن ہو تو جس ہیئت میں بیٹھا ہے اس میں بھی تبدیلی پیدا نہ کرے اور جس سخن سے یہ کیفیت طاری ہوئی ہے، بجز اس کے اور کوئی بات زبان پر نہ لائے جیسا کہ حافظ شیرازی نے فرمایا ہے۔

ایں جانفون شیخ نیرزد بہ نیم جو

دل را بدست آر ہمیں مشرب است بس

(اس دنیا میں مشائخ کے ہنر کچھ وقعت نہیں رکھتے، کسی دل کو راضی کر دے بس یہی مشرب صوفیا ہے)

خود ساختہ مشائخ کی عیاریاں

فرمایا بعض خود ساختہ مشائخ کی زبانوں سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں، جن پر فراست کشنی و عقلی کا احتمال ہو سکتا ہے اور کچھ چیزوں سے بے رغبتی دکھلا کر یہ باور کراتے ہیں کہ یہ چیزیں انھوں نے حق سبحانہ و تعالیٰ کی خاطر چھوڑ رکھی ہے حالانکہ وہ چیزیں ان کی ضروریات زندگی سے زائد ہوتی ہیں۔

اور کبھی آپ یوں فرماتے تھے کہ اس شعر میں شیخ سے مراد شیخ حقیقی ہے جسے مقام ارشاد عطا ہوا ہے اور دل سے مراد وہ قلب سلیم ہے جو طلب غیر سے خالی اور محفوظ ہو اور فنون شیخ سے مراد تصرف اور کشف ہے۔

تمباکونوشی اور بارگاہ نبویؐ

جب کبھی تمباکونوشی کی بات چل پڑتی تو اس کی قباحتوں پر سوائے قطعی حرمت کے آپ بہت سے دلائل اور شواہد پیش فرماتے تھے، چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لامبور میں دو عزیز رہتے تھے ان میں سے ایک فاضل درویش اور جامع کمالات ہونے کے باوجود تمباکونوشی کا عادی تھا اور دوسرا عام قسم کا درویش تھا مگر تمباکو سے پرہیز کرتا تھا، دونوں نے عالم مثال میں ایک ہی رات اور ایک

ہی وضع میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی گویا یہ عامی درویش آپ کی مجلس میں بیٹھا ہے مگر اس فاضل کو بیٹھنے کی اجازت نہیں مل رہی۔ عامی فقیر نے اہل مجلس سے فاضل عزیز کو بیٹھنے کی اجازت نہ ملنے کا سبب پوچھا تو جواب ملا کہ یہ شخص تمباکو نوشی کرتا ہے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے ناپسند فرماتے ہیں، صبح اٹھتے ہی بہ تقاضائے نصیحت ارادہ کیا کہ یہ بات اس فاضل تک پہنچائے، جب اس کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ سخت رنج و غم میں مبتلا ہے اور رو رہا ہے سبب پوچھا تو اس نے وہی بارگاہ نبویؐ میں حاضری کی اجازت نہ ملنے کا قصہ کہہ سنایا۔ اس عامی درویش نے کہا تمہیں مبارک ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب میں نے اہل مجلس سے پوچھ لیا تھا جو تمباکو نوشی ہے اس فاضل نے اسی وقت حقہ اور نے (۱) کو نکڑے نکڑے کیا اور تمباکو نوشی سے پکی تو پہ کر لی۔ دوسری رات دونوں نے ایک ہی وقت اور ایک ہی منظر میں خواب میں دیکھا کہ گویا اس فاضل کو تمام اہل مجلس سے زیادہ قرب حاصل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سب زیادہ عنایات و التفات فرما رہے ہیں۔

فرمایا کہ ہمارے ایک بزرگ دوست خود تمباکو نوشی نہیں کرتے تھے مگر مہمانوں کے لئے گھر میں حقے کا انتظام کر رکھا تھا عالم مثال میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جھونپڑے میں تشریف لائے ہیں اور اندر آنے کے بعد ناپسندیدگی سے واپس لوٹے یہ شخص آپ کے پیچھے پیچھے دوڑا اور ناپسندیدگی کا سبب پوچھا، آپ نے فرمایا کہ تمہارے گھر میں حقہ، چلم اور نے موجود ہے جنہیں میں پسند نہیں کرتا۔

تمباکو نوشی پر عالم مثال میں تنبیہ

فرمایا ہمارے محلے میں ایک درزی رہتا تھا، ایک دن اسے میں نے بلوا بھیجا۔ بلانے والے نے دیکھا کہ وہ مردہ پڑا ہے اور اس کے ورثاء اس پر رو رہے ہیں، کفن و دفن کا انتظام کیا جا رہا ہے کچھ دیر بعد میں جامع مسجد کو جا رہا تھا کہ اسے بازار میں کھڑا دیکھ کر متعجب ہوا اور اس سے اس کا حال پوچھا اس نے کہا میرا قصہ بھی عجیب ہے میں اس محلے کی گلیوں میں جا رہا تھا کہ ایسے میں دو بیت ناک مرد غضبناک شکل میں میرے سامنے آئے، ان میں سے ایک نے مجھے تھپڑ مارا تو میں

(۱) نے: ہڈی دو گئی جس میں سے دھواں آتا ہے۔ (قاسمی)

بے ہوش ہو کر گر پڑا اور بظاہر مر گیا، مجھے اٹھا کر گھر لائے، کفن کا انتظام کیا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دونوں آدمی مجھے لے کر ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت سے لوگ جمع تھے، جن کی شکلیں انسانوں سے مختلف تھیں، مجھے اپنے سردار کے سامنے لے گئے، اس نے کہا جسے ہم نے بلوایا تھا وہ یہ تو نہیں! اسے جہاں سے لائے ہو وہیں پہنچاؤ۔ جب وہ مجھے لے کر واپس ہونے لگے تو پیچھے سے آواز آئی کہ اسے ذرا ادھر لانا یہ تمباکو نوشی کرتا ہے، یہ کہہ کر انھوں نے لوہے کا کلزا گرم کر کے میری ران کو داغ دیا میری ران جل گئی اور میں اسی حالت میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ عزیز واقارب مجھے نہلا کر کفن پہنانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

شاہ عبدالرحیمؒ کا علمی مقام

ایک دن حضرت والد ماجد باتوں باتوں میں مجھ سے فرمانے لگے کہ شیخ آدم بنوریؒ کے اکابر خلفاء میں سے سید عالم اللہ نے تمباکو نوشی کی حرمت میں ایک رسالہ لکھا، اور آئیہ کریمہ تسلسل السماء بدخان مبین (۱) اور ایسی آیات و امثال اس میں بطور دلیل پیش کیں اور یہ رسالہ افغان مولویوں کے ہاتھ میں دے کر علمائے دہلی کے پاس بھیجا، یہ دونوں پٹھان مولوی سب سے پہلے میرے پاس آئے، میں نے کہا کہ ان بیہودہ دلیلوں سے کچھ کام نہیں چلے گا، اور یہ اس آیت کی تفسیر میں علمائے حق نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے میں نے وہ بیان کیا اور اس سے متعلق احادیث اور روایات فقہی کا حقیقی مفہوم ان پر واضح کیا، اس سے وہ قدرے ناخوش ہوئے اس کے بعد وہ دونوں شہر کے نامور فاضل ملا یعقوبؒ کے درس میں چلے گئے دیکھا کہ وہ مجلس درس میں تمباکو نوشی کر رہے ہیں۔ یہ دونوں مقرر ہوئے تو ملا یعقوبؒ نے کہا کہ میں مجلس میں اس لئے تمباکو نوشی کر رہا ہوں کہ لوگوں پر اس کا مباح ہونا واضح ہو۔ اگر کسی کو اس مسئلے میں کوئی شک ہے تو وہ میرے سامنے پیش کرے افغان مولویوں نے اس رسالے میں سے بعض فقہی روایات اور احادیث بیان کیں، تو ملا یعقوبؒ بھڑک اٹھا اور معمولی توجہ سے ان کے دلائل رد کر دیئے۔ دونوں شکستہ دل اور غمگین ہو کر واپس لوٹ آئے اور صورت حال مجھے بتلائی۔ میں نے کہا تم نے تمباکو کی حرمت کا دعویٰ کیا اور دلیلیں یہ پیش کیں تو کام کیسے چلتا۔ اب جاؤ اور اس سے آئیہ کریمہ یا ایہا النسبی لم تحرم ما

احل اللہ لک (۱) کا شان نزول پوچھو، بس یہی تو کہے گا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد تناول فرماتے تھے جس سے باقی ازواج مطہرات کو رشک آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کے دہن مہرک سے مغفیر کی بو آتی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے مغفیر نہیں، بلکہ شہد کھایا ہے تو سب کہنے لگیں کہ ہو سکتا ہے شہد کی مکھیوں ہی نے مغفیر (۲) کھایا ہو! چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہد کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا تو یہ آیت نازل ہوئی جب اتنا کہہ چکے تو پھر اس سے پوچھو کہ اس ناپسندیدگی کا سبب کیا تھا تو غالباً یہی کہے گا کہ ناخوشگوار بو، پھر اس سے پوچھنا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ان سبزیوں (پیاز و لہسن) میں سے کھائے وہ ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے اس میں منع کرنے کی اصل وجہ کیا ہے؟ تو وہ کہے گا ان کی خراب بو! پھر اس سے پوچھنا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو پسند اور ناخوشگوار بو سے نفرت فرماتے تھے۔ یہ صحیح ہے یا غلط تو وہ ضرور کہے گا کہ صحیح ہے تب اس سے کہنا کہ تمباکو میں بدبو ہے کہ نہیں؟ اگر کہے کہ نہیں تو اس سے کہنا کہ جنھوں نے کبھی تمباکو نوشی نہیں کی ان سے پوچھو کہ اس کی بو ان کے دماغوں کو کس قدر ناخوشگوار ہے جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس میں بدبو ہے تو اہل احتیاط اور صاحبان ورع و تقویٰ کے لئے مناسب ہے کہ اسے ترک کر دیں۔ یہ دونوں پٹھان مولوی گئے اور اسی انداز سے سوالات کئے ملا یعقوب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور مجلس درس سے چلم ہٹا دی۔

علم مصالح اور شرائع

کاتب الحروف کہتا ہے کہ حضرت شارح علیہ السلام نے ہمیں دو قسم کا علم مطافرمایا ہے۔ علم مصالح اور علم شرائع۔ مصالح سے ہماری مراد یہ ہے کہ چار خصلتیں یعنی طہارت، خشوع، خضوع اور عدالت اور وہ تمام امور جو ان سے تعلق رکھتے ہیں نیز کلمہ حق کو بلند کرنے کے لئے ملا اعلیٰ کا ارادہ و اشارہ اور وہ تمام مقامات جو اس راہ سے تعلق رکھتے ہیں رضائے الہی کا موجب بنیں اور ان خصائل اربعہ یا ان سے متعلق دیگر امور کے مقابل خصائل و عادات غضب الہی کا سبب بنیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے اخلاق تامہ فاضلہ مثلاً شجاعت وغیرہ کی دعوت دی اور یہ

(۱) پ ۲۸، ہر تحریم، ت ۱ (۲) مغفیر: جمع مغفار، کھانے کا گوند ایک درخت کا گوند۔ (قوی)

تمام امور دراصل عقلیات کے تحت آتے ہیں اور ہم ان کو مصالح کے نام سے یاد کرتے ہیں، شرائع سے ہماری مراد احوال و اعمال کے شرعی پیمانے، نظام الاوقات اور وہ امور ہیں جو ان سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ سب کے سب بندگی محض کے ضمن میں آتے ہیں، یعنی عقل اگرچہ ان پیمانوں اور اصولوں کی خوبیوں اور خاصیتوں کو اور ان کے نازل ہونے کی وجوہات اور مصالح کو جان سکتی ہے، مگر ان کے قائم کرنے اور ان پر کاربند ہونے کے سلسلے میں انجام اور نتیجے کو کوئی دخل نہیں ہوتا کہ ملا اعلیٰ میں ان اعمال و احوال میں سے کون سی چیز رضائے الہی کا موجب اور کون سی بات ناراضی خدا کا سبب بنے گی اور مصالح شرعی کی یہ بات بھی ہمارے عقل میں نہیں ساسکتی، کہ ملا اعلیٰ کی توجہ عبادت گزاروں کو نفع و فائدہ اور گنہ گاروں کو زند کیوں کر پہنچا سکتی ہے، مثلاً ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا یاد کرنا ذرا ایجنہا ہے مگر یہ کہ خدا کو کسی صفت خاص سے اوقات خاص میں یاد کرنے سے فرض تو ادا ہو جائے گا، مگر ملا اعلیٰ میں اس کے رد و قبول کی جو حیثیت و مقام مقرر ہے اس کا ادراک و احاطہ ہماری عقل نہیں کر سکتی، میرا مذہب یہ ہے کہ شرائع حکم شریعت کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی اور مصالح کو ہماری عقل حضرت پیغمبرؐ کی بعثت سے قبل بھی اور اس کے بعد بھی سمجھتی رہی ہے۔ اس لئے قیاس جلی اور نص سے ثابت شدہ حکم کے مقابلے میں ایسے غیر قیاسی احکام کو جن کے متعلق کوئی نص بھی نہ ہو۔ حکم شرعی نہیں کہا جائے گا۔ مصالح شرعی کے ضمن میں رغبت رضائے الہی اور خوف غضب حق، اصل چیز ہوتی ہے، ہم جانتے ہیں کہ سونے چاندی کے برتنوں اور ریٹھی لباس سے منع کرنے کا سبب ان میں موجود کراہت انسان کی خود غرضی، خود پسندی اور اسراف ہے۔ اس حکم میں قابل توجہ اور اصل چیز دونوں میں موجود ذاتی قباحت ہے خواہ کوئی شخص فضول خرچی اور خود پسندی سے بچنے کی غرض سے اجتناب کرے یا یہ چیزیں پیش نظر نہ ہوں، دونوں حالتوں میں اس کی نفی قائم رہے گی، باقی رہا بقوت و زمرہ اور قیمتی شالوں کا استعمال تو ان میں اگرچہ حریر و طلا سے زیادہ خود پسندی اور عجب کا اظہار کیوں نہ ہو مگر چونکہ ان کے لئے ذاتی قباحت کی طرف شارع علیہ السلام نے کوئی اشارہ نہیں کیا اس لئے اگر کوئی شخص ذاتی مفاد اور خود پسندی کی نیت سے انہیں استعمال کرے تو قباحت اور ضرر پایا جائے گا بصورت دیگر ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اس علم و عقیدہ کو قبول کرنا چاہئے۔

قال را بگذارد مرد حال شو

فرمایا خواہہ خود نے مجھے وصیت کی تھی کہ درس و تدریس اور غیر ضروری کتابوں اور کہانیوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہیے تو یہ ہے کہ جب تک ان چیزوں میں محور ہا اس نسبت روحانی کے عجیب و غریب آثار مجھ پر ظاہر نہ ہوئے۔

کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت والا سے سوال کیا کہ حضرت شیخ ابوالفتح اور مخدومی شیخ محمد قدس اللہ اسرار ہما کی نسبتوں میں کیا فرق ہے؟ فرمایا شیخ ابوالفتح کو نسبت عشق حاصل تھی اور حضرت مخدوم نسبت شہود رکھتے تھے۔

حقیقت کیسیا

فرمایا شیخ ملک یار پران اہل بیت نبوی کی نسبت سے مناسبت کامل رکھتے تھے فرمایا کہ ایک شخص نے مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا قدس سرہ کی خدمت میں خط لکھا جس میں سلوک راہ اور حقیقت کیسیا کے وجود یا عدم کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب کے لئے خط مجھے دیا، میں نے اسے لکھا:

اذا تزوجت الاجساد وتجددت الارواح حصل المقصود.

(جب اجزائے مادی یکجان ہو جائیں اور ارواح وجود کی شکل اختیار کر لیں تو مقصود حاصل

ہو جائے گا)

زندگی گزارنے کا گر

حضرت والد ماجد کے تخلصین میں سے ایک نے سوال کیا کہ لوگوں میں زندگی کیسے گزارنی چاہئے تو آپ نے فرمایا: کن فی الناس کاحد من الناس (لوگوں میں ان جیسا ہو کر رہ) پھر پوچھا حق سبحانہ و تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ فرمایا رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله (۱) (خدا کو پانے والے وہ مردان راہ خدا ہیں، جنہیں کاروبار اور مفادات خدا سے نہیں روکتے)

عدل و انصاف

ایک دفعہ حضرت والد ماجد سفر میں تھے۔ آپ کے ساتھی بھلی پر باری باری سوار ہوتے تھے

دوران سفر بعض دوست اپنی باری سے زیادہ سوار ہوئے تو حضرت والا نے فرمایا پہلی کے سواروں سے پوچھو کہ آیا یہ اعدلو اھو اقرب للفقوی (۱) کون سے پارے میں ہے؟ یا ران جماعت میں سے شیخ بدالحق نے اشارہ سمجھ لیا اور پہلی سے نیچے اتر کر کہنے لگے حضرت! یہ آیت پارہ بعثتوں میں ہے۔

باید کہ ہر جا رو کی طالب مردے شوی

شیخ امان اللہ نے کابل جانے کا قصد کیا اور حضرت والا سے دعا کی خواہش کی آپ نے فرمایا جہاں بھی جاؤ اہل اللہ کی تلاش کرتے رہو، جس سالک یا مجذوب میں بھی معنی حقیقت کی خوشبو پاؤ بلا تاخیر اس کی صحبت اختیار کرو گے یہ گئے اور آپ کے فرمان پر عمل کرتے رہے جب واپس لوٹے تو حضرت والا کے سامنے کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔

آقا تھا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دگیری

شیخ اکبرؒ اور شاہ عبدالرحیمؒ

حضرت والد ماجد شیخ محی الدین بن عربی کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو فصوص کو برسر منبر بیان کر کے اس کے تمام مسائل کے اثبات کے لئے آیات و احادیث سے دلائل پیش کروں اور اس انداز سے بیان کروں کہ کسی کا شک باقی نہ رہے مگر اس کے باوجود آپ وحدۃ الوجود کے کھلم کھلا بیان سے احتراز فرماتے تھے، کیونکہ اس دور کے اکثر لوگ اس کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے، اور نا سمجھی کی بنا پر الٰہیاد اور زندگی کے تصور میں پھنس جاتے ہیں۔ اس احتیاط کے باوجود بھی آپ کی کئی تقریروں میں وحدۃ الوجود کا رنگ جھلکتا تھا۔ اور اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کو رسائی وحدۃ الوجود کے مطالعہ کی اکثر رغبت دلایا کرتے تھے، نیز اس فقیر نے لواغ (۲)، شرح رباعیات (۳)، اور مقدمہ لمعات (۴) پورے غور و خوض کے ساتھ حضرت والا سے پڑھی میں اور بعض یاران حلقہ نے ”النصوص“ بھی حضرت والا سے پڑھی۔ ان کے ساتھ کبھی کبھار فقیر بھی شامل ہو جاتا تھا۔ آپ ان مسائل کا حل بخوبی فرماتے تھے۔ ربط حادث باقدیم کی تحقیق کرتے

(۱) پ ۶، ہ، مائدہ، ت ۸ (۲) مصنفہ چائی۔ (۳) مصنفہ بابا طاہر (۴) مصنفہ عراقی۔

ہوئے بارہا حضرت والا سے یہ تمثیل سنی، فرماتے تھے کہ جن معلوم شکلوں کو ہم دیکھتے ہیں خارج میں ان کا ثبوت دو جوہر کوئی بھی نہیں، محض ہماری قوت علمیہ کے سہارے موجود ہیں اور یہ سب کچھ ہمارا ہی علم ہے جو مختلف رنگوں اور شکلوں میں نمودار ہوتا ہے، بلاشبہ ان صورتوں کو ہم عین علم بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ جب علم تھا تو یہ صورتیں نہیں تھیں اور انہیں علم سے جدا بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ان تغیر پذیر صورتوں اور ہیولوں کو خارج میں وجود و شکل دینے والا اور انہیں ایک حقیقت بنانے والا علم ہے علم اگرچہ بے رنگ ہے مگر مختلف رنگ اس کی بے رنگی میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتے۔

آیہ کریمہ وہو معکم (۱) کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ معیت محض علم کے سہارے نہیں بلکہ خارج اور حقیقت میں بھی موجود اور ثابت ہے اور اس سے کوئی خدبان پیدا نہیں ہوتا چاہئے کیونکہ یہ معیت، معیت کے ان معنوں میں نہیں جو جوہر کو جوہر کے ساتھ عرض کو عرض کے ساتھ یا جوہر کو عرض کے ساتھ حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ معیت حادث باقدیم ایک لطیف ترین معنی ہے جسے ان معیتوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

وہو معکم کی عالمانہ تشریح

فرمایا ہر شخص نے اپنی استعداد کے مطابق معیت کے مسئلے سے لطف اٹھایا ہے۔ ایک گروہ نے یہ سمجھ لیا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے علم قدرت سمیع اور بصر کے ساتھ ہمیں محیط ہے جیسا کہ فرمایا مایکون من نحوئی ثلثۃ (۲) اور ایک گروہ نے چشم عیاں دیکھ کر کہا کہ ہر فعل اور انفعال اور ہر حرکت اور صفت جو عالم میں ظاہر ہوتی ہے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے ہے جیسا کہ فرمایا قل کل من عند اللہ (۳) اور وما یکم من نعمۃ فمن اللہ (۴) ایک جماعت نے مشاہدہ کیا کہ جو کچھ ہی ہے وہی ہے غیر تو ہے ہی نہیں جیسا کہ فرمایا کل شی ہالک الا وجہہ (۵) اور ہو الاول والآخر والظاهر والباطن (۶) اور کچھ حضرات نے تو حق کو حق میں دیکھا اور اس مقام کی گہرائیاں بیان کرنے سے زبان قلم قاصر ہے۔

(۱) پ ۲۷، ہ حدید، ت ۴، (۲) پ ۲۸، ہ مجادلہ، ت ۷، (۳) پ ۵، ہ نسا، ت ۸،

(۴) پ ۱۴، ہ نعل، ت ۵۳، (۵) پ ۲۰، ہ قصص، ت ۸۸، (۶) پ ۲۷، ہ حدید، ت ۲۔

تجدد امثال

تجدد امثال کی بات چل نکلی تو آپ نے عجیب تقریر بیان فرمائی مگر چونکہ میں اس وقت بہت کسمن تھا اس لئے اسی اسلوب سے وہ تقریر محفوظ نہیں رہی لیکن حاصل کلام یہ تھا کہ موجد اور موجد میں وہی تعلق ہے جو دائم اور اس کے دوام میں ہے کہ جب کوئی چیز عدم سے متعلق ہوتی ہے تو اس کا نام ایجاد رکھتے ہیں اور جب اسے حالت وجود پر قیاس کیا جاتا ہے تو اسے ابقا کا نام دیا جاتا ہے مگر یا متحد الحقیقت ہونیکے باوجود اسماء کا اختلاف، اختلاف لحاظ کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے سورج سے نکلنے والی روشنی جو ہمیشہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے سورج کے ساتھ تعلق کی محتاج ہوتی ہے، جب ہم ضیائے شمس کی پہلی حالت پر نگاہ کریں تو اسے اشراق اور رفع ظلمت کا نام دیا جائے گا اور دوسری حالت یعنی جب وہ پوری آب و تاب کو پہنچے تو اسے ابقا نور کا نام دیا جاتا ہے اور اسی کو تجدد کہتے ہیں، تجدد امثال کی حقیقت اسی مثال سے سمجھی جاسکتی ہے۔

صفات باری

فرمایا کہ صفات ان معنوں میں مبین ذات ہوتی ہیں کہ ذات محض صفات زاہدہ قائمہ بالذات سے آثار کے ظاہر ہونے میں کفایت کرتی ہے۔

حسن ذاتی اور قبح نسبتی

فرمایا جو کچھ اس عالم میں ہے حسن ذاتی اور قبح نسبتی رکھتا ہے اس سلسلے میں بہت سی مثالیں پیش فرمایا کرتے تھے، مثلاً تلوار کی تیزی فی نفسہ ایک خوبی ہے جو فولاد کے کمال کا اثر ہے مگر ایک مظلوم شخص کو موت کے گھاٹ اتارنے کی وجہ سے تلوار کی یہ خوبی قبیح نظر آتی ہے اسی طرح اور مثالیں بھی دیا کرتے تھے۔

مسمیٰ حقیقت

فرمایا مخلوق کی مسمیٰ حقیقت میں کوئی دخل نہیں اور کسی شخص کا فہم و عقل اور ادراک و اندیشہ وہاں بار نہیں پاسکتا ہاں البتہ مسمیٰ اللہ کی حقیقت میں محض اس قدر دخل ہے کہ وہ اپنے تمام اسماء و صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

شاہ عبدالرحیمؒ کا ہندی دوہا

ایک دن اس فقیر نے ہندی کا یہ دوہا۔

جب جیو نہ تھا تب بیو نہ تھا اب بیو ہے جیو نہ تھا

رحیم پیاسوں یوں ملے جوں بوند سمندر نہ تھا

حضرت والا کے مجموعہ خاص میں ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا آپ چونکہ ایسی باتیں بہت کم بیان کرتے تھے لہذا مجھے تعجب ہوا اور حضرت والا سے پوچھا کہ یہ دوہا حضرت نے نظم فرمایا ہے یا کسی اور نے؟ تو فرمایا کہ یہ شعر میرا ہے اور میرے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

لطاائف ستہ اور ان کے مقامات

ایک دن یہ ذکر چل نکلا کہ لطائف ستہ (۱) کیا ہیں؟ اور دور آخر کے صوفیائے ان کے لئے کون کون سی جگہیں معین کی ہیں تو حضرت والا نے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ۔ جب یہ آیا تو آپ نے ایک دائرہ بنا کر فرمایا یہ قلب ہے پھر اس دائرے کے بیچ میں ایک اور دائرہ بنا کر فرمایا یہ روح ہے اس طرح دائرہ کے اندر دائرہ بناتے رہے یہاں تک کہ مقام آنا تک پہنچے تو فرمایا کہ لطائف کی صورت میں ہمیں سب سے زیادہ یہ پسند ہے کہ باقی سب مختلف رخ اور اعتبارات میں اور پھر خواجہ نقشبندؒ کے اس قول کو کہ مع

آئینہ مارا اشش جہت است

(ہمارے شیشے کے چہرہ رخ ہیں)

اس مسئلے کے ساتھ خوب مطابقت دی۔

شاہ عبدالرحیمؒ یا ابوالفیضؒ؟

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے بعض دوستوں سے سنا ہے کہ حضرت والا کا نام نامی عالم ملکوت میں ابوالفیض ہے۔ اس بارے میں میں نے آپ سے خلوت میں پوچھا تو ہنس کر فرمایا کہ ہاں ایسے ہی ہے اور تمہارا نام عالم ملکوت میں ابوالفیاض ہے۔

(۱) اصل متن میں "لطاائف ستہ مرقوم ہے۔ میرے پاس تین مختلف نسخے موجود ہیں سب میں اسی طرح ہے میں

نے "لطاائف ستہ" سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ (م)

مباحث درپے آزار الخ

ایک دن حضرت والا نماز ظہر کے بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی الہدیہ رباعی پڑھی

گر تو راہ حق بخوابی اے پسر خاطر کس را مرنجاں الخذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است این چنین فرمود آں خیر البشر

پھر فرمایا کہ قلم دوات لاؤ اور لکھ لو کیونکہ حضرت سبحانہ و تعالیٰ نے یہ شعر اچانک میرے دل پر القا فرمایا ہے تاکہ تجھے ان کے ذریعے وصیت کروں، پھر اشارے سے فرمایا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر ازم ہے یہ رباعی بھی حضرت کے پاکیزہ خیال کا موقع ہے۔

اے کہ نعمت ہائے تو از حد فزوں شکر نعمجائے تو از حد بروں
بخز از شکر تو باشد شکر ما گر بود فضل تو مارا رنوں

شاہ عبدالرحیمؒ کے جواہر پارے

اس فقیر کو اپنی مجلس اور صحبت میں معاملات دنیوی کے طریقے اور حکمت عملی خوب سکھلاتے تھے ان میں سے جو کچھ حافظے میں باقی رہ گیا ہے اس میں سے چند جواہر پارے یہ ہیں۔

- فرماتے تھے مجلس میں کسی بھی قوم کی تنقیص مت بیان کرو، یہ نہ کہو کہ پورب والے ایسے ہیں اور پنجابی ایسے، افغان ایسے ہیں اور مغل ایسے ہو سکتا ہے کہ اس مجلس میں اس قوم کا کوئی مرد میدان بیٹھا ہو یا اس علاقے کا کوئی باحمیت آدمی اور وہ اسے برا سمجھے اور اہل مجلس کا مزہ کر کر اہو کر رہ جائے۔

- عوام کے خلاف ہرگز کوئی بات زبان پر نہیں لانی چاہئے، چاہے کتنی ہی سچی اور صحیح کیوں نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ سب پھر جائیں اور مجلس بد مزہ ہو جائے۔

- اگر کسی آدمی سے کوئی کام ہو تو حاجت پیش کرنے سے پہلے بہت ہی خوب صورت تمہید باندھو اور پھر تدریجاً اپنی حاجت پیش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی ضرورت کی بات کو اس شخص کے سامنے پتھر کی طرح دے مارو۔

- مجلس عام میں کسی شخص کو بھی کھلم کھلا تردید برائے نہ کرو۔

- آدمی کو ایسا لباس اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے اس کی صفت کمال کا اظہار ہوتا ہو مثلاً؛

دانشمند کو دانشمندیوں کا سالہاس پہننا اور ان جیسی زندگی گزارنی چاہئے اور فقیر کو فقیرانہ لباس پہننا اور طریق فقر اختیار کرنا چاہئے۔

- بزرگوں سے بات کرتے وقت پیچیدہ اور گنگناکالفاظ استعمال کرنا اور بہت ہی آہستگی سے بات کرنا مناسب نہیں۔
- اگر تم سے شجاعت، سخاوت یا جوانمردی کی کوئی خوبی ظہور پذیر ہو تو ایسا اہتمام کرنا چاہئے کہ لوگ تمہارے اس کمال سے باخبر ہو سکیں۔
- بیمار پرسی کا سب سے بڑا مقصد بیمار کی خوشنودی ہے نہ کہ صرف اس کے مزاج کی کیفیت سے اطلاع پانا اسی طرح تعزیت سفارش اور اس قسم کی دوسری باتیں پس جو شخص یہ سب چیزیں بجالاتا ہے اور صاحب معاملہ کو اپنی محنت سے مطلع نہیں کرتا تو سمجھ لیجئے اس کی ساری محنت ضائع گئی۔
- اور ہر وہ کام جس کے کرنے میں کوئی مصلحت یا لوگوں کے درمیان الفت و محبت پیدا کرنا یا صلح جوئی ہوا سی قبیل میں شمار ہوگا۔
- دوسروں کو رخصت کرتے وقت یا انہیں وصیت کرتے وقت آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

آسائش دو گیتی تفسیر اس دو حرف است

بادوستاں تلطیف بادشمنان مدارا

- اگر تم سے کمتر درجے کے لوگ تمہیں سلام کرنے میں پہل کریں تو اس بات کو انعامات الہی میں سے ایک نعمت سمجھو اور شکر بجالاؤ ایسے لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ اور ان کی خیر و عافیت پوچھو اس بات کا قوی امکان ہے کہ تمہاری معمولی توجہ انہیں بہت بڑی خوبی نظر آئے اور اس پر وہ ایسے مرثیوں کے دوبارہ اگر ایسی توجہ نہ پائیں تو دل شکستہ ہو جائیں۔

صد ملک دل بہ نیم نگاہ سے تو اس خرید

خوباں دریں معاملہ تفسیر سے کنند

- بعض لوگوں کی یہ حماقت ہے کہ لباس یا کسی خاص عادت کو اپنے لئے ایک علامت بنا لیتے

ہیں، یا کوئی نکیہ کلام مقرر کر لیتے ہیں یا کسی ایک طعام سے مصنوعی نفرت اختیار کر لیتے ہیں اور پھر لوگ ان عادات کی بنا پر انہیں اپنی مزاح و ظرافت کا نشانہ بناتے ہیں۔

بعض دوست تجھ سے ذاتی محبت رکھتے ہیں یعنی اگر تیری محبت آہستہ آہستہ ان کے دل میں بس جائے تو پھر کسی حالت میں بھی ان کے دل سے نہیں نکل سکتی، نہ خوشی و مسرت کے عالم میں اور نہ رنج و غم کے حالات میں ایسے دوست کو غنیمت جان کر اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھنا چاہئے۔ بعض دوستوں کی محبت کا سبب ان پر تیری فضیلت اور تجھ سے ان کی ضروریات کی وابستگی میں پنہاں ہوتا ہے اس لئے ہر دوست کی حیثیت پہچانی چاہئے اور سب کو ایک مقام نہیں دینا چاہئے اور کسی دوست پر اس کی حیثیت سے زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

اہل عقل اور ارباب حکمت کے نزدیک انسان کو ضروریات زندگی کے استعمال میں صرف لذت اندوزی مقصود نہ ہو بلکہ زندگی کی سب نعمتیں دفع حاجت، حصول فضیلت اور ادائے سنت کے ارادے سے حاصل کرنی چاہئیں۔

بول چال، سیر و سفر اور نشست و برخاست میں ضعف و نفاہت کے باوجود مردان اولوالعزم کی سی طرز و عادت کو اختیار کرنا چاہئے، اور اگر سوء اتفاق سے کوئی عیب یا مکروہ فعل یا بخل تجھ سے صادر ہو تو اسے چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے اور اس سے شرمندگی محسوس کرنی چاہئے اور اس عیب کی مد مقابل صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ وہ عیب یا عادت بد طبیعت میں راسخ نہ ہو جائے۔

جب آداب سفر پر گفتگو ہوتی تو آپ چوروں اور گھلوں سے بچنے کی بہت تاکید فرماتے اور اس قسم کے جو واقعات سنا کر آباد میں پیش آئے وہ بھی سنایا کرتے تھے۔
سرپائے شاہ عبدالرحیمؒ

حضرت والا شجاعت، فراست، قناعت اور غیرت ایسے اخلاق حسنہ سے پورے طور پر بہرہ ور تھے اور امور آخرت کی سمجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ اس دنیا کے معاشی اور اقتصادی امور پر بھی دسترس رکھتے تھے اور ہر کام میں میانہ روی کو پسند فرماتے تھے، نہ اس قدر امور دنیا سے غافل اور زہد

میں مستغرق تھے کہ عبادات کو رہبانیت سے ملا دیں اور نہ اس قدر آداب عبادت اور قیود مذہب سے بیگانہ کہ سستی میں شمار ہو۔ آپ کے لباس اور وضع و قطع سے ہمیشہ بے تکلفی چمکتی تھی، مونا جھونا اور نرم و گداز جیسا بھی میسر آتا چمکن لیتے تھے یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے بغیر طلب کئے ہوئے انہیں ہمیشہ اعلیٰ لباس عنایت فرمایا۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب سے دنیا پہ لات ماری ہے اب تک اپنے لئے بازار سے کبھی لباس نہیں خریدا، نہ دستار، نہ جامد اور نہ جوتے، حق سبحانہ و تعالیٰ یہ چیزیں بوقت ضرورت کثرت سے دیتا رہا ہے ایک دن آپ نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک خشک صوفی نے اس بارے میں بحث شروع کر دی آپ فرمانے لگے میرے لباس کی ہر تار جو شمال در شمال ہے محبت الہی کی کند یعنی جال ہے کیونکہ یہ میرے سعی و ارادے کے بغیر اس کا رساز حقیقی نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تیرے لباس کی ہر تار اگرچہ مونے کھدر کے دھاگوں پر مشتمل ہے مگر وہ تیرے لئے اڑ دھا ہے کیونکہ تو نے اسے اپنی سعی و کوشش سے حاصل کیا ہے۔

حضرت والد ماجد امراء کے گھر نہیں جاتے تھے اور یہ دروازہ اپنے لئے بالکل بند کر رکھا تھا اگر یہ لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے تو آپ بہت ہی اخلاق سے پیش آتے اور سرداران قوم کو خاص اکرام اور اعزاز سے نوازتے تھے، اگر یہ لوگ نصیحت کی درخواست کرتے تو انتہائی مہربانی اور نرمی سے آپ یہ فرض انجام دیتے تھے، امراء آپ کے امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایسے مسائل کو جو قیاس فنی سے ثابت ہیں انتہائی سعادت مندی سے قبول کر لیتے تھے۔ علم اور علماء کی تعظیم اور جہلاء اور جہالت سے نفرت ہمیشہ آپ کا دستور رہا۔ ہر حال میں آثار نبویہ کی پیروی آپ کی زندگی کا مشن تھا، آپ کی مستقل مزاجی کا عالم یہ تھا کہ سوائے عذر شرعی کے اپنی پوری زندگی میں نماز باجماعت کبھی ترک نہیں کی، بزرگوں کا قول ہے الاستقامة فوق الكرامت (سنت نبوی پر استقامت کرامت سے بہتر ہے) آپ نے اپنے بچپن اور شباب میں بلکہ زندگی کے کسی مرحلے میں بھی غیر شرعی امور کی طرف رغبت نہیں کی، گویا طریق محمدی کی پیروی آپ کی فطرت میں داخل تھی۔

امور ضروری کے سلسلے میں آپ خرید و فروخت بھی خود کیا کرتے تھے، ٹامہ وغیرہ میں نہ تو

برخود غلط فقہاء کا نمونہ اختیار کرتے اور نہ رسوم و قیود سے آزاد فقہروں کی طرز، بلکہ مشائخ صوفیاء کی طرح لباس استعمال کرتے تھے۔

مجموعی طور پر بے تکلفانہ زندگی بسر کرتے تھے، بجز اشد ضرورت کے قرض لینا ناپسند فرماتے تھے اور ایسے لوگوں سے اظہار ناراضی فرماتے جو مختلف طعاموں اور میوہ جات کھانے کی وجہ سے ہمیشہ مقررہ رتبے پر آپ انہیں سرزنش فرمایا کرتے تھے۔
معمولات شاہ عبدالرحیمؒ

آپ کو ہر علم میں بہرہ وافر حاصل تھا، کسی فن کو بھی چھوڑنے پر آپ کی طبع رسا راضی نہیں ہوتی تھی، فن طب میں تو آپ کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کا وظیفہ تھا کہ نوافل تہجد بلا قید رکعات نشاط و رغبت کے ساتھ جتنی پڑھ پاتے، پڑھتے تھے۔ اشراق اور چاشت کے علاوہ نماز مغرب کے بعد والدین اور بزرگ بھائی کی ارواح کو ایصالِ ثواب کی نیت سے بھی دو رکعت پڑھتے تھے اگر کوئی معذوری نہ ہوتی تو ہمیشہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ آپ قرآن مجید قواعد تجوید کی رعایت اور خوش آہنگی سے پڑھتے تھے۔ روزانہ تلاوت کے علاوہ اکثر و بیشتر دوستوں میں ہر دن ترجمہ و تفسیر کے ساتھ بھی دو تین رکوع پڑھتے تھے۔ ایک ہزار مرتبہ درود پاک اور ایک ہزار مرتبہ ذکر نفی و اثبات کبھی نماز فجر سے پہلے جبر اور کبھی ذکر خفی اور بارہ ہزار مرتبہ اسم ذات ہمیشہ بلا ناغہ پڑھتے تھے۔ باوجود شہیقی اور بڑھاپے کے یہ وظائف ہمیشہ جاری رہتے تھے۔ بجز ان اوقات کے جن میں آپ پر روحانی بے خودی طاری ہو جاتی اور یہ بیخودی کبھی کبھی بہت طویل ہو جاتی تھی۔

سیدنا محمد و مناشیخ ابوالرضا محمد کی وفات کے بعد بعض اصحاب کی درخواست پر آپ نے پہلے انداز پر وعظوں کا سلسلہ پھر شروع کر دیا، اکثر مشکوٰۃ شریف، تنبیہ الغافلین اور غنیۃ الطالبین کا درس دیتے تھے اور آخر میں تفسیر قرآن بھی شروع کر دی تھی، جب ان کتابوں کے درس سے فارغ ہوئے تو ضعف غالب آیا تھا اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس فقیہ نے آپ کی زبان سے بار بار سنا کہ ہم نے جو کچھ پایا ہے درود شریف اور بحرِ توحید کی بدولت پایا ہے آپ غنائے ظاہری کے لئے روزانہ گیارہ مرتبہ سورہ مزمل اور گیارہ سو مرتبہ یا مغنی پڑھتے تھے، جس کی بدولت ہر حالت میں بغیر کسی ظاہر سبب کے حق سبحانہ و تعالیٰ لوگوں کو دلی طور پر

ان کی خدمت میں مصروف رکھتا تھا۔ آپ کی آخری عمر میں جب رمضان المبارک کا چاند نظر آیا تو پرانے دستور کے مطابق صیام و قیام میں مشغول ہو گئے حالانکہ پیر فانی ہونے کی وجہ سے روزے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور شرعی طور پر بھی آپ رخصت افطار کے مستحق تھے۔ یہ فقیر اور سارے گھر والے جب آپ سے پوچھتے کہ رخصت شرعی کے باوجود اتنی تکلیفیں کیوں برداشت کر رہے ہیں تو فرماتے کہ ضعفی کے سبب زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ بیہوش ہو جاؤں گا اور بے ہوش ہونے کی عادت میں نے پہلے سے اپنے اندر پیدا کر رکھی ہے، یعنی حالت غیبت!

صحبت یار آخر شد

جو سوال کا چاند نظر آیا تو اشتہا بالکل ختم ہو گئی اور کمزوری بڑھنے لگی جس سے بیضہ بھگ گیا، چنانچہ زندگی کی امید منقطع ہو چکی تھی اور مردوں کی طرح گر پڑے تھے گرتے وقت یہ فقیر بھی حاضر تھا، زبان پر استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الحی القيوم جاری ہوا بعد میں آپ رو بصحت ہونے لگے اور مرض کی شدت گھٹتی گئی یہاں تک کہ پھر ماہ صفر کے ابتدائی ایام میں مرض نے دوبارہ حملہ کیا اور صبح صادق سے پہلے موت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ آپ کا عزم یہ تھا کہ نماز فجر قضا نہ ہو، چند بار حالت ضعف میں پوچھا کہ صبح ہوئی ہے یا نہیں؟ حاضرین نے کہا نہیں، جب موت قریب ہوئی تو جواب دینے والوں کو جھڑک کر کہا کہ تمہاری نماز کا وقت نہیں ہوا مگر ہماری نماز کا وقت ہو چکا ہے پھر فرمایا مجھے رو بہ قبلہ کرو، اور یوں اشاروں میں نماز ادا کی، حالانکہ وقت نماز میں شک تھا! نماز پڑھ کر زیر لب ذکر اسم ذات کرتے ہوئے زندگی مستعار کی امانت خالق حقیقی کے سپرد کر دی! یہ المناک واقعہ بادشاہ فرخ سیر کے آخر عہد میں بدھ کے روز ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کو رونما ہوا بادشاہ فرخ سیر حضرت والا کے تقریباً ایک ماہ میں دن بعد قید ہو گیا، اور سخت واقعات رونما ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ستر سال تھی۔ فتح چوڑ کا واقعہ اور جامع مسجد شاہجہان آباد کی عمارت انہیں یاد تھی۔

ہم اپنے سردار اور مخدوم شیخ عبدالرحیم قدس سرہ کے مناقب میں سے جو کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے یہ اس کا حرف آخر ہے اب اس سے متصل ہم سیدنا مخدومنا الشیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے مناقب کا ذکر کریں گے۔

حصہ دوم

درحالات جناب معارف مآب امام طریقت و حقیقت کاشف حقائق مخدومنا

شیخ ابوالرضا محمد رضی اللہ عنہ

اگرچہ اصولی طور پر اس حصے کو پہلے پیش کرنا چاہئے تھا، مگر سند اور صحت کے لحاظ سے اس حصے کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ حصہ اول کی اکثر روایات ایسی ہیں جو فقیر (شاہ ولی اللہ) نے بغیر کسی واسطے کے سنی اور دیکھی ہیں اور اس دوسرے حصے کی اکثر باتیں فقیر کو ایک یا دو واسطوں سے ملی ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

حمد کامل اس اللہ کی جس نے اپنے بندوں میں سے ایک گروہ کو منتخب کر کے مقام ولایت پر فائز کیا، اور انہیں انوار و برکات کے لباس حقیقی میں ڈھانپ لیا اور ان پر اپنی نعمتوں کی راہیں کشادہ کر دیں، اور ان کی زبان پر علم و حکمت کے چشمے جاری کر دیئے اور ان کے منہ بائے مقصود اقامت دین اور وصول الی الحق بنادیا، جس کے نتیجے میں وہ بادی و مہدی اور ارباب تقویٰ کے پیشوا بن گئے، انہی بندگان خاص کو اس نے زمین و آسمان میں تہنکن عطا فرمایا، پاک ہے اس کی ذات اقدس جس کے جود و عطا کا یہ عالم ہے اور جس نے اپنی بیکراں نعمتوں اور برکتوں سے ان بندوں کو نوازا ہے، بے شک وہ تمہا معبود برحق ہے۔ جس کا کوئی ہمسر نہیں اور جس کے حکم اور فیصلے سے کوئی منہ نہیں پھیر سکتا، اور بلا شک و شبہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور عبد ہیں جن کی چمک دمک اور ضیاء و نور تمام انبیاء سے زیادہ کامل اور روشنی بخش ہے اس پر اور اس کے آل و اصحاب پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں گردش میل و نہار تک ہوتی رہیں۔

اس تمہید کے بعد فقیر کثیر التقصیر ولی اللہ بن عبدالرحیم (اللہ ان پر لطف عظیم کے ساتھ پیش آئے) کہتا ہے کہ عم بز رگوار بلند قد رابل ذوق و وجود کے پیشوا صاحبان معرفت و شہود کے امام، سلسلہ اہل عرفان کے لئے رابطہ اور اہل کمال کی آنکھ کا تارا، خدا نے بے شمار کے ساتھ لو لگانے والے سیدنا و مولانا شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ الامجد کے علم و عرفان سے اخذ کئے ہوئے یہ چند کلمات

ہیں جن کے مجموعے کا نام شوارق المعرفۃ تجویز کیا گیا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

حضرت شیخ کے ابتدائی حالات

حضرت شیخ نے بچپن میں علوم ظاہری حافظہ بصیر سے حاصل کئے تھے جو زمانہ شاہجہاں میں ایک بلند مقام رکھتے تھے، ان کے علاوہ خواجہ محمد باقی کے صاحبزادے خواجہ خورڈ سے بھی تحصیل علم کرتے رہے، حقیقت میں آپ کو تمام علوم وہی طور پر حاصل تھے۔ ظاہری تحصیل علم سے محض سنت الہی کی محافظت مقصود تھی۔ کیونکہ یہ دنیا اسباب و غل کی دنیا ہے۔ تحصیل علم کے بعد اپنے والد ماجد کے مشورے سے اپنے زمانے کے امراء میں سے ایک کے دربار میں ظاہری نفع اندوزی کے لئے آنا جانا شروع کر دیا۔ آپ کی حقیقی استعداد اچانک پردہ ظہور پر نمودار ہونے لگی اور آپ نے طریق گوشہ نشینی، کامل تنہائی، مکمل توکل، اتباع سنت اور دیگر احوال صوفیاء کو اس انداز سے اختیار فرمایا کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کا تصور ہی نہیں کر سکتا، صحیح روایات سے معلوم ہوا ہے کہ جب آپ نے تمام تعلقات سے ہاتھ کھینچ لیا تو اپنی رفیقہ حیات سے فرمایا کہ ہم نے یہ راستہ تکالیف اور مصائب کی کثرت کے باوجود خود پسند کیا ہے، اور کسی طرح بھی اس راہ سے واپس نہیں پھر سکتے، اگر ان تمام مشکلات کو میری طرح پسند کر کے لباس و طعام کے لطف سے اور خویش و اقارب کے میل جول کی لذتوں سے قطع نظر کر سکو، تو میری زندگی کی ساتھی ہو، ورنہ تمہیں جدا ہونے کا پورا اختیار ہے، آپ کی رفیقہ حیات نے ہمت سے کام لے کر معمولی نیلے کپڑے زیب تن کئے، زیورات اور بیش قیمت لباس اتار پھینکے۔ انہی دنوں حضرت شیخ والدین کا گھر چھوڑ کر مسجد فیروز آباد کے قریب ایک حجرہ بنا کر رہائش پذیر ہو گئے۔ ان ایام میں اکثر و بیشتر دو دین تین روز متواتر قافے سے گزر جاتے اور اگر کچھ غذا میسر آتی، تو وہ جو کی روٹی کے چند ٹکڑوں اور دہی پر مشتمل ہوتی جو محمد جان طہانی اور ان جیسے دوسرے نیاز مند لاتے اور یہ طعام تمام فقراء پر برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا اور آپ دوسرے روز کے مقررہ وقت تک تھوڑی غذا پر اکتفا فرما لیتے تھے، آپ کے گھر میں نہ کوئی دیگچی تھی نہ چولہا، نہ چکی اور نہ دوسرا سامان یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خوب برکت دی اور اپنے بندوں کے دلوں کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا، اور وسیع حویلی اور بہت بڑا انٹر خانہ عطا فرمایا۔ اپنے ابتدائی حالات کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ تجرید کے انتہائی مقام اور بے اسبابی کی

آخری منزل پر فائز ایک درویش جو حضرت خواجہ محمد باقیؒ کے خلیفہ خاص شیخ تاج سنبھلیؒ (۱) کا صحبت یافتہ تھا۔ خواجہ خورڈ کے پاس آیا، اس پر نسبت غیبت بہ تمام و کمال غالب تھی، حضرت خواجہؒ اس سے جو کچھ پوچھتے وہ بہت ہی تکلف اور دیر سے جواب دیتے تھے۔ اس موقع پر خواجہ خورڈ نے فرمایا کہ جو بھی معرفت خدا کا طالب ہو، وہ اس مرد درویش سے مردانہ وار تعلق قائم کرے، جب میں نے یہ بات سنی تو میرے دل میں اس کی بیعت کی خواہش اور اس سے حصول طریقت کا خیال پیدا ہوا میں نے استخارہ کیا اور حضرت غوث الاعظمؒ کی روح پر فتوح کی طرف متوجہ ہوا تو خواب میں دیکھا کہ گویا آپ کشتی پر سوار ہیں اور دریا کی سیر کر رہے ہیں اور میں دریا کے کنارے ان کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہوا ہوں، میری طرف متوجہ ہوئے اور ان کے ہر بال بال سے اپنی چمک دمک کے ساتھ سورج ابھرتا ہوا معلوم ہوتا تھا، آپ نے مجھے میرے نام سے بلایا اور اس تمثیلی مشاہدے میں مجھ پر ایسے رموز ظاہر ہوئے کہ اس درویش کی محبت سے دل ٹھنڈا پڑ گیا اور حضرت غوث اعظمؒ کی بارگاہ سے استفادہ کرنے کا دروازہ کھل گیا۔

فرمایا ایک مرتبہ میں نے حضرت غوث الاعظمؒ کو بیداری میں دیکھا۔ اس موقع پر آپ نے مجھے عظیم اسرار و رموز تعلیم فرمائے۔

علی المرتضیٰؒ وسیلہ بیعت ہیں

فرمایا میں نے پچھتم حقیقت دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولیائے کرام کی صفوں کے درمیان تشریف لائے جو مربع شکل میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہر صف میں ایک ہزار ولی تھے، یہ سب سیر روحانی کر رہے تھے۔ اور ہر ایک کے ہاتھ میں مورچھل تھا۔ میں اس جماعت سے باہر ایک کونے میں کھڑا تھا، میرے دل میں خیال گزرا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مطلع ہوئے اور ان صفوں میں سے ایک صف میں مجھے بھی داخل فرمایا اور اپنے دست اقدس کا مورچھل بھی مجھے

(۱) شیخ تاج الدین سنبھلی حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ اول تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد بلاد عرب چلے گئے اور وہاں طریقہ نقشبندیہ پھیلا یا۔ انھوں نے عربی زبان میں کئی کتابیں لکھ کر اہل عرب کو سلسلہ نقشبندیہ سے متعارف کرایا آپ کی ایک جامع تصنیف ”الرسالہ فی سلوک خلافت السادات نقشبندیہ“ ہے جس کی علامہ عبد الغنی نابھسی نے مفتاح المعیشت فی طریقہ القصبہ کے نام سے تفسیر لکھی ہے آپ نے جامع الفوائد کے علاوہ نکحات الانس جامی اور رشحات واعلا کا شفی کا عربی ترجمہ بھی کیا آپ کی وفات ۱۶۳۰ء میں ہوئی۔

عنایت فرمایا۔ اس کے بعد مجھے ساتھ لے کر آپ ہوا میں اڑنے لگے۔ باقی لوگ اسی مکان میں ٹھہرے رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے آسمان کی مسجد عالی میں نماز عصر ادا فرمائی۔ فرمایا دوسری بار ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم حقیقت دیکھا اور عرض کی یا سیدی! میری خواہش ہے کہ آپ کے طریقہ عالیہ کے فیض یافتہ کسی مرد حق سے بیعت کروں تاکہ اس سے ان حقائق کی تفصیل پوچھ سکوں جو آپ سے حاصل ہوئی ہیں۔ مجھے کسی ایسے مرد راہ کا پتہ دیجئے جو اس کا اہل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری بیعت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے ہوگی۔ کچھ دنوں بعد دیکھا کہ گویا راستے میں جا رہا ہوں۔ آس پاس کوئی شخص نظر نہیں آ رہا، مگر راستے سے گزرنے والوں کے نقش قدم پائے جاتے ہیں۔ تھوڑی دور بیچ راہ کے ایک مرد کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے اس سے راستہ پوچھا تو اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ادھر آؤ اس سے مجھے انشراح قلب حاصل ہوا۔ اس نے فرمایا اے سست رفتار! میں علی ہوں، اور مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ میں تجھے ان کی بارگاہ میں لے چلوں، میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا! یہاں تک بارگاہ رسالت میں پہنچے اور حضرت امیر علیہ السلام نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے رکھا، اور اپنا ہاتھ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے کر کہا یا رسول اللہ! ہذا ید ابی السرخس محمد (یہ ابوالرضا محمد کا ہاتھ ہے) یہ سن کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام کی بیعت لی۔ اس موقع پر میرے دل میں ایک بات کھٹکی جس پر حضرت امیر علیہ السلام مطلع ہوئے اور فرمایا کہ میں اسی طرح اولیاء اللہ کے حق میں وسیلۂ بیعت رہتا ہوں، ورنہ اصل میں تمام سلاسل کی بیعتوں کا مرکز اور مرجع تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست حق پرست ہوتا ہے۔ اس کے بعد مجھے اشغال و اذکار کی تلقین فرمائی اور علوم و اسرار سے نوازا اور مجھ پر ان سب کا حصول آسان ہو گیا۔ اس واقعہ سے پہلے میں ذکر قلبی وہی میں مشغول تھا۔

برکات قرب نبوی

فرمایا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا جیسے مجھے اپنی ذات مبارک کے ساتھ اس انداز سے قرب و اتصال بخشا کہ جیسے ہم متحد الوجود ہو گئے ہیں اور اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عین پایا۔ کسی نے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال

کیا، تو آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا، میں نے اسے وضاحت سے جواب دیا۔ بعد میں آپ مجھ سے جدا ہو گئے۔ اس واقعہ سے پہلے مجھے نیند میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بہت شوق رہتا تھا۔ جب اتحاد و اتصال کی یہ دولت نصیب ہوئی تو وہ شوق پورا ہو گیا اور وہ بحرِ پرلذت و کیفیت حاصل ہوئی کہ پھر کوئی حسرت باقی نہ رہی۔

آپ کی پاکیزہ زندگی، تصرفات اور مخفی امور پر مطلع ہونے کا بیان

معمولات شیخ ابوالرضا

آپ کے معتقدین کا ایک گروہ راوی ہے کہ بادشاہ عالمگیر نے حضرت شیخ کی زیارت کے لئے کئی بار خواہش ظاہر کی مگر آپ نے انکار کیا۔ ارباب اقتدار اور سرمایہ داروں کو آپ ہمیشہ قبیح سمجھتے تھے۔ ان کی پیشکشوں اور ان کی ذات کی طرف کبھی متوجہ نہ ہوئے۔ کبھی کبھار کوئی امیر حد سے زیادہ اصرار کرتا تو نذرانہ قبول کر لیتے تھے۔ ہاں البتہ اگر کوئی غریب اور مفلس کفش دوز، طباطبائی، کنجڑ وغیرہ چار پانچ پیسے بھی نذرانہ پیش کرتا، تو کشادہ دلی کے ساتھ قبول فرما کر اپنے ہاتھ سے لے لیتے تھے۔ مستند روایات سے معلوم ہوا ہے کہ آپ جید عالم، فصیح اللسان، حد درجہ متقی، ماہر علوم، معرفت براق، نورانی چہرے، دراز قامت، گورے چہرے، چھدری دازھی والے اور خوش گفتار تھے، نماز جمعہ کے بعد ہمیشہ وعظ کہتے تھے۔ اپنے وعظ میں تین حدیثیں صحت لہجہ اور ترتیل کے ساتھ زبانی پڑھتے تھے۔ اور پڑھتے وقت مجس وعظ کے تمام گوشوں پر پوری توجہ سے نظر ڈالتے تھے پھر ان احادیث کا فارسی میں ترجمہ کرتے تھے، وہ بھی پوری وضاحت ترتیل اور آہستگی کے ساتھ بیان کرتے تھے، پھر ہندی (اردو کی ابتدائی شکل) میں احادیث اور موضوع کی مناسبت سے تقریر فرمایا کرتے تھے جس میں مبالغہ نام کو نہیں ہوتا تھا۔ شروع شروع میں تو آپ مختلف علوم کا درس دیا کرتے تھے اور لوگ بڑے ذوق و شوق سے آپ کی تقریر سننے کو جمع ہوتے تھے۔ آخر میں آپ کا درس دوا سہاق پر مشتمل ہوتا تھا۔ ایک تفسیر بیناوی اور دوسرے مشکوٰۃ شریف باقی وقت توجہ انی اللہ یا خواص معتقدین سے معرفت کی باتوں سے گزرتا تھا۔ آپ وحدت الوجود کے قائل تھے اور اس موضوع پر ایک محقق کی حیثیت رکھتے تھے۔ اپنی مجالس میں آپ نے کلام صوفیہ کے بہت سے مشکل مقامات حل فرمائے۔ شیخ معظم پھلتی کہتے ہیں کہ عہد اور ٹک زریب کے اوائل میں مملکت کے

ایک حصے پر ستنامی ہندوؤں نے قبضہ کر لیا، بادشاہ نے مقابلے کے لئے مسلمان فوجیں بھیجیں مقابلہ اس قدر طویل ہو گیا کہ ان میں سے کوئی فریق مغلوب نہ ہوا۔ اس وجہ سے بادشاہ اور ارکان سلطنت کے دل پریشان ہونے لگے۔ بعض معتقدین نے اس بارے میں حضرت شیخ سے دعا چاہی جو انہی آپ نے دعا کی تو قبول ہو گئی۔ کچھ وقت بعد آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو فتح ہو گئی ہے اور ہندو پسپا اور ذلیل ہوئے ہیں معتقدین نے اٹھ کر پورے شہر میں یہ خبر پھیلا دی۔ رفتہ رفتہ یہ خبر اور تک زیب تک پہنچی حیران ہوا کہ ہر کارے ابھی تک خبر نہیں لائے اور یہ افواہ کس نے پھیلائی ہے۔ تحقیق کرنے پر جب صحیح علم ہوا تو اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں آدمی بھیجا۔ آپ نے فتح کی پوری تفصیل اور واقعات بتلا دیے کچھ دنوں بعد اسی تفصیل سے لشکریوں نے بادشاہ کو آ کر فتح کا واقعہ بیان کیا۔

مبین حقیر گدایاں عشق

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ ایسا مونا کپڑا پہننا چاہئے جو ایک دو سال تک چل سکے کیونکہ یہ تقویٰ اور وسوس کو دور کرنے میں بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک کشمیری کو آپ نے ایسا کپڑا لانے کو کہا، وہ انتہائی سخت اور مونا پشینہ لایا، آپ نے اسے آٹھ پہر پہنا دوسرے دن نماز چاشت پڑھ کر بیٹھے تھے اور مجلس پر سکوت طاری تھا کہ آپ ہنس پڑے۔ راوی نے تبسم کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے الہاماً پیغام بھیجا ہے کہ کیا ہمارے خزانے میں کی ہو گئی تھی جو یہ کپڑا ہے پہنے ہیں۔ تمہارے سارے مصارف ہمارے ذمے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں ناز و نعمت سے رکھیں۔ یہ پشینہ اتار دو۔ ہم ابھی ایک لباس بھیج رہے ہیں، جو تمہارے لائق ہوگا۔ آپ نے وہ پشینہ اتار دیا اور وعدہ الہامی کے مطابق انتظار میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑھیا دروازے پر آئی اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ راوی کو باہر بھیج کر کہا کہ اگر دو ہری بنائی کا اس رنگ کا اور ایسے پھولوں والا کپڑا ہو تو لے لینا اور کہنا کہ قبول ہو گیا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو لانا دینا۔ وہ کپڑا آپ کے فرمان کے مطابق نکالا اسی وقت اسے پہنا اور شکر بجا لائے۔ اس واقعے کے بعد آپ بغیر قصد و ارادہ کے ہمیشہ اعلیٰ لباس پہنتے رہے۔ شروع شروع میں دو تین روز فقہ بھی رہا، کھانے کو کچھ میسر نہ ہوا۔ اس وقت ایک مخلص آیا اور عرض کی کہ میرے

گھر میں طعام تیار ہے۔ قدم رنجہ فرمائیے آپ اٹھ کر چل دیئے جب اس مخلص کے گھر پہنچے تو وہ اندر جا کر مستورات کو ایک طرف کرنے لگا، اس آدمی نے دروازے کے ساتھ چار پائی کھڑی کر رکھی تھی جس کے گرنے سے حضرت شیخ کو سخت چوٹ لگی اور بیہوش ہو گئے، افاقہ ہونے کے بعد جلدی اپنے گھر واپس لوٹے اور فرمایا یہ اللہ کی طرف سے مجھے تنبیہ ہے کہ آئندہ حصول رزق کے لئے سعی و تلاش نہیں کرنی چاہئے۔ کفیل حقیقی پر بھروسہ کر کے اس کی نعمتوں کا منتظر رہنا چاہئے۔ اس واقعے کے بعد انتہائی ضرورت کے علاوہ آپ کسی کے گھر بھی دعوت میں نہیں جاتے تھے۔

جسے اللہ رکھے

حضرت شیخ ابتدائی ایام میں ایک دن مراقبہ صبح کے بعد اٹھے اور بھنگ نوشوں کے ٹیکے میں جا کر گرم سم بینہ گئے اور چاہا کہ ظہور عصمت حق کی کیفیت کا تماشا دیکھیں۔ جب بھنگ فروش نے بھرا ہوا پیالہ آپ کی طرف بڑھایا تو اہل مجلس میں سے ایک شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ انہیں مت دو! دو چار مرتبہ یہ صورت حل پیدا ہوئی کہ نماز کا وقت آ گیا تو آپ کے دل میں اضطراب اٹھا، مگر ضبط کر کے بیٹھے رہے اس نواح کی مسجد کا امام بھی وہاں موجود تھا جو خیر سے خود بھی بھنگ نوش تھا فوراً اٹھا اور آپ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ آپ نے بہت چھڑانا چاہا مگر اس نے نہ چھوڑا اور کشاں کشاں مسجد میں لے گیا اور وضو کر کے آپ کو امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔ اس واقعہ سے آپ کا دل مطمئن ہوا کہ یہ عفت و تقویٰ ایسا امر معلوم ہے کہ کوئی چاہے یا نہ چاہے بغیر اختیار کے اسے کاتب تقدیر اس حالت پر قائم رکھے گا۔

بادشاہ حقیقی کا انصاف

سننے میں آیا ہے کہ رستم اور اسد اللہ نے جب محلّت والوں کو ٹکڑیوں میں پہنچانی شروع کیں تو انھوں نے ان کی تباہ کاریوں کی کچھ باتیں حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیں اور چاہا کہ آپ عاقل خاں کو ان کی مدد کے لئے رقعہ لکھ دیں، ایک دن نماز اشراق کے بعد آپ کی حالت بدل گئی اور جوش میں آ کر کہنے لگے۔ کہ تم چاہتے ہو کہ تمہاری تکالیف عاقل خاں تک پہنچاؤں۔ تمہاری حالت بادشاہ حقیقی کی بارگاہ میں کیوں نہ عرض رکھوں! یہ کہہ کر آپ نے توجہ فرمائی اور ان دونوں شخصوں کی ہلاکت کا مژدہ سنایا، راوی دکن میں بادشاہ سے ملا تو ان دونوں کو قید کر کے بادشاہ نے

لشکر کے حوالے کیا ہوا تھا کچھ دنوں بعد وہ دونوں ایک شدید مرض میں مبتلا ہوئے پہلے رستم بیمار ہو کر مرا اور پھر اسد اللہ مبتلائے مرض ہوا۔ لشکر خاں نامی ایک مرد مشہور نے راوی سے کہا کہ فلاں کے حق میں دعا کرو۔ راوی نے کہا مجھے تو دونوں کو دفن کرنے کا حکم ملا ہوا ہے۔ کچھ دنوں بعد دوسرا بھی کیفر کردار کو پہنچا۔

عاشقِ برقرار و بر لطفش بجد

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مظفر رتھکیؒ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھ پر غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہوئی۔ میں روتا اور آہیں بھرتا تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بابا طالبانِ خدا دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک طرح کے طالبین کو وہ فرحت و شادمانی کی راہ سے اپنی طرف بلاتا ہے اور ایک گروہ کو غم و اندوہ کی منزلوں سے گزار کر قربِ بخشا ہے۔ گویا غم و اندوہ ازلی دین ہے۔ حضرت شیخ پر غم و اندوہ اور رونے دھونے کی کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی۔ ہمیشہ خوش دل اور باغ و بہار رہتے تھے۔

ان سے یہ بھی سنا کہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ کسی سالک کے باطن پر اپنی صفات زجر و تنبیخ کی تجلیات کا ظہور فرمائے اور وہ راہِ طریقت کے سالک سے معمولی اور بڑے امور میں مواخذہ شروع کر دے اور صبر و برداشت کی قوت اس میں باقی نہ رہے تو اسے چاہئے کہ دنیوی امور اور تلاشِ معاش میں مشغول ہو جائے۔ اسی طرح اس کے عتاب کی کیفیت ختم ہو جائے گی۔

مدار شریعت ظاہر پر ہے

شیخ مظفر رتھکیؒ نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ میں شروع شروع میں جب رہنک سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو تحفہ نبات (۱) بھی آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے جسے آپ قبول نہیں فرماتے تھے، کہتے تھے کہ دیہاتوں اور قصبات کی خرید و فروخت اور ناپ تول شرعی قانون کے مطابق نہیں ہوتی چنانچہ میں نے یہ تحفہ لانا چھوڑ دیا البتہ آپ کے بچوں کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ تھما دیتا تھا اور تھوڑی سی نبات بھی رسمِ ہدیہ پوری کرنے کی خاطر ان بچوں کو دیا کرتا تھا۔ آخر میں

(۱) نبات: سبزی، ترکاری، (قلمی)

ایک مرتبہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبات کے دو مرتبان حضرت والا کے بچوں کو دیئے۔ وہ آپ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے اس میں سے کچھ نکال کر تناول فرمائی۔ اس واقعے کے بعد ایک دن مجھے فرمانے لگے۔ ہم نے تمہاری نباتیں کھائی ہیں۔ ہاتھ اٹھائے اور حسب حکم شرع دوسوہ منانے کے لئے اس پر ہلکا سا تھوکا (۱)۔ اس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہم اس تورع اور تقویٰ سے گزر چکے ہیں جو انسانی امکان سے بھی زائد تھا۔ اب ہمیں ظاہر شریعت جو کچھ حکم دے گی اس کے لینے میں عار محسوس نہیں کریں گے۔

دست پیر از غائبان کوتاہ نیست

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ درگ داس کے واقعے سے جب رہنگ کا گرد و نواح ویران ہو گیا تو میں کئی خاندانوں کے لئے کر دہلی کی طرف چل پڑا۔ ان دنوں تمام دیہاتی لوگ درندے بن چکے تھے۔ میرے قافلے کے بہت سارے خاندانوں، عورتوں اور مال و متاع کے ساتھ بجز میرے اور کوئی مضبوط آدمی نہیں تھا۔ خلاف توقع ہمارا سارا سفر امن سے گزرا۔ ہاں البتہ ایک مقام پر دیہاتی لٹیروں نے جمع ہو کر ہم پر حملہ کرنا چاہا تو میں نے کمان کا چلہ چڑھا کر ان پر حملہ کر دیا، وہ شکست کھا کر اپنے خیموں یا چھپوروں کی آڑ میں چھپ گئے۔ جب میں حضرت والا کی خدمت میں پہنچا تو خندہ پیشانی سے ملے اور فرمایا کہ ہم بھی اس سفر میں تمہارے ساتھ تھے تمہاری حفاظت اور مدد کرتے رہے۔ دیکھا نہیں تھا کہ جب دیہاتیوں نے حملہ کرنا چاہا اس وقت تم اکیلے تھے اور ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے فلاں آفت کو ان کے منہ میں دیا جس سے وہ ہیبت زدہ ہو کر اپنے چھپوروں کی آڑ میں چھپ گئے تھے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

یہ دیکھنی معتقد یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اکثر اوقات لوگ آپ سے واضح مسائل کے بارے میں بھی پوچھا کرتے تھے۔ ایسے میں حضرت والا اپنی آنکھیں بند کر کے سوچنے لگ جاتے اور کچھ دیر کے بعد جواب بیان فرماتے کسی ہم مجلس نے اس کا راز پوچھا تو فرمایا کہ جب یہ لوگ سوال کرتے ہیں تو بے حد و حساب جوابات میرے سامنے پیش ہو جاتے ہیں۔ اس وقت میں اسی سوچ

(۱) اصل نسطے میں عبارت یوں ہے "وہ اوقف زدند" میں نے اسے براؤف زدند کچھ کر ترجمہ کیا ہے۔ سید فاروق

بیمار میں لگ جاتا ہوں کہ کونسا جواب سائل کی سمجھ کے مطابق ہو سکتا ہے۔
اتباع سنت میں آپ کا مقام

یہی راوی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ جب مسجد میں داخل ہونا چاہتے تھے تو مسجد کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنا بایاں قدم مبارک جوتے سے نکال کر اس کے اوپر رکھ دیتے۔ پھر دایاں قدم نکال کر مسجد میں رکھتے۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس صورت حال سے مقصود یہ تھا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الیمنی اولہما تسئل و آخرہما تنزع (۱) دوسری حدیث یہ ہے کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب الیسا من فی شانہ کلہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں دائیں طرف سے آغاز کرنے کو پسند فرماتے تھے) حضرت شیخ کا یہ عمل سنت نبوی کی رعایت اور احتیاط کا ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے۔

برکات نسبت

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ جب میں آپ کے سلسلہ عالیہ میں منسک ہو گیا اور مجھ پر توجہ فرمانے لگے تو مجھ پر اسرار توحید کھلنے لگے انہی ایام میں کم و بیش تین روز میرا علم انا مظہر مقیہ سے علیحدہ ہو کر بظاہر ہستی مطلق کے ساتھ پیوست ہو گیا۔ حضرت شیخ نے شیخ عبدالحفیظ سے فرمایا کہ مجھے حجرے میں بند رکھ کر میری حالت کی نگرانی کرے، میں ان ایام میں کہا کرتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو بارش برسا دوں، چاہوں تو مار دوں، چاہوں تو زندہ کر دوں، حضرت شیخ اس عالم میں انتہائی ادب و انکساری کا مظاہرہ فرماتے تھے اور کہتے کہ جن لوگوں پر یہ عالم طاری ہو ان کا یونہی ادب کرنا چاہئے۔ جب اس حالت سے افادہ ہوا تو حضرت والا نے مثال کے طور پر یہ ہندی دو پاؤں چاہے۔

کنتھارن موں تہی کر کھاندا باہ نسلکھ!

بامچہ چہ یہی ژندا پانا نچہ چہ جی کلنلہ

یہی شیخ مظہر رتھلی کہتے ہیں کہ اہل رہنک کا ایک گروہ کسی تقریب سے دہلی آیا تو ایک دن ارادہ کیا کہ جماعت کی صورت میں حضرت شیخ کی زیارت کو جائیں۔ راستے میں ایک شخص نے

(۱) بنوری کتاب اللہ، ص ۲۳۳، مطبوعہ مصر

حضرت کی کرامتوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ دوسرے نے کہا کہ ایسی کرامتیں تو بہت سے لوگ سنایا کرتے ہیں، لیکن جب تک آنکھ سے نہ دیکھیں تصدیق نہیں کر سکتے، اور مثال میں یہ ہندی دو باپڑا ہوا۔

جب لک نہ دیکھوں اپنی پٹنا
تب لک نہ بچوں کر کے بنیا

اور کہا کہ میں تو جب مانوں کہ آج مجھے نان دلوہ دیں، جب یہ لوگ پہنچے اور آپ سے ملاقات کی تو آپ حسب عادت ہر ایک سے لطف و مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور پتھر گھر سے دلوہ روٹی منگوائی اور اس شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ خاص اسی کا حصہ ہے اور وہی دو ہانہ بان پر لائے کہ جب لک الخ

بارگاہ اولیاء میں حاضری کے آداب

فقیر ولی اللہ نے سید عمر حصارٹی سے سنا ہے کہ ایک دن آپ خوبصورت سی بیچ رنگ چادر اوڑھے ہوئے ہرن کی خوشنما کھال پر تشریف فرما تھے۔ وہ چادر اور کھال میرے دل میں کھب گئیں ویسی چادر اور کھال کی تلاش و تجسس کا شوق میرے دل میں اٹھا۔ اس خیال کو جس قدر جھٹکتا دور نہ ہوتا۔ حضرت ۱۱۱ جب مجلس سے اٹھے تو مجھے فرمایا کہ بیٹھو تم سے ایک کام ہے۔ اس کھال پر شیرینی کے دھبے لگے ہوئے تھے انہیں اپنے ہاتھ سے دھویا، چادر اور ہرن کی کھال کو تہ کر کے اپنے ہاتھ سے مجھے عنایت فرمائیں اور فرمایا اولیاء کی مجالس میں ایسے خیالات دل میں نہیں لانے چاہئیں۔

یہی راوی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ، شیخ عبدالاحد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر شیخ عبدالاحد نے پوچھا کہ فلاں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمانے لگے کہ میں نے اس آدمی کے بارے میں فرشتوں کو جھگڑتے دیکھا ہے۔ ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ فلاں صاف اور پاکیزہ دل رکھتا ہے اور دوسرے نے کہا کہ وہ شریعت پر کاربند نہیں، ایسا دل کس کام کا، کاتب الحروف کہتا ہے کہ یہ شخص ایک بزرگ تھا۔ جو اپنے زمانے کے بہت سے بزرگوں کا معتقد تھا، مگر اس کی باتوں میں بھکلو پن زیادہ ہوتا تھا۔

شاعر گلشن^(۱) دہلوی کا واقعہ

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اپنے زمانے کے شاعر گلشن سے سنا ہے کہ شورش عشق اور طلب سلوک کے ابتدائی ایام میں ایک دن میں اپنا منہ کالا کر کے کوچہ و بازار میں پھرنے لگا۔ جب محلہ فیروز آباد میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف فرما ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور جوتیوں میں جا بیٹھا۔ آپ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس طرح رسوائی کے خطرات مول لیتے ہیں اور لوگوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم یہ سب کچھ خدا کے لئے کر رہے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ اولیاء کی مجلس میں آتے ہوئے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اس گروہ روشن ضمیر پر ان کے سارے بھید آشکارا ہیں، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا سر دست چلے جاؤ۔ یہ سن کر میں بہت شرمندہ ہوا اور اپنے دلی خیالات کی قباحات بھی محسوس کی۔

تصرف شیخ

سننے میں آیا ہے کہ حضرت شیخ کو زمانہ طفولیت میں جب جھولے میں سلاتے تھے تو بغیر کسی ہلانے والے کے آپ کا جھولا چلتا رہتا تھا، لوگ یہ دیکھ کر تعجب کرتے تھے، یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ عبد اللہ نامی ایک جن آپ سے علوم و معارف کی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بھی میرے سامنے آتا ہے۔ اس کے تمام احوال و افعال مجھ پر روشن کر دیئے جاتے ہیں، ایک مرتبہ ایک منکر میرے پاس آیا اور مشائخ کا انکار کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ اے کتے! تو انہیں کیا جانے؟ اس نے غصے میں اپنی تلواری نکالی اور مجھ پر حملہ کرنا چاہا میں نے اس پر اپنے قہر و غضب کا تصرف ڈالا تو اسے آگ نظر آئی قریب تھا کہ وہ جل کر راکھ ہو جاتا کہ اس نے توبہ و زاری کی اور میں نے اسے بلا کت سے بچا لیا۔ یہ بھی سنا ہے کہ مسجد میں نماز کیلئے ایک عورت کا جنازہ لایا

(۱) آپ کا پورا نام شیخ سعد اللہ گلشن دہلوی ہے۔ برہان پور کے رہنے والے تھے مگر بعد میں دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی، خود شاعر اور استاد اشعراء تھے، آپ شیخ عبدالاحد سرہندی المعروف بہ شاہ گل وحدت کے خلیفہ تھے۔ اپنے مرشد کے عرف شاہ گل کی مناسبت سے اپنا تخلص گلشن رکھا۔ تارک الدنیا بزرگ تھے، آپ کی وفات ۱۷۲۷-۱۷۲۹ء میں ہوئی مراد دہلی میں ہے نمونہ کلام یہ ہے۔

بدش رفتہ عجدو با کردم منت پائے ماست بر سر ما
نحت جانم عیستہ از چارہ سازاں کامیاب مومیائی نفع کے عطفہ نکست سنگ را

گیا، تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کی روح ابھی بدن سے جدا نہیں ہوئی، ایسی صورت میں اس پر نماز جائز نہیں۔ ورثا نے اصرار کیا کہ یہ مرچکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں مری، آخر اللہ اس کا منہ کھول کر دیکھا گیا تو زندگی کے آثار باقی تھے۔ اسے واپس لے گئے اور وہ دوسرے دن فوت ہوئی۔ وسعت علوم اولیاء

سننے میں آیا ہے کہ آپ کا ایک خادم کسی بری عادت میں مبتلا تھا آپ نے اسے کئی بار اشاروں کنایوں میں تنبیہ فرمائی مگر وہ پھر بھی نہ چونکا اور نہ ہی اس عادت بد سے باز آیا۔ بالآخر حضرت شیخ نے اسے تہائی میں بلا کر کہا تجھے بار بار اشاروں، کنایوں سے سمجھایا مگر تو نے کوئی پروا نہ کی شاید تو سمجھتا ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ قسم بخدا اگر زمین کے نچلے طبق میں رہنے والی کسی چیونٹی کے دل میں بھی سو خیالات آئیں، تو ان میں سے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں اور حق سبحانہ و تعالیٰ اس کے سو کے سو خیالات سے باخبر ہے۔ یہ سن کر خادم نے اپنی برائی سے توبہ کی۔

ہو یطعمنی

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میں روزے سے تھا کہ بھوک اور پیاس نے مجھے سخت تنگ کیا۔ اسی حالت میں ذکر کرتے ہوئے مجھ پر غیبت اور استغراق کا عالم طاری ہوا۔ میں نے عالم مثال میں دیکھا کہ ایک آدمی نے مجھے دودھ کا پیالہ دیا، اور میں نے وہ پی لیا جب بوش آیا تو اپنے منہ سے دودھ کے قطرات ٹپکتے ہوئے محسوس کئے۔ یہ دیکھ کر روزہ نوٹنے کا خوف پیدا ہوا تو دل میں الہام ہوا کہ یہ غذا تیرے اختیار کے بغیر محض ارادۃ الہی سے ملی تھی، اور یہ عالم شہادت کی نہیں بلکہ عالم مثال سے تعلق رکھتی ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

غرور علم سے سرشار عالم بارگاہ فقیر میں

حافظ عنایت اللہ نے بیان کیا کہ ایک فارغ التحصیل عالم بحث و فکر اور مذاکرہ سے انتہائی دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ میں اس شہر کے تمام فاضل علماء کو مغلوب کر چکا ہوں، میں نے کہا کہ کبھی حضرت شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں حاضر ہو کر ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا ہے؟ کہنے لگا سنا ہے کہ وہ عوام کو تفسیر حسینی پڑھ کر سناتے اور اسی سے وعظ کہتے ہیں۔ وہ کوئی

صاحب فضیلت نہیں ہیں۔ میں نے کہا نہیں ایسا مت کہو بلکہ ان کی زیارت کرو تا کہ ان کا کمال علم اور سیرت تم پر واضح ہو سکے۔ اگلے جمعہ وہ مجلس وعظ میں آیا اور اس کے دل میں یہ خیال نہرا کہ مناظرہ کرے۔ حضرت شیخ نے اس کے خیالات سے مطلع ہو کر تاثیر کے ذریعے اس کا علم سلب کر لیا۔ یہاں تک کہ اور علوم بجائے خود صرف و نحو کا کوئی قاعدہ بھی اس کے حافظے میں نہ رہا۔ اور آپ کا کلام سمجھنے سے عاجز ہو گیا۔ سمجھ گیا یہ حالت حضرت شیخ کے تصرف سے واقع ہوئی ہے۔ نادیم ہوا، تو بہ کی اور خلوص دل کے ساتھ حضرت کی خدمت میں گریہ و زاری کی۔ حضرت نے اسے سارا علم واپس کر دیا اور پہلی حالت بحال کر دی۔ اس نے اظہار نیاز مندی کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں عالم نہیں صرف تفسیر حسینی سے عوام کو نصیحت کرتا ہوں۔ یہ سن کر وہ اور زیادہ نیاز مندی کرنے لگا اور کہا کہ اپنی بات اور عقیدے سے توبہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ سے بیعت کر لوں حضرت والا نے اسے بیعت میں قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ لکھی ہوئی تختیاں کسی کام نہیں آسکتیں۔

کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک

رحمت اللہ کشف دوز نے بیان کیا کہ ایک موقع پر حضرت شیخ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اور میں ان کے سامنے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص نے کہا، کہ حضرت بایزید بسطامی بعض اوقات کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے تو قوت جذب اور شیخ کی گرمی نگاہ سے اس کی روح پرواز کر جاتی تھی۔ آج کل ہم مشائخ کا شور سنتے ہیں مگر کسی کی قوت باطنی میں یہ تاثیر نہیں دیکھی۔ یہ سن کر حضرت شیخ نے جوش میں فرمایا کہ بایزید روحمیں نکال تو لیتے تھے مگر جسم میں واپس نہیں لوٹا سکتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دل کو اپنے قلب اطہر کے زیر سایہ ایسی تربیت اور وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہوں کسی کی روح کھینچ لوں اور جب چاہوں اسے واپس لوٹا دوں! عین اسی وقت شیخ نے مجھ پر نظر کر کے میری روح کھینچی اور میں زمین پر گر کر مر گیا اور مجھے اس عالم کا کوئی شعور نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ میں نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے دریا میں غرق پایا۔ آپ نے سائل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اسے دیکھو مردہ ہے یا زندہ؟ اس نے سوچ کر کہا کہ مردہ ہے۔ فرمایا اگر تو چاہے تو اسے مردہ چھوڑ دوں اور اگر پسند کرے تو اسے زندہ کر دوں! کہنے لگا اگر زندہ ہو جائے تو یہ انتہائی رحمت ہوگی، آپ نے مجھ پر

دو بارہ توجہ ڈالی تو میں زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام حاضرین مجلس حضرت شیخ کی قوت حال سے متعجب ہوئے۔

خطرات قلب پر اطلاع

حضرت شیخ کے معتقدین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ آپ کی مجالس اور صحبت میں ہم لوگ تصوف و عرفان کے بارے میں کثرت سے زبان پر سوالات نہیں لاتے تھے! بلکہ اپنے اپنے سوالات دلوں میں لے کر بیٹھ جاتے تھے جب بھی کسی کے دل میں کوئی شبہ، سوال، یا خیال وارد ہوتا تو آپ اس سے مطلع ہو کر فوراً جواب دیتے پھر بھی اگر شک باقی رہتا تو دوبارہ جواب دیتے یہاں تک کہ سائل مطمئن ہو جاتا۔

علم ظاہر اور علم باطن کا فرق

سننے میں آیا ہے کہ محمد عاشق نے ملا یعقوب اور حضرت شیخ دونوں سے استفادہ کیا تھا اور مسئلہ توحید کے بارے میں وہ مطمئن نہیں تھا۔ اس بارے میں ملا یعقوب کی باتیں آپ تک پہنچاتا اور آپ کی باتیں ملا یعقوب تک، جب اس معاملہ نے طول پکڑا تو ایک دن ملا یعقوب نے کہا کہ میں ابھی جاتا ہوں اور بالمشافہ گفتگو کر کے مسئلہ توحید کے بارے میں آپ کے نظریات کو باطل ثابت کرتا ہوں۔ جب وہ حضرت شیخ کی مجلس میں پہنچا تو ایسا چپ ہوا کہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ جب مجلس سے اٹھ کر جانے لگا تو لوگوں نے خاموشی کا سبب پوچھا۔ ملا نے کہا کہ جب میں آپ کی مجلس میں پہنچا تو میرے تمام علوم سلب ہو گئے۔ یہاں تک کہ میں ابجد بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔

حضرت شیخ ابوالرضاؒ کے حقیقت و معرفت سے معمور ملفوظات

رویت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا کہ میں ایک مرتبہ مجلس ذکر میں بیٹھا ہوا تھا وہاں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پہلو میں تشریف فرما ہیں جب میں نے آنکھ کھولی تو کچھ محسوس نہ ہوا۔ آنکھ کھلنے پر کچھ محسوس نہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ مجھے یہ مشاہدہ عالم مثال میں کرایا گیا اور ظاہری آنکھوں سے دیکھنا عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیفیت مختلف حالات میں دیکھنے والوں کے مختلف احوال کے سبب مختلف ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک آئینے کی حیثیت رکھتے ہیں ہر شخص کو اس میں اپنی شکل نظر آتی ہے لہذا بدعتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مریض کی شکل میں دیکھتا ہے گویا بدعتیوں کو دیکھ کر آپ تکلیف محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی لمحے ایک خالص سنی آپ کو جو انصاف اور انتہائی خوش و خرم شکل میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ کا مشاہدہ جو اپنی ذات میں ترقی و تنزلی بلکہ ہر قسم کی قید سے پاک ہے یعنی جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ جب بھی کوئی شخص حقیقت یا خواب میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو کسی صورت اور ہیئت میں دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ شیشہ شکل و صورت کی قید میں آ گیا ہے، نہیں نہیں شیشہ تو اپنی اصلی حالت میں ہے یہ سب اشکال اور صورت کی قیود دیکھنے والے کی خود پیدا کردہ ہیں۔

نکتہ شیخ اکبر

فرمایا کہ شیخ اکبر مثنیٰ الدین محمد بن عربی قدس سرہ کو ان چار راتوں میں متواتر خواب میں دیکھتا رہا ہوں اور ان کے عجیب مقامات اور پسندیدہ نکات و معارف سے مطلع ہوتا رہا۔ ان صحبتوں سے یعنی ان سے سنا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا اس کی ذات کے رعب و اب کے اعتبار سے یعنی اس کے

تصرفات کی وجہ سے ایک اسم ہے اور وہ ہے کہہا آپ نے فرمایا میں نے اس واقعے سے پہلے یہ اسم کہیں بھی نہیں سنا تھا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک کہہ اپنے عربی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اور ایک قرأت میں اما الیتیم فلا تکھربھی پڑھا جاتا ہے اور حدیث میں آتا ہے فواللہ ما کھرنی ولا ضربنی اور لفظ قہر کا مرجع اور حقیقی منشا اپنی تمام مدد و اعانت سے ہاتھ کھینچ لینا اور تباہی کی عمیق غاروں میں کسی کو گرا دینا ہے۔ لہذا اس تحقیق کی بنا پر کہہ ذات (کاف غمی ہی مناسب رہے گا جو ذات حق کے رعب و تصرف کا لازمی خاصہ ہے اور کاف غمی کے ساتھ اسم کہہ کا اطلاق ذات باری پر صحیح ہوگا اور صیغہ کہہ کا استعمال محض اس جہت سے کیا جائے گا کہ اسے لفظ صرافت یعنی تصرف حق پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

بعض دعاؤں کے عجیب اثرات

فرمایا ایک دفعہ میں دعا میں مشغول تھا، کہ اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ میری طرف پیٹھ کر کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے میں یہ دیکھ کر حیران ہوا تو میرے ضمیر میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ فرشتہ ہے جو تیری اس دعا پڑھنے کے نتیجے میں تیری حفاظت کرتا ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ فرشتے نے آپ کی طرف پیٹھ اس لئے کی ہوئی تھی کہ عالم ملکوت کا دروازہ دوسری طرف ہے اور عالم ناسوت کا دوسری جانب۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء

فرمایا میں نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسنات الابرار سیات المقربین۔ (طبقہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتی ہیں) کاتب الحروف شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ علمائے محدثین نے اس حدیث کو قول سلف قرار دیا ہے مگر حقیقت میں یہ حدیث صحیح ہے۔

منازل ایمان

فرمایا ایمان کی بھی ایک حد مقرر ہے یعنی مؤمن جب اس حد تک پہنچتا ہے تو اس کا ایمان ہرگز سب نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اعمال کی بھی ایک حد مقرر ہے۔ جب اعمال اس حد تک پہنچتے ہیں تو

وہ مردود قرار نہیں دیئے جاسکتے اور ایمان کی کم سے کم حد یہ ہے کہ مومن اپنے سینے میں نور ایمان کو ظاہراً محسوس کرے۔ پھر فرمایا کہ ایک رات میں نے اپنے سینے میں نور دیکھا جو چراغ کی طرح چمک رہا تھا۔ اسی نور کی روشنی میں میں نے اپنے گھر کا ساز و سامان اور کوئے کھدروں کو بخوبی ملاحظہ کیا۔ اسی اثنا میں خداوند تعالیٰ نے الہام کیا، کہ ایمان کا وہ ادنیٰ درجہ جو میرے نزدیک مقبول ہے یہی ہے اسے میں سلب نہیں کرتا اس لئے کہ کفر و نفاق کے بعض دیز پر دے اس نور ایمان سے اٹھ چکے ہوتے ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک نور ایمان طہارت کاملہ اور اطاعت حق کے نور سے عبارت ہے جیسا کہ ہم نے اپنے موقع محل پر اسے بیان کیا ہے۔
مقامات بایزید اور سید الطائفہؒ

فرمایا ایک دفعہ میں نے چشم حقیقت سے دیکھا کہ میرا دایاں پاؤں شیخ بایزید بسطامی کے پاؤں سے اور میرا بایاں پاؤں سید الطائفہ جنید بغدادی کے پاؤں سے باندھ دیا گیا ہے اسی عالم میں میں نے شیخ بسطامیؒ کی طرف نگاہ کی تو انہیں غیبت کا مد کے مقام پر فائز پایا۔ اور شیخ جنیدؒ کی طرف دیکھا تو انہیں بے خودی و مدہوشی سے بے نیاز زمان و مکان پر نکمراں (ابو الوقت) پایا۔ اور میں نے اپنی حالت ان دونوں کے درمیان (غیبت و حضور سے معمور) پائی۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک یہ واقعہ ہر دو بزرگوں کے جذب و سلوک کے منازل پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حضرت شیخ بسطامیؒ اہل سکر تھے اور شیخ جنیدؒ اہل صحو تھے سکر کو جذب کے ساتھ اور صحو و سلوک کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔

مقام فنا فی اللہ

فرمایا ایک مرتبہ میں اپنے اسما و صفات کی طرف متوجہ ہوا تو ننانوے ناموں سے بھی زیادہ پائے کچھ اور توجہ کی تو چار ہزار سے زیادہ پائے پھر اور تجسس کیا تو اپنے اسما و صفات کی کوئی حد و شمار نہ پائی جب اس مقام پر پہنچا تو اس حالت میں اپنی ذات کو دیکھا کہ میں کائنات کو پیدا بھی کر رہا ہوں اور رنجی رہا ہوں اور باب و ابیت کبریٰ پر ایسی حالتیں اثر کرتی رہتی ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کا وہ جوہر تمام

استعدادوں اور قابلیتوں کا جامع ہے جس انسان کے اندر نقطہ وجود زندہ و بیدار اور تدبیر کلی جو تمام امور کو فی پر غور و فکر کرنے والی طبیعت کا مقتضی اور خاصہ ہے موجود ہو اور وہ انسان صاحب دل ہونے کی وجہ سے روئے روح بھی رکھتا ہو تو اس کی زبان سے اس نقطہ وجود کے معارف اور تدبیر کلی کے انکشافات عیاں ہوتے رہیں گے اور وہ اس حاسہ خاص سے تمام کائنات کے مخفی گوشوں کو دیکھتا رہے گا۔

خواب اولیاء

فرمایا میں بیس سال سے نہیں سویا، لیٹ جاتا ہوں، چادر اوپر تان لیتا ہوں، لوگ سمجھتے ہیں سورہا ہوں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اس بات کی تاویل یہ ہے کہ عرف عام میں خواب غفلت اور ذہنی تعطل کو کہتے ہیں اور آپ سے یہ دونوں چیزیں دور کر دی گئی تھیں۔

اتباع سنت ہی ذریعہ نجات ہے

فرمایا کہ آدمی کی نجات عقائد میں کمی بیشی کے بغیر انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں ہے جیسا کہ متقدمین اہل سنت کا مذہب ہے بجز اس آدمی کے جسے کوئی صاحب کشف بعض عقائد و اعمال کی تفصیل و تحقیق سے متنبہ کر دے۔

علوم صوفیاء

فرمایا صاحب تحقیق متکلمین (فلاسفہ) حقیقت ممکن اور حقیقت واجب کے درمیان تباہی سے ایک ایسا معنی مراد لیتے ہیں جسے قبول کر لینے سے صوفیاء کی تحقیقات پر کوئی زہ نہیں پڑتی اور اگر اس پر خوب غور کیا جائے تو صوفیائے کرام اور فلاسفہ کے درمیان بہت سی معمولی اختلاف ہے۔ فلاسفہ قدیم کے کلام کو حقائق صوفیاء پر محمول کرنا ممکن العمل ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک صوفیاء کے علوم جمع و فرق کی باریکیوں پر مشتمل ہیں اور متکلمین فلاسفہ کے علوم کا موضوع محض فرق پر اکتفا کرنا ہے اور اس باریک فرق کو ہم اختلاف کا نام نہیں دے سکتے، بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک طبقہ نے صرف چند چیزوں پر اکتفا کر لیا ہے اور بعض سے صرف نظر کیا۔

اعتقاد تو حید

فرمایا کہ تو حید کے اعتقاد سے جو یقینی وجدان اور قطعی برہان سے ثابت ہے اسیران دہم و گمان کے اختلاف اور شکلی الطبع لوگوں کی نا سمجھی و بے غوری کے سبب پھر نا نہیں چاہئے۔

ولایت حقیقیہ

فرمایا عادات بد سے کنارہ کشی اور تہذیب اخلاق اختیار کرنے سے اگرچہ آدمی فرشتہ بن جاتا ہے مگر کمال ولایت کی بہ نسبت یہ کوئی کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذکر میں فرماتا ہے و ما منا الا لہ مقام معلوم (ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک درجہ مقرر ہے) مذکورہ صفات والا آدمی عنایات الہی کا مستحق اور خوارق عادات کا مظہر بن سکتا ہے کیونکہ ایسی کرامات عادات بد سے بچنے اور اطاعت الہی کے اختیار کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں مگر ایسا صاحب کرامت ابھی ولایت حقیقیہ سے بہت دور ہے کیونکہ یہ ابھی اپنے آپ میں مشغول ہے اور ایسا آدمی جو خود بین ہو، ساکان طریقت میں کیسے شمار ہو سکے گا؟

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک آیۃ کریمہ و ما منا الا لہ مقام معلوم کی رو سے ملائکہ کے مقامات و مدارج محدود اور مقرر ہیں اور صاحب ولایت خاصہ کا مقام جو تجلی ذات کے شرف سے مشرف ہو کر کوئی حد و نہایت نہیں رکھتا۔

بہترین مجاہدہ توجہ الی الحق

فرمایا بہترین مجاہدہ و ریاضت کھانے پینے میں حد اعتدال قائم رکھنے کے ساتھ علی الدوام توجہ الی الحق میں پوشیدہ ہے یہاں تک کہ اس عمل کو عادت بنالیں۔

العلم حجاب الکبر

فرمایا کہ جب حضور قلب حاصل ہو تو لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے یہ نعمت زائل نہیں ہوتی ہاں البتہ تعلیم و تعلم اور باریک علوم میں مشغول ہو جائے تو حضور قلبی میں کچھ خفیف سا حجاب واقع ہو جاتا ہے۔

فرمایا جسے حضور قلب کا ملکہ بایں طور حاصل ہو جیسے آنکھ میں بصارت تو اسے علوم و فنون کے شغف سے بھی کوئی حجاب واقع نہیں ہوگا۔

شیخ یاقوت عرشی کی وجہ تسمیہ

فرمایا شیخ یاقوت حبشی کے عرشی کہلانے کی وجہ تسمیہ شاید یہ ہے کہ انھوں نے ارض و سموات اور حدوث و امکان سے گزر کر عرش وحدت (مقام وحدت) سے دائمی وابستگی حاصل کر لی تھی، ورنہ دل کا مستقل طور ہی سہی عرش کی طرف متعلق اور متوجہ ہونا کوئی کمال نہیں کیونکہ اہل تصوف کا پہلا قدم ماسوائے حق اور جملہ عرش و مافیہ کے خیالات سے گزر جانا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ یاقوت کی نسبت عرش کے ساتھ اس سبب سے نہ ہو کہ ان کے علم کا حدود اربعہ ان کی بلند ہمتی کے سبب عرش حق ہے کیونکہ یہ بات بھی ان کے کمال کی نفی کرتی ہے بلکہ یہ نسبت ان معنوں میں ہو کہ تجلی ذات حق کے بعد وہ اور عرش ایک ہو کر رہ گئے۔ اس مناسبت سے کہ عرش حق کی طرح ان کا وجود بھی انوار و تجلیات حق کا مظہر اتم بن گیا۔

آپ اس مشہور شعر کے معنی میں فرمایا کرتے تھے۔

اگر تو پاس داری پاس انفاس

بسلطانی رسانندت ازیں پاس

(اے سالک اگر تو پاس انفاس کی حفاظت کرے تو اس بجاہدہ کی بدولت تجھے سلطنت حقیقی پر فائز کیا جائے گا) یعنی سالک کو چاہئے کہ ہر سانس میں اپنی توجہ جناب احدیت اور بارگاہ وحدت سے دوسری طرف نہ پھیرے اور یہ مقام اس طرح حاصل ہوگا کہ سالک میدان توحید میں خوب غور و فکر کرے یہاں تک کہ عالم امکان کے حجابات اتار کر حق سبحانہ کی ذات کا وہ قرب حاصل کرے کہ مقام بقا پر فائز ہو کر بادشاہ کہلائے۔ نفی سے مقصود غیریت متوہمہ (ماسوائے حق کی وہ شکلیں جو وہم کی بدولت صورت پذیر ہوتی ہیں) کو دور کرنا ہے اور یہ نعمت سالک کو بحر وحدت میں مستغرق ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مشاہدہ حق

فرمایا کرتے تھے کہ بعض مشائخ کے نزدیک منزل سلوک میں تمام امور سے اہم یہ امر ہے کہ سالک ہر لمحہ اور ہر حالت میں حق سبحانہ کا مشاہدہ مظاہر کائنات میں کرے یعنی وہ یہ تصور کرے

کہ وجود باری کی حقیقت مختلف اور کثیر صورتوں کے ذریعے قید و اطلاق کی صفات میں مشتمل ہو کر جو دکھائی جا رہی ہے اس کا وجود حقیقی نہیں بلکہ اعتباری ہے کیونکہ قابل اعتنا اور لائق توجہ امر یہ ہے کہ تمام حجابات ختم کر کے سالک احدیت کے سورج کو تعینات کے پہاڑوں میں طلوع ہوتا دیکھ سکے۔ اسی مقام سے سالک پر حقیقت مخفی کے تمام رموز منکشف ہونے لگ جاتے ہیں۔ ہاں اگر اس منزل میں سالک پر مایوسی اور رنج و غم کے آثار ہو پیدا ہوں تو کوئی بات نہیں البتہ مظاہر میں معیت حق کا مطا احواس انداز سے کرتا رہے کہ ایک بسیط نور نظر آ رہا ہے جو ہر چیز سے اول ہے اور مثالی صورتوں اور خیالی ہیولوں سے تجاوز کر کے وہ نور بسیط ایک حقیقت ثابتہ کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک انا کی اوٹ میں شمس احدیت کا نظارہ دراصل مقامات جذب کی روح اور جان ہے اور مظاہرہ کائنات میں معیت حق کا مشاہدہ مقامات سلوک کی نسبتوں میں سے ایک نسبت۔

بشری خصوصیات کی خصوصیات

فرمایا لڑائی، جھگڑا، صلح پسندی، غصہ اور اس قسم کی تمام بشری خصوصیات مختلف قوتی کے باہمی امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں اور سلوک اور مراتب ولایت بھی انہی قوتوں کے نکراؤ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور انسانی مزاج کی انہی مختلف النوع قوتوں سے کام لینے کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیج کر انسانوں کو تکالیف شرعی کا پابند بنایا گیا۔ اس کے ثبوت میں کہا جاسکتا ہے کہ عارف بعض اوقات تلخ اور بدبودار چیزوں کو بھی انتہائی لذت اور خوشی سے استعمال کر لیتا ہے اس وجہ سے کہ اس وقت وہ اپنے بعض بشری قوتی سے دستبردار ہو چکا ہوتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک قوتی سے مراد مختلف النوع مخلوق اور افراد انسانی کی استعداد اور کارکردگی کی قوتیں ہیں، مثلاً انسان کی صورت نوعی، نطق، راست قاسمی اور قابل توجہ چہرہ کی مقتضی ہے اور گھوڑوں کی صورت نوعی، ہنہانے، خمیدہ قاسمی اور بال دار چہرے مہرے کی مقتضی تھی۔

الصوفی ہوا اللہ

فرمایا کہ عالم امکان کے حجابات اور قوت و ہمیہ کی انانیت سے چھٹکارا پانا منزل عرفان کا

پہلا قدم ہے اور کہنے والے نے اپنے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اللہ جب ممکن اپنے وجود سے اپنے امکان سے گرد و غبار جھاڑ دے گا تو ذات واجب الوجود کے سوا اس میں باقی کچھ نہیں رہے گا۔

فرمایا وجود حق ہر چیز میں اس کی استعداد کے مطابق جلوہ گر ہوتا ہے اور جو کچھ بھی جمع و بصر اور تمام صفات سے ظاہر ہوتا ہے وہ ان تمام (قوی و صفات) کی صلاحیت کی مقدار سے مطابقت رکھتا ہے۔ ایسے مقام پر جب کوئی مبتدی خود کو محدود سمجھتے ہوئے نگاہ ڈالتا ہے تو وحدت میں متروک ہو جاتا ہے اور جوں ہی اسماء و صفات کے سایوں سے خود کو نکال لیتا ہے تو تمام تراجم اضافات و خیالات رفع ہو جاتے ہیں، جو خود محجوب نہیں وہ بغیر اعتبار قوی کے حقیقت وجود کو پاسکتا ہے۔

بصارت اور بصیرت

فرمایا کہ بصارت (ظاہری بینائی) دراصل بصیرت روح (حقیقی بینائی) ہی کا اثر ہے مگر مخصوص فاصلے اور جہات میں مقید ہے کہ یہ فاصلہ وجہت نہ تو غایت درجہ دور ہے اور نہ قریب یہ اس طرح ہے کہ کسی شخص نے سبز رنگ کا چشمہ لگا رکھا ہو اور اسے تمام ماحول سبز دکھائی دے۔ جب بصیرت کو قوت و ادراک حاصل ہو جائے تو یہی بصارت اس کے تابع فرمان ہو کر جہت و مسافت کی تمام قیود سے بری ہو جاتی ہے۔

علمائے ظاہر کا نزاع لفظی

فرمایا کہ معتزلہ اور شیعہ رویت باری کا انکار کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ رویت جہت کا تقاضا کرتی ہے جبکہ مکمل انکشاف حجابات کے اٹھنے پر ہی حاصل ہو سکتا ہے، گویا ظاہری بینائی محدود و مقید ہے اور حدود و قیود کے اٹھنے پر ہی دیدار حق ہو سکتا ہے (اور اہل سنت بغیر کیف و جہت رویت کے قائل ہیں اور اسی کو عین انکشاف گردانتے ہیں، نتیجتاً دونوں گروہوں کے ہاں لفظی نزاع کے علاوہ کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

اولیاء اور دیدار باری

فرمایا کہ اہل اللہ کو دنیا میں وہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو کہ دوسروں کو قیامت میں عطا ہوگا وہ ذات باری کو واشکاف اور اشکال سے منزہ بالکل روز قیامت میں دیدار حق کی طرح (دنیا ہی میں)

اچکتی ہوئی بجلی کی صورت میں دیکھتے ہیں اور ان میں سے بعض اس سے بھی زیادہ اور کچھ تو متواتر دیدار عام کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ لم اعبد ربا للمراره (میں جس خدا کی پرستش کرتا ہوں اسے دیکھتا ہوں)
حقیقت بیعت

فرمایا اولیاء اللہ کے سلسلے میں داخل ہونے سے مراد عمل اور تسلیم کا مظاہرہ کرنا ہے۔ جب تک کوئی ان کی ریاضتوں اور اطوار کو نہ اپنائے، چاہے کوئی کتنا بھی ظاہری ارتباط پیدا کر لے اسے داخل سلسلہ نہیں کہا جاسکتا۔

تجلی ذات کی دولت

فرمایا کہ ہمارے زمانے کے عرفاء کا یہ حال ہے کہ انہیں تجلی ذاتی کی دولت حاصل نہیں، ورنہ وہ کبھی اپنی اور آل اولاد کی اغراض کی خاطر سلاطین و امراء کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) یہ سمجھتا ہے کہ تجلی ذاتی کا اطلاق بعض جگہوں پر اس کے متعلقات وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔ لہذا اس جگہ تجلی ذات سے مراد کمال تدبیر کا انکشاف ذات باری کے قہر اور ارضی و سماوی اسباب کی تدبیر کا جان لینا مراد ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ جب چاہے اور جس چیز کو جہاں چاہے ظاہر فرما سکتا ہے۔ اس (عارف) کو توکل علی اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

تعصب راہِ خدا میں بڑی رکاوٹ ہے

فرمایا کہ راہ و اصول کی سب سے بڑی رکاوٹ تعصب ہے۔ حضرت شیخ صوفیاء کے اس قول کو جب تک توجہ کا مرکز ایک نہ ہو، افادہ و استفادہ کا ظہور نہیں ہو سکتا کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ توجہ کی یکتائی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک جانب سے اخذ کیا جائے اور بغیر اس کے دوسری طرف التفات نہ کرے، چاہے وہ غوث و قطب ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی قیاس آرائی سے اس کی (مرشد) انضیات سب پر مقدم جانے۔

فرمایا کہ یہ بات عارف کے شایان شان نہیں کہ دوسرے عارف کے مرید کو اپنی طرف

پھیر لے اور اس کی توجہ اس کے اپنے شیخ سے ہٹا دے اور اگر اس موقع پر مرید التجار زاری کرے تو بھی اسے اس کے شیخ کے حوالے کر دے اگر اس کا شیخ کسی دوسرے شہر چلا جائے یا واصل بحق ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

فرمایا کہ حناہ کرام کا انکار یا ان کو برا بھلا کہنا ائمہ اہل بیت سے ثابت نہیں بلکہ یہ ان پر افتراء ہے۔ ابن عبد البر کے اس قول کی توجیہ میں کہ بعض تابعین کی صحابہ رسول پر فضیلت جائز ہے فرماتے تھے کہ وہ حانی صحبت کی فرمانبرداری جسمانی صحبت کی فرمانبرداری سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ابن عمامہ بھی صحابہ میں سے ہیں۔ اور ان کی صحبت روحانی ہے جو کہ موثر تر ہے۔

لفظوں کے پجاری علماء

فرمایا کہ میں نے عرفا و علماء کی ایک بہت بڑی محفل میں مسئلہ وحدت الوجود ثابت کر دکھایا، عقائد متکلمین پر مبنی عبارات کے حوالے پیش کئے اور عقل و نقلی دلائل دیئے مگر اس تمام بحث کے دوران ”وحدۃ الوجود“ کی اصطلاح کو لفظاً ذکر نہ کیا۔ انھوں نے یہ تمام دلائل قبول کر لئے، گویا خلاصہ یہ نکالا کہ لفظوں کے پجاری علماء کا اکثر تعصب لفظوں سے ہوتا ہے۔

مسئلہ تو حید خالی کتابوں سے حل نہیں ہوتا

فرمایا کہ تو حید کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ ریاضت و انجذاب کے بغیر فائدہ نہیں پہنچاتا کیونکہ کتابوں کا مطالعہ عملی مشق کے بغیر تیر کے سوا تیر چلانے کے مترادف ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان رسائل سے مطلوب کی تائید بھی ہو جاتی ہے۔ اولیاء ابوالوقت ہوتے ہیں۔

فرمایا کہ تمام زمانے میرے نزدیک بحیثیت آن واحد کے ہیں۔

فرمایا کہ ایک روز میں نے وضو کرنا چاہا کہ اسی دوران کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی، بعد میں میرے دل میں یہ القا ہوا کہ یہ مدت غنودگی نو سو ہزار برس کے برابر تھی۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ طویل تر زمانوں کو ایک پل کی صورت میں پاؤں دراصل فنا کے حقیقت میں مل جانے سے پیدا ہوا۔ کیونکہ زمانہ فنا ہے اور حقیقت اس سے ماوراء اور ایک ساعت کو طویل تر زمانوں کی حیثیت میں

پانے سے ان کی مراد یہ ہے کہ زمانہ مقدار حرکت کو کہتے ہیں اور عالم مثال میں کوئی ایک ایسی حرکت موجود ہے جو اس (زمانہ) کی حرکت سے تیز تر ہے۔ اگرچہ یہ حرکت ظاہر نہیں ہوتی مگر بعض اوقات ظاہر بھی ہو جاتی ہے اور حرکات مالوفہ سے تیز تر مقدار طویل زمانوں کے گزرنے سے منکشف ہوتی ہے۔

فرمایا کہ اگر کسی برے کام کے مرتکب کو دیکھو تو جان لو کہ وہ قصد ارتکاب نہیں کر رہا لہذا اسے نصیحت کرو کیونکہ فان الذکر ی تنفع المؤمنین (نصیحت مؤمنین کے لئے نفع بخش ثابت ہوتی ہے) اور مؤمنین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں ایمان کا بلند تر مقام حاصل ہوتا ہے۔ شاید کہ نصیحت ان سو میں سے کسی ایک کو نفع پہنچائے جو امر ارادی کے موافق ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی بچی گم ہو جائے اور وہ اس کی تلاش میں ہر کوچہ و بازار میں پکارتا پھرے حالانکہ اس کی بچی کسی خاص مقام میں موجود ہو اور اس کی خبر رکھنے والا ہزاروں میں سے کوئی ایک ہو۔ (جب وہ آواز لگائے گا تو ہزاروں میں سے کوئی ایک جو جانتا ہوگا سامنے آجائے گا، اسی طرح لوگوں کو نصیحت اور بھلائی کی بات بتانی چاہئے ممکن ہے کوئی ایک اس سے فائدہ اٹھالے)

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ دنیا ساری تقدیر کی رسیوں میں جکڑی ہوئی ہے اگر کوئی فاسق ہے تو اس کا فسق اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ اگر صالح ہے تو اس کی نیکی اس کی تقدیر تھی، اور واجب بالغیر کے لئے علت تامہ کی ضرورت ہے جبکہ ہدایت مرشد جو کہ علت تامہ کی جزو ہے۔ اکثر نفوس کی اصلاح کا سبب بنتی ہے۔ لہذا تدبیر کلی بعثت رسل اور کتب آسمانی کے نزول کا تقاضا کرتی ہے۔ اور تمام اسباب کے وجود کی مقتضی ہوتی ہے۔

ذوق مشاہدہ

فرمایا کہ جب کسی کو ذوق مشاہدہ حاصل ہو جائے تو کوئی معصیت اسے زائل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ چاہے صالح ہو یا فاجر دونوں کے نزدیک شیرینی محبوب تر ہے اور گناہوں سے حفاظت محض ذات باری کی عنایت پر مبنی ہے۔

خدا کا دشمن کون ہے

فرمایا کہ بایزید (حضرت شیخ کے ایک ہم عصر بزرگ) نے مجھ سے کہا کہ میں خدا کو ان

آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا اے شیخ! تم کون ہو اسے دیکھنے والے؟ انہوں نے کہا تو کیا دوست کو دوست سے حذر کرنا چاہئے؟ میں نے کہا تو اس کا دشمن کون ہے؟ اس پر ان کا غصہ فرو ہو گیا کیونکہ منصفانہ طبیعت پائی تھی۔

فرمایا کہ ولی اس دنیا میں بوجہ غلبہ عناصر روح جلایا جاتا ہے اور تلوار سے قتل کیا جاتا ہے مگر روز قیامت معاملہ اس کے برعکس ہوگا کہ آگ بزبان حال پکارے گی۔ جزبہ مومن فنان نورک یطفأ لہبی) (اے مومن جلدی گزر جا کہ تیرے نور کی لپٹ میرے شعلے کی بھڑک کو ٹھنڈا کر رہی ہے)۔ مگر یہ مقام ان اہل کمال کا ہے جن کے سامنے سے پردہ ہائے امکان اٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔

ریاضات صوفیاء

فرمایا کہ ایک عالم نے عارف سے سوال کیا کہ صوفیاء یہ تمام مجاہدات و ریاضات، کا ہے کرتے ہیں، عارف نے کہا کہ اگر تمہیں کہا جائے کہ اس طرح اس طرح کی مشقت کرو جس کے معاوضے میں تمہیں سلطنت دی جائے گی یا بادشاہ تمہارے تابع فرمان ہو جائے گا تو وہ تمام مشکلات اور مشقتیں تمہیں گوارا ہوں گی کہ نہیں؟ اس نے کہا ہر شخص خوشی سے ایسا کرے گا، عارف نے کہا اسی طرح ریاضات و مجاہدات کے نتیجے میں ذات حق نہاں خانہ قلب میں اپنی شان الوہیت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہاں (موخر الذکر عبارت میں) آمدن حق (یعنی قلب عارف میں ذات حق کی جلوہ گری) سے مراد صورت الہیہ کی بقا کا حصول ہے اور اس کا اصل اس نقطہ وجود کی روشنی اور جلوہ گری ہے جو سالک کے نفس ناطقہ کے نقطہ میں سے ایک ہے۔

عین القضاۃ ہمدانی کے قول کی تشریح

عین القضاۃ ہمدانی کے ظاہر اُغیر شرعی قول کہ:

اے پسر لا الہ الا اللہ خود زشرک خفی ۱۔ ت آئینہ دار

چہست شرک جلی رسول اللہ خود شینن را ازین دو شرک برآر

کی تاویل میں فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، اور

معبود کے لئے عابد کا ہونا ضروری ہے اس میں دوئی کا تصور نمایاں ہے جو کہ اصل شرک ہے، اور شرک خفی اس میں یہ ہے کہ عابد عبادت میں مذکور نہیں اور محمد رسول اللہ کا معنی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف بھیجا ہے یہاں اس میں شک نہیں کہ مضاف جو کہ رسول ہے، وہ مضاف الیہ یعنی اللہ کا غیر ہے اور یہ شرک جلی ہے اور جب تو وحدت کی حقیقت کو پالے گا اور تعینات کی غیریت کو اعتباری جانتے ہوئے رسول خدا کو بھیجنے والے کا مظہر دیکھے گا تو ان تمام اقسام شرک سے نجات پالے گا۔

لامحدودیت واجب الوجود

فرمایا کہ وجود عالم عدم واجب کو مستلزم ہے، اس لئے کہ وجود عالم کی صورت میں اگر تو واجب وجود عالم سے خارج ہے تو وہ محدود ہو گیا اور واجب کبھی محدود نہیں ہو سکتا، اور اگر واجب وجود عالم میں داخل ہے تو حلول لازم آتا ہے اور ذات حق حلول سے پاک ہے اور اسی طرح ضروری ہے کہ ہر طرح سے عدم ممکنات کی تردید کی جائے تو ثابت ہو گیا کہ عالم تعینات اعتباری سے عبارت ہے اور حقیقت وجود کو دوسرے لفظوں میں یوں بیان کرتا ہوں کہ وہ معدوم ہے جو کہ اپنی ذات میں خود قائم ہے۔

شیخ اکبرؒ کے ایک قول کی تشریح

فتوحات مایہ میں شیخ اکبرؒ کے اس قول کہ لا من العالم من اللہ کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ وجود عالم بزماء و جم ہے اور وجود باری، وجود حقیقی ہے، ایک مارف نے کہا ہے کہ الوجود فی الكل ساری والتعینات امور اعتباریة (وجود حقیقی تمام اشیاء میں جاری و ساری ہے اور تعینات صرف اعتباری امور ہیں) لہذا عالم خدائے لم یز سے دور کی چیز ہے، کیونکہ موجود حقیقی (ذات حق) اور مذبوم (عالم) میں باہمی تضاد ہے اور ان کے مابین کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو انہیں جمع کر لے۔ اس کی مثال اس سراب کی سی ہے جو شعاع آفتاب سے پرتو سے دریا دکھائی دیتا ہے۔ مگر فی الحقیقت دونوں (سراب و دریا) میں تباہی لگی موجود سب اسی طرح خداوند بزرگ و برتر کی تیلنی کا سورج عالم پر چمک رہا ہے جس کے نتیجے میں عالم وجود میں آیا جسے بحر ذات کے ساتھ ایک مناسبت تو پیدا ہو گئی مگر حقیقت یہ ہے کہ خود اپنی ذات میں وہ معدوم محض ہے۔

شیخ اکبر کے اس قول مافی احد من اللہ شینا کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اکبر کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

کجا غیر کو غیر کو نفس غیر

سوی اللہ واللہ مافی الوجود

یہاں لفظ فی حلول پر دلالت کرتا ہے ذات حق اور اس کے شکونات کے مظاہر ظاہر میں پس اس کی ذات و صفات کس طرح غیر میں حلول کرتی ہے، یا غیر سے متعلق ہو جاتی ہے اور یہ تو مستلزم اثنیست ہے، پس معلوم ہوا کہ خدا کے سوا میں خدا نہیں جیسا کہ اس کے سوا کوئی چیز اس میں موجود نہیں، چنانچہ صوفیاء کے اس قول کہ لیس فی ذاته سواہ ولا ذاته فی سواہ (اس کی ذات میں اس کا غیر موجود نہیں اور نہ وہ خود اپنے غیر میں موجود ہے) معلوم ہوا کہ یہ دونوں عبارتیں وحدت وجود کے بارے میں ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتیں۔

عظمت قرآن

فرمایا کہ عارفین میں سے کسی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میرے لئے بحر اور آیات قرآنیہ موجوں کی صورت میں ظاہر ہوئیں جب میں ایک آیت پر غور کرنے لگا تو بے انتہا پوشیدہ معانی مجھ پر آشکارا ہوئے اور میرے دل میں یہ آیا کہ یہی ہے وہ قرآن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا تھا، اس طرح میں نے عظمت قرآن کو جان لیا۔ جب کوئی ولی خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے حضور بعض آدمیوں کے لئے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اسے حسب مطلوب ایک دو آیات قرآنیہ الہام کی جاتی ہیں۔

فرمایا کہ جب وجود حق صور امکانیہ میں ظاہر ہوا تو صفات و اجبیہ پر وہ ہائے امکان میں پوشیدہ ہو گئیں جیسا کہ نشہ استعمال نہ کرنے والا کارگری اچانک نشہ آور چیز استعمال کرنے سے اپنے اوصاف کاریگری سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ مظاہر ممکنہ میں وجود جلوہ گر ہوتا ہے تو اس وقت صاف کمالہ ظہور پذیر نہیں ہوتیں۔

مقامات سلوک

ایک صوفی کے اس قول کہ ما بعد المقام الذی وصلناہ مقام (یعنی جس مقام تک ہم پہنچے ہیں اس کے بعد بھی ایک مقام ہے) اور ایک دوسرے عارف کے اس قول کہ فوق کل مقام مقام مالا یبتاھی (ہر مقام کے ورے ایک اور مقام ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے) کی تشریح میں فرمایا کہ پہلا تو اہل شہود (جو تمام مراتب طے کرنے کے بعد رویت حقیقیہ کی دولت سے شاد کام ہوں) کی نسبت درست ہے۔ جیسے شیخ بسطامیؒ نے فرمایا کہ اذلیس و راء عباد ان قریۃ والی ربک المنبتھی اور دوسرے قول کے قائل کی مراد اگر مظاہر اسماء کی سیر ہے جیسے ملائکہ، عالم مثال و ارواح وغیرہ مسلم ہیں لیکن یہ کمال نہیں کیونکہ معارف ذات حقیقی تک رسائی کے بعد ان (سیر مظاہر اسماء سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس وقت ان پر لفظ مقام بھی تسامح کے ساتھ صادق آتا ہے۔ اگر سائل یہ سمجھتا ہے کہ وصول ذات کے بعد بھی مقامات غیر متناہیہ واقعہ موجود ہوتے ہیں تو اس کی فاش غلطی ہے۔

تشریح شعر عطارؒ

شیخ فرید الدین عطارؒ کے اس شعر۔

عشق را با کافری خویشی بود

کافری را مغز درویشی بود

کی تشریح میں فرمایا کہ اس میں کفر سے مراد نسبت اور دیگر اضافی چیزوں کا مخفی رکھنا ہے۔

شیخ ابو بکر دہلویؒ اور شیخ ابوسعید خراز کے اس قول کہ اکثر العارفین حتیٰ ابی یزید صانوا فی الوهم والظن (اکثر عارفین یہاں تک کہ ابو یزید نے بھی وہم و گمان میں یکسانیت روا نہیں رکھی) کے بارے میں فرمایا کہ ولایت کبریٰ جہت دوئی کو مٹانے کا نام ہے شہود اور وصول بالذات بھی اسی سے عبارت ہے۔ اکثر عارفین کہ شیخ ابو یزیدؒ بھی ان میں سے ایک ہیں واقعی اسی مقام پر فائز ہیں مگر اس مقام شہود کے کئی مراتب و مدارج ہیں، بعض اوقات تو یہ (شہود) تجلی صفات و جوہیہ جبکہ امکان بھی ساتھ باقی رہتا ہے اکثر عارفین پر اسی مرتبہ کا غلبہ تھا۔ اور یہ ہمیشہ موجود رہتا ہے بعض اوقات یہ (شہود) خالصتاً تجلی ذات کی صورت میں ہوتا ہے اور امکان بھی نہیں

ہوتا۔ یہ بالکل غلط ہے اور یہی تجلی برقی آتی ہے جو اس جہان میں دائم نہیں رہتی اور اس میں اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں، روح بدن سے بچھڑ جاتی ہے جو اس طرح شہود ذات کو نہیں پالیتا وہ درحقیقت اصل توحید سے دور رہتا ہے اور اس پر وحدت کا غلبہ نہیں ہونے پاتا جیسے شہود کے کچھ مراتب بایزید برطائیؒ پر غالب آ گئے تھے اور امکان میں سے کچھ بقیہ کے سبب یہ نعرہ ان کی زبان زد ہو گیا سبحانی ما اعظم شانی اور یہ الفاظ اس شخص کے لئے مناسب نہیں جو طریقہ مذکورہ کے مطابق وحدت کی اصل تک پہنچا ہو۔

ایک لطیف نکتہ

واضح رہے کہ ما اعظم صیغہ تعجب ہے اور اس مقام پر تو کوئی تعجب ہوتا ہی نہیں اور اس طرح کہ حق تعالیٰ کو اپنی عظمت و کبریائی پر کوئی تعجب نہیں اور یہ جو کہتے ہیں کہ ایسا نعرہ لگانے کے بعد شیخ برطائیؒ نے زنا رگلے میں ڈال کر بعد میں اسے کاٹ دیا اور کہا اللھم ان کنت قلت یومہ سبحانی ما اعظم شانی فکنت مجوسیا زندیقاً وانا اقطع زناری واقول لا الہ الا اللہ (یا اللہ اگر میں نے کبھی سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو میں مجوسی و زندیق تھا۔ اب میں اپنی زنا ر اتار پھینک کر کہہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہوں حالانکہ قرینہ یہاں یہ ہے کہ ابھی ان کے ہاں امکان میں سے کچھ باقی تھا اور آخر میں اس کی خبر ہوئی۔ اگر بعض صوفیاء یہ کہیں کہ ان کے مندرجہ بالا قول کا مطلب ہدایت و ارشاد تھا تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ آئندہ اس کی تقلید میں کوئی ایسا نعرہ نہ لگائے۔

مقام ابن منصورؒ

جہاں تک ابن منصورؒ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ابوسعید خدریؓ نے یہ رائے دی کہ ان اوحد زمانہ لم یکن فی عہدہ من الشرق الی المغرب مثله (ابن منصورؒ میدان وحدت میں یگانہ روزگار تھے اور ان کے زمانے میں مشرق سے مغرب تک ان کے پائے کا کوئی آدمی نہیں تھا) اسی وجہ سے ان پر سر توحید کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ پیچھے نہ بٹے، مگر مناسب بات تو یہ ہے کہ ابن منصورؒ نے خود توحید حقیقی کے راز کو نہیں پایا تھا، کیونکہ وہ اپنے قول انسا الحق پر ہمیشہ قائم رہے جبکہ تجلی برقی آن واحد کی طرح ہے۔

اکثر عرفاء جو شہود کی کسی ایک قسم سے مشرف ہوئے اپنے تئیں یہ سمجھتے رہے کہ انہیں شہود ذاتی حاصل ہو گیا ہے حتیٰ کہ وہ اسی زعم میں چل رہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ تجلی، مقبلی کہ (جس کو تجلی سے نوازا جائے) کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے اور جو چیز محدود کے لئے ہو وہ حدود حساب سے خالی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان نفوس کہ جن پر قوی اطلاع غالب آجائیں اور ان نفوس میں کوئی تقید یہ ان پر غلبہ رکھتی ہوں، فرق ہے، لہذا نفوس تقید یہ میں معرفت کی غایت ظہور صفات ہے نہ کہ ذات اور یہ بھی ایک طرح کا امتزاج و اختلاط ہوتا ہے جیسے کہ ہر آئینہ اپنی وسعت کے مطابق اجسام کو ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ زمین و آسمان ایک چھوٹے سے آئینے میں آجاتے ہیں مگر جب یہی آئینہ سبز یا زرد رنگت کا ہو یا اس کی شکل لبوتری یا مثلث ہو تو کئی اور تبدیلیاں بھی رونما ہو جاتی ہیں گویا ہر تبدیلی ایک حجاب ہے

نظارہ جمال حقیقی

فرمایا اگر انا الحق کہنے والا امکان کے پردوں میں پوشیدہ ہے تو وہ جھوٹا ہے اور دائرہ فرعونیت میں داخل ہو جاتا ہے اور اگر اس کی جہت امکان مغلوب ہوگئی ہے تو وہ معذور ہے۔ اس مقام پر فرمایا کرتے تھے کہ تجلی باطل دعووں اور امکانی جہت سے بے نیاز ہوتی ہے، کیا یہ بات کسی سے مخفی ہے کہ جب ایک شخص کسی حسین و جمیل کا نظارہ کرتا ہے تو خود کو اور اپنی تمام تر صفات کو فراموش کر بیٹھتا ہے بعینہ یہی حال خواتین مصر کا رخ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا، یہاں سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ نظارہ جمال حقیقی سے کیا حال واقع ہوتا ہوگا؟

ظلمت عدم سے وجود خارجی تک

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے تھے ان اللہ خلق الخلق فی ظلمة ثم دس علیہم من نورہ (خداوند بزرگ و برتر نے مخلوقات کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور کی ایک جھلک ڈالی) کہ اس نے خلق کو اعیان ثابتہ کی حیثیت میں اس طرح پیدا کیا کہ وہ ظلمت عدم کا لباس پہنے ہوئے تھے واضح ہو کہ ایسے میں وجود خارجی مستثنیٰ تھا اس کے بعد ذات حق نے ان پر وجود خارجی کا نور ڈالا تو وہ تمام اعیان خارجی بن گئے، اور اس موجودیت کے ساتھ انہوں نے ذات حق کو پہچانا۔

فرمایا کہ انسان کا مرتبہ امر کافٰی کی طرف توجہ کرنا حد ذاتہ میں خود کمال ہے۔ اس رو سے کہ یہ تمام شئوں ذات ہیں اور یہ جو مراتب کو غفلت کا نام دیا جاتا ہے وہ اس اعتبار سے کہ بعض اوقات صفات و اہبہ کی طرف توجہ کرنے میں مانع ثابت ہوتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ذات حق تک پہنچنے سے محروم، اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور موت کے بعد (اس کی روح) پریشان، غمزدہ اور اذیت رسیدہ ہو جاتی ہے کیونکہ یہ شخص اپنے کمال کو نہ پاسکا اور اپنے مالوف سے جدا ہو گیا: فرمایا کہ ذات اپنے اعتبار نفس کے لحاظ سے خود تمام تر منفی و مثبت اعتبارات سے قطع نظر ذات خاص، ذات سازج، لائقین، احدیت صرفہ اور وجود مطلق کے ناموں سے موسوم ہے۔ یہ وجود مطلق اس معنی میں کہ نسبت تصبیہ و اطلاق سے خالی ہوتا ہے، نہ یہ کہ اطلاق کی پابندی میں مقید ہو۔ صوفیاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ ذات بحت (خاص) موجود چنی اور محض عقلی ہے اس کا خارجی وجود نہیں۔

اور اس گفتگو سے مراد یہ ہے کہ مقید سے مراد یہاں امر چنی ہے کیونکہ اعتبارات ذات کے اسماء و صفات ہیں جو کہ ذات کا لازمہ ہیں اور انھیں ذات سے خارجی طور پر جدا نہیں کیا جاسکتا۔ ذات ان کمالات کے روپ میں ازلی وابدی طور پر ظاہر ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ احدیت اپنے بعد آنے والی وحدت اور دیگر تمام قابلیات سے پہلے ہے یہاں پر احدیت سے مراد احدیت ذاتی ہے کہ جہاں کوئی اعتبار نہیں پایا جاتا اور یہ جو کہا گیا ہے کہ احدیت اس وحدت کے بعد ہے اس سے مراد احدیت صفاتیہ ہے اور وہاں ذات کے علاوہ کی نفی مقصود ہے لہذا اختلاف باقی نہ رہا، الغرض ذات کے علاوہ جملہ اعتبارات و اضافات وغیرہ کو ذات سے ساقط کر دینے کا نام احدیت ہے اور ذات کے ساتھ جملہ اشیاء کو ثابت سمجھ لینا واحدیت ہے اور یہ واحدیت کمالات و جوہیہ و امکانیہ دونوں کو شامل ہے لفظ واجب کا اطلاق تجلی و وجود مطلق کے اعتبار سے صفات و اہبہ موثرہ پر اور لفظ ممکن کا اطلاق باعتبار تجلی صفات امکانیہ متاثرہ ہوتا ہے۔

احدیت و واحدیت

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ احدیت و واحدیت میں تقدم و تاخر زمانی نہیں بلکہ رہتے کے لحاظ سے ہے جب کہ کچھ غیر حقیقت پسند لوگوں کے گمان میں یہ تقدم و تاخر زمانی ہے۔ تقدم

رتبی کی مثال یوں ہے کہ ایک ہی وقت میں زید اپنے خارج میں زید بھی ہے اور انسان بھی! عالم بھی ہے اور پارچہ باف بھی! مگر جب اس کی ذات خاص پر نظر ڈالی جائے تو اسے صرف انسان کا نام دیا جاتا ہے اور اگر صفات کی نفی کریں تو صرف انسان کہلائے اور اگر ان تمام صفات کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے تو اسے باصفات انسان کہا جائے گا! پھر اگر فرداً فرداً جملہ صفات کی تفصیل بیان کی جائے تو علم کی صفت کے اعتبار سے وہ انسان عالم ہے اور پارچہ بافی کی صفت کو اس سے جوڑا جائے تو وہ پارچہ باف ہوگا اور زید ان تمام حالات میں واحد ہے کہ خارج میں اس کی جملہ صفات اس سے منسلک نہیں ہیں اور بعض اعتبارات کے ناموں کا اختلاف عقلی ہے اور ایک اعتبار کا دوسرے پر تقدم رتبی ہے نہ کہ زمانی، اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ خارج میں ذات بحث موجود ہے تو اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ جسے ذات بحث فرض کرتے ہیں وہ بعینہ مظاہر میں بھی موجود ہے اور کج فہموں کے اوہام کو دور کرنے کے لئے یہ کچھ کہا گیا ہے جو ذات فاعل کو ہم سے خارج قرار دیتے ہیں اور نسبت ظاہریت و مظہریت ثابت کرتے ہیں تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

اصلیت شطیحات

فرمایا جس نے سبحانی ما اعظم شانی یا انا الحق کہا غائباً غلبہ مثال اور اپنی نظر سے جہت امکان کی نفی کرتے ہوئے کہا ورنہ اسمائے الوہیت کا اطلاق سوائے تمام معلومات کے عالم کی کسی چیز پر روا نہیں، اور یہ علم ان سبحانی اور انا الحق کہنے والوں میں موجود نہ تھا اور درحقیقت یہ علم کسی بھی مظہر میں نہ تو پایا گیا ہے اور نہ اب تک پایا جائے گا، کہتے ہیں اگر تجلی برقی اپنے خواص کے ساتھ دائم ہو جائے تو یہ الفاظ جمیع معلومات ہوگا مگر تجلی ذاتی کا دوام کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ روح بدن کو چھوڑ جاتی ہے اور بدن متفرق و پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

تجلی برقی

فرمایا کہ پردوں کے اٹھنے کے بعد کشف ذات کہ جس کا نام رویت ذات اور تجلی برقی ہے۔ اس جہاں میں تجلی امکانات کے پوری طرح اٹھ جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ یہ تجلی برقی نہیں ہوتی مگر موت کے بعد ایک اعتبار سے ہوتی ہے تو اس ضمن میں کہا گیا ہے کہ جب

نوعی سے چھکارا پالینا موت سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے او من کان میتا فاحییناہ وجعلناہ نوراً۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من مات فقد قامت قیامتہ (جو مر گیا تو اس کے لئے قیامت قائم ہو گئی) لہذا اہل شہود کے لئے قیامت قائم ہے پس وہ ان حالات کو اسی طرح دیکھتے ہیں جو کہ لوگ قیامت موعود میں دیکھیں گے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول او من کان میتا الخ مراد یہ ہے کہ او من کان فانیا رفع عنہ الحجب فاحییناہ ای ابقیناہ لایروی الا باللہ فلا یسمع الا بہ جعلناہ نوراً یعنی النجلی البرقی الانی (جو فانی تھا ہم نے اس کے سامنے سے پردوں کو ہٹا دیا اور اسے بقا عطا کر دی اس طرح کہ جب وہ دیکھتا ہے تو اپنے رب کی آنکھوں سے اور جب سنتا ہے تو اسی کی سماعت سے اور ہم نے اس کو نور یعنی تجلی برقی آنی عطا کر دی)

لذت عشق

ایک دن حضرت شیخ نے مشاہیر میں سے کسی کا نام لے کر فرمایا کہ وہ مقام معشوقیت پر فائز ہیں اور میں اس مقام پر ہوں کہ عاشقیت و معشوقیت کو وہاں کوئی دخل نہیں۔

فرمایا کہ وہ جو یہ کہتا ہے کہ عاشقیت میں جو لذت ہے وہ دوئی کے اٹھ جانے میں نہیں غلطی پر ہے کیونکہ عاشق دوئی کے سبب آتش عشق میں جلتا رہتا ہے اور ایسے میں وہ شرک خفی کا مرتکب ہوتا ہے اگرچہ یہ مرتبہ حسنات الابرار کا ہے مگر سینات المقربین میں شمار ہوتا ہے جب کہ صاحب شہود عظمت استغنا اور جلال و جمال سے لذت یاب ہوتا ہے اور اس لذت کا درجہ لذت عاشقیت سے کہیں بلند ہے۔

کشف ذات

حضرت شیخ نے فرمایا کہ جس کے سامنے سے پردے اٹھ گئے تو وہ اپنے پروردگار کو اپنی روح میں دیکھتا ہے اور اسی کو کشف ذات کہتے ہیں اور ایسے میں عارف عدم تنہا ذات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ صفات میں سے ہے۔

علوم معارف

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ عارف کا علم حضوری انا کے ساتھ حقیقت الحقائق سے متعلق ہے اور انا محدود ہے جبکہ حقیقت الحقائق لامحدود تو ان میں تافی بایں وجہ نہیں ہے کہ انا کا نفوذ حقیقت الحقائق میں اس طرح ہے کہ ہر طرح کے اعتبارات سے بری ہے اور تافی اور ناتافی دونوں اعتبارات میں سے ہیں۔

اقسام حدیث قدسی

فرمایا حدیث قدسی کے دو اقسام ہیں، ایک وہ جسے جبرئیل اُتاتے تھے اور قرآن میں داخل نہیں کیونکہ یہ کام مجر نہیں اور اپنی غایت میں محدود و مخصوص ہے جبکہ قرآن مجید عام و خاص تمام کے لئے شفا ہے دوسرے وہ کہ خداوند کریم نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری۔

استعانة باصحاب القبور

حدیث اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور (جب تم دنیوی امور میں غلطیاں و پریشاں ہو جاؤ تو اصحاب قبور سے مدد طلب کرو) کی وضاحت میں فرمایا کہ یہاں استعانت میں احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مردوں کے احوال کو یاد کر کے عبرت پکڑنا ہے جو امور دنیوی سے توجہ کو ہٹا دیتا ہے اور پریشانی روزگار کو کم کر دیتا ہے۔

حقیقت دنیا

حدیث ان الدنيا اقبس من جيفة منته (دنیا گلی سڑی لاش سے بدتر ہے) کی تشریح میں فرمایا کہ دنیا حق کی طرف توجہ کو روکتی ہے کیونکہ دل کا تعلق اس سے ہو جاتا ہے نہ کہ گلی سڑی لاش سے۔

حقیقت کذب

فرمایا کہ اقوال میں سے جھوٹا قول وہ ہوتا ہے جو خلاف شریعت ہو، اور جھوٹے افعال وہ ہوتے ہیں جو خلاف شریعت ہوں اور جھوٹے احوال یہ ہیں کہ کوئی ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جائے جب کہ سچا حال ایک ہی ہے اور وہ شہود ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ تلوں سے مراد یہاں سر تو حید کا ایک بار ظاہر ہونا

اور دوسری بار پوشیدہ ہوتا ہے، یا یہ کہ ایک بار جو چیز ظاہر ہوتی ہے تو دوسری بار اس کے برعکس کوئی اور چیز سامنے آتی ہے۔

مشابہت یہود سے ممانعت

فرمایا لمبی ٹوپی اور ریشمی چٹنی کمر سے باندھنا جسے ہندی میں سیلی کہتے ہیں علامات یہود و نصاریٰ میں سے ہے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے والوں پر غصے کا اظہار فرمایا بعد میں جاہل لوگوں نے اسے پسند کر کے اپنالیا۔

پردہ ہائے امکان و وجوب

فرمایا پردہ ہائے امکان غفلت کی تاریکیوں سے عبارت ہیں جو دوئی کے کڑھے میں پھینک دیتے ہیں، ان کا تعلق کھانے پینے یا سونے سے نہیں جو کہ لوازم زندگی ہیں بلکہ غصہ، حسد، بغض اور تمام اوصاف ذمہ سے ہے جو غفلت کو بڑھاتے ہیں اور پردہ ہائے وجوب صفات و احیہ کو کہتے ہیں سالک جب خدا کے فضل سے ان تمام جب امکانیہ کو قطع کر لیتا ہے تو ذات حق کو جب وجوبیہ سے وراء اس طرح دیکھتا ہے جیسے کوئی دیکھنے والا آفتاب کو ہوا، کرہ آگ، اور آسمانوں کے باوجود جو کہ زیر آفتاب ہوتے ہیں، دیکھتا ہے اور یہ جملہ اشیاء اس کو دیکھنے سے مانع نہیں ہوتیں اسی طرح سالک کے لئے جب وجوبیہ مشاہدہ ذات سے مانع نہیں ہوتے اور اس کے بعد اولیاء میں سے مخصوص افراد کے لئے تو جب وجوبیہ کو بھی ہٹا دیا جاتا ہے۔

تعریف مشاہدہ

فرمایا مشاہدہ سے مراد ایسی توجہ قلب ہے جو کہ حقیقت الحقائق کی طرف مبذول ہو، چاہے ایک ساعت کے لئے ہی کیوں نہ ہو، اور جس نے ذات حق کو نہ پہچانا اور اس کے مظاہر کو نہ جانا وہ مشاہدہ حق سے بے خبر ہے۔

حصول شہود

فرمایا کہ مشاہدے کو عالم مثال و ارواح کے طے کرنے کی حاجت نہیں، اور ایک شہود وہ ہے جو محض جذبہ البیہ سے حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس طرح کے شہود کی بقا کا اعتبار نہیں بخلاف اس شہود کے جو سلوک کے بعد حاصل ہوتا ہے چونکہ یہ عبور کے بعد ہوتا ہے لہذا اس کی بقا کا اعتقاد موجود ہوتا

ہے۔

فرمایا عارف کا کمال یہ ہے کہ وہ سراپا عشق ہو جائے کیونکہ عشق معشوق کا مادہ اشتقاق ہے اور اس جگہ یہ بھی فرمایا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں حقیقت الحقائق کو بھی عشق سے موسوم کیا جاتا ہے اہل سلوک کے اس قول کو ”ریاضتوں سے دل پستی سے بلندی پر آ جاتا ہے“ کی تشریح میں فرمایا کہ دل کا پستی سے بلندی پر آنے کا مقصد یہ ہے کہ سفلیات سے کنارہ کر کے علویات کی طرف مائل ہو جائے ورنہ دل کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے تو انسان کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ شریائیں دل کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔

العلم اوسع من الحال

شیخ اکبرؒ کے اس قول کہ العلم اوسع من الحال (علم حال سے وسیع تر ہے) اور ابو سعیدؒ کے اس قول الحال اوسع من العلم (حال علم سے وسیع تر ہے) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ وسعت علم تب ہے جب کہ وہ حال اور اس کے علاوہ کیفیات نفسانیہ کے دائرے میں داخل ہو جائے لیکن حقائق خارجیہ حال کے نزدیک کیفیت مخصوصہ ہے کہ اس کا غیر اس میں نہیں سما سکتا اور وسعت حال اس جہت سے ہے کہ حال اس قدر قوی ہوتا ہے کہ علم کے برعکس اس حال کے سبب عجیب کیفیات اور انوکھے علوم حاصل ہوتے ہیں۔

فرمایا ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک جن نے ننگری پھینکی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لڑھکتی جا رہی تھی، یہ جنوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ جو چیز وہ پھینکتے ہیں سیدھی جاتی ہے۔

فرمایا شمال کی جانب ایک کونہ ایسا ہے کہ جہاں ارضی فرشتے رہتے ہیں اور ان کے ہاں تو والد و قاتل بھی ہے برعکس دوسرے آسمانی وز مینی فرشتوں کے۔

فرمایا جب وجود ماہیات پر قابض ہو جائے تو ماہیات کی استعداد کے مطابق خوشبو، بدبو، لذت، تھکاوٹ، الم، راحت، ٹوٹ پھوٹ اور اجزا کی پراگندگی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں ورنہ صرف نوری بسیط تو ان کیفیات سے منزہ ہوتا ہے۔ یہاں مزید فرمایا کہ میل خود اور اس کا مزہ و بو، دونوں کھانے والے اور سونگھنے والے کی قوت ذائقہ و قوت شامہ کے مقابلے میں برا ہے اور خنزیر اور کیڑے مکوڑے کی قوت شامہ و ذائقہ کے مقابلے میں اچھا ہے کیونکہ خنزیر اور کیڑے مکوڑے کی وہ

استعداد جس کے نتیجے میں قباحت ظاہر ہوتی ہے میل پچیل کی نسبت زیادہ بری ہے اور جہاں تک الم کا تعلق ہے تو وہ مزاج سے ناموافق چیز کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور یہ مختلف قسم کا ہوتا ہے، جیسے سانپوں کا زہر سانپ کے کاٹے کے موافق ہے، لہذا اس کے لئے نفع بخش اور دوسروں کے لئے ضرر رساں ثابت ہوتا ہے اور اس کے باوجود حضرت وجود تو ہر ذرے میں یکساں طور پر جلوہ گر ہے۔ اگر کوئی شخص بعض ادویات صرف اپنی زبان سے چکھے تو وہ مفید و مضر میں تمیز نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر کوئی زمان و مکان کی قیود سے چھٹکارا حاصل کر لے تو کوئی چیز اس کیلئے مشکل نہیں رہتی۔

ہمہ اوست

قدما میں سے کسی کا شعر ہے،

دق الزجاج ودقت الخمر

(شیشہ و شراب دونوں شفاف اور باریک ہیں)

یعنی مظاہر جو کہ بمنزلہ شیشہ کے ہیں صاف و شفاف ہیں اور محبوب مستور جو کہ بمنزلہ شراب کے ہے وہ بھی غایت درجہ شفاف ہے پس:

فتشابهها وتشاكل الامر

(تو دونوں میں ایسی مشابہت پیدا ہو گئی کہ تمیز کرنا مشکل ہو گیا)

اور صفائی و باریکی کے لحاظ سے ایک، دوسرے کے رنگ میں اس طرح ظاہر ہوا کہ لوگوں کی نظروں کے لئے مشکل آن پڑی: ع

فكانما خمر لا قدح

جیسے شراب ہے شیشہ نہیں، گویا شراب ہے جو مجھ ہے اور پیانے کا وجود نہیں: ع

وكانما قدح ولا خمر

گویا پیانا نہ ہے شراب نہیں۔ اور اسی طرح کسی نے کہا ہے:

ان شئت قلت حق لا خلق

وان شئت قلت خلق لا حق

(اگر تو چاہے تو کہے کہ حق ہے خلق نہیں اور اگر چاہے تو کہے کہ خلق ہے حق نہیں)

صفت علم

فرمایا صفات الہیہ میں سے سب سے بڑی صفت علم ہے اور حیات صفت علم کے ثنوں میں سے ہے جبکہ عدم علم عین موت ہے، جو حیات کو صفت الہیہ میں سب سے بڑی صفت گردانتے ہیں یہ ان کا ذاتی گمان ہے جبکہ موجود پر غائب کا قیاس باطل ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ علم انا حضوری ہوتا ہے اور تحقیق و تقریر کے مشابہ ہوتا ہے اگر زائل ہو جائے تو زندگی زائل ہو جاتی ہے اور زندگی علم کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے جبکہ ان امور کی نسبت جو کہ موت و حیات کے قابل ہیں اسی پر قیاس کیا جائے۔

ایک قول کی تاویل

کسی نے حضرت شیخ کی خدمت میں بعض متصوفین کا یہ قول نقل کیا کہ اقرب الطرق الی اللہ رویۃ الامارۃ۔

آپ نے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ شاید ان کی مراد یہ ہو کہ کائنات کی تمام محسوس اشیاء میں امارہ کی شکل و شباهت بہت متناسب ہوتی ہے اور ان کی جانب نفس کا میلان بھی زیادہ ہوتا ہے اس اعتبار سے امارہ میں رویت حق کا مشاہدہ زیادہ آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے، اور جن مشائخ نے اسے برا جانا ہے ان کے پیش نظر یہ خطرہ موجود تھا کہ امارہ کو دیکھنے سے سادک عالم شہادت ہی میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور کئی دیگر آفات کے خدشے کی بنا پر جمال حقیقی سے شرف نہیں ہو پاتا، یہاں حضرت شیخ کچھ مسکرائے اور فرمایا کہ امارہ میں خون ہی تو ہوتا ہے جو حسن کی صورت میں جلوہ ر ہوتا ہے اگر ان کا خون خارج کر دیا جائے تو کوئی ان کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے، اہل شہود کی مثال کتاب دیکھنے والے اس شخص کی سی ہے جو عینک لگا کر اسے پڑھتا ہے اس کی توجہ عینک کی طرف بالکل نہیں ہوتی مگر ساری کتاب کو اس کے وسیلے سے ہی دیکھتا ہے مگر ایسی صورت میں کہ عینک کے آگے کوئی حجاب آجائے یا کوئی شخص ہاتھ رکھ دے تو اس کی توجہ عینک کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔

مقام عارف

اہل شہود خوب صورت عورتوں، حوروں اور امارہ کی طرف التفات نہیں کرتے کیونکہ ان کی

نظر ان تمام سے وراء مقصود حقیقی جل جلالہ پر لگی ہوتی ہے مگر حقیقت ناشناس حسین عورتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بد صورت سے پہلو تہی کرتا ہے جب کہ عارف کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔

سماع سرود

اسی طرح اہل شہود سماع سرود سے بھی لذت حاصل نہیں کرتے کیونکہ گانے والے کے منہ اور سننے والے کے کان کی درمیانی مسافت زیادہ سے زیادہ ایک یاد و تیروں کی مسافت کے انتہائی فاصلے سے زیادہ نہیں ہوتی، چاہے گانے والے کی آواز تیز بھی کیوں نہ ہو جبکہ اہل شہود ان تمام سے بہت آگے اپنے منہ جائے حقیقی تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

ولایت عامہ و خاصہ

فرمایا ولایت عامہ کے مختلف مراتب ہوتے ہیں جیسے تقویٰ، ریاضت اور اس شخص کا وحدت شہود جسے اپنی ذات کا پتہ ہے اور نہ اپنی ذات کے احاطہ مظاہر سے باخبر ہے اور جیسے عاشقیت و معشوقیت کے یہ ولایت عامہ کے خواص کے مقامات ہیں، ولایت خاصہ واحد بسیط تک پہنچنے کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی، شہود انبیاء علیہم السلام تو عاشقیت و معشوقیت سے بہت بلند ہوتا ہے جیسا کہ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے مگر ان احادیث کے الفاظ سے راہ سلوک کے کچھ مبتدیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام محبت اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم محبوبیت کے درجے پر فائز تھے حالانکہ حقیقت تو وہی ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

حقیقت محمدیہ

فرمایا کبھی تو تکرار لکھ لا الہ الا اللہ یا محض جذبے سے ہی تو حید شہودی کے تصور کا معنی حاصل ہو جاتا ہے مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں، عین القضاۃ ہمدانی کی اس شطیح کہ ”آں را کہ شاخدا میدانید نزدیک ما محمد است صلی اللہ علیہ وسلم و آنکہ شاخدا صلی اللہ علیہ وسلم میدانید نزدیک ما خدا است۔“

(جسے تم خدا جانتے ہو میرے نزدیک وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جسے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہو میرے نزدیک خدا تعالیٰ ہے)۔

کے بیان میں فرمایا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت وجود کا آئینہ اور اس کا مظہر اتم

ہیں اور حقیقت محمد یہ تعین اول، و جامع تعینات و مظاہر ہے اور تمام کا ظہور ان کے نور سے ہوا ہے اس اعتبار سے حین القضاۃ ہمدانیؒ نے مذکورہ بات کی، ورنہ حضرت وجود تو ہر ذرے میں یکساں جلوہ گر ہے اور وحدت معنی کے باوجود تکرار لفظ تو محض تفسیر عبارت ہے۔

فناء نفس

فرمایا فناء نفس یہ نہیں کہ جناب مقدس سے غفلت کے باوجود اسے اپنے نفس کا شعور نہ ہو جیسے ایک قصاب گوشت کاٹنے یا نانبائی روٹیاں پکانے میں مصروف ہوتا ہے تو اسکی توجہ اپنی طرف نہیں ہوتی۔

توجہ شیخ

فرمایا کہ جو جذبہ توجہ شیخ کی قوت سے حاصل ہوتا ہے اس میں کمزور اور مضبوط دل دونوں بالکل برابر ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں مزاج کی درستگی یا محنت و ریاضت کی ضرورت پیش نہیں آتی حقیقت کشف و خواب

فرمایا انسانی روح میں ایک قوت پوشیدہ ہے، جسے لوح غیب کہتے ہیں جب نبی اس سے علوم حاصل کرتا ہے تو ایسے میں اسے فرشتہ وحی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ بعض متکلمین نے بھی اس کی یہی تصریح کی ہے۔ جب ولی اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے بھی فرشتہ الہام کی حاجت نہیں رہتی، اور کبھی تو انسانی روح بحالت نیند اس مقام تک پہنچ کر کسی چیز سے باخبر ہو جاتی ہے اب اگر وہ اس معنی کے خیال کو مناسب شکل نہ دے جیسا کہ اس نے دیکھا تو اسے کشف مجرد کہتے ہیں اور اگر کوئی مناسب صورت اس خیال کو مل جائے جیسے اس کا خیال علم میں مشغول ہو تو یہی خیال کوئی مشروب پینے کی صورت میں آیا، یا اس کی روح ماہ رمضان میں اذان فجر کے خیال میں مشغول ہو گئی تو اس کی صورت اس کے سامنے یوں نمودار ہوئی جیسے تمام لوگوں کے کھانے پینے اور خواہشات کی قوتوں پر مبر لگا دی گئی ہے تو یہ کشف تعبیر و تاویل کا محتاج ہے اور اسے کشف خیل کہتے ہیں، اور کبھی تو سونے والے کی روح اس خفی قوت کے بغیر عالم خیال میں پہنچ جاتی ہے تو خیالی پیکر دکھائی دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اشکال برہمی طبع کی وجہ سے بھی ظاہر ہوتی ہیں، جیسے بلغھی مزاج آدمی سونے سے پہلے پانی پی لے تو اسے بخارات دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح گرم مزاج آدمی اگر میٹلن کھالے تو

اسے خواب میں آگ دکھائی دیتی ہے اور یہ تمام لایعنی قسم کے خواب ہیں جن کی نہ تو کوئی تعبیر کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ دینا چاہئے، تعبیر بتانے والے کو چاہئے کہ خواب کے وقت کا لحاظ رکھے جیسے نصف شب یا سحر کے اوقات، اور خواب بیان کرنے کی ساعت اور دیکھنے والے کے حالات کہ کہیں وہ برہمی مزاج کا شکار یا خوف زدہ تو نہیں، کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ بعض اوقات شرائط کے بغیر اس قوت قدسیہ تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے جیسے کفار کے لئے احتیاط برقی جاتی ہے۔

تعبیر رویا

خوابوں کی تعبیر کا علم قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اس فن میں کئی مستند کتابیں لکھی جاسکی ہیں اور اس فن میں امام جعفر صادق علیہ السلام اور ابن سیرین ایسے ائمہ کبار ہوئے۔ ان کے خواب قوت عاقلہ کی کمزوری اور اثر دھام علوم و خیالات جو کہ قوت قدسیہ میں دے آتے ہیں کے سبب بھول بھی جائے تو فن تعبیر کے ماہرین اسے بیان کر لیتے ہیں، اسی ضمن میں حضرت شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ حالت نیند میں بعض اوقات انسان کی روح غیب کی خبروں کے جاننے کے لئے کچھ عرصے کے لئے جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو اس کی واپسی کچھ مشکل ہو جاتی ہے اور خواب دیکھنے والا اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس پر جن بیٹھا ہے۔

فرمایا کہ کبھی تو مراقبے میں اس قدر مستغرق ہو جاتا ہوں کہ اپنی خبر بھی نہیں رہتی، فرمایا کہ درحقیقت ذات حق قرب و معیت اور احاطے سے بری ہے کیونکہ یہ چیزیں دوئی کا تقاضا کرتی ہیں اور ایک طرح کی مسافت کا اثبات کرتی ہیں مگر خدا تعالیٰ نے مبتدیوں کو سمجھانے کی خاطر جو اسے دور دور تصور کئے ہوئے ہیں، جہت عرش بیان فرمائی انھوں نے یہاں یہ بھی فرمایا کہ قرب و معیت اور احاطہ سے مراد وہی کچھ ہے جو برف اور پانی میں موجود ہے یعنی ان صورتوں میں اس کا ظہور ہے۔ صوفیائے کرام کے ایک گروہ کے اس قول کہ النقصان مقتضی استعدادات الماہیات (نقصان استعداد و مہیات کا تقاضا کرتا ہے) کی تشریح میں فرمایا چونکہ ان مہیات کا ایک مستقل وجود ہے لہذا ان کے لئے اقتضا کا ہونا ضروری ہے اور اگر اقتضا حقیقت حضرت وجود سے ہو تو ان مہیات سے اقتضا کی نسبت کا کیا معنی فی الواقع کوئی نقصان نہیں ہوتا، یہ صرف لوگوں

کی نظر کا دھوکا ہے۔

علم تو حید و وصول و شہود

فرمایا علوم تو حید کے مقابلے میں تمام علوم بمنزلہ بھوسی کے ہیں اور علوم تو حید بمنزلہ آنے کے۔ پھر علم تو حید اور وصول و شہود کی مثال ایسی ہے جیسے آنا اور مغز۔ وصول سے قبل علم تو حید ہی میں محو ہو کر رہ جانے سے سالک ہرگز لذت یاب نہیں ہوتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ بیاہ رچانے والا بیاہ کے بعد مشاطہ کی باتوں پر کان نہیں دھرتا۔ اقوال صوفیاء کو بغیر تحقیق کے نقل کرنا یوں ہے جیسے کہ میرے محلے میں ایک قصہ گورات کو قصے گزرتا اور صبح لوگوں سے بیان کر دیتا ہے۔

فرمایا انکار اولیاء اللہ کے سب سے بڑے اسباب یہ ہیں:

۱۔ شرکت مکان: - وہ یہ کہ ایک ولی کسی ایک محلے یا شہر میں رہتا ہے۔

۲۔ شرکت زمان: - یہ کہ اس کے زمانے میں اس کے معاصرین بھی ہوتے ہیں۔

۳۔ شرکت نسبت: - یہ کہ اس کے بھائی بند بھی ہوتے ہیں۔

اس طرح عوام زیادہ تر اس کے معتقد ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس کے پاس کئی خادم ہوتے ہیں اور عبادت زیادہ کرتا ہے چاہے یہ عبادت ریاکاری و دکھلاوا ہی کیوں نہ ہو، جبکہ اصول یہ ہے کہ شیخ کی عبادت کی اصلیت پر نظر کی جائے حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ ایک صحابی اس کی ٹوہ میں لگ گیا اور پورے تجسس کے بعد اسے معلوم ہوا کہ بشارت یافتہ شخص کوئی زیادہ نوافل ادا نہیں کرتا تھا اس نے اس سے حقیقت حال دریافت کی تو اس نے جواب دیا: ”اگر زمین سے آسمان تک جو اہرات اور درہم و دینار بھر جائیں اور میں اس کا مالک ہو جاؤں پھر وہ تمام دولت تباہ ہو جائے تو اس کا مجھے ذرہ برابر دکھ نہ ہو کیونکہ اس کے ہونے سے مجھے کوئی خوشی بھی نہ تھی مقصود تو دراصل دل سے ماسوا کا نکل جانا ہے، اگر یہ گوہر ہاتھ آجائے تو تھوڑی سی عبادت بھی انتہائی سودمند ثابت ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ طالب صادق کو شیخ کی ظاہری عبادات پر توجہ نہیں دینی چاہئے۔“

بسیار خوری اخلاق ذمیرہ پیدا کرتی ہے

حدیث قلوب بنی ادم قلین فی الشتاء (انسانوں کے دل موسم سرما میں نرم پڑ جاتے

ہیں) کے بیان میں فرمایا موسم سرما میں انسانوں کے بدن باہر سے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور ان کے باطن گرم ہوتے ہیں۔ اور موسم گرما میں اس کے برعکس، اور جب اس قلب مصنوعی کی چربی پگھل جاتی ہے تو قلب معنوی شفاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر فاقہ اور ذکر بالجہر کثرت سے کیا جائے تو بھی اس کی چربی پگھل جاتی ہے۔ سیر ہو کر کھانا، غصہ و شہوت جیسے اوصاف ذمیرہ پیدا کرتا ہے۔

حقیقت خوارق عادات

فرمایا کہ غالباً خوارق عادات کا ظہور فقط نشان راہ ہے کیونکہ عارف کی اصل منزل تو شہود وصول ہی ہے مگر جو اس حالت سے فردا جائے تو اس سے وہ کچھ ظاہر ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ مقصود عارف

فرمایا عارف خاتے پر نظر نہیں رکھتا کیونکہ یہ نقصان کے مترادف ہے اگر ہزار بار بھی وہ یہ آواز سنے کہ ”ہم نے تمہیں شقی بنا دیا“ یا یہ سنے کہ ”تمہارا خاتمہ بالآخر ہوگا“ اس طرح کی تمام باتوں پر وہ توجہ نہیں دیتا اور فوری نفع جو کہ محبوب کے جمال کے دیدار کا نام ہے کہ کبھی دور کی امیدوں کے برابر نہیں سمجھتا۔

فرمایا ملائکہ و جن جس صورت میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں لیکن ان کی حقیقت نفس جوں کی توں باقی رہتی ہے مثلاً جبرئیل کہ خود اپنی جگہ پر بھی قائم ہے مگر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحیہ کلبی نامی صحابی کی صورت میں حاضر ہوتا ہے۔

تسخیر جنات

اگر عارف کسی جن کو مسخر کرنا چاہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ پورے عزم کے ساتھ اس کی شکل کی طرف متوجہ ہو تو وہ جن اس شکل سے باہر نہیں آسکے گا، مگر صرف اسی صورت میں کہ حیلے بہانے کر کے وہ کسی طرح عارف کی توجہ منتشر کر دے مثلاً جن کتے کی صورت میں ظاہر ہو اور عارف کی توجہ اس کی اسی شکل پر مرکوز ہو تو وہ جن اس صورت سے باہر نہیں جاسکتا، مگر کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کتے کی شکل پر بکری کی صورت کا حجاب ڈال لیتا ہے، اگر عارف اس حجاب والی صورت پر توجہ ڈال کر اسے بند بھی کر دے لیکن اگر اس کی توجہ دفعتاً کتے کی طرف مبذول ہو جائے

کہ وہ کہاں گیا تو اس کی توجہ منتشر ہو جائے گی، اور جن کسی دوسرے روپ میں فرار ہو جائے گا۔
خواص فاتحہ

فرمایا عرفا سے منقول ہے کہ سورۃ فاتحہ کو اگر ایک ہفتہ تک ایک ہی سانس میں اکتالیس مرتبہ روزانہ اس طرح پڑھا جائے کہ بسم اللہ کے آخر کو الحمد کے ساتھ ضم کر لے تو مقاصد حل ہو جاتے ہیں
تفسیر فوق کل ذی علم علیم

اللہ تعالیٰ کے فرمان فوق کل ذی علم علیم کے بیان میں فرمایا کہ علیم صیغہ مبالغہ ہے جس کا معنی بہت زیادہ علم رکھنے والے کے ہیں، اور وہ خدائے لم یزل کی ذات قدس کے علاوہ کوئی اور نہیں، لہذا استثنا کو یہاں مقدر کئے بغیر معنی درست ہوا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہاں ایک شبہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ شہود و وحدت سے بالا کوئی مقام اور علم نہیں جبکہ آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر علم سے دراء ایک علم ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ استثناء تو حید ذاتی مقدر ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ علیم خدا کا نام ہے اور شہود و وحدت سے آگے تو حید ذاتی باری ہے اگرچہ بندے کے لئے مزید ترقی ممکن ہے۔ واللہ اعلم

اقوال شیخ جنید کی تشریح

شیخ جنیدؒ کے قول طارات العبادات الخ کے ضمن میں فرمایا کہ طارات العبادات سے مراد اعمال ظاہری ہیں اور غیت الاشارات یعنی وہ جو کہ ظاہر سے متعلق ہیں اور باطن سے خالی ہیں وما ینفعنا نوافل العبادات یعنی مکمل فائدہ ظاہری نوافل کے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا، الارکعات خفیفة صلیناھا فی جوف اللیل، یعنی راحت و آرام کو ترک کر کے ہم نے محنت و مشقت اپنائی اور اس طرح ہمیں حق تعالیٰ کا وصال نصیب ہوا، خلاصہ یہ کہ زبانی عبارات و ارشادات پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے اس لئے ضروری ہے کہ جناب اقدس کی طرف پورے خشوع و خضوع کے ساتھ متوجہ ہو خاص کر ایسے اوقات میں کہ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو۔ اس کے نتیجے میں حضور و مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ میں اس واقعے کو ظاہر پر محمول کرتا ہوں، اگرچہ

معیت و جذب خود اپنی جگہ بڑا کمال ہے لیکن ثواب و درجات تو طاعات کا ثمرہ ہیں۔

حدیث الروح ملک لہ سبعون الف وجہ (روح ایک فرشتہ ہے کہ جس کے سر ہزار چہرے ہیں) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد روح الارواح ہو، کیونکہ وہ جو ہر ملکی ہے جسے بعض اوقات ملک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ روح الارواح تجلی سے عبارت ہے جو حظیرۃ القدس کی اصل ہے اور ہم ارواح اس کے گرد جسم معنی پر روشنی کی طرح ہیں۔ یا میں سمجھتا ہوں کہ روح الارواح سے مراد مثال نوع انسان ہے کہ تمام رو میں اس سے پھوٹی ہیں۔

تحقیق لطائف ستہ

لطائف ستہ کی تحقیق میں فرمایا کہ روح کے اختلاف عبارات کی حیثیت سے مختلف اسماء ہیں، لہذا ہر اعتبار ایک مستقل لطیفہ کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

علی المرتضیٰ وزیر رسالت مآب میں

حدیث ثعلبی جو کہ تفسیر میں وارد ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا اللھم اشرح لی صدوری ویسر لی امری واجعل لی وزیراً من اہلی (اے میرے رب میرا سینہ کھول دے، میرے معاملے کو آسان فرما اور میرے خاندان میں سے میرے لئے وزیر بنا) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد ہے واجعل لی وزیراً خامساً (میرے لئے پانچواں وزیر بنا) کیونکہ شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے جرنیل و مہتمم علیہما السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے ہی وزراء تھے۔

مقام علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس اثر مسلسل روایت ربک قال ما کنت اعبد رباً لہ ارہ فقال السائل کیف رایتہ؟ فقال لم ترہ العیون بمشاهدة العیان ولكن راتہ القلوب بحقائق الایقان

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا میں نے کبھی مشاہدے کے بغیر خدا کی عبادت کی ہی نہیں۔ اس پر سائل نے پوچھا آپ نے اسے کس

طرح دیکھا؟ فرمایا اسے کھلے بندوں آنکھوں نے تو نہیں دیکھا لیکن اسے قلوب نے حقائق ایقان کے ساتھ دیکھا ہے)

اس کے بارے میں کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس توجیہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ یہ کلام دنیا میں رویت کے منافی اس وجہ سے نہیں کہ پہلے ہی سے مقرر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آنکھیں جہت والوں کا تقاضا کرتی ہیں، نہ یہ کہ وہ عیون مطلق ہیں۔

فرمایا کہ دنیوی آنکھیں جو کہ جہت، الوان اور اشکال کا تقاضا کرتی ہیں، نے ذات حق کو نہیں دیکھا بلکہ وہ تو حق الیقین کی صورت میں دیکھا گیا ہے۔

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین

فرمایا کہ علم الیقین یہ ہے کہ دھواں دیکھنے کے بعد آگ کے وجود پر استدلال کیا جائے اور عین الیقین یہ ہے کہ خود آگ کو دیکھا جائے، اور حق الیقین یہ ہے کہ خود آگ کا علم بھی جانے، اپنے نفس کا مشاہدہ عین الیقین میں داخل ہے جبکہ حق الیقین میں وصول اور شہود ہوتا ہے، سننے اور کتابیں پڑھنے سے اسرار کا جاننا علم الیقین نہیں، علم الیقین یہ ہے کہ کشف حجاب پر اس طرح غالب آجائے کہ احتمال شک نہ رہے، ہاں یقین عرفی جو اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے وہ اس طرح کے امور سے حاصل ہو جاتا ہے۔

العارف لاہمۃ لہ

صوفیائے کرام کے اس قول کہ العارف لاہمۃ لہ (عارف وہ ہے جس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عارف اظہار خوارق کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ وہ قدرت حق عزوجل کے حکم پر نظر رکھتا ہے گویا ظہور خوارق کے لئے عارف کے سامنے سوائے منشاء خداوندی کے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔

مقام عارف کامل

لیکن عارف کامل (واصل باقی) کو یہ قدرت عطا کی گئی ہے کہ جب چاہے قہر و غضب کا مظاہرہ کر سکتا ہے چنانچہ ایک بادشاہ کسی عارف کامل کے آستانہ میں سوار داخل ہوا تو اسے کہا گیا کہ یہ آداب کے خلاف ہے اس نے بڑے غرور سے جواب دیا میں نے بڑے فقراء دیکھے ہیں کسی میں

کچھ تاثیر نہیں، یہ سن کر عارف کو جلال آیا اور اس کی طرف بہ نظر غضب دیکھا اسی وقت گھوڑے نے سرکشی کی اور پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو گیا، بادشاہ دھڑام سے نیچے آ رہا اور مر گیا۔ عارف نے کہا میں نے یہ اقدام اس لئے کیا ہے تاکہ لوگ فقراء کو حقیر نہ جانیں، مگر بعض کالمین تو اس طرح کی طاقت رکھنے کے باوجود بھی اس طرف التفات نہیں کرتے، اس ضمن میں شیخ فرید الدین عطار، عین القضاۃ اور حسین بن منصور کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ تمام حضرات خدائے قدوس کی رضا پر راضی اور اس کی تقدیر پر خوش تھے اور اس میں اپنا تصرف نہیں چاہتے تھے، جیسے شیخ عطار نے اپنے قائل سے کہا: ”اے ترک زادے! تو جس روپ میں بھی آئے میں تجھے خوب پہنچاتا ہوں“ اور یہ کہہ کر اپنا سر قلم کرانے کے لئے اس کے سامنے جھکا دیا، ایسے حالات سے خوفزدہ ہونا ناقص ہونے کی دلیل ہے کیونکہ حزل ہی کی حالت میں مظاہر قہر کا مقابلہ کرنا مشکل پڑ جاتا ہے۔

فرمایا جلی ذاتی میں انوار موجودہ کا وجود خارجی کے ساتھ مشاہدہ کرنا ضروری ہے، نہ کہ عیسیٰ، ذہنی اور وہی طور پر کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) یہاں یہ وضاحت کر دینا چاہتا ہے کہ جلی ذاتی سے مراد یہاں ظہور کمال ”تدلی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اتفاق ہوا اور جلی آگ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حقیقت فنا و بقا

فرمایا یہ سمجھنا کہ فنا سے مراد غیر کی نفی ہے اور بقا اثبات عینیت کا نام ہے۔ دلیل و کلام کی رو سے فاش غلطی ہے یہ بات اس شخص کی طرح ہے جس کے پانچ بیٹے تھے اور وہ خود تنہا سفر کر رہا تھا کہ دو چور اس کے سر پر آن کھڑے ہوئے اس نے اپنے بیٹوں کو مدد کے لئے پکارا کہ بیٹو! آؤ ان چوروں کو مجھ سے دور کرو۔ یہ اس کا حضور وہی تھا جو اس کو چوروں سے چھڑا سکتا تھا اور نہ ہی اسے خوف و ڈر سے نجات دے سکتا تھا۔

اگر کوئی شخص پانی کی حقیقت اور اس کے اوصاف یعنی پانی کی لٹھنڈک، بہاؤ، پیاس دور کرنے کی صلاحیت اور کپڑوں کو صاف کر دینے کے وصف کو سمجھ بھی لے تاہم جب تک اسے پانی کا پینا میسر نہ آئے اس کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔ اور اگر سب پنہ جانتے ہوئے کسی کو مٹھائی کھانے کی طلب ہو مگر اسے کبھی دیکھا نہ ہو تو ایسے میں وہ مٹھے کی جملہ کیفیات کو چاہے بہتر طور پر جانتا ہو،

تب بھی اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بالکل اسی طرح جس نے صرف توحید رسی پر اکتفا کیا اور شرک خفی کا اثر بدستور اس کے دل میں باقی رہا تو اس سے اسے کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا، مزید فرمایا کہ مذکور آثار تجلیات وصول رسی سے نہیں بلکہ وصول شہودی سے حاصل ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ حسین بن منصورؒ کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے مگر وہ مسکراتے رہے اور ان کی ہر انگلی سے انا الحق کی صدا آتی رہی، انہیں وار پر کھینچا گیا تب بھی انا الحق پکارتے رہے جلا دیا گیا تو راکھ کا ہرزہ انا الحق کی صدا بن گیا۔ تین دن بعد راکھ کو دریا برد کیا گیا تو وہاں بھی انا الحق کا آواز سنائی دیا۔ یہ سب کچھ اس سے تھا کہ توحید رسی پر اکتفا کی بجائے وہ توحید حالی سے سرفراز ہوئے تھے۔ یہاں فرمایا کہ توحید حالی کے آثار ہوتے ہیں پہلے یہ کہ توحید ذاتی میں انوار موجودہ کا وجود خارجی کے ساتھ ظہور ہوتا ہے، دوسرے نورانی کی رویت تیسرے جو کچھ حسین بن منصورؒ سے ظہور پذیر ہوا۔ چوتھے یہ کہ توحید صفاتی میں خشوع و خضوع اور سرور و انس پایا جاتا ہے، پانچویں یہ کہ توحید افعالی میں توکل اور مدح و ذم کا یکساں ہونا پایا جاتا ہے۔

مجذب و اصل کشف اور خوارق سے بلند ہوتا ہے

فرمایا مجذب و اصل سے خوارق عادات اور کشف ظاہر نہیں ہوتے کیونکہ وہ وحدت ذاتیہ میں اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ کائنات کی طرف توجہ نہیں دے سکتا، لیکن سالک کا معاملہ اس سے مختلف ہے اور مجذب کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی شخص کو ہودج میں ڈال کر وادیوں اور راستوں سے گزرتے ہوئے ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا جائے آخر میں اگر اس سے کسی درمیانی بہتی کے بارے میں تفصیلات پوچھی جائیں تو وہ کچھ نہیں بتا سکے گا جبکہ اس کے مقابلے میں سالک اس راہ کے تمام مقامات اور ان کی تفصیلات سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے، یہاں آپ نے مزید فرمایا کہ اگر مجذب و اصل حقیقت کائنات سے آگہی (کشف) حاصل کرنا چاہے تو اسے سلوک اختیار کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص اس مقام کا دعویٰ کرے تو اس سے ذات و صفات کی معرفت کے بارے میں استفسار کرنا چاہئے تاکہ حقیقت حال واضح ہو ورنہ خانہ زاد مشائخ اپنی دکان چمکانے کے لئے ایسے کلمات بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کرامات تو معمولی چیز ہیں ان کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے ہاں ہاں یہ بات عرفاء و اصنافین کے حق میں تو بالکل صحیح ہے۔ مگر ان

جاہلوں کو تو ذات و صفات کی معرفت اور تو حید حالی کے شکوکات کا ذرہ برابر بھی علم نہیں، اس لئے ان کی اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے۔

تحقیق مسلک محبت اللہ آبادی

شیخ محبت اللہ آبادی (۱) صاحب تسویہ کے مشرب کی تحقیق میں فرمایا کہ انھوں نے ذات سے مبداء قائم بذاتہ و مقدم بشونائہ مراد نہیں لیا بلکہ ان کی مراد ماہیت ہے جو کہ معقولات ثانیہ میں سے ہے۔ اور اسی طرح انھوں نے وجود کا معنی مصدری جو کہ کون و حصول ہے مراد لیا ہے اور ”تسویہ“ میں جو لفظ معقول استعمال ہوا ہے وہ یہاں پر محسوس کے مقابلے میں مستعمل ہوا ہے نہ کہ موجود کے مقابلے میں، چنانچہ شیخ الریکس نے شفا میں لکھا ہے کہ معقول منافی وجود نہیں اور ملا جلال دوانی نے تہذیب کے حاشیے پر یہی بات نقل کی ہے اور یہ بات بعید نہیں کہ اگر ہم اسے موجود کا مقابل قرار دیں تو اس کا معدوم مطلق ہونا لازم آجائے اور وہ جو لفظ موجود سے متبادرات لہ الوجود ہے پس اگر وہ موجود کہ اس کا وجود ذات پر زائد نہیں ہے اس سے لازم نہیں آتا کہ معدوم مطلق ہو، بلکہ اس سے جو بات نتیجے کے طور پر نکلتی وہ موجود بنفسہ لفسہ ہے اور یہ اپنی جگہ درست ہے اور موجود یہی ہے لہذا ثابت ہوا کہ خود ان کی اصطلاح میں لفظ معقول بمقابلہ موجود بنفسہ لفسہ کے لئے موضوع ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحات مکیہ کے باب سوم میں لفظ معقول استعمال کیا ہے اور انھوں نے اس سے یہی معنی مراد لیا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے، لفظ معقول اگرچہ ان (صوفیاء) کی اصطلاح میں موجود بنفسہ لفسہ کے لئے وضع کیا گیا ہے تاہم یہ موجود ”من غیر“

(۱) شیخ محبت اللہ آبادی التوفی ۱۰۵۸ھ۔ ۱۶۳۸ء مشہور صوفی بزرگ اور جید عالم دین جو گزرے ہیں آپ نے شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم کی شرحیں فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں لکھیں، تذکرہ علمائے ہند کے مصنف نے آپ کے بارے میں لکھا ہے۔ ”دانش مند تبحر از مشاہیر علمائے صوفیاء اور علوم ظاہر و باطن سرخیل امثال و اقران خود بود“۔ ماثر الامراء میں آپ کے بارے میں لکھا ہے: ”عالم است تعلیم ظاہر و باطن“۔ دار الشکوہ آپ کا بہت معتقد تھا۔ آپ نے وحدۃ الوجود پر عالمانہ بحث کی ہے آپ کا رسالہ ”تسویہ“ ایک مشہور تصنیف ہے جس پر علمائے ظاہر نے کافی اعتراضات کئے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ عالمگیر نے آپ کے ایک مرید شیخ محمدی کو جب رسالہ شیخ جلالی لکھنے کا مشورہ دیا تو انھوں نے کہا ”جس مقام سے شیخ نے گفتگو کی ہے مجھے وہاں تک رسائی نہیں، اگر رسالہ جلالی ہے تو میرے گھر سے مطبع شاہی میں زیادہ آگ موجود ہے“۔

مدخلۃ الغیر“ ہے اور حضرت محبت اللہ قدس سرہ نے تسو یہ میں شیخ اکبر کے تتبع میں لفظ معقول استعمال کیا ہے اور یہ عبارت شاہ عنایت اللہ اکبر آبادی کی ہے جو میں نے ازالہ شبہ کے لئے نقل کی ہے، معقول محض، مابہیہ محضہ اور وجود محض، کما ان ذات زیدہ هو الحيوان الناطق حيث لا وجود له الا في ضمن الافراد، (معقول محض، مابہیہ محضہ اور وجود محض جیسے کہ ذات زید حیوان ناطق ہے کہ اس کا وجود افراد کے ضمن میں موجود ہے) نیز فرماتے ہیں ”افراد الانسان من زید و عمر و بکرو و خالد ينتزع منهم ما به اشتراكهم وهو الحيوان الناطق الذي هو من المعقولات الثانیة فکذلک ينتزع من الشیونات وجود الحق“ (جس طرح افراد انسان یعنی زید، عمرو، بکرو اور خالد سے قدر مشترک یعنی حیوان ناطق کو حاصل کیا جاتا ہے جو کہ معقولات ثانیہ میں سے ہے بلکہ اسی طرح شیونات میں سے وجود حق کا اثبات کیا جاتا ہے) اور یہ کفر صریح ہے کیونکہ مظاہر کا وجود تو خود قیوم حقیقی جل شانہ سے منزع اور اس طرح اس کا محتاج ہے جس طرح شمع سے مصنوعی اشکال و صورتیں اپنے وجود میں شمع کی محتاج ہوتی ہیں اور جو موجود مشہود ہے وہ تو ذات حق جل شانہ ہے اور خلق کی حیثیت طلسم معقول کی سی ہے کیونکہ یہ عالم تو وجود کے فانی اشکال و اطوار کا نام ہے اور حق حضرت وجود کا نام ہے اور یہ ان کے اپنے اس قول کی بنا پر کہ حق معقول محض ہے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ عقل کی رسائی اس کہ نہ ذات تک ہے تو یہ بات غلط ہے کیونکہ نہ واجب تک کسی عقل کی رسائی ناممکن ہے اور اگر اس سے مراد معقولات ثانیہ ہیں جیسا کہ سیاق و سباق اس پر دلالت کر رہا ہے تو یہ بھی کفر صریح ہے جو کہ دہریوں کے باطل مذہب کی طرف جاتا ہے اور اگر اس سے ان کی مراد وہی ہے جو شیخ اکبرؒ نے فرمائی ہے کہ ”ذات حق، اعتباراً لایقین معقول محض ہے اس لئے کہ اس کا کمالات اور اس کے عدم یقین سے خالی ہونا عقلی مفروضے سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا، اگرچہ مظاہر فانیہ میں موجود بھی حضرت حق ہی ہے لیکن یہ جملہ مظاہر اپنے وجود میں درحقیقت اس کے محتاج ہیں، اور نسبت ذات کی حقیقت اور اس کے اعتبارات و معانی کے بھی محتاج ہیں، یا اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ ذات حق مجوہین کے احساس سے بلند و بالا ہے، تو یہ بات اپنی جگہ درست ہے لیکن ان کی تصریحات سے خود اس بات کی نفی ہوتی ہے، چنانچہ ان کے خطبے کے ابتدائی جملوں سے ہی احتیاج حق کا مفہوم نکلتا ہے،

فرماتے ہیں: ”الحمد لله لمن وجد بكل ما وجد“ (سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو کائنات کی تمام موجودات میں موجود ہیں) لیکن انھوں نے یوں نہیں کہا الحمد لمن وجد به كل ما وجد (تمام تعریفیں اس ذات باری کے لئے ہیں کہ تمام موجودات کا وجود اسی سے ہے) حق اور عالم

فرمایا حق حضرت وجود کا نام ہے جو خارج میں موجود اور خود اپنی حقیقت کے ساتھ باقی ہے جیسے پانی برتنوں کی شکلوں اور رنگوں کے مختلف ہونے کے باوجود اپنی اصلیت پر برقرار رہتا ہے اور عالم وجود کے اطوار، شیونات اور فانی اشکال و صورتوں کا نام ہے جو ایک صورت سے دوسری صورت میں بدلتی رہتی ہیں، پس کفر و فسق اور نجاستیں وغیرہ اپنی تعریف ذات کے لحاظ سے کمالات ہیں، لیکن ان کا حضرت وجود سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اوصاف عالم میں سے ہیں، اُنرچہ قیوم کل (خالق حقیقی) حضرت حق ہے، اسلئے کہ اُس وہ کفر و فسق کا قیوم (خالق) نہیں تو ان کا وجود کہاں سے آیا، اسی طرح تولد و تولید بھی اوصاف عالم سے ہیں یعنی یہ بدلنے والی اشکال و صورت حضرت وجود کے اوصاف میں سے نہیں، اس میں شبہ نہیں کہ اس کے تعینات و اوصاف محض اعتباری امور ہیں، کیونکہ یہ سب ذات کے اعتبارات و اضافات ہیں، اور ذات ان تمام میں ظہور کے باوجود منور ہے۔

فرمایا کہ رمی معترف کا کلام قلوب پر اثر انداز نہیں ہوتا، بخلاف کلام عارف کے اور عارف و معترف کے نزاع کی مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کرام کے کافروں کے ساتھ مباہلے میں موجود ہے، معترف عارف کے ساتھ گفتگو کرنے اور اس کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہے۔

مبدأ مکاشفہ محبت ذاتیہ ہے

فرمایا کہ مکاشفہ حجابات کے اٹھ جانے کا نام ہے اور اس کا مبداء محبت ذاتیہ ہے عارف ایسے میں کائنات کو اس حد تک ترک کر دیتا ہے کہ بادشاہان جہاں اور امراء دنیا سے کٹے، خنزیر اور شیطان کے بھائی معلوم ہوتے ہیں۔ اس مقام پر خداوند تعالیٰ دل میں محبت ذاتیہ کو جائزیں فرما دیتا ہے اور خلق سے نفرت خلوت اور شب بیداری فنا کے مبادیات میں سے ہے چنانچہ اس

مقام پر عارف خود فانی ہو کر باقی باللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کثرت مشاہدہ وحدت سے محروم نہیں ہوتی اور جلوت بھی خلوت ہو جاتی ہے، نیند بیداری سے بدل جاتی ہے اور آنکھیں سرمہ عنایت ازلی سے سرگیں ہو جاتی ہیں، جس اندھیروں میں بھٹکی ہوئی عقل کی انتہائی منزل صرف یہی ہے کہ مصنوعات کا صانع کامل کے بغیر کوئی چارہ نہیں، وہ ذات وصفات اور اس کے مظاہر کو کیا جانے۔

ظہور حق در مظاہر

فرمایا جاہل متصوفین عالی مقام صوفیا کی باتوں کا مفہوم نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ مظاہر میں ظہور حق کی مثال ایسے ہے جیسے کائنات میں سورج کا ظہور، یا جیسے زید مختلف آئینوں میں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح ایک جزئی محدود جو کہ مظاہر سے جدا ہے کا تصور پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے، ہاں الہیہ بعض اسلاف نے راہ سلوک کے مبتدیوں کو سمجھانے کی خاطر کائنات کو عکس ذات یا ظل کی مثالیں دی ہیں، لیکن اس سے مراد مرتبہ ثانیہ میں ظہور شئی ہے، اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے جیسے دیوار پر درخت کا سایہ (جو اصل میں ایک دوسری چیز ہے) تعالیٰ اللہ عن ذلک۔ مشہور شعر۔

چوں تو فانی شدی ز ذکر بذکر

ذکر خفیہ کہ گفتہ اند آنت

(جب تو ذکر کے ذریعے ذکر میں فنا ہو گیا تو یہی ذکر خفی ہے) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا

فانی کے لئے پردہ ہائے امکان پوشیدہ ہوتے ہیں چنانچہ وہ ذکر خفی سے کھل جاتے ہیں۔

علامت کمال

فرمایا کہ اہل شہود سانپ، بچھو، شیر اور چوروں سے نہیں ڈرتے اسی بنا پر بعض اکابر صوفیانے خود کو آزمایا اور کسی ایسی جگہ فروکش ہو گئے جہاں بکثرت درندے پائے جاتے تھے اور آب و دانے کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا، وہاں جب انھیں کسی طرح کا خوف و خطر لاحق نہ ہوا تو انھیں یقین ہو گیا کہ وہ کامل ہو گئے ہیں۔

کاتب الخروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ درندوں وغیرہ سے ان عرفا کا نہ ڈرنا اس وقت

ہوتا ہے جب یہ نفوس قدسیہ عالم کثرت سے بے خبر ہو کر ذات واحد کے دیدار کی تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں ورنہ بعض حالات میں یہ لوگ عام بشری خصوصیات سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔

ایک تسامح اور اس کا ازالہ

”غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کی مجلس میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام تشریف لایا کرتے تھے“ کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم حقیقت روح جو کہ تمام کائنات میں جاری و ساری ہے سے واصل تھے اس لئے آپ اسی مرکز و منبع ہدایت سے گفتگو (وعظ و تبلیغ) فرمایا کرتے تھے جہاں سے دوسرے اولیائے کرام یا انبیاء علیہم السلام فیضان حاصل کرتے ہیں۔ اسی بات کو تسامح کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا کہ آپ کی مجلس میں انبیائے کرام تشریف لاتے تھے۔

حقیقت تعوذ

فرمان باری واذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم (اور جب تو قرآن کی تلاوت کرے تو خدائے بزرگ و برتر کے حضور شیطان مردود سے پناہ مانگ) کی تفسیر میں فرمایا کہ تو شیطان سے چھٹکارا حاصل کر اور اس کے شر سے دور رہ! اور یہ اس لئے کہ قرأت قرآن کے وقت دل مالک حقیقی کے ساتھ لگا ہوا ہونا چاہئے اور دنیا و آخرت سے بالکل بے نیاز اور درحقیقت یہی تعوذ (پناہ) معتبر ہے اگرچہ بظاہر الفاظ تعوذ استعمال نہ بھی کئے جائیں۔

قصہ خالد بن سنان کی تشریح

خالد بن سنانؓ کے اس قصے کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے چالیس دن بعد انہیں قبر سے باہر نکالا جائے تاکہ وہ عالم برزخ کے بارے میں بتا سکیں، کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جو مر گیا اور عالم برزخ میں پہنچ گیا اس کا دوبارہ اس بدن ناسوتی میں جو کہ قابل تجزی، تبخیر اور خرق و التیام ہے واپس آنا ممکن نہیں، البتہ اس کا بدن مثالی میں لوٹ آنا اس لئے ممکن ہے کہ بدن مثالی قابل تجزی اور خرق و التیام نہیں، اور یہ روح جسد ارواح، روح اجساد، شخص اعمال و اخلاق، ظہور محانی بصور مناسبہ اور اشباح جسمانیہ میں مشاہدہ ذوات مجردہ جیسے حضرت جبرئیل و جیہ کلبیؑ کی شکل میں آتے تھے، آسکتی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی متفکّل روہیں اور

مشاہدہ نصرت وغیرہ یہ تمام عالم مثال کی نیرنگیاں ہیں جب اس دنیا میں نفوس کاملہ مختلف اشکال میں ظاہر ہو سکتے ہیں تو عالم برزخ میں تو یہ عمل بطریق اولیٰ ہو سکتا ہے کیونکہ عالم برزخ میں بدنی (مادی) حجابات کے اٹھ جانے کی وجہ سے ان کے اندر یہ قوت اور مضبوط ہو جاتی ہے خلاصہ کلام یہ کہ خالد بن سنان والے قصے میں ان کی مراد بدن مثالی میں واپسی ہے نہ کہ بدن عنصری میں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا میں روح کا بدن عنصری میں لوٹ آنا وہی رجعت ہے جس کے باطل ہونے پر اہل سنت کا اتفاق ہے، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہو، عارف تہلیات ارواح کو ان کی مثالی صورتوں میں لانے کے لئے اپنے مقام سے نزول کر سکتا ہے اور ان تہلیات کی مثال ان صورتوں کی طرح ہے جو بحالت نیند متخیلہ میں آ جاتی ہیں، چونکہ آنجناب (حضرت غوث الاعظمؒ) کو عالم ارواح میں مکمل تمکّن حاصل تھا، اس لئے تہلیات ارواح انبیاء و اولیاء اپنے آپ وجود مثالی سے آپ پر نزول فرمایا کرتی تھیں۔

منتہائے عابد

فرمایا کہ بیس سال قبل مجھے یہ الہام کیا گیا کہ اگر تو میری رحمت کی امید پر نماز پڑھتا ہے تو تجھے رحمت سے نوازا دیا، اور اگر تو میری رضا چاہتا ہے تو میں تجھ سے راضی ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ بار خدا! میرا مقصود تو بس تعمیل ارشاد ہے، لیکن اب تو معاملہ اور ہے، یہاں آپ نے فرمایا ”الصوفیہ عبد الظواہر و احرار البواطن (یہ گروہ صوفیہ احکام ظاہری میں غلام اور جہان باطن کا شہنشاہ ہے)“

فرمایا کہ اس پر شہود کو عبادت کی تکلیف و ریاضت کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ ان پر عبودیت قائم رکھتا ہے اور یہ نفوس قدسیہ نفس بلکہ روح سے بھی نجات حاصل کر چکے ہوتے ہیں، اس لئے زنا اور شراب خمر ایسی برائیوں کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی، اگر شاذ و نادر کوئی ایسی بات پیش آجائے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

التبید کفر

صوفیاء کے اس قول ”التبید کفر ولو کان باللہ“ (تبدیل کفر ہے چاہے خدا کے ساتھ ہی

کیوں نہ ہو) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، ”عبودیت اشنینیت کا تقاضا کرتی ہے اور جہاں تک اہل شہود کی عبادت کا تعلق ہے تو ان کے مقام کی بلندی کے لحاظ سے ان کی عبادت کا تعلق براہ راست اقامت حق اور اس کے تصرف سے ہوتا ہے، پس عبادت عبودیت کی قید کفر صریح ہے چنانچہ اسی تاویل کی مثال صوفیا کے اس قول محبة اللہ واس کل خطیئة (اللہ کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے) میں بھی موجود ہے چونکہ محبت محبت و محبوب کا تقاضا کرتی ہے جو کہ دوئی (۱) ہے اور یہی تو غلطی کی بنیاد ہے پس جو ان تمام خطاؤں کی سرحد سے نکل گیا اسے محبت خداوندی عطا ہوئی اور جو اس سے بھی آگے نکل گیا تو وہ مقام شہود پر فائز ٹھہرا، کا تب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک خلاصہ کلام یہ ہے کہ عبادت تو مبتدی اور عارف دونوں کرتے ہیں، مگر ان کے مراتب اخلاص میں فرق ہے، پہلا مرتبہ حضور، ترک ریا اور ترک شہرت و فخر ہے، اس کے بعد کا مرتبہ یہ ہے کہ خوف دوزخ اور طمع جنت سے بے نیاز ہو کر عبادت خالص محبت ذاتیہ میں ہو، اس کے بعد وہ مقام ہے کہ جہاں عبادت عابد کی قدرت و قوت کے ساتھ نہیں بلکہ حق جل شانہ کی قوت اور قدرت کے ساتھ عمل میں آتی ہے ان تمام کے بعد وہ نازک ترین مرحلہ آتا ہے کہ جہاں مام سمجھ بوجھ کا گزر بھی نہیں ہو سکتا، حضرت شیخ کی مراد عبادت کے مذکورہ مراتب کی طرف اشارہ کرنا ہے ان کی بات سے امور عبادات میں تساہل کا کوئی مفہوم ہی پیدا نہیں ہوتا (معاذ اللہ) اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت شیخ شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ آخر عمر تک ان سے کوئی سنت نبوی اور مستحسن و مستحب نہ چھوٹا، اور اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی ظاہری اعمال کی ادائیگی ان کے تکلیفات شرعی کی قیود سے ممتاز ہونے کے منافی نہیں، یہ تو فریضہ حق ہے جس کے آگے اقتدا کی جائے، اس سے معلوم ہوا کہ ”خیریت“ سے انھوں نے وہ معنی مراد لئے ہیں جو انبیاء کرام میں بوجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

قول پیر ہرات

چیر ہرات کے قول۔

(۱) دوئی: وحدت کی ضد، نقیض تو حید، شرک، علیحدگی۔

از نفی در اثبات بردن صحرائے است
کیس طائفہ را دریاں میاں سودائے است
اے دوست چوں عاشقی در آنجا برسد
نہ نفی نہ اثبات نہ مورا جائیست

(نفی و اثبات سے آگے ایک صحرا ہے کہ جس میں یہ گروہ صوفی سرگرداں ہے، اے دوست! جب عاشق کی رسائی اس مقام تک ہوتی ہے تو نفی و اثبات تو کجا ایک بال کی بھی وہاں گنجائش نہیں ہوتی) کی تشریح میں فرمایا:

وصل حقیقی

اصل شہود یہ ہے کہ ثابت کا ثبوت اس طرح ہو کہ مُثَبِّث اور مُثَبِّثِ ایک ہوں اور اسی طرح عاشق، معشوق اور عشق بھی متحد ہو جائیں۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پر وصل کی جگہ نہیں تو جبر کا کیا کام؟ اور اہل سلوک کے ہاں نفی دراصل تو ہم غیریت سے ہوتی ہے جب یہ وہم اٹھ جائے تو منفی عین ثابت ہو جاتا ہے، اور ”نہ مورا جائے است“ سے بساطت اور صرافت ذات کی طرف اشارہ ہے۔

تشریح تو حید کو چہ تنگ است

حضرت خواجہ نقشبندؒ نے بعض اسلاف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تو حید کو چہ تنگ است (توحید ایک تنگ گلی ہے) اس کی تشریح میں فرمایا جس وقت نظر عارف سے جمع کثیرہ صفاتیہ پوشیدہ ہو جاتی ہیں، اور بجز وحدت ذات کے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا، تو اس دوران کو چہ تو حید ایک تنگ گلی ہو جاتی ہے، لیکن بقا کے بعد جب وحدت میں کثرت اسماء و صفات کا مطالعہ میسر آتا ہے، تو اس مقام پر وہ عظیم وسعت کا مشاہدہ کرتا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ صرف وحدت پر اکتفا کر لینا کمال نہیں، بلکہ کمال تو حید تو عین وحدت میں کثرت کا نظارہ ہے۔

تاویل حقیقۃ الواجب لایدر کہ احد

بعض صوفیاء کے اس قول کہ حقیقۃ الواجب اظہر الاشیاء (حقیقت واجب تمام اشیاء میں سب سے زیادہ ظاہر ہے) اسی طرح حقیقۃ الواحد لایدر کہ احد (حقیقت واجب کو کوئی نہیں پاسکتا) کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں حقیقت واجب کا تمام اشیاء سے

زیادہ ظاہر ہونا اس اعتبار سے ہے کہ مظاہر میں جو وجود موجود ہے وہی وجود حق ہے اور حضرت وجود تمام میں جاری و ساری ہے اور دیگر تمام امور کا تعین اعتباری ہے اور اس کا عدم اور اک (لایدر کہ احد) اس اعتبار سے ہے کہ مخلوق مرتبہ مخلوقیت میں ذات حق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی، نبی اپنی نبوت اور ولی اپنی ولایت کے ذریعے اس تک پہنچ سکتا ہے اور نہ زائد اپنے زبدا اور عالم اپنے علم کے بل بوتے پر اسے پا سکتا ہے یہاں تک کہ تمام پردہ ہائے امکان اٹھ جائیں اور ظلمات نفسیہ رفع ہو جائیں۔ ذات باری تعالیٰ کو خود اس کے اپنے نور ہی کی مدد سے پہچانا جاسکتا ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عرفتم ربی (میں نے اپنے رب کو پہچان لیا) یعنی لا ینفسی (اپنی ذات کے ذریعے سے نہیں بلکہ اسی کے فضل و عطا سے) یہاں ایک دوسرا مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ معرفت سے مراد تمام شیونات کے ساتھ واجب کی معرفت ہے اور یہ اس دنیا میں محال ہے کیونکہ ہر مظہر میں واحد ہے، لہذا معرفت کل کی طاقت نہیں رکھتا اور چلی برقی آتی تو ایک پل سے زیادہ ہوتی نہیں، لہذا اس وقت شیونات کی تفصیل کی طرف کہاں متوجہ ہو سکتا ہے؟

تشریح ان للہ سبعین الف حجاب

معیت ذاتیہ کی احدیت ان للہ سبعین الف حجاب کے ساتھ موافقت میں فرمایا کہ حضرت وجود کا مظاہر کے ساتھ قرب حقیقی ہے۔ اس کی قریبی مثال گلی کا جزئی کے ساتھ قرب پیش کی جاسکتی ہے اگرچہ حق تعالیٰ کلیتہ و جزیت سے ہر او منزه ہے اسی اعتبار سے جبل المورید (شہ رگ) سے بھی زیادہ قرب کی مثال دی گئی ہے اور اس کے بعد حجابات و ہمیہ کی کثرت سے سبب جو کچھ ہے وہ اعتباری ہے یہاں فرمایا کہ حضرت وجود کو مظاہر کے ساتھ جس طرح کی نسبت ہے اس میں کسی طرح کا حجاب موجود نہیں بلکہ حجاب تو واجب اور ممکن کے درمیان ہے، پس ممکن مجبوب جو کہ صفات تاثریہ قاصرہ سے موصوف ہے کا اللہ تبارک و تعالیٰ جو کہ صفات واجبہ مؤثرہ جیسے خالقیت و رزاقیت اور بقا و قدم سے متصف ہے سے وصول بہت مشکل ہے اور یہ اشکال کثرت منازل کے سبب ہے لیکن مجذوب کے لئے خدا تعالیٰ وصول اس طرح آسان فرمادیتا ہے جیسے بے شمار کثیف اجسام اور حجابات کے حائل ہونے کے باوجود دیکھنے والے کے لئے سورن کا انکارہ آسان اور ہر وقت ممکن بنا دیا ہے اور یہاں پر تو لطیف معنوی حجابات ہیں ورنہ بصورت دیگر اللہ

تعالیٰ کا بھی پردہ ہائے جسمانی و امکانی میں محصور ہونا لازم آئے گا اور تعداد (یعنی ستر ہزار جمالات) سے مراد صرف کثرت ہے متحدہ نہیں۔

معنی قول خواجہ نقشبندؒ

حضرت خواجہ نقشبندؒ کے اس قول کہ ”پی بسر حقیقت سے تو اں بردارما بسر معرفت و علم نے تو اں رسید“ (عارف ستر حقیقت تک تو رسائی حاصل کر سکتا ہے مگر سر معرفت و علم تک نہیں پہنچ سکتا) کے بیان میں فرمایا کہ جب احدیت کا آفتاب کوہ عارف سے نمودار ہوتا ہے تو آسمان حقیقت روشن ہو جاتا ہے، لیکن سر علم و معرفت! تو یہ تمام شیونات کی معرفت کے ساتھ وابستہ ہے جو محال ہے۔

فرمایا کہ لوگوں کو صوفیا کو کافر کہنے کا سبب یہ ہے کہ وہ ان سے یہ سن لیتے ہیں کہ حق تعالیٰ وجود مطلق ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ صوفیا کی اصطلاح میں وجود سے مراد موجود ہے اور مطلق سے ان کی مراد یہ ہے کہ ذات میں ذات کی حیثیت سے کوئی اعتبار موجود نہیں، کلیتہً نہ جزئیہً اور عموماً نہ خصوصاً بلکہ اس میں تو اعتبار اطلاق بھی نہیں ہوتا اور صوفیا کے اس قول کہ کل نبی و لسی ولا عکس (ہر نبی ولی تو ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ولایت اصطلاحیہ شرط نبوت نہیں، یہ ممکن ہے کہ ایک شخص محبت یا محبوبیت کے مقام پر فائز ہو، اور خدا سے نبوت تبلیغ سے مشرف فرمادے ہاں کامل انبیاء کو ولایت اصطلاحیہ اور نبوت تبلیغ دونوں سے نواز دیتا ہے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام۔

توجیہ خضت بآئین الخ

قول بایزید خضت بحرا و وقف الانبیاء بساحلہ (میں نے ایک سمندر میں غوطہ لگایا اور انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے تھے) کی وضاحت یوں فرمائی کہ انبیاء کی استعداد کامل ترین ہوتی ہے کیونکہ ان کے ہاں وہیت محضہ ہوتی ہے شکاد زینہا یضی و لو لم تمسسه نار (قریب ہے کہ اس کا روغن آگ کے بغیر روشن ہو جائے) وہ تو یقیناً حقیقی اہل شہود ہیں صرف حکمت ارشاد کے تحت خدا تعالیٰ انھیں مقام مشاہدہ پر لے آتا ہے، چنانچہ بایزید کے قول کا معنی یہ ہے ای وقفوا بعد الحوض (انبیاء غوطہ لگانے کے بعد ساحل پر کھڑے تھے) یہاں بحر سے مراد شہود و وحدت اور ساحل سے مراد مشاہدہ ہے۔

توحید افعال

فرمایا توحید افعال کو حاصل کرنے کی علامت یہ ہے کہ سالک تدبیر معیشت کو ترک کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں اسے مکمل توکل حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ہر تکلیف، ایذا اور انعام کو ذات حقیقی کی طرف منسوب کرتا ہے اور توحید صفات کے حصول کی علامات یہ ہیں کہ سالک پختہ اپنی سماعت و بصارت کی قوتوں کو مالک حقیقی کے سپرد کر دے باوجود اس کے کہ حضرت وجود تعین و تنقید میں تعین صفات کی قید کے ساتھ موجود ہوتا ہے جیسے کہ کوئی شخص سمندر کے بہاؤ اور سریان کو نہر یا چھوٹے نالوں میں مشاہدہ کر لے تو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سمندر میں موجود فعل و جواہر اور حیوانات کا علم بھی حاصل کر لے، اسی طرح جب وہ دیکھتا ہے کہ سمج و بصیران مظاہر میں ذات حق ہی ہے تو ضروری نہیں کہ وہ تمام مسوعات اور مصرات پر مطلع ہو جائے کیونکہ یہ تو واجب الوجود جل شانہ کے خواص میں سے ہے۔

حدیث ما تقرب الی عبد

حدیث ما تقرب الی عبد احب الی مما افترضت علیہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی اکون سمعہ الخ (کوئی بندہ میرے حضور جو کچھ اس پر فرض کیا گیا ہے سے بڑھ کر عزیز ترین چیز پیش نہیں کر سکتا اور میرا بندہ بدستور نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کی قوت سامعہ بن جاتا ہوں) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا توحید میں قرب فرائض یہ ہے کہ استغنائے الوہیت افعال و اعمال اور یہ کہ عالم میں سوائے اس کے کوئی موثر و قیوم نہیں شامل ہیں اور جس کا ان پر ایمان نہیں آخرت میں اس سے مواخذہ ہوگا! اور یہ قرب فرض ہے اور توحید میں قرب نوافل یہ ہے کہ بندہ حجابات دور کرنے کی سعی کرے اور یہ قرب نفل ہے اگر بندہ اسے حاصل نہ کرے تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا، اس لحاظ سے حدیث کی عبارت کا معنی یہ ہوگا کہ کوئی شخص بھی توحید اجمالی کے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے حضور قرب نہیں پاسکتا کیونکہ اسے ترک کرنے پر مواخذہ ہوتا ہے اور توحید تفصیلی میں بندہ برابر حجابات کو دور کرنے اور سخت ریاضتیں کرنے یا ذات اقدس کی طرف مکمل توجہ کرنے میں کوشاں رہتا ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے اس کی خودی سے باہر لے آتا ہے اور دوستی کا مفہوم یہی ہے

اور بندہ جب یہ مقام حاصل کر لیتا ہے تو جس طرح اس کی ذات اپنی نفی کر کے ذات حقیقی میں فنا ہو چکی ہوتی ہے اسی طرح اس کی صفات (انسانی) بھی اٹھالی جاتی ہیں۔ اور جو لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ اس وقت بندے کی صفات تو اخذ کر لی جاتی ہیں، لیکن اس کی ذات جوں کی توں باقی رہتی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ جس وقت تمام پردہ ہائے امکان اٹھ جاتے ہیں اس وقت کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ذات بنور باقی ہے، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذات نہیں صرف صفات ماخوذ ہو جاتی ہیں، ان کی ذات سے مراد وجود غصری اور روجی ہے جو توحید کے اس مقام کے حصول کے بعد بھی تمام مراحل میں اسی طرح باقی رہتا ہے اور اسی طرح خارج میں دیگر تمام طبقات بھی جو غلیٰ حالہ قائم رہتے ہیں، اور اگر کچھ خارق عادات کا ظہور ہو تو یہ بھی تو تبدل صفات کی قسم شمار ہوگی اور جن حضرات نے یہ کہا کہ ذات بھی ماخوذ (فنا) ہو جاتی ہے ان کی مراد ذات میں فنا ہونے کا وہی مفہوم ہے جو صوفیاء کے ہاں مسلم و معتبر ہے تو یہ سارا نزاع محض لفظی ٹھہرا۔

راہ سلوک میں حزن و اندوہ

فرمایا جسے حضرت حق کا وصال نصیب ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ حجابات باقی رہ جاتے ہیں تو اس میں غم اور رونے دھونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں بلکہ کبھی تو وہ عام مجوہین کے مقام پر آ جاتا ہے لیکن وہ صاحب حقیقت کہ جس کی رسائی لطائف حقیقت تک ہو چکی ہوتی ہے۔ غم و اندوہ اور اشنینیت کے چکر میں کبھی نہیں پھنستا، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ حجاب جو غم و ہکا کا سبب بنتا ہے یہ دراصل سالک کے اندر کی وہ درشتی اور شدت بہیمیہ ہے جو خود اس کے نفس کو اس کی معرفت کے سلسلے میں حجاب بنا دیتی ہے اور وصل عرفان نصیب نہیں ہو پاتا البتہ جس کی بہیمیت لطیف اور حقیقی ہے وہ سرور اور انس میں محو ہو جاتا ہے۔

تشریح والعصر الخ

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں قسم دہر سے مراد ذات، بقا، سرمدیت اور ذات حق کا دوام ہے، کیونکہ واصلمین کے سوا یہاں غیریت اور اشنینیت کے تو ہم کا شائبہ ہے، کسی نے حضرت شیخ سے سوال کیا کہ سالکین کی آخری منزل کون سی ہے، فرمایا رفع اشنینیت (دوئی) اور شہود وحدت ہی وہ بلند درجہ ہے جس سے بالا کوئی درجہ نہیں۔

تشریح ”توحید راہ کی درمیانی منزل“ ہے

شیخ عبداللہ کھانیؒ جو اس دور کے مشائخ میں سے تھے نے کہا کہ توحید تو ایک ایسا مقام ہے جو راہ سلوک کے درمیان پیش آتا ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھے ذرا اس سے آگے کی خبر دیجئے! انھوں نے کہا کہ ایک چیز ہے مگر بہت مخفی، آپ نے فرمایا سالک جب وحدت محضہ سے واصل ہو جاتا ہے تو اس کی نظروں سے کثرت غائب ہو جاتی ہے اور اس کے بعد تنزل کرتا ہے تو وحدت کو کثرت میں دیکھتا ہے اور یہ تنزل ہے اسے توحید سے بلند مرتبہ کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟

لیس وراء عباد ان قریۃ والی ربک المنتہی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ جن لوگوں نے توحید کو راستے کی ایک منزل قرار دیا ہے انھوں نے کثرت سے رویت جمع و ذہول مراد لی ہے اور یہ سر و غلبہ کی ایک قسم ہے اور جو شہود وحدت محضہ کو آخری منزل سمجھتے ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ لطیفہ انا اپنی جگہ لطائف میں سب سے اعلیٰ لطیفہ ہے جب صاحب جمع الجمع (۱) وحدت و کثرت دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے تو اس وقت رویت وحدہ محضہ کا اصل فضا لطیفہ انا ہوتا ہے اور رویت کثرت کا فضا لطائف ساقط ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ سب سے اعلیٰ مقام لطیف ترین لطائف کا پالینا ہے۔ واللہ اعلم

رشحات میں بعض عرفا سے یہ جو منقول ہے کہ ”من در ابتدای گفتن ممکن مین واجب است و در انتہا ظاہر شد کہ واجب مین ممکن است“ (آغاز کار میں میرا خیال تھا کہ ممکن مین واجب ہے لیکن انجام کار یہ بات مجھ پر ظاہر ہوئی کہ واجب مین ممکن ہے) کے بیان میں فرمایا کہ ہر دو عبارات میں فرق یہ ہے کہ پہلی بات صفات امکانیہ میں حصر واجب کو مستلزم ہے اور دوسری بات کا معنی یہ ہے کہ تعینات امور اعتباری اور اعدام محضہ میں جب کہ موجود حقیقی بجز واجب تعالیٰ کے کچھ اور نہیں، فرمایا جب خدا تعالیٰ ہر دورہ میں شیونات کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو پہلے افعال کو پیدا کرتا ہے کہ جو کہ باب انواع سے متعلق اور اس کی ذات سے عبارت ہیں اور یہ خلق کا سلسلہ ہر نوع میں

(۱) اس حقیقت کا انکشاف کہ خلق حق سے قائم ہے اس مقام پر حق کا جمیع موجودات میں مشاہدہ ہوتا ہے سالک یہاں حق کو خلق سے اور خلق کو حق سے دیکھتا ہے اور حق و خلق کو خلق میں دیکھتا ہے یعنی خلق کو خالق اور حق کو حق دیکھتا ہے اور انیس ایک دوسرے کا مین پاتا ہے یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے سلوک میں اس سے بلند کوئی مقام نہیں۔

جاری ہو جاتا ہے جیسے درخت، پتھر، انسان، گھوڑے وغیرہ پس مثال نوع انسانی اس کے مظاہر میں ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد ارواح اور اجسام کو بالترتیب پیدا کیا۔ بعد ازاں یہ دورہ یہاں پر ختم ہو گیا، یہاں تک کہ یہ روحیں فنائے خفی کے پردے میں چلی جاتی ہیں اس کے بعد سابقہ دورہ کی ترتیب کے مطابق پھر سے انہیں پیدا فرماتا ہے۔

حق تعالیٰ جل شانہ کے افعال و صفات میں تعطل نہیں ہے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول نصح اناس سرمدیون (ہم سرمدی لوگ ہیں) طول مدت پر محمول ہے یا اس اعتبار سے کہ خدا تعالیٰ سرمدی ہے اس لحاظ سے جس پر بھی ازل وابد کی حقیقت کھل جاتی ہے، وہ اپنے آپ کو سرمدی سمجھتا ہے، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ ظہور مثال سے پہلے حقائق کاملہ کے یقین کی صورت انسان ہے اور یہ یقین اشتقاق صورت صرف کی رو سے حقیقۃ الحقائق ہے اور یہ اس لحاظ سے کہ چیز بساطت اور تنزل مراتب میں یکساں طور پر موجود ہے اور ارادۂ قدیمہ واجبہ سے وہ اشتقاق مراتب کو نیہ میں ظہور کی خاطر ہے جیسے کہ وہ ستارے کہ جن کا پانی کے تالاب میں عکس پڑ رہا ہے اگر پانی ہزار بار بھی اپنی شکلیں بدلے تو ستاروں پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا اور وہ ویسے کے ویسے رہتے ہیں، واللہ اعلم

شیخ اکبرؒ کے قول کی تشریح

شیخ اکبرؒ کے قول العبد عبد و ان توفی والرب رب و ان تنزل (بندہ بہر طور بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنی ترقی کر لے اور رب بہر صورت رب ہے چاہے تنزل اختیار کر لے) کی تشریح میں فرمایا بندہ چاہے مراتب اعلیٰ پر پہنچ جائے وہ اپنی مقدار عین سے خارج نہیں ہو سکتا، لہذا اسی کے تمام ترکمالات اس کی استعداد عین کے دائرہ کار کے اندر ہوتے ہیں، اور حضرت حق اپنی صرافت اور اطلاق کے ساتھ جلوہ گر ہے اگرچہ اس نے مظاہر میں بھی اپنا ظہور فرمایا ہے اس گفتگو کا فقیر (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص پر اجمالاً تجلی فرماتا ہے اگرچہ وہ تجلی متجلی لہ (جس میں تجلی کا ظہور ہو رہا ہے) کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے تاہم اس میں سطوت، تسخیر اور قہر و جوب نمایاں ہوتے ہیں اور مقام فنا میں ایسے مقام بھی آتے ہیں کہ بندہ کبھی کبھار اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے، لیکن یہاں بھی الانفعال اور تاثر امکان واضح رہے۔

www.KitaboSunnat.com

حضرت شیخ ابوالرضاؒ کے چند مسودات اور مکتوبات

شیخ عبدالاحدؒ جو کہ شیخ احمد سرہندیؒ کے پوتے اور اس دور کے مشائخ میں سے تھے، نے حضرت شیخ کی خدمت میں یہ مکتوب تحریر فرمایا:

مکتوب شیخ عبدالاحدؒ

آپ کے اخلاق کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے اوقات مخصوصہ میں اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے، کیونکہ معاملہ دشوار، راستہ مشکل اور خوفناک ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان امامکم عقبہ کزود (تمہارے سامنے ایک پیچیدہ اور دشوار گزار گھاتی ہے)۔

كيف الوصول الى سعاد ودونها
الرجل حافية ومالى مركب
قلل الجبال ودونها حوف
والكف صفر والطريق محوف
(میں سعاد (محبوبہ) تک کیسے پہنچوں کہ راستے میں بلند پہاڑ اور نشیب و فراز حائل ہیں، میرے پاؤں میں جوتا ہے نہ میرے پاس کوئی سواری، راستہ خوفناک ہے اور میں تہی دست ہوں) میرے محترم و مشفق! حقیقت الفاظ میں نہیں ماسکتی اور غیر حقیقت شایان بیان نہیں، اس لئے بات ختم کرتا ہوں، والسلام

حضرت شیخ نے اس مکتوب کا جواب یہ تحریر فرمایا:

هو الاحد

مکتوب شیخ ابوالرضاؒ

آپ کا سراپا شفقت، عنایت نامہ موصول ہوا اور اس نے خلوص و یگانگت کے رشتے کو استحکام بخشا اللہ جل شانہ آپ کو اس مہربانی اور عزت بخشش کی جزا عطا فرمائے اور اپنے مقصد تک رسائی بخشے۔

گرامی نامہ میں لکھا ہوا تھا۔

کیف الوصول الی سعاد و دونہا قلل الجبال و دونہن حیوف

الرجل حافیہ و مالی مرکب و کیف صفر و الطريق مخوف

حقیقت یہ ہے کہ ہویت ذاتیہ مطلقہ تک اس کے حقیقی اطلاق سے سیر مستطیل کے ذریعے وصول بہت مشکل ہے بلکہ اس سے پہلے اعتبارات محضہ اور اضافات و ہمیہ صریحہ جو کہ عالم خلق و امر سے متعلق ہیں، ایسی دشوار گزار پہاڑی چوٹیاں بھی موجود ہیں کیونکہ ان سے سالک خود کو خوف زدہ پاتا ہے اور اپنے شعور و ادراک کو ان کی تلاش میں سرگرداں کر دیتا ہے اور نہ حق سبحانہ تعالیٰ تو اپنی ذات میں وجود خاص کی بنا پر بندے کی شررگ سے بھی زیادہ قریب ہے اس کا راستہ بہتر و پرامن ہے اور نہ خوفناک، اس مقام پر ننگے پاؤں کی کوئی بات ہے اور نہ ہی کسی سواری کی، اور نہ ہی اس جگہ کسی تہی دتی کا کوئی وجود ہے جبکہ وہ اپنی ذات میں قائم ہے مگر لوگوں میں اس کا ظہور نہیں، وہ پاک ذات ہے جو اپنے اشراق نور کا حجاب اوڑھے ہوئے اور اپنے ظہور کے استغراق میں غرق ہے۔

توهمت قد ماء ان لیلی تبرقت وان لناسفی البین ما یمنع النماء

فلاحت فلا واللہ ما ثم مانع سوی ان عینی کان من حسنہا اعنی

(قداء کا یہ وہم ہے کہ لیلیٰ نے برقعہ اوڑھ رکھا ہے مگر ہمارے لئے تو یہی جدائی ہے جو حجاب بن کر بوسے سے مانع ہے جب محبوبہ نے اپنا چہرہ ظاہر کیا تو اس وقت کوئی چیز اس کے دیدار سے مانع نہیں تھی مگر ہماری آنکھیں ہی اس کا جلوہ حسن دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں)۔

پردہ برخاست تا بدیدہ ستم دوست با دوست کردہ در آغوش

آں شناسد حدیث دل مست کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

(پردہ اٹھا تو میں نے خود کو اس حالت میں دیکھا کہ دوست نے دوست کو آغوش میں لے رکھا ہے اور دل مست کی بات صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے یہ شراب پی رکھی ہو)۔

وغنی بی منی قلبی فغنیت کما غنی و کسا حیث ما کانوا حیث ما کنا

ۛ

روز آں تو بودم و نمی دانستم شب با تو غنودم و نمی دانستم

ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم من جملہ تو بودم و نمی دانستم

(بردن میں نے تیرے ساتھ گزارا مگر مجھے معلوم نہ ہو کہ اسی طرح راتوں کو بھی تیرے ساتھ رہا مگر بے خبر تھا۔ میرا گمان تھا کہ میں ہی میں ہوں حالانکہ میں تو تھا ہی نہیں تو ہی تو تھا لیکن مجھے پتہ نہ چل سکا)

مکتوب میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ جو خن حقیقی ہوتا ہے بیان میں نہیں آ سکتا۔

اس سے ظاہر مراد یہ ہے کہ بیان میں اس وجہ سے نہیں آ سکتا کہ سننے والوں کی سوجھ بوجھ میں کمی ہے ورنہ خن اگر لفظی ہے تو یہ عین گفت ہے اور اگر نفسی ہے تو فہما من عیان الاولہ بیان۔
دوہرہ

کبیرا کا کھر سلہری جہاں سلسلی سبل
ولٹ بانو پیل کی سواد کون لادی نیل

والسلام علی اہل اللہ الکرام، جب حضرت شیخ کا مکتوب گرامی پہنچا تو جواباً شیخ عبدالاحدؒ نے انتہائی فصیح و بلیغ مکتوب لکھ بھیجا جس میں صعوبت حصول اور بعد راہ کے مضامین کو اس کے ساتھ بیان فرمایا۔ مکتوب یہ ہے۔
مکتوب شیخ عبدالاحدؒ

”بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد“ گرامی نامہ سرا پاشفت و تلطف موصول ہوا۔ مطالعہ سے بہرہ اندوز ہوا یہ مکتوب نکات کا خزانہ اور معارف و حقائق کا گنجینہ تھا۔ اس کی دلکش عبارات پاکیزہ اور لطیف اشارات روح پرور تھے۔

نکجائیں ہمہ ہمرنگ چمن کردہ بر دفتر گل مشق خن
(اس کے تمام نکات رنگ چمن سے رنگین تھے گویا پھولوں کے کاغذ پر مشق خن کی گئی تھی)

خدائے بزرگ و برتر آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے اور انتہائی مسرتوں سے مالا مال کرے، خط میں مرقوم تھا کہ ”سعادۃ تک رسائی ایسے ہی مشکل ہے جیسے سیر مستطیل کے ساتھ عبوریت ذاتیہ کا حصول، ورنہ حق سبحانہ بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر

ہے۔ آپ نے یہ وجود کے بارے میں کہا مگر جہاں تک وجدان کا تعلق ہے تو ذات سبحانہ، و تعالیٰ وراء الوراء اور وراء الوراء ہے۔
 برگ بیرنگی بساز اے عندلیب بینوا کہ ایں گل ماہر متا بد از نزاکت رنگ را
 (اے بلبل بے نوا کسی بے رنگ حتی سے ناطہ جوڑ کہ یہ میرا پھول انتہائی نزاکت کی وجہ سے رنگ کو بھی برداشت نہیں کر سکتا)
 دوبرہ ۔

پنت نکٹ سنگم اکم بگر مایہ جیوں جہانہ
 چکھ اکیں مکہ بن رہی ملنہ نہ بہر بہرمانہ
 شیخ عطارؒ نے فرمایا ہے:-

ہا ایں ہمہ نزدیکی جانناں چہ بسی دوری
 در عین وصال تو گشت ایں ہمہ مجوری

(اس تمام نزدیکی کے باوجود محبوب کس قدر دور ہے۔ اے محبوب ازل! تیرے عین وصال میں بھی کتنا بھر ہے)

آپ نے تحریر فرمایا: ”اس کی طرف کوئی پراسن بہتر اور نہ کوئی خوفناک راستہ جاتا ہے اور اس سے نیچے پاؤں چلا جاتا ہے نہ تہی دست ہو کر“۔ ہاں یہاں کوئی اچھا راستہ نہیں مگر اس سے پہلے پہاڑوں کو چوٹیاں اور ان سے پہلے نشیب و فراز حائل ہیں، وہاں راہ حقیقت واسع اور ثابت ہے اور اس راہ کے راہی اس میں پڑے ہیں سبحان الذی اسرئ بعدہ لیلا میں اور انی ذاہب الی ربی میں بھی اسی راہ حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور قل هذا سبیلی ادعوا الی اللہ بھی اسی طرف رہنمائی کر رہی ہے۔ اسی طرح ففروا الی اللہ بھی اسی معنی کی طرف مشعر ہے اور وہ شعر جو آپ نے نور مطلوب کے ظہور اور طالب کی کم مائیگی کے بارے میں تحریر فرمائے، نے مجھے بہت محفوظ کیا، ہاں معاملہ کچھ یونہی ہے جیسے کہا گیا ہے انت الغمامۃ علی شمسک دع نفسک و تعال (تو خود اپنے آفتاب پر بادل کی طرح چھایا ہوا ہے لہذا خود کو چھوڑ اور چلا آ اور فارسی کے جن اشعار میں یہ کہا گیا کہ مطلوب وہم آغوش پردہ پوش محبوب تھا۔ یہ نہایت داسوز مینہ

افروز اور عرفان و وصل بے پردہ سے معمور تھے۔ بہر طور یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ تمام گلشن تشبیہ کے پھول اور عالم سکروستی کے شعبدے ہیں۔ مقام تنزیہ جو کہ حضرت ذات سے قریب تر ہے وہ ان تمام کو برداشت نہیں کر سکتا۔ وہاں تو وہی کچھ ہے جو بیان سے باہر ہے وہاں مجھے تو سوائے حیرانگی، ناشائی اور حقیقت کے ادراک کی عاجزی کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین

کایں جا ہمیشہ باز بدست ست دام را

ما للثراب و رب الارباب (چہ نسبت خاک را العالم پاک)۔

تو از خوبی نمی گنجی بعالم

مرا ہرگز کجا آئی در آغوش

(تیر احسن تو سارے عالم میں نہیں سماتا پھر تو میرے آغوش میں کس طرح سما سکتا ہے)

یہی وہ مقام ہے جہاں مقربان بارگاہ کو ابدی حزن و ملال دامن گیر ہو جاتا ہے اور یاس و حرمان سردی خاصہ خاصان درگاہ کے حصے میں آتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے، کان علیہ السلام دائم الحزن متواصل الفکر (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ حزیں اور مسلسل فکر مند رہتے تھے)۔

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون

تا چیست حقیقت ز پس پردہ بردون

(سارے دل حقیقت پس پردہ کو جاننے کی کدو کاوش میں پگھل کر پانی ہو گئے اور ساری

جانیں خون ہو گئیں)

جو دو ہرہ اس راہ کی دشواری کے بارے میں تحریر کیا گیا وہ انتہائی دل نشین اور بے ساختہ تھا۔

اس راہ کی مشکلات تو اس سے بھی بڑھ کر ہیں، یہاں تک کہ مخبر صادق علیہ السلام نے بھی ان دشواریوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان اماکم عقبۃ کوؤد یہ بھی ہے مگر۔

گر موج زند عنایت او

موراں بکند کار پیلاں

(اگر اس کی عنایت کا بحر موج مارے تو چوئیاں بھی ہاتھیوں کا کام کریں)
 احادیث میں آتا ہے کہ ان اللہ يفعل بالضعیف ما يتحیر فیہ القوی (خدا کمزور
 سے وہ کام کرا لیتا ہے جس سے طاقت ور بھی عاجز ہو جاتا ہے۔
 عجائبِ روئے عشق اے رفیقِ بسیار مست
 ز پیش آہوئے ایں دشت شیرِ نر بر مید
 (اے دوست چادہ عشق کے عجائبات بے شمار ہیں۔ اس جنگل کے آہو سے پہلے شیرِ نر نکلتا
 ہے)

دوہرہ:

میںی گرورجیم کو پل جہاں رمنا
 دیکھو کا برج بہہ کو چو کھیت بھٹی دہارو

اور یہ رباعی۔

روز آں بتو بودم ونمی دانستم شب با تو غنودم ونمی دانستم
 ظن بود بمن کہ من جملہ منم من جملہ تو بودم ونمی دانستم
 جو آپ نے تحریر فرمائی ہے وصال اور غلبہ سکر کی کیفیت کی خبر بھی دیتی ہے ورنہ خدا کے ہاں تو
 نہ شام ہے نہ سحر۔ لم یلد ولم یولد اس کے جلال کا محیفہ ہے اور ولسم یکن لہ کفوا احداس
 کے توقع کمال کا دیباچہ۔

اہرے دوست کے شود دست کش خیال من

کس نزد است زین کمان تیر مراد بر بدف

(دوست کے اہر و میرے ذہن سے کیسے نکل سکتے ہیں کسی نے اب تک اس کمان
 سے نشانے پر تیر مراد پھینکا ہی نہیں)
 اور جو کہا گیا ہے کہ۔

وغنی بی متی قلبی فغنیت کما غنی

و کما حیث ما کانوا و کانوا حیث ما کنا

یہ بھی اسی قبیل میں سے ہے ورنہ وہاں تو قیل، قال، حیث کان، انس اور جان کچھ بھی نہیں۔
 کان اللہ ولم یکن معہ شیء والان کما کان، اور ”بشر کو یہ طاقت نہیں کہ وحی یا پردے کی
 اوٹ کے بغیر خدا سے ہم کلام ہو سکے۔“ (آیت) جو اہر سالکین کی نقاد ہے اور بلا تضرع و
 الامثال واللہ یعلم وانتم لا تعلمون، معیار حلیہ عارفین ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ سرخیل
 مہبان (حضرت موہی) نے لن ترانی کا زخم برداشت کیا اور دفتر محبوبان کے سر تاج (سرکار
 دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم) نے لیس لک من الامور کی ندائی گویا ایک جانب عنایت ہے تو
 دوسری جانب بے نیازی۔ تحریر تھا کہ ”آپ نے لکھا ہے کہ جو خن حق ہوتا ہے گفتگو میں نہیں آتا۔
 اس سے ظاہر امر یہ ہے کہ سننے والوں کے ادراک کی کمزوری کی بنا پر گفتگو میں نہیں آ سکتا ورنہ اگر
 خن لفظی ہو تو عین گفت ہے اور نفسی ہو تو ہر عیاں چیز کے لئے بیان ہوتا ہے۔“ ایسا ہرگز نہیں بلکہ
 اس سے مراد خود تصور متکلم ہے یہاں خن حق سے حقیقت ذات کا بیان ہے اور ذات کی بدایت کرنا
 طاقت بشریہ سے باہر ہے اور اس سلسلے میں ظن و تخمین سے کام لینا بے ادبی ہے کیونکہ ظن بیان
 حقیقت کو ذرا برابر قائم نہیں پہنچاتا۔ یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ درک ممکن اور احاطہ متناہی میں آئے گا،
 الاحمالہ وہ ممکن اور متناہی ہوگا اور واجب تعالیٰ کی ذات غیر متناہی تو اس سے بہت بالا ہے۔ خوب
 بزرگ (خدا ان کی لحد پر غطر افشانی کرے) نے فرمایا جو کچھ بھی دیکھا اور سنا جاتا ہے سب غیر حق
 ہوتا ہے لہذا اسے کلمہ کے لفظ لا کی حقیقت سے منفی کر دینا چاہئے۔

بس بیرنگ است یار دلخواہ اے دل

قانع نشوی بیرنگ ناگاہ اے دل

(اے دل محبوب ازل تو بے رنگ ہے تو کہیں اچانک رنگ پر قانع نہ ہو جانا)

خاصہ کلام یہ کہ جو اس کو جانتا نہیں وہ بطریق اولیٰ اس کے بارے میں کچھ بیان بھی نہیں
 کر سکتا اسے فکر، وہم اور نگاہیں نہیں پاسکتیں۔

چہاں نشاں وہم آں نشان یکتا را

گمں چہ شرح دہد آشیان عنقا را

(اس بے نشان و یکتا کا کیا نشان بتاؤں کہ شہد کی مکھی آشیانہ عنقا کا کیا پتہ دے سکتی ہے)

میرے محترم! جسے اس نے خلعت کلام پہنائی اور انسی اصطیفینک بکلامی
و برسلتی کی نوید سنا کر اعزاز بخشا۔ اس نے بھی یہی صدا بلند کی کہ یضیق صدری ولا
ینطلق لسانی اور جسے اس نے جوامع الکلم سے نواز اور تاج و معراج اور اذلیت و خاتمیت سے
عزت بخشی۔ اس نے بھی یہ فرمایا: لا احصی ثناء علیک سبحان اللہ رب العرش عما
یصفون۔

اے از تو گمان خلق بس دور
جلوائے تو از پر گس دور
(اے کہ تجھ سے لوگوں کا گمان بہت دور واقع ہے اور تیرا جلوہ تو پر گس سے بھی لطیف ہے)
ہر کس کہ ز کند تو خن گفت
خود گفت و ز گفت خود بر آشت
(جس نے بھی تیری حقیقت کے بارے میں کچھ کہا تو خود ہی کہا اور اپنے کہے پر خود ہی
پشیمان ہوا)۔

اے برتر ازاں ہمہ کہ گفتند
و آنها کہ بدید ہم نہفتند
(اے کہ تو اس تمام سے بلند ہے جو تیرے بارے میں کہا گیا ہے اور جنہوں نے دیکھا
چھپایا)۔

توحید تو ہر کہ راند در قیل
بر مورچہ زد عماری فیل
(جس نے تیری توحید کو لفظوں میں ڈھالا اس نے گویا چیونٹی پر ہاتھی کی ڈولی رکھ دی)
آپ کا یہ فرمان کہ فما من عیان الا وله بیان اور قول خداوندی الرحمن علم
القرآن اپنی جگہ صحیح ہیں مگر جو عیاں سے بالا ہے وہ بیان سے خالی ہوتا ہے اور آپ علم کے ذریعے
اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ محققین میں سے کسی کا قول ہے کہ من عرف اللہ طال لسانہ (جس
نے خدا کو پہچان لیا اس کی زبان تیز ہو گئی) اور یہ مرتبہ صفات، شبیوں اور اعتبارات ہے اور صوفیہ کا

یہ قول من عرف اللہ کل لسانہ (جس نے خدا کو جان لیا اس کی زبان گنگ ہو گئی) مرتبہ ذات کی بنا پر ہے جو اضافات اور اعتبارات سے مبرا ہے اور وہ مطلقاً کیف سے منزہ ہے میں عرض کرتا ہوں کہ پہلی بات یہ ہے کہ الرحمن علم القرآن میں قرآن صفات میں سے ایک صفت ہے اس لئے اسم ذات کی بجائے اسم صفت کے ساتھ آغاز کیا گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ فاعل وحی الہی عبدہ مباحی میں جو کچھ وحی کیا گیا اسے مبہم رکھا گیا اور بندے کی اضافت ہوینا ذاتیہ کی طرف کی جیسے پیغمبر علیہ السلام کے اس فرمان میں پوشیدہ ہے: ”ابہموا ما ابہم اللہ“ (جسے خدا نے مخفی رکھا اسے ظاہر مت کرو) اس سے مراد یہ ہے کہ تم ذات کے بارے میں سرے سے بحث ہی نہ کرو کیونکہ تم رخ کبریا سے نقاب اٹھانے کی طاقت ہی نہیں رکھتے کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان

چوں بعشق آیم بخل باشم از ازل

(میں عشق کی جو شرح بھی بیان کرتا ہوں جب عشق اختیار کرتا ہوں تو اپنے کہے پر شرمسار ہوتا ہوں)

دوسرے یہ کہ عیاں کے لئے کیا بیان؟

میرے محترم! چونکہ نماز اعمال میں سے مقرب ترین عمل ہے اور مورد تجلیات و مشاہدات ہے اور اس کے بارے میں یہ حدیث کہ الصلوٰۃ معراج المومن اور ایک دوسری معتبر حدیث کہ اقرب ما یکون العبد من الرب تعالیٰ فی السجدة نماز کے مقرب ترین عبادت ہونے کی بین دلیلیں ہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سالک کے دل میں ادائے نماز کے دوران مطلوب بے حجاب اور محبوب بے نقاب کی ہم آغوشی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور فرط عشق و شوق کے مارے مظہر و ظاہر اور صورت و حقیقت میں تفریق نہیں کر پاتا۔ اسی وجہ سے نماز کے تمام ارکان میں اس حکیم مطلق نے تکبیرات انتقالات اور تسبیحات کا حکم دیا ہے۔ یعنی اے سالک! جب تیرے دل میں وصال کا کوئی خیال پیدا ہو تو جان لے کہ ذات باری اس سے کہیں برتر و اعلیٰ ہے۔ خواجہ حافظ شیرازیؒ نے سالک کے توہم وصول کو جو تجلیات

و مشاہدات کے ورود سے پیدا ہو جاتا ہے اور درحقیقت ایسا نہیں ہوتا اس طرح بیان کیا ہے:-

عکس روئے تو کہ در آئینہ جام افتاد

عارف از خندہ می در طبع افتاد

(آئینہ جام میں جب تیرے چہرے کا عکس پڑا تو عارف شراب میں مسکراتے عکس کو دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہو گیا)

یعنی عارف کا خون دل جو محبت کا گہوارہ ہے جو کہ نقوش ماسوا کو مٹا کر تجلی ذاتی کا مرکز بن جاتا ہے اور یہ تجلی ذاتی اس کی ذات سے وجہ کنایت ہے اور ایسے میں عارف کا باطن پہلے سے سو گنا بڑھ کر ترقی حاصل کرتا ہے اور بے پایاں شگفتگی و مسرت اسے حاصل ہو جاتی ہے تو ناچار بے پردہ وصول ذات کے لالچ میں پڑ جاتا ہے، مگر اسے معلوم نہیں ہوتا کہ تجلی اسے کہتے ہیں جو شائبہ ظلیت سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ تجلی کسی چیز کے مرتبہ ثانیہ یا ثالثہ میں ظاہر ہونے کا نام ہے۔

خلق را روی کے نماید او

در کدام آئینہ در آید او

(لوگوں کو وہ اپنا جمال جہاں آراء کس طرح دکھائے اور وہ کس آئینے میں سمائے) ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ وصول ذات اصلاً ناممکن ہے جبکہ مشائخ کبار سے وصول الی الذات منقول ہے اور ان میں سے کسی نے یہ بھی کہا ہے۔

ذات من نیست جز تجلی ذات

ذات بر من زده است راہ صفات

(میری ذات سوائے تجلی ذات کے اور کچھ نہیں، اور ذات نے مجھ پر صفات کی راہ مسدود کر دی ہے)

اور اسی طرح کسی اور نے کہا ہے ”حق تو یہ ہے کہ میں اسم و صفت سے گزرے بغیر ذات تک پہنچا ہوں اس سلسلے میں مشائخ کے اقوال اس قدر ہیں کہ ان کا انکار نہیں

کیا جاسکتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وصول الی الذات کا مطلقاً انکار تو نہیں کرتے مگر نہ ذات تک وصول کے قائل نہیں اور اس کی کیفیت کے بطریق حصول پانے کے بھی قائل نہیں اور جو وصول بے کیف اور بلا ادراک ہو وہ ممکن اور یقینی ہے جس کے ثبوت کے لئے دلائل و براہین موجود ہیں اور اسی قبیل سے ایک بات یہ ہے کہ اس وصول کے کا وصف نگرانی ابدی دامنگیر ہو جاتی ہے اور دائمی حزن و اندوہ دولت وصول کے باوجود چھپا نہیں چھوڑتے اور اس کا سبب دو امور ہیں، پہلا اس تکون و تلدی کے فقدان کے نتیجے میں پیش آتا ہے جو اس سے پہلے تجلیات صفاتیہ میں موجود ہوتا ہے اور باطن سے پوری طرح مانوس ہو چکا ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ سالک وسعت ذات اور اپنے شوق و تشنگی کی وجہ سے اس مقام کا احاطہ نہیں کر پاتا اگرچہ وہ خود بسیط تر ہوتا ہے مگر ذات حق تو وسیع تر ہے اور یہ تمام (وصول) بلا کیف ہوتا ہے، یہاں عارف بمنزلہ مستقی کے ہوتا ہے جو ذات حق سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور اس مقام کا کوئی کنارہ ہے نہ نہایت، نہ انجام ہے نہ آغاز۔ ع

بمیر دکنہ مستقی و دریا ہم چناں باقی

شیخ عطار فرماتے ہیں :-

نمی بنی کہ شای چوں خیمبر
ندیدہ فقر گل تو رنج کم بر

یعنی اس مرتبے کے وصول کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہو اور خزانہ جبروت میں ایک جوہر ہے جس کی احتیاج ہوتی ہے وہ باقی نہ رہے قطعاً ناممکن ہے و فوق کل ذی علم علیم اگر نہ جاننے اور پہچاننے والے کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس میں طلب کیسے پیدا ہوئی؟ جبکہ اس نے اس کے لئے جگر کو کباب اور آنکھوں کو نمناک کیا ہے تو اس کے جواب میں یہ عرض کرونگا کہ جاننا پہچاننا شرط طلب نہیں، بلکہ حسن محبوب کی دھوم حریف عشق کو بیقرار اور بے چین کر دیتی ہے اور جمال محبوب کی خوشبو و گفتگو دیوانگی عاشق کو جوش دلاتی ہے اس طرح کے گلہائے رنگین اس وادی میں بکثرت

کھلتے ہیں اور اس طرح کی نیرنگیاں اس راہ میں اکثر و بیشتر واقع ہوتی رہتی ہیں۔ یہ آتش عشق میں کودنے والوں کی دیوانگیاں اور جاں گدازوں کی الہتیں ہیں، جو دنیائے عشق میں اس طرح کے عجائب و غرائب پیدا کرتی رہتی ہیں، مولوی عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیس دولت از گفتار خیزد

(آتش عشق صرف دیدار یا رسے ہی نہیں بھڑکتی بلکہ اکثر یہ دولت حسن یا ر کے چرچے سے ہی مل جاتی ہے)۔

آری متقنائے ادب ایسے لائق کبریائے محبوب چنین است
اے عشق ز عاشقاں عجب نیست معشوق شنای از ادب نیست
(ہاں تو ادب کا تقاضا یہ ہے اور محبوب کی کبریائی کے شایان یہی ہے کہ عشق کا ظہور
عشاق سے کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ معشوق کو جان لینا ادب سے تعلق نہیں
رکھتا)۔

تو یہ جان لینا چاہئے کہ جیسے ذات کو کسی عبارت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی طرح
اس کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے اسی طرح اس کا وصول بھی نہ تو کسی عبارت سے
تعبیر کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ ممکن ہے اس اخروی روایت کی
طرح کہ جس پر ہمارا ایمان ہے مگر اس کی کیفیت سے سروکار نہیں رکھتے۔

ع بلابودی اگر ایس ہم نبودی

اگر یہ کہیں کہ پھر مبتدی اور منتہی میں فرق کیا ہے؟ جبکہ ہر دوسو و گداز میں ایک ساتھ
اور دونوں اسی راز و نیاز کے طالب ہیں۔ اگر تو ان دونوں میں فرق واضح ہو جائے تو
یہی مقصود ہے مگر یہاں تو دونوں میں کوئی فرق موجود ہی نہیں اور اگر حزن و اندوہ ہے
تو وہ بھی دونوں میں یکساں موجود ہے میں اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ
مبتدی کا عدم وصول حقیقی ہے جبکہ منتہی کا صوری، مبتدی جب گریہ کرتا ہے تو اس کے

لئے کہ سامنے مجاہبات کی دیواریں ہوتی ہیں مگر منتہی تو عظمت و کبریائی کے مشاہدے سے رو پڑتا ہے وہ (مبتدی) ہنوز ستر ہزار پردوں میں ہوتا ہے اور یہ (منتہی) انوار کی چکاچوند میں پہنچا ہوتا ہے وہ بارہستی کو کاندھوں پر اٹھائے ہوتا ہے جبکہ یہ اس کی عظمت کا بار برداشت کئے ہوتا ہے وہ ابھی تک مادی لباس میں گرفتار ہوتا ہے اور اسے خلعت و جود کے ساتھ عزت بخشی گئی ہوتی ہے وہ سایوں اور خیالوں میں ہوتا ہے کہ یہ واصل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس نے ابھی انفس و آفاق کے دام سے پاؤں نہیں چھڑائے ہوتے کہ یہ ان تمام سے نکل کر منزل بالائیک پہنچا ہوتا ہے۔ الغرض یہ کہ بکاء المرید من بکاء الشیخ کے مقام پر فائز اس جان جہان پر اپنی جان کی بازی لگائے اسم اور رسم اور نام و نشان سے بے پروا گزر کر تنزیہ مطلق اور غیب صرف کو اپنی توجہ کا قبلہ بنا دیتا ہے بے شک خدائے بزرگ و برتر بلند عزم لوگوں کو عزیز جانتا ہے کیا خوب کہا ہے۔ ع

آں لقمہ کہ در وہاں نکلند طلسم

(وہ لقمہ طلب کرتا ہوں جو منہ میں نہ سمائے)

خلاصہ کلام یہ نکالنا کہ مقصود و وصول ہے نہ کہ حصول اور مطلوب قرب ہے نہ کہ ادراک: دوسرہ:۔

نانو نجانو کا اور بارک لاکي جانو

جانی جہاں کیے تھاں نانو نہ کانو نہ تھانو

س

گرفتم تاید ایں عنقا بدام تیند تہائے دامن را غلام
کسی را گر چہ برگ ایں سفر نیست بہ از سودائے او چیز دگر نیست
(مجھے تسلیم ہے کہ عنقا میرے دام میں نہیں آنے کا، مگر میں اس کے دام کی رسیوں کا غلام ہوں۔ اگر کسی کے پاس اس سفر کا ساز و سامان نہ ہو تو اس کے لئے سودائے محبوب سے بہتر کوئی زاد راہ نہیں)

اب ہم اس مکتوب کو حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سبحانہ، بسرہ الاسنی کے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جس نے امکان کو آئینہ و جوب اور عدم کو مظہر وجود بنایا، اور وجوب و وجود اگر چہ دونوں اس کے کمال کی صفات ہیں مگر وہ تو ان دونوں سے دراء اور بلند ہے بلکہ تمام اسماء و صفات اور شیوں و اعتبارات سے ماوراء ہے اور ہر ظہور بطون، بروز اور کمون سے بالا ہے، اسی طرح تجلیات، ظہورات، مشاہدات اور مکاشفات سے بھی ارفع ہے اور ہر معقول، محسوس، مہوہوم اور تغھیل سے بھی ماوراء ہے الغرض وہ ذات پاک وراء الوراہ اور وراء الوراہ ہے۔

چہ گوئیم با تو از مرغی نشاند
کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامی پیش مردم
ز مرغ من بود آں نام ہم گم
(میں تمہیں اس طائر قدسی کا کیا نشان بتاؤں کہ جس کا آشیانہ عنقا کے ساتھ ہے
لوگوں کی نظر میں عنقا کا بھی ایک نام ہے مگر میرے طائر قدسی کا تو نام بھی مخفی ہے)
پس ذات قدس ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے بے نیاز بلکہ تمام تعریفوں کی
منزل اس کی ذات اقدس کے سراپردوں سے پہلے واقع ہے وہ خود ہی وہی ذات
ہے جس نے خود اپنی ثنا کی اور اپنی ذات کی خود تعریف کی لہذا وہ ذات پاک خود ہی
حامد ہے اور خود ہی محمود، کوئی دوسرا اس کی حمد و ثنا سے عاجز ہے انتہی کلامہ القدسی۔

ہیہات قلم بوقلم در کف اندیشہ گداخت

رنگ آخر شد و نیرنگ تو تصویر نہ شد

(ہائے افسوس میری بوقلمونی کا قلم اندیشے کی ہتھیلی میں گل گیا، رنگ ختم ہو گیا لیکن
تیری نیرنگی تصویر نہ بنی)

عرفان پناہ! ہماری باہمی بحث کسی مقابلے یا مناظرے کی بنا پر نہیں بلکہ اس کا حلق
نیم خامی اور ترک جوئی سے ہے۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے کیونکہ
الغدر عند کرام الناس مقبول اور سلامتی ہو اس پر جو راہ ہدایت پر چلا اور

متابعت مصطفیٰ علیہ علی آلہ والصلوٰۃ والتسلیمات لعلیٰ پر کار بند ہو گیا۔“

حضرت شیخ ابوالرضاؒ نے حضرت شاہ عبدالاحدؒ کے مندرجہ بالا مکتوب کے مطالعہ کے بعد یہ

جواب تحریر فرمایا:

جواب شیخ ابوالرضاؒ

”تمام تعریفیں اس ذات اقدس کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہر غلطی و نقصان سے نکال کر اپنی طرف مائل کیا تو ہم نے اسے اپنی شہ رگ سے بھی قریب پایا۔ ایسی حالت میں کہ کوئی حیر انگیزی اور نہ پریشانی، اور ہر عارف و جاہل کی طرف سے درود و سلام ہوں ہمارے نبی اور آقا حضرت محمدؐ اور ان کی آل پر۔ یہاں جاہل سے مراد وہ ہے جو حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے غلطیاں و پریشاں ہوتا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرمی نامہ دلکش عبارات لئے ہوئے یہاں پہنچا۔ گویا اس مکتوب میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دعوت و وصول غلبہ بحال کے سبب ہوتی ہے تو ایسی حالت میں سخن مغلوب کا کیا اعتبار؟ اور اس کی مثالیں رموز و اشارات سے اشعار کے روپ میں ظاہر کی گئیں اس کے علاوہ انوکھی تشبیہات، کنایے اور استعارے تھے میں نے ان تمام کو اچھی طرح سمجھا، آپ نے پہلی بات جو تحریر کی وہ یہ تھی کہ۔

كيف الوصول الى سعاد ودونها قلل الجبال ودونها خيوف

الرجل حافية ومالي مركب والكف صفر والطريق مخوف

یہ اشعار راستے کی مشکلات اور امتناع وصول کے سلسلے میں واضح ہیں اور جو میں نے لکھا تھا کہ ہویت ذاتیہ تک سیر مستطیل جو کہ عالم خلق و امر کے اعتبارات کی پہاڑی چوٹیوں کے عبور پر مبنی ہے کے ذریعے وصول بہت مشکل ہے تو یہ بات مقصد کے لئے راستہ، مشکلات راہ کی وضاحت، وقوع اقامہ اور حصول وصول کی دشواریوں کے ممتنع الوصول ہونے کی تاویل کے طور پر تھی اور میں نے اس راستے کی نفی بعض اشخاص کے لئے خاص وجوہات کو بنا پر کی ہے جس پر کسی کو انکار کی گنجائش ہے اور نہ کسی اعتراض کی۔ لہذا مطلق طور پر اس کے اثبات اور وقوع اور میری سابقہ نفی میں

کسی قسم کا کوئی تعارض موجود نہیں ہے۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ ”وگر نہ حق سبحانہ و تعالیٰ تو جو بات خاص سے بندوں کی شدہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔“ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو وجود کے بارے میں ہے لیکن جہاں تک وجدان کا تعلق ہے تو وہ ذات حق سبحانہ اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ اور وراء الوراء ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کی یہ بات بالکل درست ہے لیکن عامی لوگوں کے بارے میں! لیکن جہاں تک اعتبارات کے بغیر صرف ذات کی طرف متوجہ ہونے والے حضرات کا معاملہ ہے وہ اس سے مختلف ہے پس جس طرح حق سبحانہ و تعالیٰ وجود میں شدہ رگ سے زیادہ قریب ہے اسی طرح وجدان اور سر یانیت میں بھی!۔

تجدنی فی سواد اللیل عبدی

قرباً منک فاطلبنی تجدنی

(اے میرے بندے تورات کی تاریکیوں میں جس وقت بھی مجھے آواز دے گا اپنے نزدیک پائے گا)۔

مرا اندر شب تاریک یابی زجان خویش ہم نزدیک یابی
مرا نزدیک خود پیوستہ میداں نمی دانی اگر دانی بیابی
(تو مجھے رات کے اندھیروں میں ہی پاسکتا ہے اور دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی جان سے بھی نزدیک پاسکتا ہے مجھے اپنے ساتھ پیوستہ جان تو ایسا نہیں سمجھتا اگر سمجھے تو مجھے پالے)۔

آپ نے اپنے خط میں یہ دوہرہ بھی لکھا تھا۔ دوہرہ۔

تپٹ نکٹ سکم اکم مگرمانہ جیون جہانہ

جگہ اکیں کھ میں رہیں طمہ نہ بہر بہریانہ

اس کے پڑھتے ہی دل ناتواں میں یہ آیا۔ دوہرہ۔

ساجن میرے آیا کل لاکھ بہربانہ

بل مارت پھرت فس دن کہوں نجانہ

میں نے لکھا تھا:۔

پردہ برخواست تا بدیدہم

دست با دوست کردہ در آغوش

اس پر آپ نے فرمایا کہ ”یہ تمام گلشن تشبیہ کے پھول ہیں۔“ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کے ہیں ہم آغوش کی آرزو کا مفہوم نکلتا تھا جبکہ میری عبارت میں اس کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔

عبارت اناشتی و حسنک واحد

و کل الی ذاک الجمال بشیر

(ہمارے انداز بیان مختلف ہیں ورنہ تیرا حسن تو ایک ہی ہے درحقیقت ہمارے بیان کے ہر انداز کا اشارہ تیرے ہی جمال حقیقی کی طرف ہے) والا نامہ میں مرقوم تھا:۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین

کایجا ہمیشہ باد بدست است دام را

میں سمجھتا ہوں کہ اس سے اور اک اور احاطہ کی بے مائیگی مراد ہے۔

اے کمان و تیر ہا بر ساختہ

صید نزدیک و تو دور انداختہ

(اے تیر و کمان اٹھانے والے! شکار تو قریب ہے تو نے تیر دور پھینکا)

آپ نے تحریر فرمایا صا للشراب و رب الارباب میں کہتا ہوں قصہ معراج میں مذکور ہے کہ یہ ازراہ ادب کہا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے یا محمد انک اخترت العبودیۃ تا دبا انا اخترتک لجميع الکرامات الانسیۃ تفضلاً۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تادب کے طور پر بندگی کو اپنا لیا اور میں نے تمہیں تمام انسانی فضائل اور خوبیوں کی وجہ سے تفضل پسند کر لیا ہے) لہذا پتہ چلا کہ تادب اور چیز ہے اور تفضل دوسری۔

خاک را چوں کار با پاک افنداد
پیش آدم عرش بر خاک افنداد
(خاک کو جب ذات اقدس سے تعلق پیدا ہو گیا تو پھر عرش بھی انسان کے سامنے
جھک گیا)

مکتوب گرامی میں لکھا ہوا تھا کہ ”ابدی حزن و اندوہ مقرر بان بارگاہ کو دامن گیر ہوتا
ہے۔“ اس سلسلے میں عرض ہے کہ ابدی غم و اندوہ تو ہمیشہ کا ایک ایسا عذاب ہے جو
دوستوں کے لئے نہیں بلکہ دشمنوں کے لئے ہوتا ہے دوستوں پر تو ہر وقت ناز و نعمت
کی بارش اور مقررین کے لئے راحت ہی راحت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا
ہے فاما ان کان من المقربین فروح و ریحان و جنة نعیم (اگر تو وہ بندہ
مقررین میں سے ہے تو اس کے لئے خوشی، راحت اور جنت کی نعمتیں ہیں)۔

آسود بکام خویش از وصل حبیب
نے نیم فراق است نہ تشویش رقیب

خط میں مرقوم تھا۔

دلہا ہمہ آب گشت و چاہا ہمہ خون
تا حیست حقیقت ز پس پردہ برون

اس کے بارے میں میرا کہنا یہ ہے کہ ابھی تک پردے کے پیچھے جان و دل باقی ہے
اور مشتاق کی حالت بھی یہی ہوتی ہے مگر جب کوئی جان و دل سے ہی گزر جائے تو وہ
پردے کے اندر چلا جاتا ہے اور پکاراٹھتا ہے۔

راز درون پردہ ز زندان مست پرس
کیس حال نیست زاہد عالی مقام را

(پس پردہ رموز مست رندوں سے ہی پوچھئے کیونکہ بلند مرتبہ زاہد کا تو یہ مقام ہی
نہیں)

لکھا تھا۔ دوہرہ۔

سُنی کر دریم پل جہاں زیبائی
دیکھو کا رنج بندہ کو چوکٹ مٹی دہائی
اس دوہرے کے حسن تقابل کے متعلق کیا لکھوں تاہم میرے ناتواں دل میں یہ آیا۔
سات سمندر ہم کئی پنت اکم اپار
کچست تھئی بہ کئی بہر لاکِ اردار
آپ نے تحریر فرمایا۔ ولا نضرہوا للہ الامثال الخ میں عرض کرتا ہوں واللہ
المثل الاعلیٰ اور یہ جو شعر ہے کہ۔

وغنی ہی منی قلبی فغنیت کما غنی
وکنا حیث ما کانوا وکانوا حیث ما کنا

اس سے وفاق مراد ہے فراق نہیں!

حضرت شیخ احمدؒ جو کہ مکتوب الیہ کے دادا اور بزرگ ہیں کے مضمون عالی میں کوئی
تشبیہ اور مثال نہیں دی گئی جیسا کہ ان کے اقتباس سے ظاہر ہے۔
چہ گوئیم با تو از مرغی نشانہ کہ باعظا بود ہم آشیانہ
زعظا ہست نامی پیش مردم ز مرغی من بود آں نام ہم گم
ان اشعار میں مرغ اور اس کی عطا کے ساتھ ہم آشیانی سے مراد ذات اقدس کا علو
شان ہے فکلامکم منطق الطیر ان لم یفہم غیر فلا خیر۔

تحریر تھا کہ پیشوائے مہبان نے ذمہ لُن ترانی کو برداشت کیا، میرے نزدیک اس کا مفہوم یہ
ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی میں دیدار باری تعالیٰ نہیں کر سکتے لیکن اس گروہ کے لئے ایک دوسری
زندگی بھی تو ہے، آپ نے لکھا کہ ”دنیاۓ محبوبیت کے سر تاج نے بھی لیس لک من الامر
شیء کی صدا سنی“ میرے خیال میں اس کا شان نزول ایصال ہے نہ کہ وصال، کیونکہ اس کے بلند
مرتبے کی شان تو یہ ہے کہ دنیٰ فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

مکتوب گرامی میں آپ نے لکھا کہ ”جسے خلعت کلام (موسیٰ علیہ السلام) سے نوازا گیا اس
نے یہ صدا بلند کی یضیق صدوی ولا یطلق لسانی“ میرا خیال ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں

معافی کے حقائق اور مشکوفات کے اسرار بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جوانگاہ فرعون کی وجہ سے جل کر توتلی ہو گئی ہے میرا ساتھ نہیں دیتی۔ اسی وجہ سے میں تنگ دل ہو جاتا ہوں۔ اسی مفہوم کی دلیل یہ ہے واحلل عقدہ من لسانی بفقہوا فلولی اور اسی طرح یہ آیت واخی ہارون هو افصح منی فارسل معی رداء کیونکہ دعوت تبلیغ وارشاد کا فریضہ فصیح وبلغ آدمی ہی بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے۔

مکتوب میں مرقوم تھا کہ ”جسے جوامع الکلم کی دولت عنایت کی گئی اس نے بھی لا احصی ثناء علیک کا نعرہ لگایا۔ میرے نزدیک احصا سے مراد یہاں پر پوری طرح شمار ہے اور معنی یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیاں میں داخل نہیں اور ثناء و بیان عیاں کے بعد ہوتے ہیں جیسا کہ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے جس کا آخری ٹکڑا آپ نے چھوڑ دیا تھا۔

”انت کما اشیت علی نفسک“ میں نے بیان کیا تھا کہ ما من عیان الا ولہ البیان، اس پر دلیل قرآن مجید کی آیہ کریمہ ہے ”الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان، اس پر ثبوت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے قرآن سکھایا جو تمام ذاتی، صفاتی، اور افعالی معارف کا مجموعہ ہے اور اس نے انسان کو پیدا کر کے اسے باقی تمام حیوانات سے اس بیان کی خصوصیت کی وجہ سے ممتاز بنایا، جس پر پورا قرآن مجید مشتمل ہے۔ والا نامہ میں مرقوم تھا جو عیان سے بالا ہوگا وہ بیان سے خالی ہوگا۔ میں عرض کرتا ہوں یہ درست ہے لیکن یہ اس قول کے منافی نہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو عیان کے ذیل میں آتا ہے وہ بیان میں داخل ہوتا ہے، آپ نے تحریر فرمایا ”کہ دیگر عیاں راچہ بیاں“ اس کے بارے میں عرض ہے کہ صاحب عیان کے لئے بیان کی حاجت نہیں اور جو صاحب عیان نہیں وہ بیان کا محتاج ہے یہ اور ہے وہ اور! اور آپ کا اس قول کہ ”ہم کہہ ذات اور اس کے ادراک کی کیفیت کے حصول کے قائل نہیں ہیں“ کے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ عطف اور ار راء کی وجہ سے اثبات کیفیت لازم ہو جاتا ہے چاہے وصول کے لئے ہو یا ذات کے لئے! اور آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ ”کسی ایسے مرتبے تک پہنچ جانا کہ اس سے بالا کوئی مرتبہ تصور میں ہی نہ آ سکے محال ہے“ بالکل صحیح ہے مگر صفات کی سیر میں، لیکن ذات بلا اعتبارات کے وصول کے بعد قولی مرتبہ متصور ہی نہیں (اور یہاں عرفا پہنچتے ہیں) لیس وراء العباد ان قریۃ

مکتوب میں لکھا تھا کہ عشق بازوں کی دیوانگیاں ہیں“ میں کہتا ہوں کہ مجھے عشق سے کیا سروکار جبکہ عشق حجاب ہے اور عاشق و معشوق رخ حقیقت کا نقاب! اور اس کے علاوہ یہ کہ عشق قلوب میں ایک ایسی آتش ہے جو محبوب کے علاوہ سب کچھ بھسم کر ڈالتی ہے۔ بس کیا ہی اچھا جنوں ہے اور کیا ہی خوب مجنون! کلام قدسی میں بہانت عشقی و انا عشیقک یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

درِ عشق آمد دوائے ہر دے حل نشہ بے عشق ہرگز مشکے
گر عشق ہمیں مونس و ہم خانہ ماست غمنا ہمہ یک جرعه پیانہ ماست
(ہر درد کی دوا درِ عشق ہے۔ عشق کے بغیر کوئی مشکل آسان ہی نہیں ہوتی، اگر یہی عشق میرا مونس و ہم خانہ ہے تو سارے غم میرے پیانے کا ایک گھونٹ ہیں)
از عقل فرد نزر کہ در عالم عشق او نیز غلام دل دیوانہ ماست
(عشق میں عقل سے بے پروا ہو کر چل کیونکہ یہ بھی میرے دل دیوانہ کا غلام ہے۔)

آپ کا یہ قول کہ یہ (گذشتہ بحث) رویت اخروی کی طرح ہے کہ جس پر ہم ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی کیفیت سے سروکار نہیں اور کیفیت رویت کے بارے میں صریح ہے اور وصول کے لئے مشنت کو مستزہم ہے اور یہ دونوں کیف ہیں۔

مکتوب گرامی میں تحریر تھا کہ ”اسم و رسم سے گزر کر غیب اور تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ عزائم کی بلند یوں کو پسند فرماتا ہے“ آپ کی اس تحریر سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ توحید میں بند ہو کر رہ گئے ہیں جو اس راہ کا وسط ہے اور ایسے میں ہی مغلوب الحال ہو گئے ہیں، گویا آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس سے آگے کچھ نہیں، مزید ترقی کی کوشش کیجئے اور جان لیجئے کہ میرا اور میرے بلند ہمت احباب کا یہی مشرب ہے، اسم و رسم سے بے نیاز گزر کر تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانے کے بارے میں آپ نے جو فرمایا ہے اس کے متعلق میں مزید عرض کرتا ہوں کہ اسم و رسم کے بغیر توجہ کا حاصل ہونا ہی محال ہے کیونکہ توجہ کے لئے متوجہ اور متوجہ الیہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ متوجہ کی ذات بالاقاوت اسم اور خود لفظ متوجہ اسم ہے تو یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اسم و رسم کے بغیر توجہ کو مقام تنزیہ پر مرکوز کر دینا چاہئے اور اسی طرح تنزیہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے، مگر درحقیقت تو نہ کوئی مقام ہے اور مقیم، ان اللہ یحب معالی المهم،

آپ کا یہ کہنا کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول، میرے خیال میں صوفیا کے قول ”صعب الحصول“ کی طرف اشارہ ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ تو وصول کی خبر ہے اور جہاں تک شیخ کبیر قدس سرہ (حضرت مجدد الف ثانی) کے کلام کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ معارف دقیقہ اور حقائق غریبہ پر مشتمل ہے لیکن آپ نے ان کے کلام کے آخر میں جو یہ جملہ لکھا ہے کہ انتھسی کلامہ القدسی (ان کا قدسی کلام یہاں ختم ہوا) یہ الفاظ (کلام قدسی) صرف اللہ تعالیٰ کے کلام کے لئے مخصوص ہیں اس کا اطلاق تو اس کے انبیاء و اصفیاء پر بھی نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ ایک ولی کے کلام کے بارے میں ان کا استعمال کیا جائے۔

میرے دوست! آپ سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مقررین کے لئے قیود، ابدی حزن و یاس اور حرمان سرمدی کی عبارات کا استعمال جبکہ نصوص بھی اس کے حق میں نہیں، طالبین کے جذبہ طلب کو کمزور کرتا ہے ہمیں تو بندوں کو یہ سمجھانے کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کا رب ان سے قریب ہے وہ اس کی طرف میلان کیوں نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اذما لک عبادی عنی فانی قریب اور اسی طرح کلام قدسی میں ہے قربونی الی عبادی ولا تبعدوننی (مجھے میرے بندوں سے قریب لاؤ میرے اور ان کے درمیان فاصلے نہ بڑھاؤ)۔

گفتم ملا! ترا کجا جویم من در خلعت وصف تو چا گویم من
گفتا کہ مرا مجو بر عرش و بہشت نزد دل خود جو کہ بر تویم من
(میں نے عرض کیا اے بادشاہ! تجھے کہاں تلاش کروں اور تیری خلعت وصف کے متعلق کیا بیان کروں؟ تو جواب ملا کہ مجھے عرش پر تلاش کر اور نہ بہشت میں اپنے دل کے قریب ڈھونڈو کہ میں تمہارے اندر ہوں)

میرے دوست! آپ نے جو کچھ مجھے لکھا وہ محض جذبہ خیر خواہی کا اظہار تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی کے ساتھ باقی رکھے اور اسی طرح جو کچھ میں نے آپ کی خدمت میں تحریر کیا وہ بھی محض جذبہ محبت، خلوص اور یک جہتی کی بنا پر۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ان کے قول کہ ”اس دوہرے مع مینہی کرداخ کے حسن تقابل کے بارے میں کیا لکھوں“ کی وضاحت یہ ہے کہ یہ دوہرہ آپ کے دعویٰ کے

مخالف ہے البتہ ایک خاص صورت میں صرف عشاق کے لئے فائدہ مند ہے ان (حضرت شیخ) کا یہ قول کہ دل ناتواں میں یہ آیات سات سمندر رانچ یہ دوہرہ پہلے دوہرے کے برعکس فنا و بقا دونوں کی حقیقت کو بیان کرتا ہے، اسی طرح ان کا یہ قول کہ ”علی تقادیر العطف والارجاء یلزم السخ“ بھی تشریح طلب ہے اور وہ یہ کہ کیفیت میں ضمیر مجر و تاویل شی کے ذریعے یا وصول کی طرف راجع ہے یا ذات کی طرف یا عطف یا تو وصول پر ہے یا کنہ ذات پر، پس اس جگہ نحوی اعتبار سے چار تقریریں ہیں، پہلی یہ کیفیت وصول کے ادراک کو مانع ہے، یہ کیفیت ذات کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ تیسری کیفیت ادراک وصول کے وصول کی نفی کرتی ہے اور پہلی تقریر کی طرح ہے۔ چوتھی تقریر کیفیت ذات کے ادراک سے وصول کو روکتی ہے اور دوسری بھی اسی طرح ہے۔

جب یہ مکتوب شیخ عبداللہ حداد کے پاس پہنچا تو انھوں نے پھر اس کا جواب لکھا جو یہ ہے۔
مکتوب شیخ عبداللہ حداد

بسم اللہ الرحمن الرحیم: تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جو اپنے باطن میں ظاہر ہوئی اور اپنے ظاہر میں بھی باطن بن کر رہی اور جس نے عدم کے گھناٹو پ اندھیروں کو اپنے نور وجود اور وجود نور کے ساتھ منور کیا، اور درود و سلام اس ذات گرامی پر جس کا نور تمام موجودات سے پہلے اور جو تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہیں، اور اسی طرح ان کی آل، اصحاب اور تابعین پر بھی درود و سلام ہوں، جب تک تخلیق آدم اور رکوع و سجود جاری ہیں بلکہ ابد الابد تک۔

حقائق عرفا اور دقائق علماء پر مشتمل آپ کا مکتوب گرامی وصول ہوا، جس میں قیمتی نکات معرفت، بلند اسرار معرفت کے ساتھ ساتھ کئی طرح کی عنایات اور اعزازات کا اظہار بھی تھا چونکہ آپ کے والا نامہ میں ہمارے خط کے کئی مضامین پر تبصرہ تھا اس لئے ہم اپنی کوتاہیوں اور قصور فہم کا استغفار کرتے ہوئے اپنے خط کے کہ وہا علیہ کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں۔ بزرگوں کے ہاں عذر معتبر اور اصلاح و ہدایت ان کا طریقہ ہے۔ سلام و دعا کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول کہ ”اما فی الوجد ان فهو سبحانه وراء الوداء ثم وراء الوداء“ بالکل بے غبار ہے اور ایک نکتہ جو کہ اکابرین میں سے بعض بزرگوں سے صادر ہوا خراز نے بیان کیا، جس کے بارے میں سید الطائفہ نے فرمایا کہ ”وہ ایک ایسی انتہا ہے جس سے آگے کچھ نہیں“۔ اور سید الطائفہ وہ بزرگ ہیں

جن کے متعلق شیخ اکبرؒ نے فرمایا کہ وہ حق کی زبان ہیں اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں شیخ اشبوخ نے کہا کہ ”شیخ اکبرؒ تو ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کنارہ نہیں“ اور وہ نکتہ یہ ہے کہ ”الوجد عند وجود الحق مفقود“۔ باقی آپ کا یہ فرمانا هذا بالنسبة الى الاكثرين الخ اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ بالنسبة الى الاكثرين نہیں بلکہ بالنسبة الى الكل ہے۔ کیونکہ یہاں پر وجدان سے مراد کہنہ کا ادراک، احاطہ اور اس کا ذہنی حصول ہے جبکہ وہ وجدان کہ جو اس قید میں مقید نہیں، اس کا بالنسبة الى الاكثرين ہونا جائز اور درست ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ ”آپ کی عبارت میں معائنے کی آرزو کا اظہار ہے جبکہ میرے ہاں اس کے حصول کی طرف اشارہ ہے“۔ تو اس سلسلے میں عرض کرتا ہوں کہ جس کی تمنا اور آرزو کی جارہی ہو، اس کا مرتبہ اس سے بلند ہے جو حاصل ہو چکا ہے، اور جب یہ مامول ہی (جس کی آرزو کی جارہی ہے) اس محصول کی طرح آسان ہو گیا تو ہم نے وصول کے لئے محصول پر اکتفا ہی نہیں کیا آپ نے لکھا ہے۔

عباراتنا شتی و حسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر

کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے جیسا کہ علائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:۔

ندائم آں گل رعنا چہ رنگ و بودارد

مرغ ہر چنی گفتگوی او وارد

(مجھے معلوم نہیں کہ وہ پھول کیسی رنگت و بو کا ہے کہ ہر چمن کے پرندے کی زبان پر جس کا ذکر ہے)۔

لا کہہ سبلی ایک پیو جہودس پی پی ہوئی

نا جانو کس را نوی کن سہاگن ہوئی

ہمارے اس قول کہ ما للتراب و رب الارباب کے بارے میں آپ کو یہ کہنا کہ ”یہ تاذبا تھا اور تفضل دوسری چیز ہے“ کے متعلق عرض ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہتر نمونہ ہیں، ولکم فی رسول اللہ اسوة حسنة۔ ہمارا یہ کہنا کہ ابدی

حزن و اندوہ مقرران بارگاہ کا دامن گیر اور وصال مطلق سے یاس و حرمان سرمدی خاصہ خاصان درگاہ ہے۔ اس پر آپ نے یہ فرمایا حزن ابدی چاہے وہ کسی بنا پر بھی کیوں نہ ہو مستقل الم اور عذاب ہے اور یہ تو عام مومنین کے لائق شان بھی نہیں چہ جائیکہ مقررین کی بات کی جائے اور اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ نظریہ نصوص قطعی کے بھی خلاف ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں کئی مباحث ہیں خیال ہے کہ ان میں سے ضروری باتیں بیان کر دی جائیں تاکہ یہ عقدہ پوری طرح کھل جائے۔ آپ سے یہ امر مخفی نہیں کہ ابد و سرمد کا اطلاق جس طرح خلود پر ہوتا ہے بالکل اسی طرح مدت زندگی پر بھی ان کا استعمال ہوتا ہے جیسا کہ لغت و عرف اس پر شاہد ہیں، چنانچہ فرمان خداوندی ہے: ”و لا تقبل لہم شہادۃ ابدًا“۔

تو خلاصہ کلام یہ کہ محبت کے لئے حزن و غم کا ہونا اور وصال مطلق سے ناامیدی جو کہ عظمت محبوب کے مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے مقررین کا خاصہ ہے اور جب تک وہ اس زندگی کی قید میں رہیں ان کی یہ حالت قائم رہتی ہے چاہے وہ تجلیات اور مشاہدات کے اعزاز سے بھی مشرف ہو جائیں اس کے برعکس جس کا وعدہ کیا گیا ہے (حیات اخروی میں) وہ اس موجودہ زندگی سے کہیں بہتر ہے، ارشاد خداوندی والآخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ اور اسی طرح فرمان ربی من کان یوجوا لقاء اللہ فان اجل اللہ لات میں اسی طرح اشارہ ہے، پھر یہ حزن و یاس جو کہ مراتب ظلال سے نکل کر اصول تک پہنچنے کے بعد اور مدارج صفات سے ترقی پا کر حضرت ذات تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے ایک ایسا خاصہ ہے جو ان مراتب پر فائز اصحاب کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔

فرعون رائہ دادیم اے دوست! درد سر

زیر کہ او نہ داشت سر درد ہائے ما

(اے دوست! میں نے فرعون کو اس لئے درد سر نہیں دیا کیونکہ اس کے سر میں میری

محبت کا سودا ہی نہیں تھا)

اے عارف باللہ! درحقیقت یہ تو مدح ہے مگر اس میں ذم کا پہلو ہے اور ایسا کمال ہے جو نقص سے مشابہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان اسی قبیل سے ہے انہ کان ظلوما جھولا۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ آپ نے محض نام کی شراکت کی بنا پر اسے دشمنوں کا حصہ قرار دے دیا، اور دوستوں سے اسے بعید بتایا، پھر آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآنی آیات بھی پیش کیں اور ان میں سے ایک یہ ہے لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون اس کے متعلق عرض ہے کہ یہاں آپ کے لئے لفظ الیوم (۱) سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا اور اس کے بارے میں پیچھے ہم اشارہ کر آئے ہیں، اسی طرح دوسری آیت یہ ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون یہ بھی تفاسیر کے مطابق آخرت سے متعلق ہے اہل حقائق نے بھی اسے منجملہ آخرت کی بشارتوں میں سے قرار دیا ہے یہاں تک کہ ان میں بعض نے تو ولایت سے متعلق ولی کے علم کے جواز کو بھی ممنوع قرار دیا ہے کہ یہ عبودیت سے لازم خوف کو زائل کر دیتا ہے، جیسا کہ تعرف میں موجود ہے اور انہی آیات میں سے ایک یہ ہے فاما ان کان من المقربین فروع وریحان و جنة نعیم (۲) لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اس سے تو کسی قسم کا استدلال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ راحت اور ریحان کا تو عالم اخروی میں ہی مقربین کے لئے ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی بھی نہیں کرتا اور آپ کی پیش کردہ آیات میں سے ایک یہ ہے انہ لایأس من روح اللہ الا القوم الکافرون اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس سے کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کیونکہ اگر روح سے بحیثیت مجموعی اس کے تمام اقسام مراد ہیں تو اس صورت میں اس کے بعض اقسام سے ناامیدی میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس سے مراد سلب کلی کے طور پر ہر فرد ہے تو یہ بالاجماع غلط اور باطل ہے اس لئے کہ روح (رحمت) کی اقسام میں سے تو رسالت، نزول وحی، اور ایسی دوسری

(۱) یعنی الیوم سے مراد یوم قیامت اور اخروی زندگی ہے۔ (۲) س: واقعه ت: ۸۸

باتیں بھی ہیں کہ جن سے یاس و ناامیدی فرض ہے اور ایمان کا حصہ ہے اور اگر اس سے مراد (روح کی) بعض اقسام ہیں، تو یہ دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو یہ معین ہیں اور ایسی صورت میں ان کے بیان کی ضرورت نہیں یا پھر غیر معین ہیں تو مطلق قرار پائیں گی اور یہ دونوں صورتیں آپ کے لئے سودمند نہیں۔

اے عارف باللہ! جس طرح امید کے بغیر محض یاس اس آیت میں کفر ثابت ہوئی ہے اسی طرح امن مطلق بھی کفر ہے ارشاد باری ہے لا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون اور دوسری جگہ ارشاد ہے وخافون ان کستم مومنین اور اسی لئے کہا گیا ہے الا یمن بین الخوف والرءاء اور اس سے پہلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ ان اللہ یحب کل قلب حزين اور دوسری جگہ فرمایا امن اراد اللہ بہ خیرا جعل فی قلبہ نائحة اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حدیث میں آتا ہے انہ کان دانم الحزن ومتواصل الفکر، اور آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ نماز میں گریاں رہتے اور اس طرح غمگین و اندوہ گیس ہوتے لیکن ترش روئی قریب نہ پہنکتی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ رو رہے تھے کہ جبریل امین نے نازل ہو کر عرض کیا ”رب تعالیٰ نے آپ کو سلام بھجوائے ہیں اور اس گریہ و زاری کا سبب پوچھا ہے (حالانکہ وہ عالم کل ہے) آپ نے فرمایا دوزخ کے خوف سے رو رہا ہوں، تھوڑی دیر بعد جبریل امین پھر حاضر ہوئے اور کہا اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے انہ لم نجعلها لاولیائی (ہم نے دوزخ اپنے دوستوں کے لئے نہیں بنائی) اس بات سے حضرت داؤد علیہ السلام مطمئن ہو گئے، کچھ وقت گزرا تو وہ پھر گریہ و زاری کرنے لگے۔ حضرت جبریل نے حاضر ہو کر رونے کا سبب پوچھا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ شوق جنت میں رو رہا ہوں۔ اس پر جبریل امین نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسی جعلتها لاحبائی (جنت میں نے اپنے پیاروں کے لئے بنائی ہے) یہ بات سن کر حضرت داؤد کو پھر سکون آیا، کچھ دیر بعد انھوں

نے پھر رونا شروع کر دیا، جبریل امینؑ نے آکر حسب سابق پھر رونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں ذات باری کے شوق وصال کی تمنا میں رو رہا ہوں، جبریلؑ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شوق وصال کی تمنا میں جس وقت تک چاہو گریہ وزاری کرو۔ اس پر کوئی پابندی نہیں۔ زندگی کا جنگل تو طے ہو گیا، لیکن عشق کے دشوار گزار راستے ہیں کہ جن کا کوئی انجام نہیں، مرنے کے طور پر ہم نے مشائخ عظام کے جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک قول خواجہ عبدالخالق غجدانی (اللہ ان کے مزار کو معطر رکھے) کا ہے جو یہ ہے ”وصیت می کنم ترا ای پسر من بکذا و کذا الی ان قال باید کہ دل تو ہمیشہ اندوہ گین باشد چشم تو گریاں و عمل تو خالص و دعاء تو بضرع و لعنہ ماقبل۔“

اے خدا درد مرا درماں مکن

درد منداں راز بے درواں مکن

(اے بیٹے میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تیرا دل ہمیشہ اندوہ گین اور آنکھ ہمیشہ تر دہنی چاہئے، تیرا عمل خالص اور تیری دعا میں عاجزی ہونی چاہئے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے اے اللہ میرے درد کا چارہ نہ کر اور درد مندوں کو درد سے محروم نہ کر)

حضرت سری سقطی (۱) (اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے) نے فرمایا ہے ”میرے لئے دن اور رات دونوں میں کوئی خوشی نہیں اس لئے میں دن کی پروا کرتا ہوں اور نہ رات کی کیونکہ جیسے یہ خوشی شریعت میں کجروی کا باعث بنتی ہے ویسے ہی یہ طریقت میں تنزل کا سبب بنتی ہے۔ یہ بعض ایسے حقائق پر پردہ ڈالنے سے کنایہ ہے جو کہ اور حقائق کا پتہ دیتے ہیں“ آپ نے لکھا ہے۔

(۱) سری نام، ابو الحسن کنیت، آپ حضرت معروف کرہؒ کے نامور مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے عہد کے مقتدائے زمان، شیخ وقت، صاحب لم اور امام طریقت تھے۔ خورد و فروشی کی دکان تھی اس لئے سقطی مشہور ہو گئے۔ سیدنا انکھ نے فرمایا کہ عبادت میں سری سقطی سے زیادہ کامل میں نے کسی کو نہیں پایا۔ عراق و عجم کے اکثر مشائخ آپ کے حلقہ کراوات میں شامل تھے ہر روز ایک ہزار نوافل ادا کرتے تھے۔ آپ کا درجہ پیر چچان اور شیخ اشیر شاہ ہے۔ آپ نے رمضان ۲۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ مزار قبرستان شونیز بغداد میں مریع خلائق ہے تاریخ وصال قطب الحق ہے (۲۵۰ھ)

سات سمندر ہیم کے نپت اکم پار
کچ پت تہی تہی کی بہرہ کی اردار

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے ذات باری کے استغنا اور اس کی کبریائی کی بات ہے، اس پر میرے ذہن میں وہ شعر موزوں ہو گئے ان میں سے ایک تو اسی مضمون کا ہے اور دوسرا اس کے جواب میں ہے، عجیب بات یہ ہے کہ اس سے قبل ہندی زبان میں سمجھی میں نے کوئی شعر نہیں کہا، دوہرہ۔

سات سمندر پار پیو ہوں اکیانی نار
نہیں نہیں بنا کہوتی کسمس اتروں پار

ہیم سمندر رے سکھی تہا نہیں جس دھار
پار لگی لے لاکھوں لوگ نیکس اروار

ہم نے کہا تھا لا تضربوا لله الامثال، آپ نے فرمایا واللہ المثل الاعلیٰ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ آیت اپنی جگہ مکمل اور سابقہ آیت کریمہ کے لئے دلیل ہے۔ آپ نے نکھا ہے کہ لن ترافنی سے مراد ان آنکھوں سے اس دنیا میں دیدار کی ممانعت ہے لیکن اس گروہ کے لئے ایک اور جہان بھی تو ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ بات درست ہے کہ اس گروہ کا ایک دوسرا عالم بھی ہے جیسے کہ ہمارے والد گرامی نے قول خداوندی بل ہم فی لبس من خلق جدید کی تاویل اس طرح کی ہے یعنی وہ حقائق اور اسرار کے اور اک سے محبوب ہیں اور اس کی وجہ ان کی وہ امیدیں ہیں جو انھیں نئی زندگی، ولادت ثانیہ اور فنا کے بعد وجود ثانی چاہے وہ رذائل سے بھرا ہوا بھی کیوں نہ ہو، کے بارے میں ہیں، لیکن پھر بھی استغنا کی منزل دور ہے۔

تعارف میں کہا گیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس دنیا میں نہ تو ان ظاہری آنکھوں سے ذات باری کا دیدار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے قلوب کی حقیقی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ تجلی ذات متجلی لہ کی

صورت ہی میں ظاہر ہوتی ہے پس متحقی لہ نے حق کے آئینے میں جو کچھ دیکھا وہ اس کی اپنی صورت کے علاوہ کچھ نہ تھا، اس نے حق کو دیکھا اور نہ ہی اس کا دیکھنا ممکن ہے و یحذرکم اللہ نفسہ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی زندگی میں اس نشاۃ کے ثبوت کا اقرار کیا، ہمارے قول ”سردفتر محبوبان ندالیس لک من الامر بشئید“ کے بارے میں آپ کا یہ کہنا کہ اس کا شان نزول ایصال ہے وصول نہیں، تو اس بارے میں عرض ہے کہ اصل امر کلمۃ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ما کنت تدری ما الکتاب وللایمان ولكن جعلناه نوراً نہدی بہ من نشاء من عبادنا الخ ہمارا یہ قول کہ ”جسے اس نے خلعت کلام سے نوازادہ بھی پکارا تھا کہ میرا دم گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں کھلتی“ کے متعلق آپ نے یہ تشریح فرمائی کہ میں حقائق معانی اور دقائق معرفت بیان تو کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارۂ فرعون کی وجہ سے جل گئی ہے میرا ساتھ نہیں دیتی، اس کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ ساری باتیں تفسیر سے متعلق ہیں اور کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرتا، مگر جو ہم نے بیان کیا ہے یہ بات تو راہنمائی کی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لکل حرف ظہر وبطن فمنہم من اکتفی بالظہر فاهتدی ومنہم من نفدت بصیرتہ الی البطن فکان اھدی لکل وجہۃ ہو مولیہا فاستبقوا الخیرات (ہر حرف کے دو پہلو ہوتے ہیں ظاہر اور باطن جس شخص نے ظاہر پر اکتفا کیا اس نے ہدایت حاصل کر لی اور جس کی بصیرت باطن پر مرکوز ہو گئی تو اس نے ہر سمت میں ہدایت کاملہ پائی، پس اچھائیوں کی طرف بڑھو) ہمارے اس قول کہ جسے اس نے جوامع الکلم عنایت کئے اس نے بھی ندائے لا احصی ثناء علیک بلند کی، کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے تمام کمالات عیاں کے ذیل میں داخل نہیں ہو سکتے، جبکہ ثنائے کامل عیاں کے بعد ہی ہو سکتی ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارا مقصود بھی بالکل یہی معنی ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ نفی بھی قید کی طرف لوٹتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انت کما اثنیت علی

نفسک ہم کہتے ہیں کہ یہ بات علی الاطلاق نہیں ہے جیسے کہ انھوں نے قول خداوندی ولاتناکلوا الربا اضعا فاضعا مضا عفا میں ذکر کیا اس صورت میں نفی کو قید کی طرف لوٹانا مسلم بات ثابت نہ ہوئی بلکہ یہ خود ایک مختلف فیہ مسئلہ بن گئی جیسا کہ حواشی شرح مطالع وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور اگر بالفرض اسے مان بھی لیا جائے تو بھی یہ ہمارے مقصود کے خلاف نہیں بلکہ انہا اس کی موسید ہے ہمارا یہ کہنا کہ عیان راجحہ بیاں اور اس پر آپ کا یہ تبصرہ کہ صاحب عیان کو بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور جو صاحب عیان نہ ہو اس کو بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ ”یہ اور ہے اور وہ اور“ اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول آیت کریمہ ذالک الکتاب لاریب فیہ کے قبیل سے ہے ہمارا یہ کہنا کہ کسی ایسے مرتبے تک پہنچنا کہ جس سے اوپر کسی مرتبے کا تصور بھی نہ کیا جاسکے، محال ہے، یہ بات آیت کریمہ قل رب زدنی علما اور حدیث انکم لن تستطیعوا ان تغلبوا هذا الدین سے ماخوذ ہے، پھر اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ یہ تو سیر صفات کی بات ہے لیکن حضرت ذات سے وصول کے بعد تو فوق کا تصور یقیناً محال ہے میں عرض کرتا ہوں کہ سیر صفات سے انقطاع کے بعد اجمالی طور پر وصول انی حضرات الذات تو ممکن بلکہ واقع ہے، البتہ اس سے آگے بڑھنا عقلاً اور نقلاً محال ہے، آخر حق تک رسائی کے بعد آگے بڑھنا گمراہی نہیں تو کون سی خوبی ہے، اسی طرح اس کی کنہ کا احاطہ بھی محال ہے کیونکہ اگر طالب بسیط تر ہے تو اس کی ذات وسیع تر اور غیر متناہی ہے چنانچہ سیر واقع جسے محققین سیر فی اللہ کا نام دیتے ہیں، بھی ذات باری کی طرح غیر متناہی ہے اور اس کا طے کر لینا ناممکن ہے۔

شریت الحب کما بعد کاس

فما نفدت الشراب وما رویت

(میں شراب معرفت کے جام پر جام لٹڈھا تا رہا مگر نہ شراب ختم ہونے میں آئی اور

نہ میں سیر ہوا) ع

بمیر و تشنه مستقی دور یا ہم چناں باقی

صاحب تعریف نے کہا ہے القول بالاصلاح اس کی قدرت کے لئے نہایت کوعات کرتا ہے اور اس سے اس کے خزانوں کے ختم ہونے اور اس کے بجز کی راہ نکلتی ہے تعالیٰ اللہ عن ذالک اس لئے کہ جب وہ ان میں صلاح (خیر) کی آخری اور انتہائی عافیت پیدا کر دے تو اس کے بعد مزید صلاح کے لئے کوئی چیز نہیں ہوگی، اب اگر وہ اصلاح کا ارادہ کرے تو کہاں سے ہوگی، اور اس نے جو کچھ ان کو عطا کر دیا ہے اس کے بعد انہیں مزید عطا کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا جس کے ذریعے وہ ان میں مزید اضافہ کرے حالانکہ خدا تعالیٰ ایسی باتوں سے بہت بلند و بالا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک مقام میں رہتے ہوئے ترقی کرنا اور چیز ہے جب کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرنا بالکل دوسری چیز ہے اور ہم جس بات میں الجھے ہوئے ہیں وہ یہی وہ صورتیں ہیں، جن میں سے ایک ممنوع اور دوسری واقع ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو واصلمین ذات میں باہمی کوئی تفاوت نہ ہو اور قرب ذات میں وہ تمام مساوی ہوں اور سب کے سب ایک ہی مقام میں بند ہوں، حالانکہ یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ان میں اس درجہ سے تفاوت ہے بلکہ یہ تفاوت درجات کسی اور بنا پر ہے تو اس کے متعلق ہم عرض کریں گے کہ مرتبہ فوق مراتب کے ممنوع کے بارے میں آپ کے لئے بھی پھر ہمارا یہی جواب ہے۔

اے عارف باللہ! یہاں ترقی و تفوق برآمدے سے مکان اور مکان سے چھت کی طرف ترقی و تفوق کی طرح نہیں، اور اسی طرح سیر و سلوک سے مراد بھی جسمانی حرکت نہیں بلکہ یہ ایک ایسا غیر بیانی اور وجدانی معاملہ ہے کہ جو اس کو چپے سے نہیں گزرا وہ اس کی لطافتوں سے باخبر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس کی تعریف میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایک حرکت کیفی ہے اور ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف علمی انتقال ہے لیکن یہ مرتبہ صفات کے اعتبار سے ہے مگر مرتبہ ذات کے لحاظ سے تو یہ معرفت اور انکشاف کے ازدیاد و بطن البطن تک نظر کی رسائی سے عبارت ہے

جیسا کہ اس پر کشف گواہ ہے اور یہی صحیح بات ہے۔ ہمارا یہ کہنا کہ یہ بات رویت اخروی کی طرح ہے کہ جس پر ایمان لانے کے تو ہم پابند ہیں لیکن اس کی کیفیت سے ہمارا کوئی سروکار نہیں! اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تو کیفیت رویت کے بارے میں صریح ہے اور وصول کے لئے مشیت کو مستلزم ہے جبکہ یہ دونوں بے کیف ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ تو عدم کیفیت کی تصریح ہے کیونکہ کیفیت سے سروکار نہ رکھنے کی ممانعت سے اصل مقصود کیفیت کا انقضا ہے عبارات میں اس قسم کے تسامحات اکثر و بیشتر واقع ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ سیاق و سباق خود اس پر دلالت کر رہا ہے! مشائخ کبار میں سے کسی نے کہا کہ ذات باری مجہول الکیفیت ہے یعنی اس کی کوئی کیفیت نہیں، پھر علم بیان کے قاعدے کے مطابق بعض امور میں مشابہت کی وجہ سے مشیت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد عرض ہے کہ وہ بے کیف امور کا آپس میں مماثل ہونا کیفیت کو مستلزم نہیں، جیسا کہ اس کی تمام صفات میں ہے۔

ہم نے کہا تھا کہ ”اسم و رسم سے گزر کر تنزیہ مطلق اور غیب صرف کو قبلہ توجہ بنالینا چاہئے“ اس پر آپ نے فرمایا کہ توجہ متوجہ اور متوجہ الیہ کے درمیان ایک نسبت ہے پس لفظ متوجہ اسم ہے اور ذات متوجہ رسم تو توجہ مطلق ممکن ہی نہیں! تو اس کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اے عارف راہ! جب معرفت و ولایت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو وہ فنائے کلی اور ذات حقیقی کے ماسوا کو مناد بننے کے بغیر ہرگز نہیں کھلتے اور اگر یہ چیز نہ ہو تو معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی حقیقت کاملہ تک رسائی! جیسا کہ صوفیائے کہا ہے۔۔

ہیچ کس را تا نکرده او فنا

نیمت رہ در بارگاہ کبریا

کہیں صاحب زہمت کا یہ قول دھوکے میں نہ ڈال دے۔

گویند عنان خود چہ تابلی گم شو کہ چو گم شوی بیابی
 ایں نکتہ نمود نا صوابم چوں گم شوم آنکھی چہ یابم
 بابتہ اگر کسی دگرخواست از گم شدنم پس اوچہ میخواست
 یہ تمام فلسفیوں کی موٹگافیاں ہیں جن میں معارف کا شاہد تک نہیں، اس لئے
 سالک کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ان پر خار وادیوں میں بھٹکتا پھرے۔

چاہے آپ یہ سمجھتے ہوں کہ اسے (بحث گزشتہ) محققین نے کس مفہوم میں لیا اور اس
 پر وار و شبہات پر کیسے اعتراضات کئے، اور پھر کس طرح مکمل اور مسکت جوابات
 دیئے، اگرچہ ان کی گفتگو اتنے سارے تکلفات کے باوجود محتاج تاویل ہے تاہم ہم
 اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے البتہ یہاں پر عارف کامل حضرت خواجہ احرار (اللہ
 ان کی قبر کو منور فرمائے) کی تحریر کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے جو اس بحث میں
 نہایت ہی مفید اور کارآمد ثابت ہوگا، آپ نے فرمایا۔

سالک کی ذات و صفات کی فنا کے تحقق کے بعد خدا تعالیٰ اسے ترقی دے کر بقا تک
 پہنچا دیتا ہے۔ اس وقت وہ اسے نور عطا کرتا ہے جس کے ذریعے وہ ذات حق کا
 مشاہدہ کرتا ہے، پس اس وقت ذات کے علاوہ اس کا کوئی مشاہدہ نہیں ہوتا تو اس
 سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ متوجہ ذات کے لئے تمام اضافات اور اعتبارات کا حذف
 کرنا لازمی ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اور آپ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا
 ہے تو اسم و رسم اور اس کے اعتبارات نفس کیونکر حذف نہیں ہوں گے۔

آپ نے فرمایا تھا کہ ”تزیید اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ایک
 ہے، تاہم وہ مقام تو ہے جبکہ حقیقت میں کوئی مقام ہے اور نہ مقیم“ اسی کے بارے
 میں عرض ہے کہ شاید یہاں حقیقت سے مراد مرتبہ ذات بحث ہے ورنہ بصورت دیگر
 اس سے (مقام مقیم کی) نفی کرنا بے معنی ہے، پس وہ ہمارے لئے لطف و عنایت
 اور توجہ و مہربانی ہے، اور آخرت سے متعلق ہمارے قول کی طرف رجوع و التفات
 ہے بلکہ محققین کے قول کی طرف راجع ہے جو یہ ہے کہ نہ ذات ادراک سے بری

ہے اور اضافات و اعتبارات سے معرا ہے، پس نہ تو اس کی جانب کوئی اشارہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

دراغلندہ دف ایں آوازہ از دوست

کز و بردست دف گویاں بود پوست

(دف نے محبوب کی آواز اپنے اندر ڈال رکھی ہے اور اس پر ہاتھ کے پڑنے سے اس کی کھال بول اٹھتی ہے)

نبی صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لا یخالطہ الظنون ولا یصفہ الواصفون (ننگمان اس تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ وادصف اس کے اوصاف بیان کر سکتے ہیں) ذوالنون مصریٰ نے کہا ہے: التفکر فی ذات اللہ جہل والاشارة الیہ شرک و حقیقۃ المعرفة حیرۃ (خدا کی ذات کے بارے میں سوچ بچار جہالت اس کی طرف اشارہ کرتا شرک اور اس کی معرفت کی حقیقت حیرت ہے)۔

آفاق روشن و مہتاباں پدید نیست
از مہر تا بزد و از قطرہ تا محیط
چوں گوئی در تر دو چو گاں پدید نیست
(آفاق روشن میں، مگر مہتاباں کا کہیں نشان نہیں اک عالم زخم ہائے نمک پاشیدہ سے مرغ بھل کی طرح تڑپ رہا ہے مگر نمکدان کا وجود نہیں ذرے سے لے کر آفتاب تک اور قطرے سے محیط تک گیند لاہکتا پھرتا ہے لیکن اس کو چلانے والے کا کہیں نشان نہیں)

حسین بن منصور نے کہا ہے کہ قبل اس پر سبقت لے جانے بعد اسے طے کرنے "من" اسے ظاہر کرنے "عن" اس کی موافقت کرنے "الی" اس سے قریب ہونے "فی" اس میں رچ جانے "ان" اس میں مشورہ کرنے "فوق" اسے پناہ میں لینے تحت اسے گھٹانے "ہذا" اس کا مقابل بننے "عند" اس کی مزاحمت کرنے "خلف" اسے پانے "امام" اسے محدود کرنے "قبل" اسے ظاہر کرنے "بعد"

اس کی نفی کرنے ”کل“ اسے جمع کرنے ”کمان“ اسے موجود کرنے اور ”لیس“ اسے مفقود کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے قدیم ہونے کو حادث ہونے پر اور عدم کو اس کے وجود پر تقدم حاصل ہے۔ اس کی ذات کسی کیفیت کو قبول کرتی ہے اور نہ کسی تکلف کو، اکابرین میں سے کلاباذی نے کہا مخلوقات میں سے خدا کی بہت زیادہ معرفت رکھنے والا اس کے بارے میں سب سے زیادہ حیران ہوتا ہے۔ ابن العربی نے قول خداوندی وان من شیء الا لیسبح بحمده کے بارے میں فرمایا کہ مجھ میں ہ کی ضمیر کا مرجع شی ہے کیونکہ کسی کی تسبیح جناب قدس کے شایان نہیں ہو سکتی۔ تونوی (۱) قدس سرہ نے فرمایا ”ذات حق کے بارے میں یہ درست نہیں کہ اس پر کسی قسم کا کوئی حکم لگایا جائے یا اسے کسی وصف سے جانا جائے یا اس کی طرف کسی چیز کی اضافت کی جائے۔ مولوی نے فرمایا ہے۔

حق منزہ است از ہر اسم و نام تو چہ می چشبی بہر اسم اے غلام
ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں چوں بعشق آیم نخل باشم از اوں
صاحب گلشن راز نے کہا:۔

بود اندیشہ اندر ذات باطل
محال محض و آں تحصیل حاصل

حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سرہ نے فرمایا میں حیثہ شہود میں آنے والے یا خیال و وہم میں سما جانے والے خدا کو ہرگز نہیں پوجتا میں تو اس لقمے کی طلب میں ہوں جو منہ میں نہ سما سکے۔ جس نے اس حقیقت کو پالیا وہی سمجھدار ہے۔ بعض اہل تحقیق نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہ جب فرعون نے ان سے مامیت حق کے متعلق سوال کیا کہ وما رب العلمین؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا رب السموات والارض وما بینہما کہا کہ یہ حکیم کا اسلوب ہے جبکہ اس سے حق

(۱) صدر الدین نام اور کثیت الہو العالی ہے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ فقہ و نہایت میں تو یکتے زمانہ تھے۔ شیخ صدر الدین جو اور مولانا روم سے خاص روابط تھے۔ ۶۳۰ھ میں وفات پائی۔

کی ماہیت کے متعلق دریافت کیا گیا جو کہ ناممکن البیان تھی تو انھوں نے ان نشانیوں کا حوالہ دیا جو اس کی ذات پر گواہ ہیں۔

جانہا ہمہ آب گشت و دلہا ہمہ خون

تا چہست حقیقت ز پس پردہ روں

کیا ہی خوب ہے کہ چہست کہا کیست نہ کہا۔

ہمارے اس قول کہ مقصود و وصول ہے نہ کہ حصول، کے بارے میں آپ نے کہا ہے کہ ”شاید یہ میرے قول صعب الحصول سے مراد لیا گیا ہے۔ ہم اس بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آپ کے قول سے نہیں بلکہ قول سبحانہ تعالیٰ ولا یحیطون بہ علما سے مراد لیا گیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ نبی کے کلام کو بھی کلام قدسی نہیں کہا جاسکتا چہ جائیکہ ولی کے کلام کو ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر تو اس بارے میں کوئی حدیث معتبر موجود ہے تو سر آنکھوں پر ورنہ بصورت دیگر کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اشیاء کی اصل ان کا جائز ہونا ہے احادیث میں حدیث غیر قدسی کو قدسی کہنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں تو قدسی وغیر قدسی دو قسمیں بنادی گئی ہیں۔ پس غیر قدسی کو قدسی کہنا اس لئے ناجائز ہے کہ دونوں اقسام میں مشابہت واقع ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے مگر جہاں اشتباہ کا خطرہ ہی نہ ہو وہاں کوئی حرج نہیں ہے مزید یہ کہ جب زمین کو ارض مقدسہ اور شہر کو بلدہ قدسیہ کہا جاسکتا ہے تو نبی و ولی کے کلام کو تو بطریق اولیٰ کلام قدسی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ قدس تو اسمائے خداوندی میں سے ہے تو کیا اس کا اطلاق اس کے علاوہ پر کرنا جائز ہے ہمارا جواب یہ ہے کہ قدس تو سرے سے خدا کے مخصوص ناموں میں سے ہے ہی نہیں، اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ اسرائیلیات میں شامل ہو جائے گا، الغرض یہاں پر کوئی وجہ عدم جواز کی موجود نہیں ہے۔

اسے عارف باللہ! بلا وجہ بحث و تکرار اور کثرت قیل قال سے وحشت پیدا ہوتی ہے جو نفرت کو دعوت دیتی ہے طویل سے قلیل بہتر ہوتا ہے اور کلام میں اختصار، اعجاز

سے قریب تر ہے۔

خوشی فیض دیگر میدہ دیوانہ مارا

چراغ کشتہ روشن می کند ویرانہ مارا

(مجھ دیوانے کو خوشی ایک اور طرح کا فیض پہنچاتی ہے اور میرا ویرانہ تو بجھے ہوئے
چراغ سے روشن ہوتا ہے)

میں آں جناب سے اوقات مخصوصہ میں نیک دعاؤں کا طلبگار ہوں جبکہ میرے حال
کی تصویر یہ ہے۔

ماخود بگرد دامن مردی نمی رسم

شاید کہ گرد دامن مردی بمارسد

(میں خود تو کسی مرد کامل کے دامن کی گرد کو نہیں پاسکا شاید اس کے دامن کی گرد
خود بخود مجھ تک پہنچ جائے)

میں چاہتا تھا کہ اپنے بعض اشعار آپ کے مطالعے کی نذر کرتا۔ مگر یہ ارادہ اس لئے
ترک کر دیا کہ کہیں آپ اکتانہ جائیں لہذا ان چار شعروں پر ہی اکتفا کرتا ہوں:-

کہ باشد چشمہ خورشید شبنم آفتابش را	کجا بر ذرہ وارد تاب حسن بے بیابش را
ازیں نہ شیشہ ہیروں یافتہ موج شربش را	گلچند نشاء حیرت دریں خم خانہ کثرت
ہر خار و خس و گل خن ما برگ و بمن شد	در خانہ ماجلوہ گراں رشک چمن شد
مجنون تراخانہ زنجیر وطن شد	عمریت کہ در حلقہ زلف تو اسیریم

سبحان ربك رب العزت عما يصفون وسلام على المرسلين
والحمد لله رب العالمين.

محاکمہ مولف رحمۃ اللہ علیہ

جب بات یہاں تک پہنچی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند کلمات محاکمہ کے طور پر کئے
جائیں واللہ اعلم۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کی نظر میں انبیاء علیہم السلام کا کلام درستی باطن اور بلند
مراتب کے حصول پر مشتمل ہوتا ہے جیسے طہارت، خشوع و خضوع اور ان کی اضداد سے ان کا کلام

مبرا ہوتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے انبیاء علیہم السلام کو ان پاکیزہ مطالب کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے اور ان کی قدر و منزلت اسے کہیں برتر ہے جو وحی کے علاوہ ان سے اشارت یا صراحتاً ظاہر ہوتے ہیں بلکہ وہ بسا اوقات مقام احسان (۱) سے فروا کر عام مومنوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہوئے تبلیغ دین کا کام سرانجام دیتے ہیں تاکہ وہ اس مقام میں لوگوں کے لئے نمونہ ثابت ہوں وذلک تقدیر العزیز العلیم اس لئے صوفیا کا ان کے کلام سے اپنے مضامین یعنی توجہ بذات صرف، فنا، بقا اور توحید و جود وغیرہ پر استدلال کرنا عبارت نص، اشارت و ایما اور اقتضا کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ وہ وہی کچھ اختیار کرتے ہیں جو ان نصوص کے ذریعے ان کے قلوب پر مترشح ہوتا ہے۔ اکثر ان کا ذہن ایک چیز سے دوسری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور کسی چیز کے بارے میں کوئی نئی بات کہہ دیتے ہیں لہذا اس سلسلے میں مناظرہ و استدلال کرنا مخالف کے لئے فائدہ مند نہیں، اور یہ بھی معلوم رہے کہ مجذوب کہ جس کا جذب مکمل ہو کہ جب ذاتِ محبت سے خاص رابطہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر راہ معرفت کے دروا ہو جاتے ہیں، اور ذاتِ محبت کی معرفت کے بارے میں اس کے ذہن میں کچھ آ جاتا ہے کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا تو اسے خواہ وصول و حصول کہیں یا ادراک کا نام دیں بہر صورت کاملین کا اس پر اتفاق ہے یہی معرفت ہے، اس کے بعد اس میں جو بھی اختلاف ہو گا وہ لفظی ہو گا۔

شیخ عبدالحقؒ نے کہا کہ ”ہم مطلقاً وصول الی الذات کا انکار نہیں کرتے الخ اور شیخ مجدد قدس سرہ العزیز نے شرح الرباعیین کی شرح میں بھی یہی موقف اختیار کیا، جاننا چاہئے کہ مرتبہ الیقین میں اگرچہ شہود تجویز کرتے ہیں جبکہ شہود سے اوپر بھی کئی مراتب ہیں کہ جن میں جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ وصول نہیں بلکہ وصول کی دلیلیں کا مشاہدہ ہوتا ہے اور وصول کے مراتب اس سے بلند ہیں، چونکہ ہر کسی کا فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے بعید نہیں کہ وہ اس کا انکار کر دیں۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ شیخ کامل سے محبت ذاتیہ کبھی الگ نہیں ہوتی اور اس کی حقیقت مظہر جیسی ہے کہ حقیقت سے اصل ہوتا ہے اور متبوع سے اس کا تعلق ممنوع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا رابطہ متصرف

(۱) سلوک میں احسان ۱۰ مرتبہ ہے جہاں سالک آثار اسماء و صفات کو دیکھتے ہوئے خود کو خدا کے سامنے محسوس کرتا ہے، اس کا فروتر درجہ یہ ہے کہ سالک عبادت کے دوران یہ سمجھے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

فیہ کے ساتھ قائم رہتا ہے اور جہاں تک قلق، حزن اور اندوہ کا تعلق ہے تو وہ کامل کے مزاج کے تابع ہیں، مگر اس کی اصلیت سے خارج اگر کامل کے مزاج میں قوت بھیمہ زوروں پر ہوگی تو یہی محبت ذاتیہ اس کے لئے قلق، عشق اور اندوہ کی صورت میں ظاہر ہوگی اور اگر قوت بھیمہ اس کے مزاج میں کمزور ہوگی تو خالی الفت اور انیسیت کے روپ میں ظاہر ہوگی۔ اور یہ بھی معلوم رہے کہ تمام اہل کمال کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتبہ ذاتیہ تک رسائی کے لئے دو راستے ہیں۔ پہلا راستہ وہ ہے جو براہ راست شاہراہ وجود سے نکل کر آگے بڑھتا ہے اور اسی پر چل کر فی الحقیقت اس مرتبہ ذاتیہ تک سالک پہنچتا ہے۔ یہ راستہ صرف اقطاب ہی کے لئے مخصوص ہے جب کہ دوسرا راستہ متوسط سالکین کا ہے اور یہی اکثریت کی گزرگاہ ہے فی الحقیقت یہ راستہ (مرتبہ ذاتیہ تک) نہیں جاتا اگر صوفیا میں سے کسی نے معرفت ذات کا انکار کیا ہے تو اس سے ان کی مراد احاطہ اور ادراک ہے اور اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں، تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ یہ سارا نزاع لفظی ہے۔ مندرجہ بالا اصولوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد کوئی نزاع باقی نہیں رہتا، مگر چند معقول قسم کے مقدمات پھر بھی باقی رہ جاتے ہیں جو کہ باعث نزاع بن سکتے ہیں۔ مگر انھیں بھی معمولی توجہ کے ساتھ رفع کیا جاسکتا ہے والعلم عند اللہ۔

ان تمام مباحث کے بعد یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ پانچوں مکاتیب ان کی ابتدائی ملاقات کے زمانے میں لکھے گئے۔ چنانچہ پہلے مکتوب میں سے وہ حصہ جو ان کی ابتدائی ملاقاتوں کی تفصیلات سے متعلق تھا اور جو میں نے چھوڑ دیا ہے اس بات پر دلیل ہے، جب دوسری ملاقات ہوئی اور دونوں شیوخ ایک دوسرے سے قریب آئے اور ایک دوسرے کے مقامات پر مطلع ہوئے تو معاملہ ہی بدل گیا۔ چنانچہ یہ خط جو کہ شیخ عبدالاحدؒ نے حضرت شیخ کی خدمت میں ارسال کیا، اس بات کا ثبوت ہے، خط یہ ہے۔

آپ کا مکتوب، مکتوب رحمانی اور خطاب خطاب منانی تھا جس نے آپ کی طلب کی اس نے واجد کو آپ کے پاس پایا اور جس نے واجد کو پایا اس نے آپ کو پایا، اور جس نے خدا سے عشق کیا گویا اس نے آپ سے عشق کیا اور جو آپ سے غافل ہوا وہ اپنے آپ سے بے پروا ہو گیا، ہم آپ کے ہیں، اور اس کے جس نے آپ کو

دوست جانا میں نے آپ کو احسان سے قریب اور رؤف کا ندیم پایا آپ پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس ثروت و امارت کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہے ۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیائی

بیاد آر محبان بادہ پیا را

(جب تو محبوب کے پہلو میں بیٹھا شراب معرفت کے جام لذت حار ہا ہو تو ایسے میں اپنے ہم پیالہ دوستوں کو بھی یاد کر لیتا)

اب کوئی عذر باقی نہ رہا کہ تو تجلی حق کو عشاق کے آئینے میں سودے ۔

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی

کا گشت نمائی عالمی خواہی شد

(کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب تو ماہتاب بن جائے گا تو سارا عالم تیری ہی جانب اشارہ کناں ہوگا)

دوسری مرتبہ شیخ عبدالاحدؒ نے یہ دو شعر تحریر کئے :

یار از آغوش دل سے جوشد و دورم ہنوز

صد تجلی ساقی بزم است و مخمورم ہنوز

(محبوب آغوش دل میں جوش زن ہے مگر میں پھر بھی دور ہوں۔ ساقی بزم کی سینکڑوں تجلیاں ہیں اور میں ابھی تک مخمور ہوں۔)

لن ترانی گرچہ یک وادی خرابم کردہ است

ی کند کاشانہ رنگین آتش طورم ہنوز

(اگرچہ لن ترانی نے میری ایک ہی وادی کو ویرانہ بنا دیا ہے مگر میری آتش طور اب بھی کاشانہ عالم کو رنگین کر رہی ہے)

حضرت شیخ نے اس مکتوب کا جواب یہ تحریر فرمایا:

میرے مخدوم و مشفق! قلب کا معاملہ ایسا ہے کہ جب تک آغوش دل بھول نہ جائے اور تجلی تجلی کی صورت اختیار نہ کر لے اور نہاں خانہ دل کا کاشانہ غیرت کی آگ

میں جل نہ جانے مجلہ حقیقت سے دلہن بے رنگ اپنا جلوہ نہ دکھائے اور دوری
و مخموری کے حجابات درمیان سے اٹھ نہ جائیں دل پر کام کرنا ابھی باقی ہے۔
وسقاکم ربکم دھاقا لایصدعون بعدھا شقاقا ولا تفترقون فراقا۔
برنگیرد جہان عشق دوئی
چہ حدیث ست ایں حدیث توئی

نامہ شیخ عبدالاحد

شیخ عبدالاحد نے ایک اور مرتبہ یہ خط لکھا:

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں بنایا اور پھر ہم نے اسے پایا۔
اس نے ہمیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا تو ہم نے اندھیروں کو تپوڑ دیا۔
اس نے ہماری طرف اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا تو ہم نے
اس کی اتباع کی۔ اس نے ہمارے لئے کتاب مبین بھیجی تو ہم نے اسے تلاوت کیا۔
اس نے ہمیں اپنے جلال و جمال کی تجلی سے نوازا اور اپنے انعامات و وصال سے
مشرف فرمایا۔ اس نے ہمارے وجود کی چوٹی پر برقی تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ
کر دیا اور جب عالم قیود میں ظہور فرمایا تو ہمارے لئے کوئی پریشانی باقی نہ رہی۔ اس
نے ہمیں اپنی عظمت کا مشاہدہ کرایا تو ہم ایک عرصے تک حیرانی میں پڑ گئے، ہم نے
اس کی معرفت کی شراب پی تو وہ ہمیں اس آگئی۔ مکاشفہ کی آنکھوں سے ہم نے
اس کا دیدار کیا تو اس نے ہم سے محبت کی۔ ہم نے چشم بصیرت سے اس کا مشاہدہ کیا
تو ہم اس کے قریب ہو گئے۔ اس نے منزل صفات سے ترقی دیکر ہمیں اپنی ذات
تک پہنچایا اور اس نے اپنے کلمات اور کمالات کے حسب شان ہم سے برتاؤ کیا اور
پھر اس نے ہمارے ساتھ وہ الطاف و عنایات کیں جو کسی اشارے میں آسکتی ہیں
اور نہ ہی کسی عبارت کے ذریعے ان کی تعبیر ہو سکتی ہے۔

ومن بعد هذا ما تدرق صفاته

واکتمہ احطی لہدیہ واجمل

اور پیاس باقی ہے یہاں تک کہ پنڈلی پنڈلی سے لپٹ نہ جائے، وعدہ مکمل نہ ہو جائے اور چلنا ختم نہ جائے، اس روز فراق ختم ہو جائے گا اور اسی پر ہمارا یقین ہے، پھر ہم نے کچھ پیش کیا اور کہا اس تمام پر آپ کو وسیلہ بناتے ہوئے پروردگار عالم سے بخشش طلب کرتا ہوں۔

حضرت شیخ نے ان کے جواب میں یہ تحریر ارسال فرمائی:

نامہ شیخ ابوالرضاؒ

تحقیقی کا باقی رہنا تشنہ کے موجود ہونے کی دلیل ہے اور جہر کا اثر مجبور کے بدستور باقی رہنے کا ثبوت ہے۔ قیود کی نشانیوں کے باوجود فراق کا ہونا تحقیقی کی علامت ہے اور تحقیقی کا باقی رہنا قائل وجود کے نزدیک وقوف (ترقی کا رک جانا) ہے، پس جیسے معاملہ قیود پر وقوف میں اطلاق کا تصور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح وصال محبوب کے ساتھ فراق کا تصور کرنا محال ہے لہذا محدث حمیم کے صفات کے باقی رہتے ہوئے محدث قدیم کی صفات کی طرف ترقی کرنا ناممکن ہے چہ جائیکہ ذات حضرت واجب کی طرف ترقی کرنا، پھر پنڈلیوں کا آپس میں لپٹ جانا اور چلنے و سعی کرنے سے رک جانا کسی کے لئے موعود ہوتا ہے اور کسی کے لئے موجود۔ ارشاد خداوندی ہے کلا یعنی حقیقتاً اذا بلغت الشراقی۔ یعنی جب نفس انسان اپنی بلندیوں کی معراج کو پہنچ جائے تو عام امر میں مشاہدہ جمال الہی کے اشتیاق کا یہی نقطہ عروج ہے اور من راق کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے باطن سے ندا آئے گی کہ ہے کوئی جو مجھے جھاڑ پھونک کرے اور زہر جدائی اور الم شوق سے مجھے چھنکارا دے۔

لسعت حية الهوى كبدى فلا طيب لها ولا راق

الا الحبيب الذى شغفت به انه رفيقى وترىاق

(محبت کی ناگن میرے کلیجے کو ڈس گئی ہے اب اس کے لئے نہ کوئی طیب کام آسکتا ہے اور نہ جھاڑ پھونک والا، بلکہ میرے لئے تو میرا محبوب منتر بھی ہے اور تر یاق بھی) اور قول خداوندی کے اس حصے و ظن انه الفراق کا مفہوم یہ ہے کہ بقاء بالحبيب کا

پیا سا یہ سمجھے گا کہ جو قلق و اضطراب اس پر طاری ہے وہ دراصل محبوب کے علاوہ ہر چیز سے اس کے جدا ہونے کی وجہ سے ہے۔ والنفث الساق بالساق کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ممکنات کی ساق اور عالم رحمان کی ساق دونوں یکجا ہو جائیں گی یعنی وہ ان دونوں کا ایک ہی وقت میں مشاہدہ کرے گا۔ یہی مقام مشاہدہ ہے اور الی ربک یومئذ المساق کا مفہوم یہ ہے کہ اس روز اسے عالم الہی کی حقیقت کی طرف لے جایا جائے گا اور اسے مائل پلایا جائے گا جس کے بعد تشنگی وصال باقی رہے گی اور نہ کوئی حد پس اس مقام پر عین، اثر، بجز اور خبر کا وجود ختم ہو جائے گا اسے سعادت سرمدی سے اس طرح نوازا جائے گا کہ ایک مرتبہ دائرہ انتخاب میں آنے کے بعد اسے حضرت الہیہ سے کبھی دور نہیں کیا جائے گا۔

آسودہ بکام خویش از وصل حبیب

ندیم فراق ست و نہ تشویش فراق

(ایسے میں عاشق وصال یار سے اس طرح شادماں و فرحاں ہوتا ہے کہ نہ اسے جدائی کا غم ہوتا ہے اور نہ تشویش فراق)

ایک بار پھر حضرت شیخ نے شاہ عبدالاحدؒ کے نام یہ مکتوب تحریر فرمایا:

نامہ شیخ ابوالرضاؒ

یا منی الی وجہ حسی و معتمدی و حج قوم الی ترب و احجار
لیک لیک من قرب و من بعد سرا بسر و اجهاراً با جھار
(اے کہ تو ہی میرے لئے حج بھی ہے اور زیارت گاہ بھی جبکہ لوگوں کا حج مٹی اور پتھروں سے عبارت ہے میں حاضر ہوں دور سے بھی اور قریب سے بھی پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی)

اس ذات جل جلالہ کے حسن و جمال کو کیسے لفظوں کا جامہ پہناؤں، اور اس ذات سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت و جلال کے بارے میں کیا لکھوں! ایک کو عنایت ازلی سے نوازتا ہے تو دوسرے کو بے پروائی کا سوز عطا کرتا ہے آہ تفاوت راہ تو دیکھو کہ ایک

ہی لو ہے کے دو ٹکڑے جو ایک ہی جگہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک گھوڑوں کا نعل بنتا ہے تو دوسرا بادشاہ کا چہار آئینہ۔

دوہرہ۔

بہت ابہا کی کلسری جاک رہی لورائی

ایک جو پیو کیوں چاہی سوتی لینہ چکائی

ایک مرتبہ حضرت شیخ نے شیخ عبدالاحد کو یہ حکایت لکھی!

حکایت محبت و محنت

محبت نے محنت کو لوح محفوظ پر دیکھا تو پوچھا تو کون ہے محنت نے جواب دیا میرا نقش تیرے نقش جیسا ہے اور تیرا نقش میرے نقش کی مانند صرف ایک نقطے کا فرق ہے یہاں محبت اور محنت نے باہم بیان باندھا اور کہا جہاں تو ہوگی وہاں میں بھی ہوں گی اور جہاں میں ہوں وہاں تو۔

ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم

من جملہ تو بودم و منی وانستم

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ بیت حکایت سے متعلق نہیں بلکہ مقام محبت میں غلطی یا کوئی نقص رہ جانے پر تنبیہ کے لئے اور وحدت کی طرف ترقی حاصل کرنے کی خاطر لکھا گیا ہے۔

ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

معرفت خاصہ اضافت کے ہٹا دینے اور اپنی انا کو پے در پے انت کے نورانی شعلوں کے ذریعے جلا دینے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

طوارق انوار تلوح اذا بدت

فتظہر کتماناً وتغیر عن جمع

(نورانی ستارے جب نمودار ہوتے ہیں تو چمکتے ہیں، وہ چھپ چھپ کر ظاہر ہوتے ہیں اور تمام کی خبر دیتے ہیں)

اور معرفت خاصہ الخاص یہ ہے کہ اضافت کا بنظر احدیت مشاہدہ کیا جائے۔

فامطر الكاس نارا من ابارقها فأتيت الدور في ارض من الذهب
ومسح القوم لمان راوا عجا نورا من السماء في نار من الغب
محمد مرزا سرہندی نے حضرت شیخ کی خدمت میں اشارتاً لکھا کہ حصول حال کے لئے
میں نے جو ہلیلہ استعمال کیا تھا اس نے تا حال کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔
حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

میری ناقص رائے میں آپ کا مزاج مبارک صفاوی اور حار یا بس ہے، جو کہ راہ
سلوک پر کامیابی کے ساتھ چلنے کے لئے بہت مفید ہے لیکن بعض رکی قاعدوں، غلط
عقلی تخمینوں اور مخالف طبع سودائی دواؤں کا آپ کے مزاج پر غلبہ ہو گیا ہے جو منزل
تک پہنچنے سے باز رکھ دیا ہے۔ حکیم حاذق نہ تھا، اس لئے مرض کی صحیح تشخیص نہ کر۔ کا،
ہلیلہ سیاہ کی بجائے ہلیلہ اصفر دے دیا۔ اس نے صفر کی حفاظت کی بجائے سودا کو
بڑھایا علاج الٹا ہو گیا اور حال مزاج بگڑ گیا۔ جو حاذقان طریقت اور ماہران حقیقت
ہیں، وہ نظری اور عملی حکمت کے ساتھ حارۃ یا سردی پلا کر خدا کے فضل و کرم سے
مزاج کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ کس قدر ظاہر ہے کہ کوئی ظاہر اس کے لئے
جواب نہیں، اور وہی باطن ہے اس کے علاوہ باطن میں کوئی چیز ہی نہیں۔ حضور سرکار
دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مناجات میں فرمایا: اللھم انت الظاہر لا
ظاہر فوقک وانت الباطن لا باطن دونک (اے اللہ تو ہی وہ ظاہر ہے کہ
تجھ سے زیادہ کوئی ظاہر نہیں اور تو ہی وہ باطن ہے کہ تیرے آگے کوئی باطن نہیں)

توهمت قدما ان لیلی وترفعت
وان لنا فی البین ما یمنع اللئما
فلاحا فلا فواللہ ما تم مانع
سوی ان عینی کان من حسنہا اعنی

گرنہ بیند بروز شہرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

(اگر کسی کو چشم کون کے وقت سورج دکھائی نہیں دیتا تو اس میں آفتاب کا کیا قصور؟) سرمہ حقیقت لگانے والے تو سرمہ عنایت آنکھ میں لگا کر آنسوؤں کو پینائی بخش دیتے ہیں انسی ابری الا کمہ والابوص۔ اور یہ لوگ سرمہ عنایت کا نسخہ صرف بزبان طیور ہی لکھ کر دیتے ہیں، آگے چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے میں یہ لکھ رہا ہوں کہ خدا ہدایت کرنے والا ہے۔ سرمہ عنایت دو چیزوں سے مرکب ہے ایک ترقیق (باریک کرنا) دوسرے تسحق (پینا)، باریک کرنے سے مراد یہ ہے کہ قلم اعلیٰ حروف عالیات سے ٹکراتا ہے اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں، ظاہر الوجود اور باطن الوجود، باطن آگے دو راستوں پر چل نکلتا ہے تو امر و خلق ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ہر ایک کو اجناس متنوع سے نوازا دیا۔ ایک کہہ اٹھتا ہے مع

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

(میں نے جام شراب میں رخ محبوب کا عکس دیکھا ہے۔ اے مطرب کہہ دو کہ نظام جہاں اب میری مرضی کے مطابق ہے)

تسحق سے مراد یہ ہے کہ ظرف ہائے وجود کو ان کے کناروں میں اور اس کے نچلے حصوں کو اوپر والے حصوں میں اس طرح مٹا کر نیست کر دیتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں جو سرمہ فنائے وجود حاصل ہوتا ہے اسے آنکھوں میں لگا دیتے ہیں، تو اس سے شہود کی بجلیاں چمک اٹھتی ہیں اور نہاں خانہ دل نور جمال کی تابناکیوں سے روشن ہو جاتا ہے۔ واشرفت الارض بنور رہا اور احدیت ذات کی سطوت کی تجلی طالب کی ہستی کو عالم نیستی کی طرف لے آتی ہے اور کل شیء ہالک الا وجہہ کا راز ظہور سے جوڑ دیتی ہے۔ ایسے میں ہر شخص اپنی حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے اور پھر محمد مرزا، مرزا محمد ہو جاتا ہے۔

جز یکی نیست لقد ایں عالم باز میں وبعالمش مفروش
گل ایں باغ را توکی غنچہ سر ایں سنج را توکی سرپوش
آں شناسد حدیث ایں دل مست کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش
(اس عالم کا جو ہر ایک کے سوا کوئی نہیں پھر دیکھ لے اور اسے عالم کے ہاتھ مت بیچ
اس چمن کے پھول کا غنچہ تو ہی ہے اور اس خزانے کے راز کا نگہبان بھی تو ہی ہے۔
اس دل مست کی کہانی وہی سمجھ سکتا ہے جس نے یہ شراب پی ہو)

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ہلیلہ اسہال سے مراد وہ سخت ریاضتیں
ہیں جو اہل سلوک باطن کو رذائل سے پاک کرنے اور دل کو طرح طرح کی محبتوں اور
دنیا کے نقوش سے خالی کرنے کے لئے تجویز فرماتے ہیں۔ ان (مرزا محمد) کا یہ قول
کہ ”دست اسہال حال روئے ندا“ سے یہ مراد ہے کہ ان اعتکافات اور ریاضات
کے باوجود رذائل سے چھٹکارا حاصل نہ ہوا بلکہ خود بینی، غرور اور وسوسوں کی کثرت
ان رذائل کی مزید مدد و معاون ثابت ہوئیں، ان کے قول صفاوی مزاج کے ذیل
میں یہ جاننا چاہئے کہ صفا کی خاصیت گرمی، خشکی اور تیزی و سرعت ہے لہذا عاشق کہ
جس کی طلب میں شدت اور سیر میں تیزی ہوتی ہے اور وہ جری القلب ہوتا ہے اور
اس کے ارد گرد علاقے کا گزر بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال صفاوی مزاج کی طرح
ہے جو شلوک و شبہات قطع علاقے میں بزدلی برتنے، نفس کی باتوں، وسوسوں اور
شیطانی خیالات و خطرات میں مبتلا ہو اس کی مثالی سودائی مزاج کی سی ہے جو اس
مفہوم میں صفاوی المزاج ٹھہرا اس کی فطرت و وصول کی قابلیت اور صلاحیت رکھتی
ہے جبکہ مذکورہ مفہوم کے مطابق جو شخص سودائی مزاج کا ہوتا ہے وہ وصول وحدت
سے محروم رہتا ہے، بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کی فطرت میں استعداد تو
صحیح ہوتی ہے لیکن سودائی مزاج لوگوں کے پاس پیٹھ کر شلوک و شبہات کا شکار ہو جاتا
ہے اور خاص کر اہتمام و اعتنائے تام جو کہ انہی شلوک و شبہات کے قبیل میں سے
ہیں اور اپنی جگہ کوئی کمال نہیں بلکہ تورع ہے ان کے نفس ناطقہ کا ملکہ بن جاتا ہے یہ

روحانی بیماری ہے جو کہ اعضاء میں بھی ہوتی ہے اور وصول سے رکاوٹ کا سبب بنتی ہے۔ ان کا یہ قول کہ بجائے ہلیلہ اسود کے ہلیلہ اصفر دے دیا، کی وضاحت یہ ہے کہ ہلیلہ اسود مسہل اخلاط سوداویہ ہے اور وسواس جو کہ سودا کا لازمہ ہے اس کو طبیعت میں بٹھا دیتا ہے اور ہلیلہ اصفر مسہل صفرا ہے، جو گرمی، بیس اور سرعت کو دور کر دیتا ہے، چونکہ سخت ریاضتیں، نشاط کو دور کر دیتی ہیں، لہذا یہ بمنزلہ ہلیلہ اصفر کے ہیں اور انکشاف توحید چونکہ دافع وسواس ہے۔ اس لئے وہ ہلیلہ اسود کے مشابہ ہے۔ ائمہ سلوک کا طریق نشاط، گرمی اور محبت کو باقی رکھنا ہے لیکن یہ تمام ذات کی جستجو میں ہوتے ہیں اور شدید ریاضتوں سے نشاط و گرمی دور ہو جاتی ہے۔

ان کے قول حافظان طریقت الخ کی توجیح یہ ہے کہ ترتیب سالکین میں صوفیا کے دو مکتب فکر ہیں پہلا مکتب متقدمین کا ہے جس کی تفصیلات امام غزالی (۱) نے یوں فرمائی: ”جب کوئی شخص طبیعت کے تقاضوں سے توبہ کر لے تو اسے خلوت میں بیٹھے، دونوں سے کم آمیزی اور تمام حالات میں مخالفت نفس کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ خود کو اس طرح بنا ڈالو کہ کوئی مارے یا گالی گلوچ کرے تو تمہارا نفس سر نہ اٹھائے۔ لوگوں کی طرف سے تعریف اور برائی دونوں کو یکساں تصور کرے۔ نوافل اعمال کی کثرت کرے۔ ریا، غرور اور دکھلاوے کے نقصانات کو اچھی طرح سمجھ لے اور ان میں غور و خوض کرے، طعام میں کمال احتیاط برتے اور جہاں اسے معمولی سا شہ بھی گزرے اسے ترک کر دے اور قیام و قعود، کھانے پینے غرض تمام حالات میں آداب کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور ان تمام

(۱) ابو حامد بن حامد غزالی حجت الاسلام طوس میں ۴۵۰ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، پھر نیشاپور آگئے یہاں امام انور بن ابو العالی سے تکمیل کی طویل عرصہ تک تحقیق و بحث اور مطالعہ فلسفہ میں مشغول رہنے کے بعد ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ فلسفہ اور دین ایک دوسرے کی ضد ہیں، آپ نے فلاسفہ کا ان کے دامن سے خوب روکیا۔ اسی وجہ سے آپ حجت الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے پھر آپ تصوف کی طرف آئے۔ تقریباً ساری اسلامی دنیا کا سفر کیا۔ آپ کا شمار اسلام کی مایہ ناز ہستیوں میں ہوتا ہے آپ کی تصانیف میں سے احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت اور تہافت الفلاسفہ عالمگیر شہرت کی حامل ہیں۔ آپ نے ۵۰۵ھ میں طوس میں انتقال فرمایا

امور میں نفیاً و اثباتاً کسی نہ کسی طرح روحانی علاج ضرور اختیار کرے۔ جب ان تمام سے پاک ہو جائے تو محبت الہیہ کا راستہ اسے دکھادیا جاتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اور کیسائے سعادت میں موجود ہے۔

اس سلسلے کا دوسرا مکتب فکر نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ سلسلوں سے متعلق ان متاخرین کا ہے جن کے فیض سے کئی دور فیضیاب ہوتے رہے ہیں، مختصر لفظوں میں اس مکتب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص ان کے ہاتھ پر توبہ کر لے تو اسے افکار و اذکار جو کہ حضور شوق و عشق میں اضافے، توحید، نفی ماسواء، خلق سے قطع تعلق اور طرح طرح کے دیگر علائق سے کنارہ کشی کا سبب بنتے ہیں کے اپنانے کی ہدایت فرماتے ہیں اور فرائض و سنن مؤکدہ کی اوائیگی کے بعد طالب کو ان اذکار کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول کرتے ہیں اور یہ مشغولیت نہ تو تجلیہ (۱) و نوافل کی ہوتی ہے اور نہ کتب احادیث کی ہدایات سے بڑھ کر طعمہ محتاط اور نہ آداب معاش و غیرہ کی محافظت کی مشغولیت ہوتی ہے۔

جب سالک بفضل خدا گرامی شوق اور محبت ماسوا کی نفی کی دولت حاصل کر لیتا ہے تو تمام عیوب خود بخود دھل جاتے ہیں۔ خواجہ محمد پارسا نے بھی اپنے رسالہ قدسیہ میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اور جو حارویا بس شریعتیں ہیں۔ ان سے مراد یہی اذکار ہیں اور حکمت نظری شیخ کی نگاہ التفات ہے جبکہ حکمت عملی سے مراد ذکر میں سعی و کاوش ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حکمت نظری انکشاف توحید ہے اور حکمت عملی دوام حضور! ان کے قول ترقیق و تسبیح الخ کی تشریح یہ ہے کہ کل عنایت سے مراد شہود وحدت و کثرت اور وحدت میں شہود کثرت ہے۔ یہ معنی دو طرح سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک تو مبادی کے صورت کثرات میں ظاہر ہونے کی معرفت کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور اس کا نام ترقیق اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ نفس امارہ کو چمپنے اور کثرت میں موجود ظہور کے لوازمات کی قوت کے ختم ہو جانے کی قوت کا پتہ دیتا

(۱) تجلیہ: روح کو کمالات جسدیہ سے جو قالب غصری کی مجاورت سے عارض ہوئی ہوں منہ کرنا اور اسے چمکانا اور جلادینا تجلیہ کہلاتا ہے۔

ہے، دوسرے یہ معنی وحدت میں کثرت کے آجانے کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے۔ اسے تحقیق کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ یہ تحصیل اجزاء صرف وجود کے لئے مغائرت ماہیت کے ملاحظہ ماہیۃ الماہیات میں تمام ماہیات کے مندرج ہونے اور وجود الوجودات میں وجودات کے مٹ جانے کی خبر دیتا ہے، واللہ اعلم ان کے اس قول کہ ”ہر کسی از مرزائی خود آگاہی یابد“ کی تشریح یہ ہے کہ ہر شخص حضرت وجود کی حقیقت کی معرفت حاصل کرے۔ ان کے قول کہ ”مرزا محمد گرد“ سے مراد یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام میں جاری و ساری ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد مرزا نے دوسری مرتبہ اپنے خط میں یہ شعر نقل کیا۔

مردم دیدہ تیمم کردہ از خاک درت

گر چہ در خانہ خود آب روانی دارد

(مردان دیدہ ورنے تیرے در کی خاک سے تیمم کو ترجیح دی، حالانکہ ان کے اپنے

گھر میں آب رواں موجود تھا)

مکتوب شیخ ابوالرضا

حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا:

مخدوم من! تیمم طہارت مجازی ہے، جبکہ مردان دیدہ ورتو طہارت حقیقی کے طالب ہوتے ہیں اور درگاہ اہل حقیقت تو خاک مجاز سے پاک ہوتی ہے گویا مردان دیدہ ورتو نہیں مردان کو دیدہ ہیں، جن کے گھر میں پانی تو موجود نہ تھا اور سراب کو پانی سمجھ بیٹھے۔ اگر انھوں نے آنکھوں کو پانی کیا ہوتا تو پانی دیکھا ہوتا۔

مردم دیدہ آب باید کرد

خانہ خود خراب باید کرد

(طالبان وصال کو اس کی طلب میں آنکھیں پانی اور اپنا گھر برباد کر دینا چاہئے)

تا کہ احدیت ذات کا آفتاب اپنے سراپردہ عزت سے جلوہ گر ہو اور جملہ اشیاء اس کے سامنے اثباتی تو راز لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار

آشکارا ہو۔

آں سرکہ از گوش شنیدیم ز خلقی
از علم بعین آمدہ از گوش باغوش

(وہ راز کہ جیسے میں نے لوگوں سے سنا وہ علم کے ذریعے چشم اور کان کے راستے
آغوش میں در آیا)

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہاں یہ اقتباس سوء ادب تھا کیونکہ مردم دیدہ سے مراد روشنی چشم سالک ہے اور مردم دیدہ است یا نادیدہ است سے ان کی مراد یہ ہے کہ کسی انسان کامل کو پہچان کر اس کے کمال کے معتقد ہوئے کہ نہیں، لیکن جو مردان دیدہ ور ہوتے ہیں وہ تو درگاہ رب العزت کو حقیقت محض سمجھتے ہوئے شہود کامل کا فائدہ حاصل کر لیتے ہیں لہذا یہ سمجھنا کہ انھوں نے تیمم کیا یہ بات ان کے بارے میں کہی بھی نہیں جاسکتی کیونکہ تیمم طہارت مجازی ہے اور اگر مرد کو دیدہ ہے یعنی اس نے کامل معرفت صرف ظاہری احوال ہی معلوم کیے تو بدستور حجاب اور اشتباہ میں مبتلا ہے۔ ”اگر پانی کو دیکھا ہوتا“ یعنی انسان کامل کو پہچان لیا ہوتا تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور روشنی دیکھی ہوتی اور اس قدر ناقص الفہم نہ ہوتا، اگرچہ شاعر نے تواضع کی انتہائی صورت یعنی آنکھوں کو خاک در پر رکھ دینے کو اس طرح کا جامہ رنگین پہنایا ہے تاہم ظاہر اس کا معنی یہ ہوگا کہ کمالات طریقت کو اپنے آبا و اجداد سے حاصل کرنے کے باوجود میں یہ چاہتا ہوں کہ جناب شیخ سے بعض فوائد کا استفادہ کر لوں۔ پس یہاں پر خود بینی مکمل فائدے کے حاصل کرنے میں رکاوٹ بن گئی۔ اس مفہوم کا قرینہ حضرت شیخ کے مکتوب کے آخر میں موجود ہے۔

دوہرہ۔

جو تو جانی ایک کر جو کے ہو بھی نہ سیکھ

دریں کراہوں ہو سودا ہی موں کھد کچھ

حضرت شیخؒ نے ایک مرتبہ محمد مرزا کے نام یہ والا نامہ صادر فرمایا:

راز ہائے درون کو طشت از بام کرنے کی تڑپ نے خزانوں کے بند دروازے کھول دیئے اور خزانوں کو سارے عالم میں لٹا دیا۔ صبح ظہور نے پہلی سانس لی اور نسیم عنایت محو خرام ہو گئی، عاشق سراب آب حیات کی لہروں میں کھو گیا کمر شوق باندھ کر شاہراہ طلب پر قدم صدق دھرا۔ پہلی بار اس کی چشم بصیرت وا ہوئی تو اس کی نگاہیں اچانک جمال محبوب پر پڑیں تو خود کو محبوب کا آئینہ اور محبوب کو اپنا آئینہ پایا۔

عشق مشاطہ ایست رنگ آمیز کہ حقیقت کند برنگ مجاز
تا بدام آورد دل محمود بطر ازد بشانہ زلف ایاز
(عشق وہ رنگ آمیز مشاطہ ہے جو حقیقت پر مجاز کا رنگ چڑھا دیتی ہے، اور ایاز کی زلفوں کو اس طرح سنوارتی ہے جو دل محمود کو لوٹ لیں)

مکتوب دیگر

حضرت شیخ نے ایک اور مکتوب میں محمد مرزا کے نام حقیقت جامعہ کی زبان میں تحریر فرمایا:
ہو الٰہی القیوم!

اے میرے مرزا! اور میرے جلال تو میری وحدانیت کی طلب میں ہے جبکہ تو اپنی اتانیت کو میری اتانیت کے ساتھ شریک کر رہا ہے یہ تو سراسر شرک جلی ہے خفی بھی نہیں، کیا تو میرے غلبے اور قوت سے نہیں ڈرتا اور میری فردانیت سے تجھے حیا نہیں آتی؟ اے مرحوم تو موہوم ہے اور میں معلوم، میں نور ہوں تو ظہور میں حق اور حقیقت ہوں تو مجاز اور طریقت۔ اگر تو یہ چاہے کہ تو تعظیم کرنے والا اور مطلقاً اس کی ذات کی عبادت کرنے والا بنے تو موہوم کو اٹھا رکھ اور معلوم کو قائم کر۔ اور اپنے قلب نسیم اور سر قدیم کے ساتھ پکار کہ کسی عیب و ریب کے بغیر ہر زمان و مکان میں وہ نہیں بلکہ میں ہوں، اور میں نہیں صرف وہ ہے، جب دوئی اٹھ گئی تو تم نے عین کو پالیا۔ اگر تو نے اس میں شک کو راہ دی تو تو مریض ہے۔ اگر تو نے تردید کیا تو تو معزول ہے اگر تو نے اپنے ایمان و یقین کے ساتھ قبول کر لیا تو منظور نظر گردانا جائے گا پس تو شک کرنے والوں اور رد کئے گئے لوگوں میں سے نہ بن۔ میں نے تجھے اپنی رحمت

کے پیش نظر جواب دے دیا لیکن تم میری عظمت سے غافل مت ہونا اور تجھ پر یہ لازم ہے کہ جو کچھ میں نے تجھے اتنا کیا اسے دھتکارے ہوئے انسانوں پر ظاہر نہ کرنا کیونکہ جو راندہ درگاہ ہو اور خالی کھوکھلا ہوتا ہے اور جس پر رحمت کی گئی ہو وہ واصل ہوتا ہے، اگر تو نے میری بات کو سمجھ لیا ہے تو تجھ پر میری رحمت اور سلامتی ہو۔ ایک اور خط میں حضرت شیخؒ نے لکھا:

اس خدائے کردگار کے نام سے شروع کرتا ہوں جو واحد اور احد ہے، مجھ سے حق اور شہنشاہ مطلق نے فرمایا اے میرے فرد! اور میری رضا! مجھے اپنی قوت و غلبے اور حسن و جمال کی قسم کہ میں احد ہوں مجھ سے وراء کچھ بھی نہیں، اور میں ہی وہ ہوں جو پردۂ خلق میں مخفی ہے، میں نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی ہی ذات سے اپنے ہی اندر اپنے شیون اور صفات ظاہر کئے اور مخلوقات کو پیدا کیا، میں ہی حق اور حقیقت ہوں، میں ہی ہر چیز کیلئے ذات اور ہر ذی روح کی حیات ہوں، خلق ساری کی ساری میری قدر ہے اور مخلوق میرا امر، جو میرے ساتھ بقا چاہتا ہے وہ میری جلا (۱) کا طالب بنے اور مجھے میرے ذکر لاہوتی کے ساتھ یاد کرے نہ کہ ذکر جبروتی و ملکوتی کے ساتھ وھو لاھو الاھو جس نے میرے کلام کو سمجھ لیا اس پر رحمت و سلامتی ہو۔ ایک اور مرتبہ حضرت شیخؒ نے تحریر فرمایا:

وہ بے کیف ہے اور تمام کیف اس کی بے کیفی سے ظہور میں آئے ہیں، وہ بے نمون ہے اور تمام نمون اس کی نمونی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان بلند ہمتوں کی غایت اور ان بلند مرتبوں کی نہایت مزاحمت اغیار کے باوجود اسرار و بوطن میں رہتے ہوئے رفیع الشان ذات کی سرمدی احدیت ہے، چونکہ کثرت کو ذات مقدس میں کوئی راہ نہیں اس لئے حضرت احدیت تک رسائی پانا احدیت طریق کے بغیر ممکن نہیں اور احدیت طریق سے مراد کثرت اعیانہ کا وحدت صراط مستقیم میں ختم کردینا ہے اور یہی انبیاء و رسل اور کامل اولیاء کا راستہ ہے، اور نماز پڑھنے والے بھی اپنی نماز کی

(۱) ذات میں ذات کے لئے ذات کے ظہور کو جلا کہتے ہیں۔

ابتداء میں اھدنا الصراط المستقیم سے یہی راستہ طلب کرتے ہیں۔ سید الطائفہ جنید قدس سرہ فرماتے ہیں، توحید ایک ایسا معنی ہے کہ جس میں رسوم کمزور پڑ جاتے ہیں اور علوم اس میں ضم ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ دیا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ازل میں تھا اور بندہ بھی ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ہونے سے قبل تھا۔

دیدہ و ر شو بحسن لم یزلی کوز غیرت بسوز معتزلی
چہرہ آفتاب خود فاش است بے نصیبی نصیب فحاش است
(حسن ابدی کے دیدہ و ر بنو اور چشم غیرت کو جلا دو۔ آفتاب کا چہرہ تو خود بے نقاب ہے مگر کیا کیا جائے چمکاؤ کی قسمت ہی میں بے نصیبی رقم ہے)
حضرت شیخ نے شیخ عبدالحفیظ جو ان کے خاص دوستوں میں سے تھے، کے نام حسب ذیل مکتوب صادر فرمایا:

یہ سمجھ لیجئے کہ آپ دریائے نور کا ایک بلبند ہیں جو جب پھٹتا ہے اور اس سے تود کھٹتا ہے تو خود کو اسی نور کا دریا پاتا ہے اور اسی تصور کو گویا تود کی توجہ اور قصد کے ساتھ اپنے اوپر لاگو کرتا ہے، چونکہ قصد و توجہ حالات قلبی کو باقی رکھنے میں کافی موثر ثابت ہوتے ہیں لہذا جب قصد نوٹ جاتا ہے اور غیر کا خطر و راہ پالیتا ہے تو فوراً اس خیال کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے کہ تعرف الاشیاء باضداد با اور اس نور میں اسم ذات اسم مشکلم کے ساتھ صبح و شام مسلسل و متواتر تہا و تار یک مقام میں اس حیثیت سے موجود رہتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ اور دوسری تمام چیزوں سے بے خبر ہوتا ہے اور اس کے دل کے باب کھل جاتے ہیں تو وہ تمام فرشتوں اور پیغمبروں کو عالم بیداری میں دیکھتا ہے اور ان سے عظیم فوائد کا استفادہ کرتا ہے، یہ فضل خداوندی ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے!۔

چشم دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید
مین دریا گشت چوں بیدار شد چشم حباب

(جب دل کی آنکھ کھلی تو محبوب کو اپنے اندر موجود پایا اور بلند جب پہنچا تو عین دریا ہو گیا)

ایک بار شیخ عبدالحفیظؒ نے حدیث قدسی ”قف یا محمد فان اللہ یصلیٰ جو کہ قصہٴ معراج میں موجود ہے کے بارے میں استفسار کیا حضرت شیخؒ نے جواباً تحریر فرمایا:

میری ناقص رائے میں یہی آتا ہے کہ جب اس قاف معرفت کے سیرغ نے عالم خلق (۱) و امر کی فضا میں پرواز کی تو عالم کون و امکان کی آخری سرحد پر جا پہنچا آگے اسے حضرت الہی کے عالم کی دل بھادینے والی فضا دکھائی دی۔ اپنے عزم کی پوری بلندی اور قوت سے اس نے اس فضا میں پرواز کرنا چاہی کہ اسی لمحے خطاب الہی ان کے کانوں میں گونجا، قف یا محمد یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم امر کے اس آخری نقطے پر ٹھہر جائیے یہ مقام عبودیت ہے جس میں مشاہدہ رب ہوتا ہے۔ فان اللہ یصلیٰ یعنی وہ تیرے ذریعے دونوں جہانوں کو نبوت و رسالت کی رحمتوں سے نوازنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ رسول خدا اس برزخ میں ٹھہریں تاکہ بارگاہ الہیہ سے معارف و احکام کا استفادہ کر کے عالم خلق و امر (۲) پر مطلع ہوں، تو نے میری چاہت کی جو پاسداری کی وہ تیری اپنی مراد کی پاسداری سے کہیں بڑھ کر میری رحمت کو تیری طرف متوجہ کرتی ہے۔

ارید وصالہ ویرید ہجری

فاثرک ما ارید لما یرید

(میں اس کے وصل کا طلبگار ہوں اور وہ میری جدائی پر آمادہ! اس لئے میں اس کی چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کرتا ہوں)

فانی فی الوصول عبیدۃ نفسی

وفی الہجران مولیٰ للموالی

(۱) عالم خلق وہ عالم جو مادہ سے پیدا کیا گیا ہے۔

(۲) عالم امر وہ عالم جو باعدت و مادہ حق تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آیا ہو۔

(میں وصال میں اپنے نفس کا بندہ ہوتا ہوں جبکہ ہجر میں سرداروں کا سردار)

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبے اور علو شان کے پیش نظر موزوں ترین بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس برزخ میں عالم الہی کی فضا میں پرواز کرنے کے بعد واپس آئے، تو ان سے مذکورہ خطاب کیا گیا اس کے علاوہ اس حدیث کے کئی اور دروازے کا معانی بھی بعض متاخر صوفیاء کے مقلدین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق بیان کئے ہیں۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جب وہ شہباز بلند پرواز کثرت اسماء و صفات کی فضا کو طے کر گیا تو مقصورۃ برزخیہ کبریٰ جو مراتب تعینات میں سے پہلا اور حقیقت محمدیہ کے نام سے موسوم ہے پر دم لیا، اس کے بعد اس نے چاہا کہ آگے بڑھ کر حقیقت ذات مجرد کے عالم میں پرواز کرے تو اس سے خطاب کیا گیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس برزخیت کبریٰ میں ٹھہر جائیے جو عارفین کے مقامات کی انتہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ پڑھ رہا ہے یعنی وہ اس مرتبہ بلند اور قربتوں کی انتہائی منزلوں میں اپنے کامل بندوں پر رحمت فرما رہا ہے یا ٹھہر جانے کا حکم دے کر ان پر رحمت بھیجتا ہے کیونکہ اس مقام سے ماوراء جانے کا شوق محض تضییع اوقات ہے اور یہ آگے جانے کی طلب ایک ایسی شی کی طلب ہے جس کا حصول ناممکن ہے یا فان اللہ یصلی کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی عبادت کر رہا ہے یعنی اپنے کلمات ذاتیہ کی ثنا کر رہا ہے اور ان کی طرف متوجہ اور کائنات سے بے نیاز ہے اس کے حریم ذات اور غزوات و جلال کی جانب سعی کرنے کا کوئی مقام ہی نہیں۔

تعالیٰ العشق عن همم الرجال ومن وصف التفرق والوصال
متی ما جل شی عن خیال بحل عن الاحاطة والمثال
(عشق لوگوں کے ارادوں سے بالا ہے اور ہجر و وصال سے بھی میرا جب کوئی چیز خیال میں نہ آ سکے تو وہ احاطہ و مثال سے بھی آزاد ہوتی ہے)۔

ایک اور مرتبہ شیخ عبدالخنیفؒ نے محققین کے قول شرط الولیٰ ان یکون محفوظاً اور حضرت جنیدؒ دس سرہ سے جو سوال کیا گیا کہ کیا عارف سے زنا سرزد ہو سکتا ہے؟

تو انھوں نے کچھ دیر سر جھکائے رکھا اور پھر فرمایا و کسان امر اللہ قدراً مقدوراً
میں موافقت اور مطابقت کے متعلق استفسار کیا تو حضرت شیخ نے یہ جواب لکھا:

دونوں قول، حضرات ثقہ اور اکابر کے صحیح اور متفقہ ہیں ان میں باہم کوئی مخالفت نہیں ہے کیونکہ
ولایت تین قسم کی ہوتی ہے ایک ولایت ایمانی، دوسرے ولایت غیر فانی تیسرے ولایت احسانی، دلی
ولایت ایمانی و عرفانی کی وجہ سے کبیرہ گناہ سے محفوظ نہیں ہوتا، چہ جائیکہ گناہ صغیرہ سے محفوظ ہو۔ البتہ
ولایت احسانی پر پہنچ کر مطلقاً گناہ کبیرہ سے اور دانستہ گناہ صغیرہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

بنائے طریقہ رضائیہ

آپ کے خط مبارک سے منقول ہے کہ طریقہ قدسیہ رضائیہ کی بنیاد ان دس کلمات پر ہے
(۱) تنزیہ مقصود (۲) تفرید ہمت (۳) تجرید توحید (۴) مطالعہ جمال (بحاظ انفس و آفاق
و اطلاق) (۵) فنائے لا ہوتی (۶) بقائے باہوتی (۷) ذکر اجتماعی (۸) جہر و اخفاء کے درمیان جمع
(۹) صمد الاصفیاء (۱۰) ابتداء و انتہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف، بعض مسودات
میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر کے سلسلے میں آپ کے خط مبارک سے منقول کہ باک تعلق مقدر عام
یعنی وجود سے ہے اور اسم سے مراد تجلی ذات ہے، صفات میں سے کسی صفت کے ذریعہ، اور اللہ
ذات واجب الوجود کا علم ہے جو منصفہ موجود ہو اور تمام صفات کمال کی جامع ہو ہر قسم کے نقصان
سے پاک ہو۔ الرحمن الرحیم دونوں اسم لفظ رحمت سے ماخوذ ہیں تفصل و احسان کے معنی میں ہیں۔
اول یعنی رحمن بلحاظ فیض اقدس کے ہے جس کی بدولت صور عظیمہ یعنی حقائق و مابیات مع اپنی
استعداد کے حصول پذیر ہوتی ہیں اور دوسرا یعنی رحیم اس فیض مقدس کے اعتبار سے ہے جس کی
بدولت مابیات خارجیہ مدعا اپنے لوازم و توابع کے حاصل ہوتی ہیں اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ
حقائق و مابیات کی فیض رسائی، اولاد درجہ علیہ میں فرماتے ہیں اور پھر اس کے بعد اپنے وجود خارجی
کا فیضان فرماتے ہیں، لہذا رحمن و رحیم دونوں لفظ اسم کی صفتیں ہوں یا دونوں اس کا بدل یا عطف
بیان ہیں یا ہو مبتدائے مقدر کی یہ دونوں خبریں ہیں جس کا مرجع لفظ اسم ہے اور یا یہ دونوں رحمن
رحیم لفظ اعنی مقدر کے مفعول ہوں گے جو بیان کا فائدہ دیں گے۔ اور لفظ اللہ کے متعلقات میں یہ
دونوں اسم نہیں ہوں گے کیونکہ رحمن و رحیم علیحدہ ذات نہیں ہیں اور معنی یہ ہوئے کہ ہر چیز کا وجود

ظہور ذات الوجود کا ظہیل ہے۔

تفسیر فاتحہ

الحمد للہ کی تفسیر کے سلسلہ میں تحریر ہے کہ حامدیت و محمودیت، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔ چنانچہ مرتبہ جمع الجمع میں اللہ نے اپنے کمالات نفس اپنی ذات پر، مرتبہ غیب و معانی میں تجلی اول و ثانی کے ساتھ ظاہر فرمائے۔ اور شکون و اعتبارات اولیٰ اور حقائق الہیہ کو نبیہ ظاہر فرمائے ہیں اور بہر حال مرتبہ جمع فرق میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فیض مقدس کے ذریعہ اپنے نور وجود کے فیضان سے حقائق پران کی موجودہ استعدادات اور ذیلی کمالات کو ظاہر فرمایا ہے اور بہر حال مرتبہ ”فرق جمع“ میں موجودات روحانیہ، مثالیہ، حسیہ، اللہ تعالیٰ کے کمالات ذات و صفات و افعال کو قولاً فعلیٰ حالاً ہر طرح ظاہر کرتی ہیں اور بہر حال مرتبہ فرق در فرق میں تمام مظاہر خلقیہ اور مواقع کو نبیہ بھی اگرچہ قولاً فعلیٰ حالاً بحسب اظہار اپنے کمالات ظاہر کرتے ہیں لیکن درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنی تعریف فرما رہے ہیں۔ نیز جمال ہانسوی کے کلمات مرقوم ہیں کہ اغیار کی عقلیں، اغیار کے احوال میں گم ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ ابرار کی عقلیں اغیار کے اسرار میں گم ہیں اور اغیار کی عقلیں احرار کے اسرار میں گم ہیں۔

نیز مرقوم ہے کہ وجود کے یہ معنی ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وجدان تمہاری ذات میں متجلی ہو جائے اور تم نیست اور وہ ہست ہو جائے پس بندہ پہلے کی طرح نیست اور حق ہمیشہ کی طرح ہست رہے۔ نیز مرقوم ہے کہ فقیر کہتا ہے تو حید تفرید لطیف کا نام ہے جس میں امور نسبیہ اور اضافیہ کی انانیت نہ ہو۔ نیز لکھا ہے کہ محققین فرماتے ہیں کہ بجز نام ہے اہل نہایات کی انتہا کا اور ترقی غایات کی غایت کا کہ کسی کامل کے لئے اس سے زیادہ پستی نہ ہو اور اس کے کسی مکمل کے لئے بلندی نہ ہو اور وہ بجز مذموم نہ ہو جس کی طرف مجتہدین کا ذہن جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایسے انتہائے کمال کا نام ہے۔ جو مقام حضوری میں ادراک ازلی حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے اور وہ مقام ادنیٰ ہے۔ لیکن اس ادراک کی رسائی کا بجز محقق ہو گیا چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ادراک کی نارسائی ادراک ہے نیز مرقوم ہے کہ کمال مطلق ولی کا وہ مقام ہے جس میں اسے حقائق اشیاء تمام و کمال عنایت کی جاتی ہیں لہذا وہ آن واحد میں تمام صفات ربوبیت اور اوصاف

عبودیت کے ساتھ متصف رہتا ہے۔ نیز مرقوم ہے کہ فنا لازم بشریت کے فقدان کو کہتے ہیں خواہ ان کے علم کا ذہول ہو یا ان کے انعدام کا علم ہو یا حال حقیقی ہو اور فنا کے نو مراتب ہیں اول ذہول یعنی اہل حجاب کو ذکر حق میں مستغرق ہونے کے وقت، اور اہل کشف کو انوار جمال کے بروز ہونے پر اپنے نفس کا شعور نہیں رہتا۔ دوسرے ذہات یعنی افعال حق کے مشاہدہ میں بندہ کے افعال کا اس طرح ختم ہو جانا جیسے قلم کی حرکت ہاتھ میں گم ہو جاتی ہے۔ اس سے ترقی کر کے تیسرا درجہ سلب ہے کہ صفات حق کے سامنے صفات خلق ناپید ہو جائیں چوتھے اصطلاح ہے کہ ذات حق کے سامنے بندہ اپنی ذات کو فنا سمجھے۔ پانچویں انعدام یعنی فنا الفناء کا مرتبہ ہے جس میں فنایت کا احساس بھی نہ رہے۔ چھٹے مستحق ہے یعنی نفس کی اچھائی ختم کر کے بلا تا مل صفات الہیہ قبول کر لے جس طرح اپنے نفس کی صفات قبول کر رکھی تھیں۔ تحقیق باللہ کا یہ پہلا مقام ہے۔ ساتواں مرتبہ حق ہے جس میں بندہ کی جسمانی و روحانی حدود ختم ہو جاتی ہے، آٹھویں طمس ہے یعنی انسانی طبعی اور عاداتی تقاضے خواہ ظاہری ہوں یا باطنی سب ختم ہو جائیں کہ انتہائی بھوک اور دانی بیداری وغیرہ بھی اس کو متاثر نہ کر سکیں۔ نواں درجہ محو ہے یعنی آثار حقیقیہ ظاہر ہو جانے سے تمام آثار خلقیہ مٹ جائیں، ان میں سے پہلے پانچ مراتب اہل فنا کے لئے مخصوص ہیں اور آخری چار اہل بقا کے لئے مختص ہیں اور بقا وہ صفت الہیہ ہے کہ بندے فنا کے بعد اس سے متصف ہو سکتا ہے۔

فرائض ولایت کبریٰ

حضرت موسیٰ نے رسالہ اصول الولایۃ میں بسلسلہ تفسیر آیت کریمہ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ تحریر فرمایا ہے کہ ولایت کبریٰ کے فرائض چھ ہیں۔ بالترتیب چار شرائط ہیں۔ اول دلی تصدیق اور زبانی اقرار کے ذریعہ ایمان دوسرے مامورات کے اکتساب اور ممنوعات کے اجتناب کے ذریعہ تقویٰ تیسرے شیخ طریقت کی طلب جس کو وسیلہ کہنا چاہئے کہ وصول دوست کی راہ اس سے عیاں ہو جاتی ہے۔ چوتھے جہاد ارشاد، انانیت کے فنا کرنے اور اثبات نبوت کے لئے۔ خود سے رستگاری دور کرو اور بقائے شہود دوست میں گرفتار ہو جاؤ کہ فلاح یہی ہے اور ولایت کبریٰ اسی کو کہتے ہیں۔

تر بیت سالک

اسی رسالے میں لکھتے کہ مرید صادق جب خلوت میں جائے تو اول اپنی خودی سے نکل کر غسل کامل کرے۔ اور مصلیٰ اور پاک کپڑا ہونا چاہئے جو پاکیزگی کی خدمت کے لائق ہو اور توجہ الہی کے ساتھ دوگانہ توبہ ادا کرے۔ اور خالق و مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کو اپنی نجات سمجھے۔ تضرع و زاری کے ساتھ ٹوشہ نشین ہو جائے، جمعہ و جماعت کا تکبیر تحریمہ کے ساتھ اہتمام رکھے اور نماز سے فراغت کے بعد پھر خلوت گزریں ہو جائے۔ اور میل جول سے پرہیز رکھے۔ اور ادھر ادھر نہ دیکھتا رہے اور مخلوق سے نظر اٹھالے اور لذت نفس سے دامن کش ہو جائے۔ آمد و رفت کے وقت بھی غافل نہ رہے۔ اس شان کی اگر خلوت نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ذکر و مراقبہ اور ہمیشہ با وضو رہے اور شکستگی کو مضبوط تھام لے اور سستی سے خود کو نوافل و تلاوت، درود و استغفار سے فارغ نہ رہنے دے، اگر کسی وقت کسل ہونے لگے تو تازہ وضو سے تازہ دم ہو جائے اور کسی وقت غلبہ ہونے لگے تو سو جائے تاکہ دوسوہ میں گرفتار ہو کر معصیت میں مبتلا نہ ہو جائے، دن رات کے تہائی حصہ میں سونا چاہئے تاکہ جسم اضطراب سے محفوظ رہے۔ چھ گھنٹے رات میں اور دو گھنٹے دن میں سونا چاہئے اور دن رات کی کمی بیشی کے حساب سے یہ مقدار پوری کر لینی چاہئے سونے کی تہائی مقدار کو آہستہ آہستہ کم کرتا چلا جائے اور غروب آفتاب سے پہلے کامل طہارت کے ساتھ مصلیٰ پر رو بہ قبلہ ذکر و مراقبوں میں رہ کر نماز مغرب کا انتظار کرے۔ اور مغرب و عشاء کے درمیان ذکر، نماز و مراقبہ مسلسل رکھے قلب کی نورانیت کے لئے یہ نہایت موثر ہے صبح ہونے کے بعد یہ چاروں دعائیں پڑھنی چاہئیں تاکہ دنیا میں مستغرق ہونے سے اور نفس و شیطان کے شر سے محفوظ رہ سکے۔

(۱) اللھم یا رب انت الہ عالم وانا
عبد جاہل اسئلک ان ترزقنی
علما نافعا حتی اعبد بعلمک والا
ہلکت۔

اے اللہ اے پروردگار آپ الہ عالم ہیں اور
جاہل بندہ ہوں میں، آپ سے علم نافع کی
استدعا کرتا ہوں تاکہ آپ کی عبادت آپ علم
کے مطابق کر سکوں ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا۔

(۲) یا رب انت الہ قوی وانا عبد
ضعیف اسئلک ان تحفظنی حتی
لا اسأل من سواک کفاف الدنیا
والا ہلکت۔

اے پروردگار آپ الہ قوی ہیں اور میں

ضعیف بندہ ہوں میں آپ سے اپنی
حفاظت کی استدعا کرتا ہوں تاکہ میں آپ
کے سوا کسی سے دنیا کی روزی نہ مانگوں
ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا۔

اے پروردگار آپ الہ قادر ہیں اور میں
عاجز بندہ ہوں میں آپ سے استدعا کرتا ہوں
ہوں تاکہ آپ کی طاقت سے شیطان پر
غالب آسکوں ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا۔

(۳) یا رب انت الہ قوی وانا عبد
ضعیف اسئلک ان تعینی حتی
اغلب الشیطان بقوتک الا
ہلکت۔

(۴) یا رب انت الہ قادر، وانا عبد
عاجز اسئلک ان تجعلنی فاهرا
علی نفسی حتی افہرہا بقدرتک
والا ہلکت۔

اس کے بعد دو رکعت سنت الفجر گھر میں پڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو
شخص سنت اور نماز فجر کے درمیان اکتالیس مرتبہ یا قیوم یا حنان یا منان بدیع السموات
والارض یا ذا الجلال والا کرام لا الہ الا انت اسئلک ان تحیی قلبی بنور
معرفتک یا اللہ یا اللہ یا اللہ پڑھے گا تو سارے دل بھی اگر مر جائیں تو اس کا دن زندہ
رہے گا اور ایمان سلامت رہے گا۔ اور جماعت نماز کی نیت سے جب گھرت باہر اٹھے تو بسم
اللہ وبالله والی اللہ والتکلیل علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے اور جب
مسجد کے قریب پہنچے تو پڑھے اللھم عبدک بسابک مذنبک اتوجہ الیک ممن
سواک یتستغفرک ویتطلب رضائک ان لم تفتح ابواب فضلک فای باب
سوا باب۔ الہی آپ کا یہ بندہ آپ کے در پر آیا ہے اپنے گناہوں کے ساتھ در پر حاضر ہے سب
سے کٹ کر آیا ہے آپ سے استغفار کرتا ہے آپ کی رضا کا طالب ہے، آپ نے اپنے فضل کے

دردازے نہ کھولے تو پھر کونسا دروازہ ہے، دہا پنا پاؤں مسجد میں رکھتے ہوئے کہے بسم اللہ والحمد لله والصلوة والسلام علی رسول اللہ، اور مسجد میں داخل ہو کر اعوذ باللہ العظیم وبوجہہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم پڑھے تو شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا اور مسجد کے اندر پہنچ کر سلام کرے اور اگر مسجد میں کوئی نہ ہو یا نماز میں مشغول ہوں تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہے۔ ادائے نماز کے بعد اپنی جگہ بیٹھ کر رو بہ قبلہ ذکر و مراقبہ میں پوری طرح مشغول ہو جائے ایسے میں سونا نہایت ہی کمزور ہے اگر نیند کا غلبہ ہو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ذکر سے اس کو دفع کر دے۔ جب سورج ایک دو نیزہ بلند ہو جائے تو دو گانہ بہ نیت شکر ادا کرے۔ اس کے بعد مسجد میں یا کسی اور جگہ خلوت میں ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو جائے اور چوتھائی دن گزر جائے تو چار رکعت نماز چاشت ادا کرے اور اگر تعلیم و تعلم یا اور کوئی ضروری ہو کام تو بقدر ضرورت اس میں مشغول ہو جائے ورنہ تازہ وضو کر کے ذکر و مراقبہ کرے کھانا اگر موجود ہو تو کھالے اور کھاتے وقت زبان ذکر اور دل حاضر رہنا چاہئے، اس کے بعد وضو تازہ کر کے ذکر کے ساتھ قیلولہ کرے اور زوال آفتاب سے پہلے بیداری کو غیامت سمجھے اور زوال کے وقت طہارت کاملہ کے ساتھ قبلہ رو مصلیٰ پر ڈاکر و مراقبہ ہو جائے اور پھر زوال کے بعد چار رکعت نماز زوال پڑھے اور بعد نماز ظہر اگر کوئی ضروری کام، زیارت یا عبادت یا عیال کی تعلیم و پرورش احوال کا ہو بقدر ضرورت اس میں مشغول ہو جائے اور فوراً فراغت کے بعد استغفار کرے کہ نیکیوں کی نیکیاں بھی مقررین کے نزدیک کوتاہیاں شمار ہوتی ہیں تکمیل طہارت کے بعد نماز عصر کی تیاری کرے اور نماز عصر کے بعد ذکر و مراقبہ میں مصروف رہے۔

اند کے ماندہ خوبہ غرہ ہنوز

عمر برف ست آفتاب تموز

اے خوبہ رات آنے میں تموزی دیر رہ گئی ہے

عمر برف کی طرح ہے دھوپ اسکو پگھلا رہی ہے

تعلیم کن دگر ت بدیں دسترس

دل گفت مراظم لدنی ہوس

تعلیم کرو دگر تمہیں اس پر دسترس ہے

مرے دل کوظم لدنی کی ہوس ہے

در خانہ اگر کسے ست یک حرف بس

گفت کہ الف گفت ذکر یحییٰ مو

گھر میں اگر کوئی آدمی ہے تو اس کیلئے ایک حرف کافی ہے۔

میں نے کہا الف کہنے لگا کہ ذکر کچھ مت کرو

شیخ ابوالرضاؒ کا سفر آخرت

شیخ محمد مظہر دہلویؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موصوف اوائل عمر میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر پچاس ساٹھ کے درمیان ہوگی آپ کی عمر پچاس سے اوپر ہوگئی تو مجھے ہمیشہ اس کا خطرہ ہونے لگا۔ جب پچپن سال کی عمر ہوئی تو مجھے کسی تقریب کے لئے رہنک جانا پڑ گیا رخصت کے وقت میں نے اس بارہ میں دریافت کیا تو مسکرا کر اس معاملہ سے پہلو تہی کر لی اور فرمایا کہ تمہیں اپنے وطن چلے جانا چاہئے اور اس خطرہ کی فکر نہ کرو۔ بالآخر موصوف کی بات پوری ہو کر رہی گلشن شاعر سے میں نے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ حضرت موصوف کی حیات میں ایک روز شیخ عبدالاحدؒ آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائے میں بھی شیخ کے ہمراہ تھا شیخ جب اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ خلاف عادت چارپائی پر تشریف فرما ہیں اور اہل مجلس پائنتی حاضر خدمت ہیں شیخ کو جب دیکھا تو مسکرائے اور بشارت کے ساتھ ملاقات کی اور اپنی چارپائی پر بٹھالیا کچھ دیر صحبت رہی مگر کوئی بات چیت نہیں ہوئی معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا دل سب علاقے سے یکسو ہو گیا اور کمال وارفتگی میں بات چیت کی طرف دھیان نہیں تھا۔ شیخ وہاں سے اٹھ گئے اور چونکہ حضرت موصوف کے اہل خانہ سے شیخ کی قربت تھی اس لئے حضرت ان کو اندر لے گئے اور اسی طرح بغیر گفتگو کے ایک گھنٹہ صحبت رہی پھر موذن نے مغرب کی اذان پڑھی تو شیخ فخر العالم صاحبزادہؒ نے عرض کیا کہ اذان ہوگئی باہر چلنا چاہئے۔ اس پر حضرت موصوف نے یہ نکتہ فرمایا۔ کہ بابا ابھی تک اندر باہر کا فرق باقی ہے اور یہ فرمانا کہ باہر تشریف لے آئے اور مسجد میں نماز ادا کی شیخ عبدالاحدؒ اس صحبت کے بعد فرمانے لگے کہ حضرت موصوف اس ہیئت سے بیٹھنے پر ماسور تھے اور گویا وفات قریب آچکی تھی اور رفیق اعلیٰ کی طرف سے بلا و اغالب آگیا تھا اور کچھ دیر کے بعد حضرت کی رحلت ہوگئی مریدین کی ایک جماعت نے ذکر کیا کہ حضرت موصوف کچھ ست ہو رہے تھے اور دو تین روز سے کھانے کی رغبت نہیں رہی تھی اور دل مبارک میں بے تعلقی ظاہر ہو رہی تھی کسی طرف دھیان نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد نماز عصر کے لئے مسجد میں جانا چاہا تو اہل خانہ سے رخصت ہوئے اور نماز عصر کے خولہ نقشبندؒ کی

مقامات طلب فرما کر کچھ حصہ پڑھا۔ مریدین میں سے کسی نے پان پیش کیا۔ ایک دو مرتبہ اس کو چبایا اور خندان اور فرحان ہوتے ہوئے پہلو میں تکیہ لگا لیا اسی حال میں حضرت موصوف کی روح پرواز کر گئی۔ اس وقت مخدومنا سید حضرت شیخ عبدالرحیم قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ مریدین ان کو لانے کے لئے دوڑے اور بعض کو یہ گمان ہوا کہ غشی ہو گئی ہے۔ ان کو اٹھا کر زمان خانہ کے دروازہ کی طرف چلے، اسی حال میں شیخ عبدالرحیم دریافت حال کرنے لگے دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی یہ واقعہ ۱۷ محرم الحرام ۱۱۱۱ھ کو پیش آیا بعض یاران طریقت نے آفتاب حقیقت سے تاریخ نکالی ہے رضی اللہ عنہ وارضاه و جعل اعلیٰ الفردوس مثواہ جو کچھ ہم نے حضرت مخدومنا سیدنا الشیخ ابوالرضا محمد کے احوال کرامت مآل کو جمع و تالیف کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ اختتام پذیر ہوا واللہ اس کے بعد انشاء اللہ تیسری قسم ہے۔

شاہ ولی اللہ کے اجداد اور مشائخ کے حالات

اس فقیر کی نسبت قرابت یا تلمذ کی جن سے ہے وہ پانچ فصل پر مشتمل ہے۔ الحمد للہ الذی بنعمته تتم الصالحات و علی فضله العول فی جمیع الحالات و بسم اللہ الرحمن الرحیم و صلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

اما بعد فقیر ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم کان اللہ لہما فی الآخرة و الاولیٰ۔ کہتا ہے کہ یہ چند ورق اس فقیر کے اجداد کے بعض احوال کے بیان میں ہیں اور امدانی آثار الاجداد کے نام سے موسوم ہیں حسبنا اللہ و نعم الوکیل مخفی نہ رہے کہ اس فقیر کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اس تفصیل کے ساتھ فقیر ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم.... بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی بن قادن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہر یار بن عثمان بن حامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و عنہم اجمعین۔ رہنک کے پرانے نسب ناموں میں اور شاہ ارزانی مداونی کے قبیلہ میں بھی جن کا نسب سالار حسام الدین بن شیر ملک تک پہنچتا ہے جو موجود ہیں ان میں بھی ایسے ہی پایا جاتا ہے اور قدیم زمانہ میں لفظ ملک تعظیم کے لئے ایسے ہی استعمال ہوتا تھا جیسے ہمارے زمانے میں خان کا لفظ ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مخفی نہ رہے کہ رہنک میں ہمارے اجداد میں سب سے پہلے شیخ شمس الدین مفتی نے اقامت اختیار کی۔ اور رہنک ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک قصبہ ہے، دلی سے تیس کوس مغربی جانب۔ شروع میں جب ہندوستان فتح ہوا اور سادات و قریش بڑی تعداد میں یہاں آباد ہوئے تو کوئی شہر ان اطراف میں رہنک سے زیادہ آباد اور بارونق نہیں تھا۔ زمانہ دراز کے بعد آبادی اور رونق میں کمی آنی شروع ہوئی اور یہ بزرگ عالم و عابد تھے اور اس شہر میں سب سے پہلے قریش زاد

یہی آئے تھے ان کی بدولت شعائر اسلامیہ ظاہر ہوئے۔ اور کفر کی طغیانی مدہم پڑی۔ منجملہ ان کے عجائب روزگار کے ایک بات بعض یہ ذکر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ ان کا جنازہ نماز کے بعد اس مسجد میں رکھا جائے جہاں وہ عبادت و اعتکاف کرتے تھے اور کچھ دیر اسے خالی چھوڑ دیا جائے پھر اس کے بعد اگر جنازہ پایا جائے تو اس کو دفن کر دیا جائے ورنہ لوگ واپس آجائیں۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا مگر کچھ دیر بعد دیکھا تو جنازہ کا نشان نہیں پایا گیا۔ حضرت والد بزرگوار قدس سرہ اس حکایت کی تائید فرمایا کرتے تھے۔ سلسلہ چشتیہ کے اس زمانہ کے بعض مشائخ کے احوال کی کتابوں میں میں نے یہ واقعہ دیکھا ہے کہ ہر چند ان بزرگ کا نام وہاں متعین نہیں ہے بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی معزز مسلمان اگر ایسے شہر میں پایا جاتا تو شہر کے قضا، احتساب افتاء کی سیادت اسی کے حوالہ ہو جاتی تھی بغیر اس کے کہ اس کو قاضی یا محتسب کے نام سے یاد کیا جائے واللہ اعلم۔ پھر ان بزرگ کی وفات کے بعد ان کی اہم ترین اولاد میں سے کمال الدین مفتی ہوئے ہیں اسی طرز پر یہ کام ان کے حوالے ہو گئے، پھر ان کے بعد ان کے صاحبزادے قطب الدین پھر ان کے صاحبزادے عبدالملک اسی طرح مقرر ہو گئے اور ان حضرات کے بعد پھر قاضی مقرر کرنا اس شہر کا دستور ہو گیا۔ عبدالملک کے صاحبزادہ قاضی بدو نے ریاست مورو شکی حفاظت کے لئے صیغہ قضاء کو اختیار کیا۔ ان کے دو فرزند ہوئے ایک قاضی قاسم کہ اپنے والد کے جانشین ہوئے ان کی وفات کے بعد اور دوسرے متکن جن کے لڑکے پونس نامی ہوئے اور قاضی کے بعد ان کے دو فرزند ہوئے، ایک قاضی قادن جو اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ رئیس شہر تھے بظاہر ان کا نام عبدالقادر یا قوام الدین ہوگا۔ بندوؤں کے بولنے میں بدل کر قادن ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ دوسرے فرزند کمال الدین ہیں ان کے بعد ان کے ایک فرزند نظام الدین نام کے ہوئے۔ اور قاضی قادن کے بعد ان کے دو فرزند ہوئے۔ شیخ محمود اور شیخ آدم جو بہائی خاں سے مشہور تھے۔ ان کی نسل سے شیخ محمود باقی تھے جو کہ اپنے خاندان میں بڑے سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے کسی وجہ سے منصب قضاء اختیار نہیں کیا بلکہ سلطنت کے کام میں مشغول ہو گئے اور زمانہ کے سرد گرم کو آزمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ انکی نانیہال صدیقین رہنک میں سے تھی ان کی شادی سادات سون پت کی دختر فریدہ سے ہوئی اور ان سے شیخ احمد متولد ہوئے شیخ احمد بچپن

میں رہتک سے نکل گئے اور شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالکحیم کے ساتھ نشو و نما پائی انھوں نے اپنی صاحبزادی سے شادی کر کے مدت تک ان کی تربیت فرمائی اس کے بعد رہتک آ کر بیرون قلعہ مکان تعمیر کیا جس میں اپنے اعموان اور خدمت گاروں کو اپنے ساتھ رکھا۔ شیخ احمد کے بعد ان کی اولاد میں بس دو فرزند رہے ایک شیخ منصور جو شجاعت علم وغیرہ صفات کے جامع تھے۔ انھوں نے پہلی شادی شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالغنی کی دختر سے کر لی تھی جو ان کے ماموں بھی تھے۔ ان سے دو فرزند شیخ معظم اور شیخ اعظم پیدا ہوئے۔ پھر اسی بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی کی جس سے شیخ عبدالغفور اور شیخ اسماعیل پیدا ہوئے۔ دوسرے شیخ حسین جو خوشحال اور صاحب حیثیت تھے انکے دو فرزند ہوئے محمد سلطان اور محمد مراد، حضرت والد بزرگوار نے محمد مراد کو دیکھا تھا اور ان کی طاقت، قوت کے عجائبات کا مشاہدہ کیا تھا۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ اسی سال کی عمر میں انھوں نے دینار (اشرفی) کو اپنے انگوٹھا اور انگشت شہادت سے مسل کر دو ہرا کر دیا تھا۔ وہ جب والد صاحب کو بچپن میں دیکھتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ اس لڑکے کو دیکھ کر مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے دادا شیخ معظم کے دیکھنے سے ہیبت معلوم ہوا کرتی تھی۔

ان اور ارق کی علت غائیہ یہ ہے کہ اس سے واقف ہونے والا ضروری نسب پر مطلع رہے جس کا صلہ رحمی سے تعلق ہو رسول اللہ کا ارشاد ہے۔

وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
تعلموا من انسابکم ما تصلون بہ
ارحاکم فان صلة الرحم محبة فی
الاهل مشراہ فی المال منشاء فی
الاثار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نسب کا وہ حصہ معلوم رکھو جس سے صلہ رحمی کر سکو کیونکہ صلہ رحمی سے رشتہ داروں میں محبت مال میں برکت اور اثرات میں مضبوطی آتی ہے۔

اس فقیر نے شیخ عبدالغنی مذکور کے پوتے سے سنا ہے کہ شیخ عالم و متقی تھے اکبر بادشاہ ان کی بڑی عزت کرتا تھا اور جب سے بادشاہ الحاد و زندقہ میں مبتلا ہوا تو ان کا باہمی رشتہ کلفت بھی ٹوٹ گیا اور دونوں طرف سے مکمل نفرت ہو گئی ایک مدت بعد بادشاہ کو چتوڑی مہم پیش آئی مسلسل افواج وہاں بھیجی جاتی رہی مگر فتح نہیں ہوئی۔

امام ناصر الدین کی روحانی امداد

اس ولایت میں امام ناصر الدین شہید بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما کے مزار کے معتکفین میں سے بعض نے بحالت بیداری دیکھا کہ ایک رئیس مع جماعت کے ہتھیار بند ہو کر آرہے ہیں اور ان کے ساتھ شمع بھی ہے وہ مزار کے قبہ میں داخل ہو گئے۔ خیال ہوا کہ شاید مسافر ہوں گے جو زیارت کے لئے آئے ہوں گے اتنے میں وہ رئیس مزار کے اندر داخل ہو گئے اور جماعت کے افراد بھی۔ کسی نے ان میں سے بعض سے پوچھا کہ یہ رئیس کون ہیں اور یہ جماعت کیسی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ امام ہیں اور اہل جماعت شہداء ہیں پوچھا کہ کہاں گئے تھے اور کیا کر کے آئے ہیں۔ کہنے لگے کہ فتح چتوڑ کے لئے گئے تھے چنانچہ فلاں وقت، فلاں برج کی طرف سے قلعہ فتح کر لیا۔ شیخ عبدالغنی نے جب اس عجیب واقعہ کی اطلاع پائی فتح کی خوشخبری اور بعینہ واقعہ کی تفصیل بادشاہ کو سنادی کچھ زمانے کے بعد ٹھیک اسی طریقہ پر چتوڑ فتح ہو گیا، بادشاہ نے بارہ گاؤں کا پروانہ مزار امام کے نام کر کے شیخ عبدالغنی کے حوالے کر دیا۔ خواجہ محمد باشم کشمی شیخ مجدد حضرت شیخ احمد سربندی قدس سرہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ میرے والد مدت سے شیخ عبدالغنی کی ملاقات کے خواہاں تھے جو سوئی پت کے ایک درویش تھے نہایت معمر اور بزرگ، ان سے ایک راز سننا چاہتے تھے جو انھیں معلوم ہوا تھا اور وہ راز یہ تھا کہ میرے پیر جو میرے نانا بھی ہوتے تھے، وفات کے قریب کہتے تھے کہ مجھے کسی شوریدہ کار درویش کے ساتھ اپنے پاس بلائیں تاکہ دو مجھے نسبت القاء اور مفاہرہ دے جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس معاملہ کی حقیقت کا راز زبان سے ظاہر کیا کہ محض اس بات کو سنتے ہی دوسرا درویش اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور میں حیران و پریشان وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔ حضرت والد شوق سے یہ بات ان سے سننا چاہتے تھے۔ ان کے دربار میں جا کر، کہ اچانک شیخ مذکور کو کسی کام سے سربند ہو کر جانا پڑا۔ جب وہ سربند پہنچے اور مراے میں فروکش ہوئے تو ہمارے والد بھی وہیں پہنچ گئے۔ معافکہ اور مجالست کے بعد خواستگار خلوت ہوئے اور اس سربستہ راز کے افشاء کی خواہش کی۔ شیخ نے اس کو بیان کیا۔ جب ہمارے والد شیخ کی خدمت سے باہر آئے۔ شیخ جمیل الدینؒ کے فاصل اور صاحب دل تھے ہمارے والد کے خلفاء میں سے تھے انھوں نے والد سے دریافت کیا کہ آپ نے اس بات کو پوچھا تھا، کہا ہاں یہ

معلوم کیا تھا کہ وہ کیا معاملہ تھا تو فرمایا کہ یہی بات جو ہم کہہ رہے ہیں اور جان ہمارا شرب ہے۔ یعنی یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ واحد حقیقی ہے جو کثرت کے عنوان سے نمودار ہوتا ہے لیکن اس درویش کو سادہ وحی ہوئی اور یہ راز اس کے کان میں پہنچا تو اس سے برداشت نہیں ہوا۔ اور جان کو دے بیٹھا۔ لیکن شیخ عبدالغنی چونکہ عالم اور صاحب تکمیل اور آشنا تھے یہ راز خانہ ظاہر ہونے پر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

حالات شیخ معظمؒ

شیخ معظمؒ انتہاء درجہ شجاعت وغیرہ سے متصف تھے ان کے واقعات عجیبہ اس بارہ میں بے شمار ہیں حضرت والد بزرگوار فرماتے تھے کہ شیخ منصورؒ کی کسی رلجہ سے لڑائی ہوئی لشکر کا میمنہ شیخ معظمؒ کے حوالہ کر دیا حالانکہ وہ اس وقت بارہ سال کے تھے، جنگ عظیم ہوئی اور دونوں جانب سے بہت لوگ مارے گئے۔ اس وقت کسی کہنے والے نے شیخ معظمؒ سے کہہ دیا کہ شیخ منصورؒ شہید ہو گئے اور ان کا لشکر شکست کھا گیا۔ ان کی رگ غیرت حرکت میں آئی انھوں نے کفار کے رئیس کا قصد کیا اور اس بارہ میں جو بھی آڑے آیا اس کو مار ڈالا یا زخمی کر کے بیکار کر دیا بڑی جدوجہد کے بعد رلجہ کے ہاتھی تک پہنچ گئے ان میں سے کسی سورمانے مقابلہ کرنا چاہا تو اس کے ایک وار میں دو کلڑے کر ڈالے اور اس کے اوپر کے دھڑ کو گھوڑے کے سموں سے روند ڈالا کافران پر ٹوٹ پڑے مگر رلجہ نے سب کو ڈانٹ کر روک دیا۔ اور کہنے لگا کہ اس قدر کمسنی میں جو اس قدر مردانگی اور بہادری دکھلا رہا ہو وہ تو عجائبات زمانہ میں سے ہے یہ کہہ کر شیخ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا اور بڑا اعزاز کیا اور ان کے اس طرح بھڑکنے کا سبب دریافت کیا، انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ میرے والد شہید ہو گئے ہیں اس لئے میں نے مقابلہ کرنے اور واپس نہ ہونے کی ٹھان لی تھی تاوقتیکہ کفار کے کمانڈر کو مار ڈالوں یا خود شہید ہو جاؤں۔ رلجہ نے کہا کسی نے غلط اطلاع دی ہے تمہارے والد زندہ ہیں اور ان کا نشان فلاں جگہ سے نظر آرہا۔ اور اسی وقت شیخ منصورؒ کے پاس رلجہ نے فرستادہ کو بھیجا کہ ہم اس بچہ کی وجہ سے صلح کرتے ہیں اور جو کچھ مسلمانوں نے مطالبہ رکھا اسے منظور کر کے رلجہ واپس ہو گیا۔ نیز حضرت موصوفؒ نے شیخ معظمؒ کے تعلقہ موضع شکوہ پور کے کسی بوڑھے دہقان سے سنا تھا کہ ایک مرتبہ تقریباً تیس ڈاکوؤں نے اس گاؤں کے مویشی لوٹ لئے اس وقت شیخ معظمؒ بھی وہاں موجود تھے مگر ان کی اولاد، بھائیوں اور چچا زاد بھائیوں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا، انھیں اس حادثے کی اطلاع اس وقت پہنچی جب کہ دسترخوان بچھ چکا تھا۔ شیخ معظمؒ نے کسی بے چینی یا عجلت کا مظاہرہ کئے بغیر حسب عادت کھانا کھایا، فراغت کے بعد ہاتھ

دھوئے اور کہا میرے ہتھیار اور میرا گھوڑا لاؤ۔ جب سوار ہونے لگے تو دیہاتی کسانوں کا ایک مسلح گروہ آگیا مگر انھوں نے سب کو واپس کر دیا اور کہا کہ میں بہت تیزی سے جاؤں گا تم میرے گھوڑے کی دوڑ کو نہ پہنچ پاؤ گے۔ مگر اس واقعے کے راوی کو جو گھوڑے کی دوڑ کے ساتھ بھاگ سکتا تھا، ساتھ لیا کہ وہ اپنی قوم کو اس جنگ کی تفصیل بتا سکے جو ڈاکوؤں اور ان کے درمیان واقع ہو۔ وہ دوڑے یہاں تک کہ ان ڈاکوؤں کو جالیا، اس وقت وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکے تھے غیرت انگیز کلمات سے جوش دلا کر انہیں میدان میں نکالائے اور کمال ہنرمندی سے ایک تیر سے دو آدمیوں کو مارنا شروع کیا، جب دو تین ایسے تیر انھوں نے دیکھے تو وہ بہت زیادہ مرعوب ہو گئے اور اپنی زندگی سے مایوس ہو کر انھوں نے فریاد و فغاں شروع کر دی کہ ہم تو پہ کرتے ہیں، ہمیں معاف کر دیجئے۔ شیخ معظمؒ نے کہا کہ تمہاری تو یہ یہی ہے کہ خود اپنے ہتھیار اتار دو اور تم میں سے ہر ایک دوسرے کے ہاتھ باندھے پھر اپنے ہتھیار اور گھوڑے لے کر اسی گاؤں میں واپس چلو، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے مذہب کے مطابق قسمیں کھائیں کہ وہ بارہ اس قصبے کی طرف بری نظر سے نہیں دیکھیں گے اور شیخ معظمؒ کی منشا کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

شیخ معظمؒ کی اولاد

شیخ معظمؒ کے سید نور الجبار سون پتی جو ایک عالی نسب سید تھے اور ان کے بزرگ علم و فضل سے آراستہ و پیراستہ تھے، ان کی صاحبزادی سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔

۱۔ شیخ جمالؒ

۲۔ شیخ فیروزؒ

۳۔ شیخ وجیہ الدینؒ

مختصر ذکر شیخ وجیہ الدینؒ

شیخ وجیہ الدین شجاعت و تقویٰ میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ حضرت والد قدس سرہ (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ روزانہ قرآن مجید کے دو پارے تلاوت کرتے اور یہاں تک کہ سفر، حضر، غم اور خوشی میں بھی اس معمول کو ترک نہیں کرتے تھے، بڑھاپے میں بینائی کم ہو جانے کے سبب جلی خط میں لکھا ہوا قرآن حکیم اپنے ساتھ رکھتے تھے

جسے وہ سفر میں بھی اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے، نیز والد ماجد فرماتے تھے کہ سارے لشکر کے کھیت میں گزرنے سے باوجود وہ اپنا گھوڑا کھیت میں نہیں ڈالتے تھے، اس لئے انہیں بعض اوقات جانے پہچانے راستے سے بھی ہٹ کر چلنا پڑتا تھا، والد گرامی نے فرمایا کہ ایک دفعہ کسی لڑائی میں شیخ وجیہ الدین کا ساز و سامان گم ہو گیا، کھانے پینے کا سامان بھی مبیانہ تھا۔ ایسے میں ان کے ساتھی تو زبردستی گاؤں کے مویشی لے کر کھا جاتے تھے مگر انھوں نے ایسی پرہیزگاری اختیار کی کہ دو تین فاقے ہو گئے۔ قوت باکل جاتی رہی تو رازق حقیقی جل شانہ کی رزاقیت نے اس صورت میں ظہور فرمایا کہ وہ اتنا قاجا بک سے زمین کرید رہے تھے جیسے عمو ماسوچ پجار کے وقت کیا جاتا ہے تو وہاں سے ان کی خوراک بھر چنے ملے چونکہ گری پڑی چیز کا کوئی مالک نہیں ہوتا اس لئے ان کو دھو کر صاف کیا اور ابال کر کھائے۔

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) خدام، ملازمین اور گھسیاروں وغیرہ کے ساتھ ایسی شفقت اور انصاف سے پیش آتے تھے کہ اس زمانے کے متقیوں سے بہت کم ایسا برتاؤ دیکھا گیا ہے۔

مزید آپ نے فرمایا کہ ایک سفر میں میرے والد نے کسی ولی کی ولایت کے بعض ایسے شاہد ملاحظہ کئے کہ انھوں نے اس سے بیعت کر لی اور اشغال صوفیا میں مصروف ہو گئے۔ کم سونی اور کم آمیزی کو اپنا شعار بنایا۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے ایسا کمال دکھایا کہ اس زمانے کے صوفیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ مظفر بھٹلی میرے والد ماجد اور عم بزرگوار کے متعلق ان کے والد شیخ وجیہ الدین کے ارتباط کو بیان کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ان کے فیوض اشغال صوفیا سے مستفید ہوتے ہوں گے اور یہ دونوں اس چشمہ شیریں سے میراب ہوئے ہوں گے۔

حضرت والد ماجد حضرت شیخ وجیہ الدین کی بہادری کی بہت سی حکایتیں بیان کرتے تھے، میں ان سے کچھ واقعات بیان کرتا ہوں تاکہ اہل خاندان کو اخلاق فاضلہ کے اکتساب کی تحریص و ترغیب ہو انصا الاعمال بالنیات۔

معمر کہ دہامونی

والد ماجد نے فرمایا کہ میری عمر چار برس کی تھی کہ میرے والد بزرگوار (شیخ وجیہ الدینؒ) سید حسین کی ہمراہی میں جو اپنے زمانے کا ایک مشہور بہادر شخص تھا اور جس کی بے خوف بہادری کی شہرت اس زمانے میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مالوہ کے علاقے میں قصبہ دہامونی کی طرف متوجہ ہوئے اتفاق سے میں بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھا، وہاں ایک کافر جو کہ اپنی بہادری اور شجاعت کی وجہ سے مشہور تھا، نے فساد برپا کر رکھا تھا، بڑی کوشش کے بعد وہ سید حسین کی ملاقات کے لئے آیا، دربان یہ چاہتے تھے کہ وہ ہتھیار لگائے بغیر مجلس میں حاضر ہو، وہ اس پر راضی نہ ہوا، بحث نے طول پکڑا تو اس کافر نے سید حسین کو یہ پیغام بھجوایا کہ آپ سپاہی ہیں اور آپ کے ساتھ ایک لشکر کثیر بھی موجود ہے آپ کو شرم نہیں آتی کہ ایک کبھی کو ہتھیار سمیت اپنی مجلس میں نہیں آنے دیتے۔ سید حسین اس بات سے متاثر ہوئے اور حکم دیا کہ کوئی شخص ان کے اسلحہ کو نہ روکے، فرمایا کہ اس کا ہشاش بشاش چہرہ آج بھی میرے تصور سے نہیں اترتا، وہ پان چباتے ہوئے اور بڑے ناز و انداز سے چل رہا تھا جیسے کسی شادی کی محفل میں آیا ہو، جب میرے والد بزرگوار نے اسے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص اس مجلس میں ہاتھ پائی کرے گا! انھوں نے جلدی سے اپنے خد متکا رکھ کر طلب کیا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا کہ اس بچے کو کسی بلند جگہ پر بٹھا دو تا کہ اس کا فساد سے اسے نقصان نہ پہنچے۔ جب وہ سلامی کی جگہ سے آگے بڑھنے لگا تو دربان نے اسے روکا اور کہا یہیں سے سلام کرو آگے مت بڑھو۔ اس نے دربان کی یہ بات سنی ان سنی کر دی اور کہا میں چاہتا ہوں کہ سید صاحب کے پاؤں کو بوسہ دوں تا کہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ جب بالکل قریب پہنچا تو اس نے سید حسینؒ پر تلوار کا وار کیا۔ سید حسینؒ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہو گئے اور پھر تلوار سید صاحب کے ہتھکے پر پڑی اور اسے کاٹ ڈالا۔ دوسری بار تلوار اٹھا کر پھر سید حسینؒ پر وار کرنے کا ارادہ کیا اسی لمحے میرے والد گرامی انتہائی غلٹ کے ساتھ اس تک پہنچے اور خنجر کے ایک ہی وار سے اسے جہنم رسید کیا۔ اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ فرماتے تھے کہ اسی علاقے میں ایک روز سید حسین کے ساتھ ایک جنگ میں (شیخ وجیہ الدینؒ) حاضر ہوئے، جب دونوں طرف صف آراستہ ہو گئیں تو کفار کے سردار نے تلوار گلے میں حائل کئے ہوئے گھوڑے پر سوار با آواز بلند کہا میں فلاں ہوں،

اس معرکے میں تنہا کھڑا ہوں چاہو تو مجھے قتل کر سکتے ہو مگر شرط بہادری تو یہ ہے کہ سید حسین اکیلے میرے مقابلے کو نکلیں، سید صاحب کی رگوں میں ہاشمی خون کھول اٹھا، اپنے گھوڑے کو صف سے باہر لے آئے اور اس کے ساتھ مقابلے میں مشغول ہو گئے۔ اس کافر نے چابک دستی کے ساتھ سید صاحب پر وار کر ڈالا جسے انھوں نے ڈھال پر روکا۔ تلوار ڈھال کی ایک طرف کو کاٹ کر دوسرے میں پھنس گئی۔ جب کافر نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ اپنی تلوار کو ڈھال میں سے کھینچا تو سید صاحب گھوڑے سے نیچے گر پڑے، کافر کو دیکھ کر سید صاحب کے سینے پر سوار ہو گیا اور انہیں ذبح کرنے کی کوشش کرنے لگا تو میرے والد بزرگوار اسی وقت ان کے پاس پہنچے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کافر سردار کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ جب وہاں سے اٹھے اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ گیا تو دشمنوں کی صف میں سے ایک اور سوار ہو بہو پہلے کی قصر پر آگے بڑھا اور با آواز بلند پکارا کہ میں مقتول کا بھائی ہوں۔ آپ کے سامنے اکیلا کھڑا ہوں، جو چاہے قتل کرے مگر شرط شجاعت یہ ہے کہ میرے بھائی کا قاتل میرے مقابلہ کو آئے، میرے والد بزرگوار اس کی طرف بڑھے اور چند واروں کے بعد اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک تیسرا سوار ویسی ہی شکل و صورت کا سامنے آیا اور اسی طرح دعوت مبارزت دی۔ میرے والد بزرگوار مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کافر نے ان کے دونوں بازوؤں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ارادہ کیا کہ انہیں زمین پر پٹخ دے یا اپنے گھوڑے پر کھینچ لے۔ انھوں نے مزاحمت کی آخر انہیں معلوم ہو گیا کہ کافر بہت طاقتور ہے تو دھوکہ دیتے ہوئے کہا، اے فلا نے، اس سردار کو پیچھے سے وار کرو! حالانکہ پیچھے کوئی بھی نہ تھا، کافر نے منہ پیچھے پھیرا تو اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، اتنے میں انھوں نے خود کو اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور خنجر کے ساتھ اسے بھی واصل جہنم کر دیا۔ اس مبارزت کے بعد کفار نے شکست اٹھائی اور لشکر اسلام مظفر و منصور ہو کر اپنی چھاؤنی میں آ گیا۔ اس واقعے کے تین دن بعد ایک ضعیف العمر عورت پوچھتے پوچھتے حضرت والا کے خیمہ تک پہنچی اور کہنے لگی کہ میں ان تینوں مقتولوں کی ماں ہوں، میں سمجھتی تھی کہ میرے بیٹوں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بہادر اور قوی ہے اس لئے ان کی بجائے تجھے اپنا بیٹا بناتی ہوں، میری آرزو یہ ہے کہ مجھے اپنی ماں سمجھتے ہوئے میری ہستی میں کچھ دن رہ جاؤ تاکہ تجھے جی بھر کے دیکھوں

اور اس طرح مقتولوں کے غم سے تسلی پاؤں۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میرے گھوڑے پر زین کس دو۔ آپ کے اقربا میں سے آپ کے بھائی مانع ہوئے اور کہنے لگے عجیب بات ہے کہ آپ جیسا عقلمند آدمی بھی ایسا اقدام کرے۔ حضرت شیخ وجیہ الدین نے ان لوگوں کے رونے کو کوئی اہمیت نہ دی تو انھوں نے جا کر سید حسین سے اس بات کا اظہار کیا۔ سید حسین فوراً ان کے خیمہ میں آئے اور انہیں انتہائی کوشش اور اصرار کے ساتھ اس بڑھیا کی ہستی کی طرف جانے سے روکا۔ جب کوئی چارہ نظر نہ آیا تو اس بڑھیا کو بلوا کر فرمایا: ماں میرے ساتھی مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانے دے رہے۔ چند روز بعد میں تیری ہستی میں آؤں گا، کچھ دن بعد جب ان کے ساتھی غافل ہوئے تو آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اس معمر عورت کے گھر کی طرف چل پڑے۔ وہ عورت اس قدر محبت و اخلاص اور تعظیم سے پیش آئی کہ والدہ حقیقی اور انہیں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) نے فرمایا کہ میں کئی بار اس کے گھر گیا اور میں اسے دادی جان کہتا تھا۔ اور وہ شفقت میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتی تھیں، چونکہ میں نے اپنی حقیقی دادی کو نہیں دیکھا تھا اس لئے مجھے بچپن میں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس معمر عورت کے علاوہ میری دادی کوئی دوسری تھی۔

فیل مست سے مقابلہ

ان کی شجاعت و بہادری کے سلسلے میں ایک حکایت یہ ہے، والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) نے فرمایا: جب عالمگیر بادشاہ ہوا تو اس کے بھائی شاہ شجاع نے بنگالہ کی طرف خروج کیا۔ عالمگیر نے اس کے ساتھ جنگ کا ارادہ کیا۔ اور حضرت والد (شیخ وجیہ الدین) بھی عالمگیر کے لشکر میں شامل تھے سخت لڑائی ہوئی اور دونوں لشکر تھک کر چور ہو گئے۔ آخر دو تین مست ہاتھیوں نے شاہ شجاع کی طرف سے عالمگیر کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ ہر ہاتھی کے پیچھے زرہ پوشوں کا ایک دستہ تھا۔ صورت حال جب اس طرح ہو گئی تو عالمگیر کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور فوجی ہر طرف بھاگنے لگے۔ عالمگیر کے ہاتھی کے ارد گرد چند آدمی باقی رہ گئے، اسی وقت میرے والد (شیخ وجیہ الدین) کے دل میں خیال آیا کہ وہ ان ہاتھیوں میں سے کسی ایک پر حملہ کریں۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ جان کی قربانی کا وقت ہے ایسے موقع پر استقامت ہر ایک کا کام نہیں، جو شخص علیحدگی چاہتا ہے اسے میری طرف سے اجازت ہے اس پر سوائے چار آدمیوں کے سب نے باگیں پھیر لیں۔ فرمایا اُ

ہمارے احباب میں سے کوئی ہماری محبت میں شریک ہوگا تو یہی چار ہوں گے۔ ان چاروں نے ان کے شکار بند کو منبوطی سے تھما اور آپس میں یہ قول و قرار کیا کہ جہاں وہ (شیخ وجیہ الدینؒ) ہوں گے ہم بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ اس کے بعد انھوں نے سب سے زیادہ سرکش ہاتھی پر حملہ کیا اور انھوں نے اس بات کا انتظار کیا کہ ہاتھی ان کو گھوڑے سے گرانے کے لئے اپنی سونڈ اوپر اٹھائے، جب اس نے سونڈ اٹھائی تو حضرت والا (شیخ وجیہ الدینؒ) نے ایک ہی وار میں اسے کاٹ کر رکھ دیا، ہاتھی بری طرح چنگھاڑتے ہوئے اپنے لشکر کی طرف بھاگا اور الٹا اپنے لشکر کے لئے نقصان کا باعث بنا۔ یہ پہلی فتح تھی۔ عالمگیر نے اس سارے معاملے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور فتح کے بعد چاہا کہ حضرت والا کا منصب بڑھادے لیکن انھوں نے استغناء اختیار کرتے ہوئے قبول نہ فرمایا۔

اسی ضمن میں ایک واقعہ یہ ہے، فرمایا کہ ایک بار سید شہاب الدین کو بادشاہ کے سامنے مجاہدے کے لئے پیش ہونا پڑا۔ حضرت والا (شیخ وجیہ الدینؒ) ان کے ضامن بن گئے جب انھوں نے رقم کی ادائیگی میں تاخیر کیا تو والد گرامی سے مطالبہ ہوا۔ آپ نے سید شہاب الدین سے رقم کی ادائیگی کے بارے میں بات کی تو انھوں نے کہا میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔

تکوار حاضر ہے، مسکرائے اور فرمانے لگے شمشیر پکڑنا تو آسان ہے مگر اس سے عہدہ برا ہونا مشکل! سید شہاب الدین کی حمیت جاگ اٹھی اور خنجر سے ان پر حملہ کر دیا۔ آپ نے اسے بائیں ہاتھ سے پکڑا اور دائیں ہاتھ سے اسے ایسا تھپڑ رسید کیا کہ الٹا زمین پر آ رہا اور گرتے ہی بیہوش ہو گیا، آپ نے خادم سے فرمایا کہ اسے قید کر لو، اور اس کے اسطبل سے اونٹ اور گھوڑے باہر نکال لو، تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تیری وہ ڈینگیں کہاں گئیں؟ کہنے لگا میں نے کوئی قصور نہیں کیا ہے میرے ہاتھ سے پہلے آپ کا ہاتھ حرکت میں آیا اور مجھے اس قدر تکلیف ہوئی کہ بیہوش ہو کر گر پڑا، ایسے میں میری کیا تقصیر ہے؟ آپ نے فرمایا درست کہتے ہو۔ خادم کو اشارہ کیا کہ اس کی مٹکیں کھول دے اور اس کا خنجر اس کے ہاتھ میں دے دے۔ اس نے خنجر پکڑ کر حملے کا ارادہ کیا کہ اس کے تمام جسم میں لرزہ طاری ہو گیا اور حملہ کرنے کی سکت نہ ہوئی۔ حضرت والا (شاہ عبدالرحیمؒ) نے یہ واقعہ چشم خود دیکھا تھا۔

مجملہ ان حکایات کے ایک یہ ہے کہ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیمؒ) فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدینؒ) کی قلبی قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ایک معرکہ جنگ میں سخت خونریز مقابلہ ہوا۔ طرفین میں سے بہت سے لوگ مارے گئے لیکن انجام کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جب لشکر اسلامی کا سپہ سالار رات کے وقت اپنے کیمپ میں واپس آیا تو فوجی افسر اکٹھے ہو گئے اور مقتولین کی تعداد کے بارے میں گفتگو چل پڑی اور یہ بحث خاصا طول پکڑ گئی اس میں ہر شخص اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے لگا۔ آپ (شیخ وجیہ الدینؒ) نے فرمایا میرے خیال میں طرفین کے پانچ کم دوسو یا پانچ اوپر دوسو آدمی ہلاک ہوئے ہیں اور جو لوگ شکست کھا کر بھاگے، میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا، حاضرین نے اس بات کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی ان کے اس تردد پر آپ کے دل میں خیال آیا کہ حقیقت حال کا پتہ لگوا یا جائے اور اس مجلس سے اس شخص کی طرح نکلے جو قضاے حاجت کے لئے اٹھتا ہے اور اس بادو باران کی تاریک رات میں میدان کارزار کو روانہ ہو گئے۔ اسی دوران ان کا ہاتھ ایک ایسے زخمی پر پڑا کہ جس میں ابھی تک زندگی کے آثار باقی تھے۔ اس زخمی نے چیخ ماری، آپ نے اسے تسلی دی اور اپنا نام اسے یاد دلایا۔ اس کے بعد ان کے دل میں یہ بات آئی کہ کچھ جنگ گاؤں کے وسط میں ہوئی تھی۔ اسے بھی دیکھ لینا چاہئے جہاں انہیں کوئی شک گزرتا اسے اچھی طرح تلاش کر لیتے، اسی اثناء میں آپ کا ہاتھ ایک بوڑھی عورت پر پڑا جو لڑائی کے دوران ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ بری طرح چیخی، آپ نے اس کو بھی تسلی دی اور اپنا نام اسے یاد دلایا۔ مقتولین کی تعداد ان کے اندازے کے مطابق نکلی اور پھر آپ لشکر کی طرف واپس ہو گئے تو اس مجلس کو بدستور اسی حالت میں دیکھا، آپ نے جو کچھ کیا اور دیکھا انہیں بتایا تو ان کا تعجب مزید بڑھ گیا اور سپہ سالار نے تقریباً سو آدمی مشعلوں کے ساتھ متعین کئے تاکہ مقتولین کو شمار کریں اور ان دوزخی آدمیوں کو بھی لے آئیں، یہ لوگ اس پر بہت رات میں ایسی خوفناک جگہ پر جانے کے لئے تیار تو نہ تھے ناچار گئے، مقتولین کی گنتی کی اور ان دوزخیوں کو بھی لے آئے تو گنتی ان کے کہنے کے مطابق تھی اور ان دوزخیوں نے ان (شیخ وجیہ الدینؒ) کے میدان جنگ آنے کی تصدیق بھی کر دی۔ آپ کے اس قسم کے عجیب و غریب واقعات تو بے شمار ہیں لیکن ہم نے چند ایک پر اسی لئے اکتفا کیا ہے کہ تھوڑا زیادہ کی دلیل اور جو چلو بھر پانی دریا کا پتہ دیتا ہے،

شیخ وجیہ الدینؒ کی شادی شیخ رفیع الدینؒ محمد بن قطب العالم بن شیخ عبدالعزیزؒ کی لڑکی سے ہوئی جس سے آپ کے تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔

۱۔ مخدومی شیخ ابوالرضا محمدؒ

۲۔ مخدومی شیخ عبدالرحیمؒ

۳۔ مخدومی شیخ عبدالکحیمؒ

والد گرامی (شاہ عبدالرحیمؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میرے والد (شیخ وجیہ الدینؒ) تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے، ان کو سجدے میں بہت زیادہ دیر ہو گئی۔ میں نے سمجھا کہ شاید ان کی روح پرواز کر گئی ہے۔ انہیں جب اس حالت سے آفاقہ ہوا تو میں نے اس لیے سجدے کے متعلق ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے غیبت واقع ہوئی تو میں نے اپنے ان عزیزوں کے حالات جو کہ شبید ہو گئے ہیں ملاحظہ کیے۔ ان کے درجات اور مقامات سے میں بہت خوش ہوا۔ چنانچہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی اور بہت زیادہ گڑ گڑایا۔ یہاں تک کہ میری دعا قبول ہو گئی اور مجھے اشارے سے بتایا گیا کہ تیری شہادت دکن کی طرف ہوگی۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے از سر نو سفر کا ارادہ کیا اور سامان سفر فراہم کرنے لگے۔ حالانکہ نوکری چھوڑ چکے تھے اور اس کام سے ایک نفرت سی بھی ہو گئی تھی۔ گھوڑا خریدا اور دکن کو چل دیئے آپ کا خیال تھا کہ شاید یہ مقابلہ سیوا سے ہوگا جو اس وقت کفار کا بادشاہ تھا اور جس سے مسلمانوں کے قاضی کی بہت بے حرمتی ہوئی تھی، جب آپ برہان پور پہنچے تو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ جائے شہادت کے پیچھے چھوڑ آئے ہیں، یہاں سے پھر واپس پلٹے اور راستے میں آپ نے بعض صالح اور متقی تاجروں سے عہد موافقت باندھا اور ارادہ کیا کہ قصبہ ہنڈیا کے راستے ہندوستان میں داخل ہوں، اسی دوران آپ سے ایک ضعیف العمر شخص ملا جو گرتا پڑتا جا رہا تھا آپ نے اس پر رحم کرتے ہوئے اس کا مقصد و منزل پوچھی اس نے کہا میرا دلی جانے کا ارادہ ہے آپ (شیخ وجیہ الدینؒ) نے فرمایا میرے ملازمین سے ہر روز تین پیسے لے لیا کرو، دراصل وہ بوڑھا کافروں کا جاسوس تھا جب یہ قافلہ نونہریا کی سرائے میں پہنچا جو کہ دریائے نربدہ سے دو تین منزل ہندوستان کی طرف ہے تو اس جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دی، چنانچہ لٹیروں کا ایک بڑا گروہ سرائے میں پہنچ گیا۔

آپ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھے۔ اس گروہ میں سے تین آدمیوں نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ وجیہ الدین کون ہے؟ جب انھوں نے آپ کو پہچان لیا تو کہا ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں، ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پاس مال و دولت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے گروہ میں سے ایک آدمی پر تمہارا حق نمک بھی ہے لیکن ان تاجروں کے پاس تو اتنا مال ہے ان کو ہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے، چونکہ آپ کو اس سفر کے اصلی سبب سے پوری طرح آگاہی حاصل تھی، اس لئے ان تاجروں کی رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور انہیں قتل و لوٹ سے بچانے کے لئے آگے بڑھے، اس مقابلے میں آپ کو بائیس زخم آئے اور ایک زخم سے سرتن سے جدا ہو گیا۔ اس کے باوجود تکبیر کہتے ہوئے ایک تیر کی مار تک آپ نے کفار کا تقہر کیا۔ ایک عورت یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوئی، آپ اسی وقت گر پڑے اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت والا (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ اسی دن کے آخری حصے میں آپ مثنیٰ جسم میں متمثل ہو کر میرے سامنے تشریف لائے اور زخموں کے نشانات دکھائے میں نے ایصالِ ثواب کے لئے کچھ صدقہ دیا، آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ آپ کے جسد کو وہاں سے منتقل کروں، لیکن ایک روز انھوں نے میرے سامنے متمثل ہو کر اس بات سے مجھے منع کر دیا، آپ کے قتل کی خبریں حد سے زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ رفیع الدین محمد^(۱) کے خاندان کے حالات

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو منعم اور وہ نعمتیں بخشے والا ہے جو حد و شمار سے باہر ہیں اور درود و سلام ہو افضل الانبیاء پر اور اس کی آل و اصحاب پر بھی سلامتی اور رحمت ہو جو کہ اربابِ مہم و فراست کے قائد ہیں۔ فقیر ولی اللہ (اللہ اس سے درگزر کرے، کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جو کہ النبدۃ الابریہ فی اللطیفۃ العزیزہ کے نام سے موسوم ہیں، شیخ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے اسلاف و اخلاف قدست اسرار ہم کے حالات پر مشتمل ہیں جو کہ نسبت مادری سے والد بزرگوار کے جد اعلیٰ ہیں۔

شیخ طاہر

شیخ طاہر کا اصلی اوج ہے، اور آپ وہاں کے سربراہ اور وہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ابتدائے حال میں سارا وقت سیر و تفریح اور شکار میں گزارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ مشاغل انہیں تحصیل علم سے بھی باز رکھنے لگے۔ ایک دن آپ کی بمشیرہ نے آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کا مفہوم دریافت کیا، جس کا جواب آپ سے نہ بن پڑا، یہی واقعہ ان کی غیرت نفس کو برا بھینختہ کرنے کا سبب بنا اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر وطن مالوف کو خدا حافظ کہا۔ جہاں بھی جاتے استفادہ علم کرتے۔ جب تھامیر پہنچے تو اسی آیت کی تفسیر و تشریح لکھ کر بمشیرہ کو بھجوا دی۔ اس کے بعد حصول علم کا شوق انہیں بہار لے آیا جو کہ ان دنوں ملایہ کا مرکز تھا اور اس دوران مناظرہ اور ریاضات کی تحصیل بھی انہیں حاصل ہوئی۔ تحصیل علم کے بعد بہار کے قاضی نے جب ان کے علم و فضل اور وہابیت کو دیکھا تو اپنی دختر نیک اختر ان کے نکاح میں دے دی، اس کے بعد آپ پورب کے کسی علاقے میں قیام پذیر ہو گئے، اس زوجہ سے تین فرزند ہوئے۔ آخری عمر میں شیخ نے اپنے بیٹوں کے ساتھ جون پور میں رہائش اختیار کی اور یہیں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک اسی شہر میں واقع ہے، جو زیارت گاہ خلّاق اور مرکز برکات ہے۔

(۱) حضرت شیخ رفیع الدین محمد جناب شیخ عبدالرحیم والد گرامی شاد ولی اللہ کے نانا اور شیخ وجیہ الدین کے نانا تھے۔

شیخ حسنؒ

شیخ طاہر کے بڑے صاحبزادے شیخ حسن تھے جنہوں نے ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں تمام کتب متداولہ سے فراغت حاصل کر کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ بچپن ہی سے آپ میں طلب معرفت اور عقیدت اولیاء کے آثار نمایاں تھے۔ جن دنوں سید حامد راجی شاہ کی عظمت کا شہرہ عام تھا شیخ حسن آزمائش و امتحان کی غرض سے سید صاحب کی ملاقات کو گئے، تو سید صاحب کی پہلی نگاہ ہی نے آپ کو اپنے دائرہ ارادت کی طرف کھینچ لیا۔ سید صاحب اپنے وقت کے مشائخ عظام میں سے تھے اور شیخ حسام الدین مانک پوری کے خلیفہ تھے شیخ حسام الدین جامع شریعت و طریقت اور اکابر مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ آپ شیخ نور قطب العالم کے خلیفہ تھے۔ شیخ نور قطب العالم ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہو کر رہے ہیں وہ صاحب عشق و محبت، ذوق و شوق، تصرف و کرامات اور ریاضات و مجاہدات تھے، یہ اپنے والد شیخ علاء الحق بن سعد کے خلیفہ تھے جو کہ علوم طاہر و باطن کے جامع، مرجع عوام و خواص اور پورب و بنگال کے معروف ترین بزرگوں میں سے تھے، شیخ علاء الدین بن سعد شیخ سراج الدین اودھی کے خلیفہ تھے جو کہ شیخ نظام الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے خلفاء میں سے تھے، کہتے ہیں کہ شارح ہدایہ شیخ ہداد اور دیگر نامور علماء جو شیخ حسنؒ کے ہم درس اور ان کے ہم پیالہ و نوالہ تھے نے سید حامد راجیؒ سے آپ کی بیعت پر حیرانگی و تعجب کا اظہار کیا کیونکہ سید صاحب علوم ظاہری سے پوری طرح بہرہ ور نہ تھے، شیخ حسن نے ان سے کہا کہ اہل علم کی ایک جماعت سید صاحب کی خدمت میں جا کر ان سے ہر قسم کے اشکالات کے بارے میں سوال کرے، اگر صحیح جواب ملے تو عقیدت کے ساتھ ان سے بیعت ہو جائے ورنہ جیسے ان کی مرضی، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، ان میں سے بعض کے اشکال تو راستے ہی میں حل ہو گئے اور بعض لوگوں کے اعتراضات سید صاحب کے جمال پر انوار پر نگاہ پڑتے ہی کافور ہو گئے اور باقی حضرات کے مسائل آپ کی حکمت آمیز اور پراسرار گفتگو سے حل ہو گئے۔ الغرض سب کے سب ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے، کچھ عرصے تک شیخ حسنؒ اس سرزمین میں طالبان معرفت کی تعلیم و ارشاد کا منصب سنبھالے رہے اور اس کے بعد سلطان سکندر جو کہ سلاطین دہلی کے انتہائی انصاف پسند بادشاہوں میں سے تھے کی درخواست

پردہ بلی تشریف لائے یہاں آپ نے بچے منڈل کے محل میں رہائش اختیار کی اور یہیں پر ہی جان آفریں کے سپرد کی اور آپ کا حزر ابھی اسی جگہ ہے، کہا جاتا فتح خاں پسر سلطان سکندر شیخ کے معتقد تھے اس کے دل میں اچانک بغاوت کا خیال پیدا ہوا اور امرائے مملکت اس سے اس سلسلے میں متفق ہو گئے۔ جب اس نے شیخ سے مشورہ کیا تو انھوں نے اسے اس کام سے منع فرمایا اور امن کی بشارت دی چنانچہ یہی بات سلطان سکندر کی آپ سے عقیدت کا سبب بنی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شیخ دہلی پہنچے تو بادشاہ کو خواب میں ان کے بعض کمالات کا علم ہوا، اس طرح اس کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔ آپ نے ۹۰۹ھ میں وجد کی حالت میں رحلت فرمائی۔ اس وقت آپ کی مجلس میں یہ رباعی پڑھی جا رہی تھی۔ ع

اے ساقی ازاں سے کہ دل دوں من است الخ

آپ کی کتاب مفتاح الفیض علوم سلوک میں ان کی یادگار ہے، شیخ کے چار فرزند تھے جن میں سے دو سے آگے نسل چلی۔

۱۔ شیخ محمد خیائی

۲۔ شیخ عبدالعزیز

شیخ محمد خیائی

شیخ محمد خیائی صحیح الحال، پاکیزہ مشرب اور قوی ریاضت تھے۔ آپ اپنے والد گرامی سے بیعت تھے لیکن بعد میں سلسلہ قادریہ کی نسبت آپ پر غالب ہو گئی آپ نے حرم مدینہ منورہ میں سالہا سال تک عبادات و ریاضات کے مجاہدے کئے، حاجی عبدالوہاب بخاری جب دوسری بار زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے تو شیخ محمد خیائی کو یہ خوشخبری سنائی۔ مجھے خاتم النبیین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے خواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس ہندی شیخ زادے نے یہاں کافی وقت دشواری اور مشقت سے گزرا ہے، اب انہیں ہندوستان واپس لے جاؤ۔ انھوں نے کہا جب تک مجھے بذات خود اس بات کا حکم نہیں ہوگا میں یہاں سے ہرگز نہیں ہلوں گا، آخر انھیں بھی حکم دے دیا گیا چنانچہ حاجی عبدالوہاب انہیں ہندوستان لے آئے جہاں ”بچے منڈل“ میں وہ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپ کے خلفا بے شمار ہیں جو سب کے سب مرجعہ

کمال کو پہنچے ان میں سے شیخ امان اللہ پانی پٹی اور شیخ عبدالرزاق جن جہانی اس ملاقات کے مشہور بزرگ ہیں۔

شیخ عبدالعزیز

آپ دو یا تین برس کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور وہ اپنا باطنی فیض اپنے بیٹے شیخ عبدالعزیز کے لئے (جو ابھی صغیر سن تھے) بطور امانت شیخ قاضی خاں ظفر آبادی کے حوالے کر گئے جو کہ شیخ حسن کے خلیفہ اور استقامت و کرامت زہد و تجرید اور ریاضت و تاثیر صحبت کے حامل بزرگ تھے جب شیخ عبدالعزیز نے شعور سمجھا تو جناب سید محمد بخاری بن حاجی عبدالوہاب بخاری سے علم حاصل کیا۔ اور حاجی عبدالوہاب سے فصوص کا استفادہ کر کے سلسلہ سہروردیہ کا فرقہ خلافت زیب تن فرمایا، حاجی عبدالوہاب مذکور نے سید راجو قتال سے فرقہ خلافت حاصل کیا تھا جو مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اور عمر رسیدہ بزرگ تھے اور انہوں نے اپنے برادر مخدوم جہانیاں اور شیخ رکن الدین ابوالفتح سے بھی فرقہ خلافت حاصل کیا اور ان کا سلسلہ معروف ہے، حاجی عبدالوہاب شیخ عبداللہ قریشی کی صحبت میں بھی مدتوں رہے، اس کے بعد شیخ قاضی خاں نے اپنے فرزند شیخ عبداللہ کو شیخ عبدالعزیز کے پاس بھیجا تا کہ وہ انہیں وہ امانت یاد دلائے جو شیخ کے والد ان کے سپرد کر گئے تھے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ میں خود آتا مگر مجبوری یہ ہے کہ اس سلسلے میں طلب شرط ہے شیخ عبدالعزیز یہ خبر سنتے ہی ظفر آباد روانہ ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو جو کچھ کہنے، نقدی اور گھوڑے وغیرہ ساتھ تھے سب کے سب راہ خدا میں دے دیئے اور تجرید کے عالم میں مسلسل تین سال تک ریاضات کے دور سے گزر کر ارشاد و تکمیل کے مرتبہ پر فائز ہوئے پھر شیخ قاضی خاں کی اجازت سے واپس دہلی آئے اور قواعد ارشاد کی بنا ڈالی اور اس دوران فرصت کے لمحات میں سید ابراہیم ایرچی سے علوم تصوف کا استفادہ کر کے فرقہ قادر یہ بھی حاصل کیا، سید ابراہیم ایرچی تمام فنون علم میں درجہ کمال رکھتے تھے اور کئی خانوادوں کی برکات کے جامع تھے مگر نسبت قادر یہ ان پر غالب تھی اور سلسلہ قادر یہ میں انہیں شیخ بہاء الدین قادری سے خلافت حاصل تھی۔

الغرض شیخ عبدالعزیز کی زندگی مجاہدے اور ریاضت سے عبارت تھی انہوں نے جن چیزوں کو بچپن سے خود پر لازم ٹھہرایا انہیں آخری سانس تک قضا نہ کیا۔ اسلاف کے طور طریقوں کی اتباع

میں کبھی کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا، آپ آداب مشائخ کی حفاظت اور حاجت مندوں کی اعانت کے سلسلے میں بہت سعی فرماتے تھے۔ تواضع، انکسار، شگفتگی طبع، علم، بردباری، صبر، رضا و تسلیم الغرض تمام اخلاق محمودہ میں مشائخ چشت کا مثانی پیکر تھے۔ آپ نے ۶ جمادی الثانی ۹۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔ روح پرواز ہوتے وقت زبان پر یہ آیت کریمہ تھی فبالحان الذی بیدہ الملکوت کل شیء والیہ لرجعون

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ یحییٰ جنیدی کے مجموعے میں شیخ عبدالعزیز کے قلم سے سلسلہ قادریہ لکھا ہوا، یہاں جسے تہر کا من وعن نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں راہ ہدایت دکھائی اور حق کی اتباع پر مامور فرمایا اور درود و سلام ہوں اس کے نبی علیہ السلام اور ان کی صاحبِ الایت و ارشاد آل پر اور درود و سلام ہوں ان کے مکرم اور صاحبِ مجدد کمالِ اصحاب پر۔

یہ بندہ تاجیز خاکپائے خدام اہل بیت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام عبدالعزیز بن حسن (اللہ اس کے غیوب کی ست پوشی کرے اور اس کی آخرت کو دنیا سے بہتر بنائے) عرض کرتا ہے کہ برادر محترم و مکرم، عالم باعمل، فخر فضا، وکالین مایہ اولیا، اور صوفیہ اصفیاء شیخ یحییٰ بن شیخ معین الدین خالدی اللہ تعالیٰ اسے ہنگام مقبول ہارگاہ میں سے بنائے اور اسے نگاہ انتخاب سے نوازے، ان کے خلوص محبت اور کمال معرفت کی بنا پر جب ہم نے ان کے ہاں شرف حضوری اور صحبت پائی، اور جب ہمارے ساتھ ان کا تعلق اور جذبہ محبت پوری طرح استوار ہو گیا تو ہم نے ان کے ساتھ اخوت دینی کا ناٹہ باندھا اور میں نے انہیں خرقہ مشائخ پہنایا، جبکہ یہ خرقہ خلافت میں نے بطور ارشاد، ولایت، نیابت اور اجازت اپنے شیخ و مرشد مخدومی و سیدی سید السادات سرچشمہ برکات سید ابراہیم بن معین بن عبد القادر بن مرتضیٰ الحسنی القادری سلمہ اللہ تعالیٰ سے اور انھوں نے اپنے شیخ و مرشد ابوالبرکات بہاء المملۃ والدین ابراہیم الانصاری القادری سے اور انھوں نے اپنے شیخ السید قطب عصر ابوالعباس احمد بن حسن الجبلی المغربی الشافعی سے اور انھوں نے اپنے والد بزرگوار سید حسن سے انھوں نے اپنے والد گرامی سید موسیٰ سے انھوں نے اپنے والد بزرگوار سید علی سے انھوں

نے اپنے والد ماجد سید محمد سے اور انھوں نے اپنے والد سید حسن سے اور انھوں نے والد سید محمد صلو
 احمد سے انھوں نے اپنے والد سید محی الدین ابونصر سے انھوں نے اپنے والد سید ابوصالح سے
 انھوں نے والد سید عبدالرزاق سے انھوں نے اپنے والد گرامی قطب ربانی غوث صمدانی محی المسلمۃ
 والدین ابو محمد عبدالقادر الحسینی والحسینی البیلانی سے انھوں نے اپنے شیخ ابوسعید علی الخزرجی سے انھوں
 نے شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن یوسف القرشی البزکاری سے انھوں نے اپنے شیخ ابوالفرح
 یوسف الطرطوسی سے انھوں نے اپنے شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز الہیمنی سے انھوں نے ابوبکر شبلی
 سے انھوں نے اپنے شیخ سید الطائفہ جنید بغدادی سے انھوں نے شیخ سری سقطی سے انھوں نے شیخ
 معروف کرخفی سے انھوں نے ابوسلمان داؤد بن نصر الطائنی سے انھوں نے امام علی بن موسیٰ رضا
 سے اور انھوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے انھوں نے اپنے والد امام جعفر صادق سے انھوں
 نے اپنے والد امام محمد باقر سے انھوں نے اپنے والد امام زین العابدین سے انھوں نے اپنے والد
 امام حسین سے انھوں نے اپنے والد امام علی بن ابی طالب سے (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور انھوں
 نے سید المرسلین خاتم النبیین حبیب رب العالمین محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ الطہرین
 الطاہرین سے حاصل کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ادبسی ربی فاحسن تادیبی
 میرے رب نے مجھے سکھایا (یعنی اپنی معرفت کی تعلیم) اور کیا ہی خوب سکھایا۔

شیخ قطب العالم

حضرت شیخ عبدالعزیزؒ کے فرزندوں میں شیخ قطب العالم اپنے فضل و کمال، علم و دانش اور
 جوہ و سخا کی بنا پر سب سے ممتاز تھے، کہتے ہیں کہ ابتدا میں آپ طریقہ وجد و سماع اور صوفیا کے تمام
 احوال و اطوار کے معترض اور منکر تھے، چنانچہ ایک روز شیخ عبدالعزیز قدس سرہ نے اپنی ایک مجلس
 میں ان پر توجہ فرمائی تو بے خود ہو گئے، حاضرین نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اب وہ ضرور صوفیا کے معتقد
 ہو جائیں گے اور انکار و اعتراض سے باز آجائیں گے۔ شیخ نے فرمایا کہ ابھی اس کا انکار پوری
 طرح مستحکم ہے اور ابھی تک اس کی طلب کا وقت نہیں آیا جب شیخ قطب العالم ہوش میں آئے تو
 حاضرین نے بیہوشی کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے، ایک خواب جیسا سا تھا اس
 کا کیا اعتبار؟ جب شیخ عبدالعزیز واصل بحق ہوئے تو شیخ نجم الحق جو ان کے سب سے بڑے خلیفہ

تھے اپنے شیخ کے مزار مبارک کی زیارت اور پس ماندگان شیخ سے تعزیت کے لئے آئے جب زیارت سے فارغ ہوئے ارادہ کیا کہ اس جگہ سے باہر نکلیں تو دیکھا کہ شیخ قطب العالم درس دے رہے ہیں، ان کی جانب نظر التفات سے دیکھ کر تصرف کیا اور سوار ہو گئے ابھی ان کی پاکی تھوڑی دور نہیں چلی تھی کہ شیخ قطب العالم پر بے قراری و اضطراب کی کیفیت طاری ہو گئی یہ کیفیت لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگی یہاں تک کہ گرتے پڑتے پیادہ پاشی خیم الحق کی طرف چل پڑے اور ان سے بیعت ہو گئے۔ اور خواجہ محمد باقی قدس سرہ کے طریقہ نقشبندیہ کی تبلیغ میں مشغولیت کے بعد شیخ قطب العالم اکثر ان کی خدمت میں پہنچے اور فیض صحبت جو کہ طریقہ نقشبندیہ کی بہترین روایت ہے حاصل کرتے، اگرچہ ابتداء میں خواجہ محمد باقی نے شیخ قطب العالم کے آگے زنانہ تلمذ نہ کئے اور ان کی خانقاہ میں ایک حصے تک مجاور بن کر رہے تھے والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ جن دنوں خواجہ محمد باقی ان کی خانقاہ میں مقیم تھے تو شیخ (قطب العالم) پر نصف شب کے وقت یہ آشکارا ہوا کہ خواجہ محمد باقی کی تعلیم و تلقین کی تکمیل بخارا میں ہوگی اسی وقت باہر تشریف لائے اور خواجہ محمد باقی سے فرمایا کہ آپ کو مشائخ بخارا بلاتے ہیں آپ کو اسی وقت روانہ ہو جانا چاہئے، اس وقت خرقہ موجود نہ تھا صرف تہ بند تھا وہی عنایت کیا جسے خواجہ محمد باقی نے دستار کے طور پر سر پر باندھ لیا، اور فوراً بخارا کو روانہ ہو پڑے وہاں آپ حضرت خواجہ مکنکی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیوض و برکات کی لازوال نعمت حاصل کی۔

شیخ قطب العالم کے فرزندوں میں سب سے بڑے اور صاحب فضل شیخ رفیع الدین محمد تھے
شیخ رفیع الدین محمد

آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور کتب تصوف کے ماہر تھے اور صوفیا کے رموز و کنایات کو بیان کرنے پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ پہلے پہل اپنے والد گرامی قدس سرہ کے طریقہ چشتیہ قادریہ میں بیعت کی اور شیخ نجم الحق کی صحبت سے بھی فیض حاصل کرتے رہے، اس کے بعد اپنے والد بزرگوار کی ترغیب پر خواجہ محمد باقی کی صحبت اختیار کی اور حضرت خواجہ ہی کی نسبت ان پر غالب آ گئی، حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ شیخ رفیع الدین محمد کے ساتھ خواجہ محمد باقی بے حد مہربان تھے جو کچھ عرض کرتے خواجہ محمد باقی اسے ضرور مان لیتے تھے، اس لئے حضرت خواجہ

کے احباب حضرت شیخ رفیع الدین محمدؒ کو خواجہ کا معشوق کہتے تھے، نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب شیخ رفیع الدینؒ کی زوجہ انتقال کر گئیں تو انھوں نے چاہا کہ شیخ محمد عارف بن شیخ خنور اعظم پوری کی دختر سے نکاح کریں، چنانچہ انھوں نے حضرت خواجہ سے مجلس عقد میں تشریف آوری کی درخواست کی، حضرت خواجہ نے ضعف کا عذر ظاہر کیا، شیخ نے کہا کہ اگر حضرت خواجہ اس مجلس میں قدم رنجہ نہیں فرمائیں گے تو میں بھی اس میں نہیں جاؤں گا۔ حضرت خواجہ محمدؒ باقی کو مجبور اعظم پور جانا پڑا جب وہاں کے صوفیائے آپ کی آمد کا سنا تو اطراف و جوانب کے صوفیہ صوفیائے کرام اس مجلس میں حاضر ہوئے اور ایسی عجیب محفل پہا ہوئی کہ ویسی کبھی سنی نہ گئی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ حضرت والد بزرگوار (شاہ عبدالرحیمؒ) کی والدہ اسی خاتون کے لطن سے پیدا ہوئیں۔

مقام خواجہ محمد باقی باللہؒ

مزید آپ نے فرمایا کہ شیخ بزرگوار شیخ احمد سرہندیؒ سے حضرت خواجہ محمد باقیؒ کی نسبت ایک ناگوار بات سرزد ہوئی، کہنے والے نے وہ بات جوں کی توں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بیان کر ڈالی یہ سنتے ہی ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور غصے کے عالم میں ایک قریب پڑی ہوئی ڈور اٹھائی اور قوت کے ساتھ اس میں گرہ لگا دی، شیخ رفیع الدینؒ جو حضرت خواجہ کے مزاج شناس تھے نے اس ڈور کو احتیاط کے ساتھ اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا، چند روز بعد شیخ احمد سرہندیؒ شدید قبض میں مبتلا ہو گئے اور اس کا سبب تلاش کرنے میں پڑ گئے جب اصل حقیقت واضح ہوئی تو دلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ کے احباب سے اس بارے میں سفارش کی درخواست کی، ان میں سے کوئی بھی اس بات پر راضی نہ ہوا اور انھوں نے کہا کہ ہم مرضی خواجہ کے خلاف کسی سفارش کی جرات نہیں کر سکتے، البتہ حضرت خواجہ کے محبوب جو چاہیں کر سکتے ہیں، یہ سن کر شیخ احمد نے شیخ رفیع الدینؒ کی طرف رجوع کیا، شیخ رفیع الدینؒ نے اس بات کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ خلوت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کیا اور کافی لیت و لعل کے بعد ان کی نفرت و غضب کو دور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کیا کروں؟ وہ دھاگہ ہی گم ہو گیا ہے، شیخ رفیع الدین نے اسی لمبے وہی دھاگہ پیش خدمت کر دیا، حضرت خواجہ نے اس کی گرہ کھولی تو اسی وقت شیخ احمد کی

قبض ہٹ سے بدل گئی اور گوہر مقصود دامن میں آ پڑا۔

والد ماجد (شاہ عبدالرحیمؒ) فرماتے تھے کہ شیخ فرید بخاریؒ جو اپنے وقت کے بڑے امراء میں سے ہونے کے باوجود جامع شرافت و نجابت اور معتقد صوفیا تھے نے ایک عمارت بنوائی یہ عمارت ان کی مشہور سرائے تھی یا کوئی اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس عمارت کی تعمیر سے فراغت کے بعد انھوں نے ایک ضیافت کا اہتمام کیا اور شہر کے مشائخ کو دعوت دی، شیخ رفیع الدین محمد بھی اس ضیافت میں موجود تھے جب نغمہ نرود کی لے چھڑی تو اہل مجلس میں سے ایک شخص کا حال متغیر ہوا، مستی کے عالم میں نعرے لگانے لگا، وہ رقص بھی کر رہا تھا اور اس کے چہرے سے حزن و اندوہ بھی ظاہر تھا، تمام حاضرین مجلس آداب سماع کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تواضع کے لئے اٹھے مگر شیخ رفیع الدین اپنی جگہ سے نہ ہلے، بعض لوگوں نے شیخ کے نہ اٹھنے پر اعتراض کی زبان کھولی اور باہم چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ شیخ نے آداب طریقت کی خلاف ورزی کی ہے۔ شیخ فرید بخاریؒ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وجد کرنے والے کے سکون کے بعد شیخ رفیع الدین سے پوچھا کہ آپ صاحب وجد کی تعظیم کے لئے کیوں نہیں اٹھے۔ شیخ رفیع الدین نے فرمایا کہ آپ وجد کرنے والے شخص سے اس کے وجد و رقص کا سبب دریافت کر لیجئے میرے نہ اٹھنے کی حکمت آپ کو خود بخود سمجھ میں آ جائے گی۔ شیخ فرید نے اس شخص کو قریب بلا کر وجد و نعروں کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا میں اور تو کچھ نہیں جانتا البتہ دو تین روز ہوئے ہیں کہ میری بیوی انتقال کر گئی ہے۔ اس کی جدائی کا غم و حزن میرے دل میں مضر تھا۔ جب یہ حزن یہ نغمے شروع ہوئے تو غم و اندوہ بلا اختیار وجد و رقص کی صورت میں ظاہر ہوا اس پر شیخ رفیع الدین نے فرمایا کہ ایک ایسے شخص کی تعظیم کے لئے اٹھنا جو اپنی بیوی کے غم میں نعرے لگا رہا ہو مشائخ نے کہاں فرمایا ہے؟ یہ سن کر معترض حضرات بہت نادام ہوئے اور اس بحث سے توبہ کی۔

حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیمؒ) فرمایا کرتے تھے کہ اس دور کے امراء میں سے خان عالم جو شیخ رفیع الدین کے معتقد تھے، ایک دفعہ ان کے گھر سے متصل باغ میں ایک درویش وضع شخص وارد ہوا۔ یہ فقیر بظاہر دنیا اور اہل دنیا سے بالکل بے تعلق نظر آتا تھا، بات بات میں اس کی زبان سے قال اللہ اور قال الرسول نکلتا تھا، خان عالم چند ہی دنوں میں اس کا بہت معتقد ہو گیا۔

اتفاق سے ایک دن شیخ رفیع الدین محمد کا گزر اس باغ سے ہوا، آپ نے اس فقیر کو دیکھا اور خان عالم سے فرمایا کہ یہ تو کالا ناگ ہے۔ اس سے بچ کے رہو، خان عالم نے خیال کیا کہ شیخ نے شاید یہ بات حسد کے طور پر کہی ہے چنانچہ اس نے شیخ کی یہ بات سنی ان سنی کر دی۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے خان عالم کو ایران کی سفارت پر مقرر کیا۔ چونکہ اس سفر کے لئے خان عالم کو رقم کی ضرورت تھی جو کہ ان کے پاس موجود نہ تھی چنانچہ خان عالم اس وجہ سے مترد اور پریشان ہوئے۔ فقیر نے ان سے اس پریشان خاطر کی سبب پوچھا، جب اسے پوری بات بتائی گئی تو اس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا کہ اس کا علاج میرے پاس موجود ہے میں اکسیر بنانا جانتا ہوں اس پر اتنی رقم خرچ ہوگی خان عالم اس کے دھوکے میں آگئے اور ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ کی خطیر رقم اس کے سامنے ڈال دی تاکہ وہ اس سے اکسیر کے لئے ضروری سامان منگوائے۔ اس فقیر نے عجیب عجیب حیلے شروع کر دیئے اور تمام روپیہ برباد کر کے ایک دن خود بھی روپوش ہو گیا، بہت جستجو کی گئی لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا، خان عالم بھی اپنی اس حرکت پر نادم ہو کر چپ ہو رہے، اس سفر سے واپسی کے بعد حافظ محمد حسن نے جو کہ خان عالم کا حتمی تھا ایک برہمن کو دیکھا، جس نے داڑھی، مونچھ منڈائی ہوئی تھی اور سنسکرت زبان میں گفتگو کرتا تھا، اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی ٹھگ ہے حافظ محمد حسن نے اسے طرح طرح کی سزائیں دیں تو آخر کار اس نے دھوکہ دہی کا اقرار کر لیا اس سے کچھ مال برآمد ہوا اور باقی ہاتھ نہ آیا۔

حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیمؒ) فرمایا کرتے تھے کہ خان عالم نے خواب میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے بیعت کی چونکہ خان عالم مصوری بھی جانتے تھے علی الصباح اٹھے ایک صفحے پر اس بزرگ کی تصویر بنا اسے حضرت خواجہ محمد باقی کی خدمت میں ارسال کر دیا اور اس خواب کی تعبیر بھی پوچھی، حضرت خواجہ نے کہا ابھیجا کہ میں اس بزرگ کو اچھی طرح جانتا ہوں اس سے آپ کا بیعت کر لینا مناسب ہے اور شیخ رفیع الدین کی طرف اشارہ فرمایا، شیخ رفیع الدین سے خان عالم کی بیعت اور روحانی تعلق کا سبب ظاہری طور پر یہی واقعہ بنا، سننے میں آیا ہے کہ ایک دفعہ ہزنوں کے ایک گروہ نے شیخ رفیع الدینؒ کے گھر کو لوٹنا چاہا۔ یہ ارادہ کر کے وہ کچھ قاصلے پر کھڑے ہو گئے اور اپنے میں سے ایک کو آگے بھیجتا کہ آنے جانے کا راستہ

دیکھ لے اور اہل خانہ کی حالت کے بارے میں بھی اطلاع دے جب یہ جاسوس شیخ کے گھر میں داخل ہوا تو اندھا ہو گیا اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگا جس کی وجہ سے اہل خانہ بیدار ہو گئے اور انھوں نے چراغ کی روشنی میں ساری حقیقت حال معلوم کر لی۔ حضرت شیخ نے کمال مہربانی سے اس چور کو کچھ نہ کہا اور صرف یہ فرمایا کہ چلے جاؤ، چور نے جواب دیا کیسے چلوں، بینائی تو ہے نہیں اور نہ ہی چلنے کی طاقت ہے۔ شیخ اس کے قریب آئے اور اپنا عصا اس کے گھٹنوں اور آنکھوں پر لگایا، یہاں تک کہ ان کے عصا کی برکت سے وہ اس مصیبت سے نجات پا کر اپنے گروہ سے آگیا اور کہنے لگا کہ تمہارے برعکس یہاں تو معاملہ ہی اور ہے! تمام ڈاکو پشیمان ہو کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے کبھی شیخ کے دولت کدے کا رخ نہ کیا، حالانکہ شیخ کا مکان آبادی شہر سے الگ واقع تھا اور اس کی عمارت بھی پختہ نہ تھی، پھر آپ کی دولت مندی اور امارت کے قصے بھی مشہور تھے اور پہرے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔

قدوة العارفين حضرت شیخ محمد قدس سرہ العزیز کے مختصر حالات زندگی اور کرامات کا بیان

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے اولیاء کو مختلف نشانیوں کے ذریعے عزت بخشی اور اپنے بندوں میں سے مقررین کو فضائل کے ذریعے منتخب فرمایا، وصل اللہ علی خیر خلقہ وآلہ وصحبہ اجمعین، فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم العمری الدہلوی عرض کرتا ہے کہ یہ چند کلمات کو کہ ”العطیۃ الصمدیۃ فی انفس المحمدیۃ“ کے نام سے موسوم ہیں۔ میرے چہ ماوری قدوة العارفين عمدة الواصلين حضرت شیخ محمد بھتی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے احوال و مناقب اور ان کی کرامات پر مشتمل ہیں، واضح ہو کہ حضرت شیخ محمد کے اجداد پہلے پورب کے ایک شہر سدھور میں مقیم ہوئے اور وہ نسلاً بعد نسل مسند مدرس کوزینت بنخشے رہے۔ یہاں تک کہ شیخ احمد بن شیخ یوسف سلطان سکندر کی صحبت میں پہنچے اور وہاں ایک خاص مقام پیدا کیا۔ سلطان سکندر نے انہیں معاش کے لئے بارہ کے علاقے میں چند مواضع پیش کئے۔ اسی بنا پر قصبہ پھلت کو ان کی مستقل قیام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا، کچھ مدت کے بعد ان کی آل اولاد نے بھی وہاں سکونت اختیار کر لی، شیخ احمد مذکور کے برادر شیخ محمود کے فرزندوں میں سے دو، شیخ فرید اور شیخ محمد وہیں رہ گئے، مجموعی طور پر شیخ فرید اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر کار بند اور علوم کسی وہبی سے بہرہ ور تھے۔ ان کے تین فرزند ہوئے شیخ فیروز، شیخ ابوالفتح اور شیخ عبدالرحمن، ان تینوں میں سے شیخ ابوالفتح نے عین جوانی کے عالم میں تحصیل علوم کی طرف توجہ کی انہیں عم سے وافر حصہ ملا اس کے بعد سلوک باطن کی طرف اپنی بلند ہمت کو مبذول کیا اور کافی عرصے تک اس دور کے صوفیاء کی صحبت میں رہے۔ ایک ثقہ روایت کے مطابق آپ شیخ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچ کر ان سے بھی مستفیض ہوئے بعد ازاں شیخ نظام نارولی جو کہ مشاہیر مشائخ چشت اور خواجہ خانوی گوالیری کے خلفاء میں سے تھے کی صحبت اختیار کی، یہ صحبت ان کو غایت درجہ اس آئی، برسوں ریاضتیں کیں اور بے پایاں

فیوض سے اپنی تشہ روح کو سیراب کیا۔

جب آپ نے سلوک و ارشاد کی تکمیل کر لی تو اپنے وطن واپس ہوئے۔ سنہ میں آیا ہے کہ شیخ نظام خود علوم ظاہری زیادہ نہیں جانتے تھے ان کے گھر میں ان علوم کا فیض شیخ ابوالفتح ہی کے ذریعے پہنچا حضرت شیخ نے اپنے مرشد کی اولاد کی تربیت کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے ہی عرصے میں انہیں پڑھا لکھا کروا شہند اور نامور بنادیا۔

مزید یہ سنایا ہے کہ ایک صاحب دل بزرگ نے جب شیخ ابوالفتحؒ کو حضرت نظام کی بارگاہ میں دیکھا تو سخت تعجب کے انداز میں کہا آفتاب ستارے کی پناہ لئے ہوئے ہے مزید یہ بھی سنایا ہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیزؒ کے خلفاء میں سے شیخ بیہت اللہ انصاری جو کہ بھلت کے باشندے تھے نے سفر آخرت اختیار کرنے سے پہلے یہ وصیت کی کہ ان کا جنازہ شیخ ابوالفتحؒ پڑھائیں جب کہ میں اسی وقت حضرت شیخ ابوالفتحؒ تارنول میں تھے۔ لوگ انتظار میں تھے اور وضو کر رہے تھے کہ اتنے میں شیخ ابوالفتحؒ نہایت تیزی سے پہنچ گئے اور نماز جنازہ کے امام بنے۔ تارنول میں ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور وہ فوری طور پر وطن روانہ ہوئے، گویا ان کے وطن پہنچنے کا واقعہ اسی بات سے متعلق تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ دونوں شیوخ شیخ بیہت اللہ اور شیخ ابوالفتحؒ نے آپس میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ ان میں سے جو بھی پہلے رحلت کرے گا، دوسرا اس کی نماز جنازہ پڑھائے گا۔ جب شیخ بیہت اللہ مرض الموت میں مبتلا تھے اور شیخ ابوالفتحؒ نے تارنول کا عزم کیا تو جاتے وقت شیخ بیہت اللہ نے انہیں اپنا وعدہ یاد دلایا۔ شیخ ابوالفتحؒ نے کہا کہ اگر ایسی صورت ہوئی تو وہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بھلت پہنچنے کا سبب دراصل یہی وعدہ تھا۔

مزید سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابوالفتحؒ کا رشتہ خوبہ طیفور کی حنفی مآب صاحبزادی کے ساتھ ہونا قرار پایا۔ مجلس نکاح میں جب گانے کی آواز بلند ہوئی تو شیخ ابوالفتحؒ کی حالت متغیر ہو گئی اور وجد و رقص کی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ خوبہ طیفور کا مشرب انکار سماع تھا، اس لئے اس واقعے کو خوبہ طیفور تک پہنچایا گیا، خوبہ صاحب آئے اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تو کہنے لگے کہ اس عزیز کو حقیقی وجد ہوا ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور ایک روایت یہ بھی سنی گئی ہے کہ جب شیخ

ابوالفتح کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اپنے بھتیجے شیخ ابوالحسن کو بلوایا اور اشارے سے فرمایا کہ قرآن مجید کی کوئی صورت پڑھو۔ جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو شیخ ابوالفتح نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سبحان رب العزۃ عما یصفون (۱) پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرے کہ آپ کا طائر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ شیخ ابوالفتح کا اوراد و وظائف پر مشتمل ایک نہایت لطیف رسالہ آپ کی یادگار ہے الغرض جب شیخ ابوالفتح کے ایامِ زندگی پورے ہوئے تو ان کے بڑے فرزند شیخ ابوالفضلؒ ظاہری و باطنی فیوض عام کرنے کے لئے ان کے جانشین ہوئے۔ آپ نے طویل عمر پائی جو سب کی سب رضائے الہی، ترک دنیا و اہل دنیا، تدبیریں علومِ دینیہ اور کتبِ سلوک مثلاً ”احیاء“ اور ”عین العلم“ کی تحقیق و توضیح اور ان کی اشاعت و عمل میں گزاری۔ آپ آدابِ طریقت میں نہایت خوش مسلک تھے فقیر (شاہ ولی اللہ) نے عین العلم کا نسخہ جس پر شیخ ابوالفضلؒ نے اپنی قلم سے حواشی لکھے ہیں، دیکھا ہے، اس کتاب کے حواشی کی خوبی ان کی تحقیق و تدقیق پر دلیل ہے۔

سنا گیا ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے عزیزوں میں سے ایک شخص کو کوئی چیز لانے کو کہا۔ اس شخص نے اس میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لی اور باقی شیخ کی خدمت میں پہنچا دی اسی دوران کہیں بطور نیاز آپ کی خدمت میں جلوہ آ گیا شیخ اسے تقسیم کرنے لگے جب اس شخص کی ہاری آئی تو اسے سب سے کم دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری اس خیانت کا بدلہ ہے جو تم نے ہمارے ساتھ کی۔

شیخ ابوالکرم

جب شیخ ابوالفضلؒ کی زندگی کے دن پورے ہو گئے تو ان کے بڑے فرزند شیخ ابوالکرم جو کہ پہلے ملازم پیشہ تھے، سجادہ نشینی کے لئے کوشاں ہو گئے، اور اس منصب کی ذمہ داری سنبھالنے کا ارادہ کیا، اعزہ و اقارب میں سے ایک گروہ ان کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا، جب شیخ مبارک جو کہ شیخ ابوالفضلؒ کے خادم تھے نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ متفکر ہوئے اور حضرت شیخ کی رو حانیت کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ شیخ کی طرف سے سجادہ نشینی کے منصب کی وضاحت ہو جائے۔ شیخ ابوالفضلؒ نے خواب میں اپنے خادم شیخ مبارک سے فرمایا کہ میرا سجادہ نشین وہی ہوگا جو کل فلاں

درخت کے نیچے کھانا تقسیم کرے گا۔ شیخ مبارک نے یہ سارا واقعہ حاضرین کو بتا دیا۔ صبح سویرے یہ عجیب اتفاق ہوا کہ تقسیم طعام کا کام اسی درخت کے نیچے شیخ محمد عاقل کے ہاتھ میں تھا۔ رفتہ رفتہ شیخ ابولکرم کی جمعیت میں تفریق کے اسباب پیدا ہو گئے اور وہ اس مشکل وقت میں صبر کا مظاہرہ نہ کر سکے جو کہ فقراء کا خاصہ ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ شیخ محمد عاقل طالبان علم اور فقراء کی رعایت فرماتے تھے اور وظائف و اوراد پر سختی سے کار بند رہنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرتے تھے۔ آپ جو دمخا اور ترک دنیا میں بہت بلند مقام کے مالک تھے آپ کے سب سے بڑے فرزند مخدوم شیخ محمد تھے

حضرت شیخ محمدؒ

بچپن ہی سے شیخ محمد کی جبین مبارک سے رشد و ہدایت کے آثار ہویدا تھے اور اہل دل بزرگ ان کے ساتھ التفات سے پیش آیا کرتے تھے چنانچہ شیخ جلال جو شیخ آدم بنوریؒ کے خلفا میں سے تھے اور اس علاقے میں گوشہ نشینی اختیار کی ہوئی تھی، شیخ محمد عاقلؒ کے ساتھ بہت قلمی لگاؤ رکھتے تھے۔ جب شیخ محمد پیدا ہوئے تو انھوں نے بشارت دی اور بالوضاحت تمام خواص کو یہ خبر دی کہ یہ نو مولود بچہ بلند رہے گا مالک ہے۔ شیخ جلال نے اس بچے کی ولادت پر ایک دینار بطور ہدیہ دیا اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت یہ وصیت کی کہ ان کا نسخہ قرآن مجید شیخ محمد کو دیا جائے۔

جب شیخ محمد سن شعور کو پہنچے تو تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اپنی تعلیم کا کچھ حصہ نازول میں اور کچھ مخدومی شیخ ابوالرضا محمد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا بعد ازاں قدوہ ارباب کمال سیدی و والدی شیخ عبدالرحیم قدس سرہ کی صحبت میں پہنچے جو انہیں حد درجہ موافق آئی، یہاں انھوں نے علوم کی تکمیل کی اسی دوران پردہ غیب سے انہیں راہ معرفت کی طرف آنے کی دعوت ملی جسے حضرت شیخ نے مردانہ وار لبیک کہا۔ انھوں نے ان تمام سرچشموں سے استفادہ کرتے ہوئے سالہا سال تک معرفت کی طلب میں پوری مستعدی دکھائی اور صوفیا کے تمام اشغال حاصل کئے یہاں تک کہ۔

کان لله یودہ درما مضی

تا کان الله له آمد جزا

(کیا تو ماضی میں اللہ کے لئے تھا کہ اس کے بدلے میں خدا تیرے لئے ہو جائے) کے

مصدق مقامات تکمیل وارشاد سے دامن بھر کر آپ وطن مالوف کی طرف لوٹے، الغرض آپ کی سیرت یہ تھی کہ جود و سقا، تواضع و انکساری، ترک خواہشات نفس اپنے مرشد کے احکام اور ایام طلب وارشاد دونوں حلقوں میں اپنے شیخ کی رضا جوئی، افادۂ ظاہری و باطنی اور تاثیر توبہ میں اپنے تمام خاندان میں صاحب فضیلت تھے۔ اس سلسلے میں آپ کے بلند مقام کا یہ عالم تھا کہ معصروں کے لئے ان کے ساتھ برابری کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

حضرت شیخ محمد فرمایا کرتے تھے کہ تحصیل علم کے دوران چونکہ ہمارے شیخ اکثر و بیشتر تجربہ دیں مستغرق رہتے تھے اور اس بنا پر ہمارے اسباق تھوڑے تھوڑے ہوا کرتے تھے، یہ دیکھ کر میرے دل میں قلق پیدا ہوا انہی دنوں اتفاقاً قامیرا گزرشہر کے ایک عالم کے درس سے ہوا تو وہاں کی پابندی درس دیکھ کر میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ کچھ ضروری کتابیں اس درس میں پڑھ لینی چاہئیں جب میں واپس حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور قلم اٹھا کر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر دو تین لفظ لکھے اور اسے وہیں پھینک کر گھر تشریف لے گئے، میں نے کاغذ کو وہ پر چڑھا کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا، ”آج تم کہاں گئے ہوئے تھے کہ میں تمہارے اندر ایک ظلمت دیکھ رہا ہوں۔“ میں نے توبہ کی اور اپنے ارادے سے باز آیا، پھر اس قسم کا کوئی خیال میرے ذہن میں نہ گزرا۔

ایک روز حضرت شیخ (مرشد شیخ محمدؒ) نے اپنے ایک مرید کو کسی صاحب کے گھر ایک بکری پہنچانے کا حکم دیا، جب اس نے بکری کو ہانکے اور اٹھانے دونوں صورتوں میں دشواری محسوس کی تو اس نے کسی مزدور کی تلاش شروع کی مگر اسے کوئی مزدور ہاتھ نہ آیا۔ اس لئے اس کام میں تاخیر ہو گئی۔ شیخ محمدؒ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً بکری کو کاندھے پر اٹھا کر چل پڑے۔ جب شیخ محمد واپس آئے اور حضرت شیخ کو دونوں کے بارے میں علم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ شیخ محمدؒ اس کی حسن خدمت میں مقربین کے درجے پر پہنچایا۔ اور دوسرے کو اس کے قصور نے اس مرتبے کے حصول سے باز رکھا۔ شیخ محمدؒ نے فرمایا کہ لگ بھگ آدھی رات کا وقت تھا کہ حضرت شیخ مسجد سے اٹھ کر جب اپنے دروازے پر پہنچے تو ایک لمحے کے لئے مراقبہ کی صورت میں بیٹھ گئے اور اس وقت مجھ سے فرمانے لگے اگر کوئی طالب راہ سلوک تمہاری طرف رجوع کرے تو جو کچھ تمہیں مجھ

سے پہنچا ہے اسے اس کی تلقین کرنا تمہیں اس کی اجازت ہے۔ میں قدرے توقف میں پڑ گیا اور میرا دل کہ جس میں کبھی اس طرح کا خیال نہیں آیا تھا اس بات سے گھبرا گیا حضرت شیخ میرے اس خدشے پر مطلع ہو کر فرمانے لگے، اس وقت خدا تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کے نام مجھے الہاماً بتا دیئے ہیں جو تم سے براہ راست یا بالواسطہ بیعت کریں گے چاہو تو میں ان میں سے کچھ کے نام تمہیں بتا دوں، یہ جان لو کہ جب کوئی امر خدا تعالیٰ کے ہاں مقرر ہو جائے تو پھر وہ محل توقف نہیں ہوتا۔

تاثیر صدقہ

شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک امیر کو رکاوٹ پیشاب کا عارضہ لاحق ہو گیا بہت علاج معالجہ کیا مگر افاق نہ ہوا۔ اسی دوران شیخ بایزید اللہ گودرونیشوں کی اللہ اللہ پکارنے والی جماعت کے ساتھ وہاں سے گزرے۔ امیر کے متعلقین ان کے پیچھے دوڑے اور عرض کیا کہ ہمارے یہاں ایک بیمار ہے اس کے حال پر توجہ فرمائیں۔ شیخ بایزید اللہ گواس گھر میں داخل ہوئے۔ بیمار کی پریشانی دیکھ کر شفقت فرمائی اور خدا کی راہ میں کوئی چیز دینے کے لئے کہا۔ اس نے کہا جس قدر فرمائیں؟ آپ نے فرمائیانی الحال ایک ہزار روپیہ حاضر کرو۔ شیخ دروازے کے باہر کھڑے ہوئے اور اپنا پرایا جو بھی سامنے آیا وہ روپیہ ان میں تقسیم فرماتے گئے یہاں تک کہ رقم ختم ہو گئی تو پوچھا کہ اب مریض کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا ابھی تو ویسے ہی ہے فرمایا ایک ہزار روپیہ مزید لاؤ۔ وہ لے آئے وہ بھی تقسیم کر دیا اور پوچھا کہ اب کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسی طرح ہے، یہ سن کر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے خدا اب کے مجھے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے اپنے فضل سے اس مریض کو شفا عطا فرمادے۔ اسی وقت مریض کے پیشاب کی رکاوٹ ختم ہو گئی اور وہ شفا یاب ہو گیا فرمایا کرتے تھے کہ سترہ سال ہوئے میں خود کو خود میں نہیں پارہا اور اکثر یہ رباعی پڑھا کرتے تھے۔

اے دوست ترا بہر مکان می جستم
وز تو خبر ز این و آن می جستم
دیدم بتو خویش را تو خود من بودی
نخلت زده ام ز تو نشاں می جستم

(اے محبوب ازل تجھے میں نے ہر جگہ تلاش کیا اور ایں و آں ہر چیز سے تیری خبریں پوچھیں۔ جب میں نے تیری تلاش میں خود پر نظر کی تو میں نہ تھا تو ہی تھا اس لئے شرمندہ ہوں کہ میں تیرا نشان پانے کی تلاش میں سرگرداں تھا)۔

حضرت شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک روز مشاہدات میں حق سبحانہ و تعالیٰ ایک دوست کی صورت میں اس طرح جلوہ گر ہوئے کہ گویا ایک بچے کو انگلی سے پکڑے ہوئے لارہے ہیں اور مجھے فرمایا کہ یہ بچہ تیرے گھر پیدا کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا بار خدا یا تیری مخلوق ہے تو جہاں چاہے پیدا کرے۔ اس واقعے کے تھوڑے عرصے بعد مخدومی شاہ عبید اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ جو کہ حضرت شیخ محمد کے سب سے بڑے فرزند تھے، پیدا ہوئے۔

حیات شہید

فرمایا کہ میرے اقارب میں سے محمد بنی نامی ایک شخص جو کہ پورب کے کسی علاقے میں شہید ہو گیا تھا طالب علمی کے دور میں ایک دن مسجد جنو کے ایک حجرے میں تنہا کواڑ بند کئے بیٹھا تھا کہ اچانک وہ عزیز میرے سامنے ظاہر ہوا اس کے لباس اور ہتھیاروں کی چمک زمین پر پڑ رہی تھی، میں نے کہا کہ کچھ اپنے بارے میں تو بتاؤ، کہنے لگا کہ جب میں زخم کھاتا جا تھا تو ایسی لذت محسوس ہوتی تھی کہ جس کی حلاوت اب بھی میرے دل میں باقی ہے اس وقت بادشاہ کوفوج فلاں بت خانے کو توڑنے کی خاطر جارہی ہے میں بھی ان کی رفاقت میں جا رہا ہوں یہاں سے گزر ہوا تو آپ سے ملاقات کا شوق مجھے یہاں لے آیا۔

حیات اولیاء

جب حضرت شیخ محمدؒ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت والد بزرگوار (شاہ عبدالرحیمؒ) نے ان کے مزار پر بیٹھ کر حاضرین کو ذکر بالجبر کا حکم دیا۔ اس مجلس ذکر کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ محمدؒ کی روح نے میرے سامنے ظاہر ہو کر کہا ”میں چاہتا تھا کہ اپنے جسم سمیت آپ کے پاس آؤں کیونکہ خدا نے مجھے یہ طاقت عطا کر رکھی ہے مگر یہ بات مصلحت کے خلاف تھی۔

حضرت شیخ محمدؒ کے تصرفات اور بعض کرامات صورت شیخ کا کرشمہ

آپ کے مہم خاص سید علی بیان کرتے ہیں کہ غفوان شباب میں شراب نوشی کا مرتکب تھا اور کسی بھی برے فعل سے احتراز نہیں کرتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر کسی بزرگ کی زیارت سے میں ان قبیح امور سے باز آ گیا اور تقویٰ و پرہیزگاری میرے دل میں جائز ہوئی تو میں اس کی صحبت اختیار کروں گا اور اسی سے بیعت کروں گا۔ حضرت شیخ محمدؒ کسی اقرب کے سلسلے میں قریہ سرائے میں تشریف لائے، چونکہ میرے والد ان کے معتقد تھے اس لئے میں بھی ان کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا تم کہاں تھے؟ اور کہاں لو کر ہو؟ یہ دو تین لفظ انھوں نے میرے بارے میں ادا فرمائے ہی تھے کہ میرے دل میں ایک عجیب قسم کی کشش پیدا ہوئی اور تمام برے امور سے ایسی نفرت پیدا ہوئی جو لکھ بے لحظہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ میں اٹھا شراب کی تمام بوتلیں توڑ ڈالیں، برے افعال کی تمام اسباب بٹا دیئے، غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور توبہ کر کے آپ سے بیعت ہو گیا اور باقاعدگی سے آپ کی صحبت میں شامل ہونے لگا، کچھ عرصہ بعد مجھے سفر کامل کا اتفاق ہوا تو میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ میرا ارادہ تھا کہ کچھ وقت آپ کی صحبت کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوتا مگر کیا کروں کہ قسمت کامل کی طرف کھینچے لئے جاتی ہے۔ اس پر آپ نے یہ مشہور شعر پڑھا۔

گر در یمنی چو با منی پیش منی

در پیش منی چو بے منی در یمنی

(چاہے تم یمن میں بھی رہو لیکن مجھے اپنے ساتھ رکھو تو یہ یوں ہے جیسے میرے سامنے ہوا اگر میرے ساتھ بھی رہو مگر میرے تصور کے بغیر ہو، تو یہ ایسے ہے، جیسے یمن میں ہو)

اس کے بعد آپ نے مجھے اجازت عطا فرمائی اور میں کامل پہنچ گیا، وہاں ایک دن اتفاق

سے مجھے ایک عورت کے ساتھ تنہائی میسر آگئی اور بدکاری کی خواہش نے مجھ پر پوری طرح غلبہ پالیا، قریب تھا کہ میری توبہ نہ ٹوٹ جاتی کہ عین اسی وقت حضرت شیخ محمدؒ کی صورت مبارک میری آنکھوں کے سامنے آ موجود ہوئی۔ آپ کی شکل مبارک دیکھتے ہی مجھ پر سوار شہوت کا بھوت یکدم غائب ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کابل میں تین چار سال گزارے لیکن اس دوران عورتوں کا خیال تک میرے دل میں پیدا نہ ہوا۔ اس سے مجھے یہ گمان گزرا کہ میں نامرد ہو گیا ہوں، مگر جب وطن واپس آیا اور اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ صحبت کی تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نامرد نہیں تھا بلکہ یہ عظمت حق تھی (جس کے طفیل میں بدکاری سے محفوظ رہا)

عظمت اللہ نامی ایک طالب علم حضرت شیخ محمدؒ کی خانقاہ میں مقیم تھا جو حسین شکل و صورت کا مالک تھا، جب وہ نغمہ کی لے چھڑتا تو حضرت شیخؒ بہت خوش ہوتے تھے، ایک رات آپ حد درجہ مسرور تھے کہ عظمت اللہ کو گانے کے لئے فرمایا۔ اس نے تن داری کرتے ہوئے بات سنی ان سنی کر دی، آپ نے اسے دود تین بار طلب فرمایا مگر اس نے اسی طرح انکار پر اصرار کیا۔ اس پر آپ غضب ناک ہو گئے اور بنظر غضب اس کی طرف متوجہ ہوئے، تو اس کی حالت میں عجیب و غریب تبدیلی آگئی۔ چہرہ زرد پڑ گیا، جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور اسے اپنی ہلاکت کا خوف پیدا ہوا، چنانچہ اس نے آپ کے خادم خاص محمد جعفر سے سفارش کی التجا کی جب اس نے حضرت شیخؒ کے حضور اس کی سفارش کی تو آپ کا غصہ فرو ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ اس کی جس خوش الحانی سے مجھے دلچسپی تھی وہ تو واپس نہیں آئے گی اس کے بعد واقعتاً وہ اس خوش آوازی سے محروم ہو گیا اور تمام لوگوں کی طبیعتیں اس سے اچاٹ ہو گئیں بعد ازاں کئی طرح کی برائیوں اور بد عقیدگیوں کا مرتکب ہو گیا اور کہیں امن و سکون نہ پاسکا (العیاذ باللہ)

سلب مرض

ایک بارسید برہان بخاری قونج کے درد میں مبتلا ہو گئے اور شدید بے چینی محسوس کرنے لگے، آپ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے سر ہانے بیٹھ کر اس کے مرض کو اس طرح سلب کر لیا کہ اسے فوراً شفاء کا ملہ ہو گئی البتہ کبھی کبھی قونج کا یہ عارضہ حضرت شیخؒ کو ہو جاتا تھا۔

تصرف شیخ

میر عبد اللہؒ کہ آپ کے خاص دوستوں میں سے تھے، بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت شیخ ایک دفعہ ایک جگہ تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ہمراہ تھا آپ نے جب واپس آنے کا عزم کیا تو مجھے تیز بخار نے آلیا، یہاں تک کہ ملنے کی سکت باقی نہ رہی میرے لئے سواری تلاش کی گئی لیکن نہ مل سکی۔ آخر فرمانے لگے کہ اگر کر سکتے تو میرے گھوڑے کے آگے آگے چل، تجھے ایک عجیب واقعہ دکھائی دیگا چنانچہ بہت دقت اور محنت کے ساتھ لوگوں نے مجھے کھڑا کیا اور حضرت شیخ کی نظر کے سامنے لے آئے، میں نے تکلیف کی شدت میں قدرے کمی محسوس کی اور آپ کے گھوڑے کے آگے چنا شروع کیا۔ بخار کی شدت آہستہ آہستہ کم ہونے لگ گئی، یہاں تک کہ میں پوری طرح صحت یاب ہو گیا اور ساری مسافت پیدل طے کی۔

مکثیر طعام

قصر سنوہ میں ایک دفعہ آپ کے ایک معتقد نے دعوت کا اہتمام کیا، اور صرف پندرہ آدمیوں کا کھانا تیار کرایا۔ ابھی دسترخوان لگا ہی تھا کہ شیخ یعقوب حاکم ملوہ ایک کثیر جماعت لئے ہوئے آپ کی زیارت کو آیا، میزبان کچھ گھبرا سا گیا، آپ نے فرمایا فکر کی بات نہیں، اس کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے اسی وقت حکم دیا کہ بہت ساری پلیٹیں لائی جائیں، سب کو اچھی طرح پر کیا جائے اور تمام لوگ سیر ہو کر کھانا کھائیں، چنانچہ بالکل اسی طرح ہوا اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا بعض اوقات فقرایوں بھی کیا کرتے ہیں۔

من عادلی ولیا فاذنتہ بالحرب

شیخ اللہ بخش جو آپ کے خاندان کا ایک فرد اور باوقار و معتمد انسان تھا، نے ایک دفعہ آپ کی شان میں کوئی نامعقول بات کہی اور گستاخی کی۔ آپ طیش میں آ گئے اور فرمانے لگے خداوند اس شخص کا منہ پھر مجھے مت دکھانا اور اسی وقت سوار ہو کر کسی جگہ تشریف لے گئے، وہ اسی دم بیمار پڑ گیا یہاں تک کہ اس پر جان کنی کا عالم طاری ہو گیا، تیسرے روز جب آپ واپس تشریف لائے تو وہ دم توڑ چکا تھا چنانچہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

شیخ عبد الوہاب جو حضرت شیخ محمد کا چچا زاد بھائی تھا، نے ایک عمارت تعمیر کرائی، اس علاقے

کے ایک رئیس رستم نے شیخ عبدالوہاب کی عدم موجودگی میں اس عمارت کو گرانے کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے یہ بات حضرت تک پہنچائی تو آپ نے فرمایا کہ بہت نامناسب سی بات ہے کہ رستم شیخ عبدالوہاب کی عمارت گرائے اور ہم بھی موجود ہوں، جنگ و جدل تو فقراء کا شیوہ نہیں البتہ میں ایسا تصرف کرتا ہوں کہ وہ یہاں تک پہنچ ہی نہ سکے گا چنانچہ جب رستم عمارت گرانے کی خاطر لشکر لے کر باہر نکلا تو سید لشکر خاں کے عاملوں میں سے ایک آدمی اس کے ساتھ اس بارے میں متفق نہ ہوا اور اس نے راستے میں ان کے ساتھ تازہ شروع کر دیا نتیجہ یہ نکلا کہ اس عامل کا بھائی مارا گیا، رستم اس میں ماخوذ ہوا اور اسی مواخذے میں ہی مر گیا۔

امداد اولیاء

سید محمد وارثؒ کا بیان ہے کہ مجھے ایک سفر کا اتفاق ہوا، میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے توجہ کی درخواست کی۔ آپ نے خیر و عافیت کی خوشخبری دی، اتفاقاً سفر میں ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور مجھے اپنی موت کا خوف محسوس ہوا، اس حالت میں حضرت شیخ کی جناب میں متوجہ ہوا، فوراً مجھ پر عرش طاری ہو گیا اور خواب میں حضرت شیخ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں فلا نے! تمہیں کس لئے روکا ہے؟ اٹھو اور روانہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے مجھے دو لہو عنایت فرمائے جو میں نے جیب میں رکھ لئے، جب اس غنودگی سے بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں لہو بدستور میری جیب میں موجود ہیں، چنانچہ میں اٹھا اور سوار ہو کر اپنی منزل کو چل دیا۔ تمام ڈاکو مجھ سے غافل رہے اور ان میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے تعرض نہ کر۔ کا، وہ لہو ایک عرصے تک (بظور تبرک) میرے پاس موجود رہے مگر جب حضرت شیخ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے تو میں نے کھائے۔

حضرت شیخ کے انتقال کے بعد آپ کے متوسلین میں سے ایک معمر عورت تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئی اور انتہائی کمزور پڑ گئی۔ رات کے وقت اسے پانی اور لحاف اوپر لینے کی ضرورت محسوس ہوئی خود اسے اٹھنے کی طاقت نہیں تھی اور پاس کوئی تھا نہیں چنانچہ حضرت شیخ متحمل ہو کر تشریف لائے، آپ نے اسے پانی پلایا، لحاف اوڑھایا اور پھر غائب ہو گئے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

جب شاہ عالم اور اعظم ایک دوسرے کے خلاف صف (۱) آرا ہوئے تو آپ کے ایک مرید نے عریضہ ارسال کر کے آپ سے استفسار کیا کہ ان دونوں میں سے کون فتح مند ہوگا آپ جس کی فتح اور کامیابی کی تصدیق فرمائیں میں اسی کا ساتھ دوں، آپ نے اسے بالوضاحت لکھ بھیجا کہ فتح شاہ عالم کی ہے، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

ختم خواجگان

کفار مانکیان نے اپنا ایک جتھہ بنا رکھا تھا جو اکثر اس علاقے کے شہروں کو لوٹا کرتا تھا، ہستی والے بہت پریشان ہوئے اور آپ کے حضور دعا کے لئے درخواست کی آپ نے فرمایا اس سے پہلے تو جس چیز کی طرف چاہتا اپنی قوت تصرف کو متوجہ کر دیا کرتا تھا اب تو ہمت و ارادہ بھی باقی نہیں رہا جو کسی چیز سے متعلق ہو، مگر حکم خداوندی کے تحت اس کے اسمائے گرامی سے تمسک ضرور کرنا چاہئے۔ یہ کہہ کر آپ ختم خواجگان میں مشغول ہو گئے اور فراغت کے بعد فرمانے لگے دعا قبول ہو گئی ہے حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس قوم کو کفار کی ہماری طرف آنے سے روک دیا ہے، چند روز گزرے ہی تھے کہ ایسے ہی ہوا۔

حضرت شیخ محمد جب کسی کے حق میں بنظر قبول التفات فرماتے تو وہ ایک دم عالم غیبت میں پہنچ جاتا اور عجیب و غریب حالات رونما ہوتے۔

تاثیر نظر

ایک دفعہ موضع سنبل ہیڑہ کے باشندوں نے آپ سے توجہ اور تاثیر کی استدعا کی آپ نے ایک ہی نظر ڈالی تو سید نور علی سید ملتانی وغیرہ سترہ کے سترہ (حاضرین مجلس) شخص بیہوش ہو کر گر پڑے۔

ایک مرتبہ قصبہ لاہور کے رہنے والے شیخ ماکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ حضور! میں آپ کی توجہ و تاثیر کو آزمانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت شیخ نے اس پر توجہ فرمائی تو وقت اشراق سے لے کر جمعہ تک بے ہوش پڑا رہا۔ جب اسے جھنجھوڑا گیا تو وہ مستانہ

(۱) اور تکذیب مانگیر۔ ان فرزندوں کے درمیان ۱۱۱۹ھ میں اکبر آباد میں جنگ ہوئی۔

حکمتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب ہوش میں آیا تو اس سے اس کی حالت کے بارے میں پوچھا گیا اس نے کہا کہ اگر ایک ساعت حضرت شیخ مزید توجہ فرماتے تو میری روح بدن سے پرواز کر جاتی۔

سید عبدالرحیمؒ اور سید ہاشم حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت و صحبت کا ناٹھ جوڑا آپ کی صحبت کی تاثیر کی وجہ سے دونوں میں عجیب کیفیت پیدا ہو گئی۔

کشف قبور

سید عبدالرحیمؒ کو کشف قلوب اور کشف قبور حاصل ہوا، جس قبر پر جاتے اس کی حقیقت بیان کر دیا کرتے تھے۔ ایک بار کھا تو لی کے قریب کہنے لگے کہ مجھے ایک شعلہ نظر آتا ہے جو زمین سے نکل کر آسمان تک پہنچ گیا ہے۔ جب ایک قبر کے نزدیک پہنچے تو فرمایا کہ شعلہ اس قبر سے نکل رہا ہے۔ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ صاحب قبر زندگی میں ظلم اور بدکاری میں مبتلا تھا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کوئی شخص سامنے سے گزرا تو سید عبدالرحیمؒ فوراً اس کے دل کا حال بیان کر دیا کرتے تھے رفتہ رفتہ سید عبدالرحیمؒ پر جنون کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور مجذوبوں کی سی حالت ہو گئی۔ ان کی والدہ نے حضرت شیخ کی خدمت میں فریاد دزاری کی تو آپ نے فرمایا اسے کچھ عرصے کے لئے میری صحبت میں حاضر رہنا چاہئے، کچھ وقت تک اسے حضرت شیخ کی نگرانی میں رکھا گیا تو ان کی حالت معمول پر آ گئی۔

سید ہاشم کی کیفیت یہ تھی کہ جو آسیب زدہ بھی ان کے سامنے لایا جاتا۔ ان کا سامنا کرتے ہی جن بھوت فوراً فرار ہو جاتا۔ اس طرح ایک عالم آپ کے کرشمہ نظر کے نتیجے میں آسیب جنات سے چمٹکارا حاصل کرتا تھا رفتہ رفتہ ان پر بھی حالت جذب طاری ہو گئی سارا دن عہرا و بیابان میں گھومتے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک رات آپ ایک ہندو جوگی کے نیچے پر پہنچے اس نے ایسا جادو کیا کہ تالاب کے کنارے پر سنگریزوں سے خشک کھالوں کی رگڑ کی آواز سنائی دینے لگی آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کے بعد بھینسے کی شکل میں ایک خوفناک دیوتا ظاہر ہوا جس نے سید ہاشم پر حملہ کر دیا مگر آپ عالم مستی میں حق حق کا نعرہ لگاتے ہوئے جو اس کی طرف پلٹے تو ایک ہی ساعت میں اسے راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیا۔ جب ہندو جوگی نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً مسلمان ہو گیا

ایک دفعہ عبدالبحان نامی ایک شخص حضرت شیخ محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے تصرف فرمایا تو اس پر توحید کی ایک قسم منکشف ہوئی جس کے نتیجے میں وہ دیوانہ وار لگی کوچوں میں گشت کرتا ہوا ہر چیز کو خدا کہنے لگا۔ اور ہر قسم کے شرعی و عرفی آداب سے بے نیاز ہو گیا۔ لوگ اس بات سے تنگ آ گئے اور اس کو دوبارہ حضرت شیخؒ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اس کی اس ساری کیفیت کو سب فرمایا اور وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے۔

کشف غیوب

سید عنایت اللہ ساکن سنس بلوڑہ کو حضرت شیخؒ کی توجہ سے قلیل مدت میں غیب کی باتوں کا کشف حاصل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار سید صاحب بیمار پڑ گئے اور حضرت شیخؒ ان کی عیادت کو گئے۔ سید صاحب پر شیخؒ کے سوار ہونے کے وقت سے لے کر گھر پہنچنے تک کے تمام حالات اس طرح منکشف ہو گئے جیسے چشم ظاہر سے دیکھ رہے ہیں۔ شیخؒ ادھر سوار ہوئے ادھر انھوں نے کہا کہ اب سوار ہوئے ہیں۔ پھر کہا اب فلاں جگہ پہنچے ہیں، اب شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ دوستو! اشو، شیخؒ کے استقبال کے لئے نکلو۔ پھر کہا، اب میرے دروازے پر تشریف لے آئے ہیں اس لئے مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔

مثال وحدۃ الوجود

سید ملتانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں عجیب و غریب فیبت حاصل ہوئی، لوگوں کے شور و شغب کا کوئی احساس نہیں کرتے تھے کیونکہ ان پر توحید کا غلبہ تھا۔ کسی نے ان سے توحید کی مثال پوچھی کہنے لگے جس طرح ایک مکے کو ریت سے بھر کر اس میں پانی ڈال دیا جائے اور وہ پانی اس ریت کے ہر ہر ذرے میں سرایت کر جاتا ہے اسی طرح ذات وحدہ لا شریک کائنات کے ہر ذرے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

نگاہ ولی

محمد محسن حضرت شیخؒ کی صحبت میں حاضر ہوئے اور چند ہی روز میں آگاہی ذات سے مشرف ہو کر ہمہ اوست کی معرفت کے مرتبے پر فائز ہو گئے۔ حضرت شیخؒ نے محمد جعفر کو اس پر مقرر کر دیا کہ محمد محسن سے نماز نہ چھوٹ جائے لیکن تھوڑے عرصے بعد محمد محسن کو اس کیفیت سکر سے قدرے آفاقہ

ہو گیا، بعد ازاں محمد محسن کی توجہ تھوڑی ہی مدت میں یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک شخص جو کسی عورت کی محبت میں مبتلا اور دیوانہ وار زار و قطار روتا پھر رہا تھا اس کے بارے میں بعض دوستوں نے آپ سے کہا کہ افسوس ہے کہ ایسا مرد ہاتھ سے جا رہا ہے اس پر محمد محسن نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور ایک دو لمحے اس پر توجہ ڈالی تو اس عورت کی محبت اس کے دل سے بالکل زائل ہو گئی اور اس کی جگہ محبت الہی نے گھر کر لیا۔

عبدالہادی نامی ایک شخص جو کہ سماع اور وجد کا منکر تھا آپ کی خانقاہ میں وارد ہوا۔ اتفاقاً اسی روز آپ ایک مجلس سماع میں مدعو تھے، راستے میں اس سے دل لگی کرتے ہوئے فرمایا کبھی تو نے وجد بھی کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کیا تم وجد کرنا چاہتے ہو؟ تو اس نے تعجب کا اظہار کیا سماع کے دوران آپ نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر اپنا تصرف کیا تو وہ شخص مستانہ حرکتیں کرنے لگا۔ اس کی یہ کیفیت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ مسلسل دو روز اسی طرح بیخود رہا۔

جہاں آباد کار بننے والا تھو نامی ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس پر توجہ فرمائی تو وہ ایسا بے خود ہوا کہ جو بھی اس وقت اس پر نظر ڈالتا، اس پر بھی بیخودی کے اثرات ظاہر ہونے لگتے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حضرت شیخ محمد پھلتی کے تصرفات اور باطنی توجہات حد و شمار سے باہر ہیں۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

حضرت شیخ محمد ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۵ھ میں رحلت فرمائے خد بریں ہوئے رضی اللہ عنہ وارضاه و الحقنا بہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے اساتذہ و مشائخ حرمین کے مختصر حالات

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے حرمین شریفین کو خیر البلاء بنایا اور ہر دور میں ان میں اپنے منتخب بندوں کو ٹھہرایا اور درود و سلام ہوں ہمارے آقا سید الکونین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل اور اصحاب پر۔

فقیر ولی اللہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جنہیں انسان العین فی مشائخ الحرمین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے حرمین شریفین کے بعض ان مشائخ صوفیا اور علمائے محدثین کے حالات پر مشتمل ہیں جن سے اس فقیر کو سلسلہ خرقہ صوفیا اور اسناد حدیث پہنچی ہیں، جنہما ہم اللہ تعالیٰ عنی خیر الجزاء۔

شیخ احمد شناویؒ

آپ علی بن عبد القدوسؒ بن محمد عباس شناوی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد گرامی اولیائے کبار میں سے ہو گزرے ہیں۔ شیخ عبد الوہاب شعر اوی نے ان کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ آپ علوم شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ علم حدیث خمس ربلی اپنے والد بزرگوار سید غضنفر اور شیخ محمد بن ابی الحسن بکری سے حاصل کیا اور اپنے والد بزرگوار سے خلافت پائی۔ ان کی صحبت کے بعد سید صبغة اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھوں بھی خرقہ خلافت پہنا۔ آپ ان کی صحبت سے درجات عالیہ پر پہنچ کر ان کے خلیفہ بنے کہا جاتا ہے کہ تربیت سالکین کے سلسلے میں انھوں نے کہا لو کان الشعر اوی حیا ما وسعه الا اتباعی (یعنی اگر شعر اوی زندہ ہوتے تو وہ بھی میرے اتباع کرتے) آپ کا قول ہے کہ عہدنا بحفظ وان لم یحفظ۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ کہتا ہے کہ متاخرین اہل حرمین کی اصطلاح میں قبول بیعت سے مراد اخذ عہد ہے، یعنی جب بھی مشائخ صوفیا کسی کی بیعت قبول کرتے ہیں تو اس سلسلے کے تمام مشائخ چاہے

زندہ ہوں یا گزشتہ کی برکات اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔

آپ کا قول ہے کہ لا یدخل النار من رانی و رانی من رانی الی یوم القیامۃ (وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا یہ سلسلہ قیامت کے دن تک رہے گا)

کہتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنے حجرے میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک گرگٹ کو دیوار پر جاتے ہوئے دیکھا حکم شرعی کے تحت آپ نے اسے مارنا چاہا مگر شہود وحدت نے آپ کے اس ارادے کو منزلزل کر دیا، ایک بار پھر اس کو مارنے کا ارادہ کیا مگر شہود وحدت مانع رہا۔ غرض ان دو اندیشوں کے درمیان الجھے ہوئے تھے کہ آخر کار حکم شرعی کی تعمیل کا پختہ ارادہ کرتے ہوئے ایک پتھر اسے دے مارا، نشانہ چوک گیا اور گرگٹ بھاگ گیا آپ بہت خوش ہوئے اور کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے لئے دونوں باتیں جمع کر دیں، شیخ احمد قشاشیؒ نے اس حکایت کے بعد کہا کہ اگر وہاں میں ہوتا تو ہرگز تامل نہ کرتا اور فوراً اس گرگٹ کا سر کچل دیتا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ قشاشی کی مراد یہ تھی کہ وحدت فی الحقیقت کثرت میں اس طرح جلوہ گر ہے کہ کثرت اور اس کے احکام کے ساتھ ان کا کوئی تضاد نہیں اگرچہ پانی اور آگ دونوں وجود کے لحاظ سے ایک ہیں لیکن چونکہ ان میں سے ہر ایک فیض خاص کا مظہر اور استعداد مخصوص کا منبع ہے، لہذا پانی آگ سے اڑ جاتا ہے اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے، اور حکم شرع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کثرت کے احکام میں نظم و ترتیب قائم رہے اور شہود کامل یہ ہے کہ وحدت، کثرت سے مزاحم نہ ہو اور کثرت وحدت کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔

چوں کہ بیرنگی اسیر رنگ شد

موسوی یا عیسوی در جنگ شد

(چونکہ بے رنگی نے رنگ کا روپ اختیار کر لیا اس لئے موسوی عیسوی کے خلاف میدان جنگ میں کود پڑا)

آپ ۱۰۲۸ھ میں وصال فرما کر جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

شیخ احمد قشاشی

آپ محمد بن یونس القشاشی المعروف عبدالنبی بن شیخ احمد الدجانی کے فرزند ارجمند ہیں۔
 ”دجانہ“ (بہ تخفیف جیم) بیت المقدس کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔ آپ اسی قصبے کے
 نہایت بزرگ باشندے تھے۔ شیخ عبدالوہاب نے طبقات میں ان کے حالات زندگی لکھے ہیں۔
 شیخ یونس کو عبدالنبی کے نام سے اس لئے پکارا جاتا تھا کہ وہ لوگوں کو اجرت دے کر مسجد میں بٹھاتے
 تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و صلوة پڑھیں۔ آپ کو قشاشی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے
 آپ کو چھپانے کی غرض سے مدینہ منورہ میں قشاشہ فروشی کی دکان کرتے تھے اور قشاشہ پرانے
 سامان کو کہتے ہیں مثلاً دو اتیں، پرانے جوتے اور اسی طرح کی دوسری اشیاء، آپ کے والد بزرگوار
 محمد مدنی بھی عالم اور مرد صالح تھے۔ شیخ احمد قشاشی علم حقیقت و شریعت کے امام تھے۔ حقائق
 معرفت کے بارے میں آپ کی گفتگو آیات و احادیث سے مدلل ہوتی تھی، کئی مشائخ کی صحبت
 میں رہے اور خرقۂ خلافت اپنے والد سے حاصل کیا، مگر انہیں گوہر مقصود شیخ احمد شادوی سے حاصل
 ہوا۔ اسی لئے انھوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کیا، کہا جاتا ہے کہ شیخ احمد قشاشی نے مشائخ
 صوفیاء کی تلاش میں سفر اختیار کیا، جب واپسی پر جدہ پہنچے تو حالت کشف میں ان پر یہ ظاہر ہوا کہ شیخ
 احمد شادوی سامنے کھڑے ہیں اور ان کی شرمگاہ سے مادہ منویہ خارج ہو رہا ہے جس کی وجہ سے ان
 کے پاؤں اور کپڑے آلودہ ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو ان کے ذہن میں اس واقعے کی یہ تعبیر آئی کہ
 شیخ شادوی مرتبہ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں لیکن ان سے اکتساب فیض کرنے والا ابھی تک کوئی نہیں، اس
 کے فوراً بعد وہ حضرت شادوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے جب انھیں دیکھا تو فرمایا ہم
 اس شخص کو مرہبہ کہتے ہیں جو ہم سے ہمارے علوم کا فیض پانے کے لئے آیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد قشاشی نے خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین بن عربی (۱)

(۱) شیخ ابو بکر محی الدین بن علی المعروف ابن عربی و شیخ اکبرؒ ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۱۶۵ء میں مرسیہ
 میں پیدا ہوئے جو اندلس کے جنوب مشرق میں واقع ہے آپ کا تعلق مشہور عرب قبیلے ”بنو غلہ“ سے تھا۔ آپ
 ۵۶۸ھ میں اشبیلیہ آئے جو اس وقت علم و ادب کا مرکز تھا۔ آپ نے تقریباً تیس برس کا طویل عرصہ تعلیم و تعلم اور
 اسلامی فلسفے کے مطالعے میں گزارا۔ ۳۸ برس کی عمر میں بلا و شرق کی طرف روانہ ہو گئے اور مصر و شرق قریب اور
 ایشیائے کوچک کی سیاحت میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران آپ بیت المقدس، (باقی اگلے صفحہ پر)

نے انھیں خرقہ خلافت پہنا کر اپنی ہمشیرہ ان کے نکاح میں دے دی ہے۔ اس کی تعبیر انھوں نے یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد اور حلب گئے بالآخر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ شیخ ابن عربی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے نظریہ وحدت الوجود کے فلسفہ کی عقلی و شرعی تشریحات کی بنا پر پوری دنیا پر بالعموم اور عالم اسلام پر بالخصوص ہمہ گیر اثرات ڈالے ہیں۔ حقیقت کا کتاب ذات واجب الوجود، ماہ الموجدیت امر وخلق، انسان اور خدا ایسے بنیادی اور دقیق مسائل پر جس جامعیت سے انھوں نے قلم اٹھایا ہے اس میں وہ اپنے انداز فکر، قوت استدلال اور حقیقت پسندی کے اعتبار سے ہر مذہب و ملت کے مفکرین سے بازی لے گئے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے مطابق ہر دور کے مسلمان فلاسفہ، مفکرین اور تمام سلاسل کے صوفیائے نہ صرف یہ کہ ان کے نظریات کو تسلیم کیا بلکہ خراج عقیدت کے طور پر انھیں شیخ اکبر کے نام سے موسوم کیا ہے، مشائخ صوفیہ کے تمام سلاسل میں سے صرف دو بزرگوں شیخ علاء الدین سمنانی اور حضرت مجدد الف ثانی نے وحدۃ الوجود پر ان سے اختلاف کیا جسے زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق حضرت مجدد خود بھی آخر عمر میں وحدۃ الوجود کی طرف لوٹ آئے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح نہ بھی ہو تو بھی تمام سلاسل بشمول سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کا وحدۃ الوجود پر اجتماع ہے ایسی صورت میں ایک دو بزرگوں کا اختلاف کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں پھر حضرت مجدد کا نظریہ وحدت الشہود اس وقت کے بعض سیاسی حالات کا تقاضا بھی تھا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو ایک غلغلہ ملت کا تشخص دینے کی اشد ضرورت تھی لیکن بعد میں برصغیر کے قہر دار المسلمک حضرات نے اس کی زیادہ تر توجیج کی، حضرت شاہ ولی اللہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تحقیق کی کوشش کرتے ہوئے اس نتیجے پہ پہنچے ہیں کہ یہ سارا لفظی نزاع ہے۔ عجیب لطیفے کی بات یہ ہے کہ ہمارے جدید دانشور اور مبصر گزشتہ پچاس سالہ پوینڈیکنڈے کی بنا پر بغیر سوچے سمجھے چھوٹے ہی نظریہ وحدت الوجود پر برس پڑتے ہیں اور قلعہ انہیں سمجھنے کے سلوک و کشف سے قطع نظر خالص عقلی طور پر بھی وحدۃ الوجود کے ماننے بغیر آخر تو حید کا اثبات کیسے ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی ہستی (ہستی اعلیٰ) اور اس کا اقرار وہ اہدیٰ سچائی ہے جو کم و بیش ہر مذہب میں کسی نہ کسی طرح مسلم رسی ہے محض اس بات سے دھوکہ کھانا کہ وحدۃ الوجود کے بعض تصورات و پیدائش یا دیگر عجیبی افکار سے ملنے ہیں کس قدر لغو اور کمزور دلیل ہے اس سلسلے میں مولانا شبلی نعمانی کی رائے بہت وقیع ہے کہ ”اگرچہ بظاہر وحدت الوجود پر بہت اعتراضات کئے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے ماننے بغیر چارہ نہیں“۔ مولانا جانتے نے آپ کی تصانیف پانسو سے بھی زیادہ بتائی ہیں۔ آپ نے ۱۲۳۲ھ میں خود اپنی کتابوں کی جو فہرست مرتب کی اس میں ۲۵۱ کتابوں کے نام درج ہیں آپ کی تصانیف تفسیر، حدیث، سیرت، ادب، متصوفانہ شاعری، علوم طبعی، ہیئت اور علوم غریبیہ پر مشتمل ہیں آپ کی مشہور زمانہ تصنیف ”المفتوحات المکیہ فی معرفۃ الاسرار المالکیہ والملکیہ“ سب سے ختم اور غالباً آخری تصنیف ہے جو ۶۲۹ھ میں مکہ مکرمہ میں مکمل ہوئی۔ ”فصوص الحکم“ دمشق میں ۶۲۷ھ میں لکھی گئی۔ ”سنن ثلاث“ بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ شیخ اکبر نے ۶۳۸ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک ذیل

قاسیون میں زیارت گاہ خلافت ہے اور زبان حال سے یہ پکار رہا ہے۔ ع

زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری

کہ خاک راہ کو میں نے بتایا یا راز الوندی

کبھی کہ ان کی وحدت الوجود کی معرفت تکمیل کو پہنچ گئی ہے، کیونکہ شیخ ابن عربی کی ہمشیرہ کے ان کے نکاح میں آنے کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے۔ سید محمد بن علویؒ نے انھیں لکھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، انھوں نے مجھے فرمایا کہ احمد قشاشی سے میرا سلام کہو اور اسے میری شفاعت کی بشارت دو اور اس سے اگلے روز دوبارہ سید محمد بن علویؒ نے کہا میں نے دوسری دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو انہیں یہ فرماتے سنا احمد قشاشیؒ سے میرا سلام کہو اور اسے یہ مرثوہ سناؤ کہ وہ جنت الفردوس میں میرا جلیس ہوگا۔

کہتے ہیں جب کبھی گفتگو کے دوران مقامات کا ذکر آتا تو شیخ احمدؒ فرماتے ہمارے لئے کوئی مقام نہیں اس لئے کہ ہم اہل یثرب میں سے ہیں اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے یا اہل یثرب لا مفسام لکم، گویا اس سے مقام بے نشان کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور یہ کہ وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر کار بند تھے۔

شیخ احمد قشاشیؒ کے عجائب روزگار کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے مکمل قرآن مجید خواب کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ شیخ ابراہیمؒ سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے اپنی مجلس میں یہ حدیث بیان کہ ما علی احدکم ان یکون فی بیتہ محمد و محمد ان شلفۃ اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خدا مجھے تین فرزند عطا کرے گا جس میں ہر ایک کا نام محمد ہوگا۔ اس کے بعد میں اس فکر میں پڑ گیا کہ ایک کو دوسرے سے کیسے متمیز کر سکوں گا۔ شیخ قشاشیؒ میرے خدشے پر مطلع ہو گئے اور فرمایا ان میں سے ایک ابوسعید، دوسرا ابوالحسن، اور تیسرا ابوطاہر کنیت اختیار کرے گا۔ ایک مدت بعد دینے ہی ہوا جیسا انھوں نے فرمایا تھا۔

شیخ ابراہیمؒ ہی سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشیؒ نے میرے دل کی ایک بات کہہ ڈالی، مجھے خیال آیا کہ کاش یہ بات آج سے پہلے واقع ہوتی تو شیخ نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی اور فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ بات بتاتا اور نہ سمجھا سکتا۔ شیخ قشاشیؒ کی اس طرح کی کرامات اور تصرفات بے شمار روایت کی گئی ہیں۔

الغرض شیخ قشاشیؒ کی زندگی فقہائے طرز پر تھی اور نہ ہی خشک مزاج زاہدوں کے انداز پر بلکہ میں سنت کے مطابق تکلف سے خالی اور اعتدال سے عبارت تھی۔ آپ امراء کے ہاں کبھی نہیں

جاتے تھے۔ اگر وہ خود ان کی زیارت کو آتے تو خوش خلقی اور بشاشت سے ان کے ساتھ ملاقات کرتے اور ہر ایک سے اس کی قدر و منزلت کے موافق سلوک فرماتے۔ قوم کے سردار کی بہت زیادہ عزت فرماتے۔ آپ بڑی نرمی کے ساتھ نیکی کی تلقین فرماتے اور زیارت کرنے والوں کو نصیحت کے بغیر نہ جانے دیتے۔

شیخ میسلی مغربی نے آپ کے بارے میں کہا کہ میں جب بھی شیخ قضا شفی کی محفل سے اٹھا تو دنیا میری نظروں میں حقیر ترین اور میرا نفس انتہائی ذلیل ہوتا تھا۔ خواہ میں کتنی بار بھی ان کے پاس حاضر ہوتا میرا یہ تاثر اپنی جگہ قائم رہتا۔ آپ نے ۱۹ رذی الحجہ ۱۰۷۱ھ میں انتقال فرمایا رحمۃ اللہ علیہ سید عبدالرحمن اور یسویٰ المحبوب

آپ مغرب کے شہر کمنا سہ میں پیدا ہوئے۔ مغرب، مصر، روم اور شام کی سیاحت کے بعد حرمین شریفین تشریف لے آئے اور کئی برس یہاں کی مجاورت کی۔ اس کے بعد زیارت اولیاء کی خاطر یمن تشریف لے گئے کیونکہ انھوں نے یہ مشہور مقولہ سن رکھا تھا کہ یمن میں اولیاء ایسے پیدا ہوتے ہیں جیسے زمین سے گھاس، یہاں کے اولیاء کی مجالس میں ان کو عجیب و غریب قسم کے واقعات اور دلچسپ و رنگین صحبتیں میسر آئیں، پھر جب مکہ واپس آ گئے اور یہاں مستقل اقامت اختیار کر لی تو اہل مکہ نے ان سے استفادہ کیا اور کئی لوگوں نے خرقہ صوفیا بھی حاصل کیا۔ آپ سے بے شمار کرامات روایت کی جاتی ہیں۔

شیخ زین العابدین شافعی مفتی مدینہ سے میں نے سنا انھوں نے اپنے والد جو کہ سید محمد کے خادم تھے اور یہ سید محمد سید عبدالرحمن کے معتقد تھے سے نقل کیا کہ شریف مکہ کو کوئی ضرورت پیش آئی سید عبدالرحمن محبوب کی طرف دعا کے لئے رجوع کیا، سید عبدالرحمن ایک لمبے تنک سرگرمیاں رہے، کچھ سوچا اور اس کے بعد فرمایا کہ مکہ کے فلاں محلے میں ایک اس قسم کا گھر ہے بیت المال کے افسر کو چاہئے کہ جس قدر شریف مکہ کو ضرورت ہے اسی قدر اس میں سے مال لے لے اور باقی احتیاط سے وہیں پر چھوڑ دے۔ لوگ اسی وقت وہاں پہنچے اور اس گھر کو ویسے ہی پایا جیسے سید صاحب نے فرمایا تھا۔ وہاں سے انھوں نے بیس ہزار اشرفیاں اٹھالیں اور صندوقوں کو مقفل کر دیا۔ یہ رقم سید صاحب کے پاس لے آئے آپ نے شریف مکہ کے حوالے کر دی تاکہ وہ اس سے اپنی ضرورت

پوری کر لے۔ دوسری بار شریف مکہ نے چاہا کہ باقی دولت بھی اپنے تصرف میں لے آئے مگر گھر کا پتہ ملانہ مال۔ لوگ حیران رہ گئے اور سید عبدالرحمنؒ سے اس معاملے کا راز پوچھا، آپ نے فرمایا کہ ایران کا ایک شخص اپنے ملک میں فوت ہو گیا، اس کا کوئی وارث نہ تھا، میں نے تصرف کر کے اس کے گھر کو مکہ میں لاکھڑا کیا، وہاں سے جو کچھ تم نے لینا تھا، لے لیا، اور جب ضرورت پوری ہو گئی تو مکان اپنی سابقہ جگہ پر پہنچ گیا۔ کہتے ہیں کہ سید عبدالرحمنؒ ایک دفعہ سید احمد بن ملوان کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ سید احمد نے اپنے خادم کو خواب میں سید عبدالرحمنؒ کے آنے کی خبر دی اور فرمایا کل ان کا استقبال و تعظیم بجالانا، خادم استقبال کی غرض سے شہر سے باہر نکلا، بہت تلاش کیا مگر سید صاحب کا کہیں پتہ نہ چلا، ناامید ہو کر واپس لوٹ آیا تو دیکھا کہ سید صاحب مزار کے قبہ میں تشریف فرما ہیں حالانکہ دروازہ بند تھا اور اس کی چابی خادم کے پاس تھی۔

شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار شیخ ابراہیم کو قبض (بندش لطائف) لائق ہو گئی۔ مسلسل چھ ماہ روتے رہے، کسی کی سمجھ میں اس کا سبب نہیں آتا تھا۔ جب حج کے ایام آئے اور ان کے بعض شاگرد شام سے قافلہ حج میں آئے تو انھوں نے شیخ ابراہیمؒ کے لئے شیخ قشاشیؒ سے حج پر جانے کی اجازت چاہی۔ شیخ قشاشیؒ نے اجازت دے دی جب شیخ ابراہیمؒ کے بھائی عبدالرحمنؒ نے ان کی نشست گاہ سے کتابیں اٹھانا چاہیں تو ان کے نیچے کاغذ کا ایک ٹکڑا پایا جس پر شیخ قشاشیؒ کے قلم سے لکھا ہوا تھا ابراہیم! ابراہیم! تمہارا آدھا حصہ غرق کر دیا ہے۔ ابراہیمؒ نے رجوع نہ کیا تو ہم تمہیں سارے کا سارا ذبودیں گے۔ اس وقت انھیں پتہ چلا کہ ان کے رونے کا سبب کیا تھا۔ جب حضرت شیخ ابراہیمؒ مکہ پہنچے اور سید عبدالرحمنؒ محبوب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سید صاحب شیخ ابراہیمؒ پر گلاب کا پانی چھڑکنے لگے۔ چونکہ شیخ ابراہیمؒ احرام کی حالت میں تھے اور ان کے لئے خوشبو کا استعمال ممنوع تھا اس لئے گلاب کا پانی چھڑکنے کے ساتھ ہی شیخ ابراہیمؒ کی حالت قبض رفع ہو گئی۔ گویا یہ شیخ قشاشیؒ اور شیخ ابراہیمؒ کے درمیان مصالحت تھی جسے سید ابراہیمؒ نے انجام دیا سید عبدالرحمنؒ جہاں باطنی کمالات سے متصف تھے وہاں کمالات ظاہری میں بھی بلند مقام پر فائز تھے جو دو کرم میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے دسترخوان پر صبح وشام بہت سے لوگ جمع ہوتے اور وہ ان تمام کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے، آس پاس کے اسلامی شہروں سے ان کی خدمت میں

نذر و نیاز پیش ہو تیں جسے آپ فقرا میں تقسیم فرما دیتے، تقریباً دو سو غلاموں کو آزاد کیا۔ جو بھی ایک دفعہ آپ کی محفل میں بیٹھ جاتا آپ کی شیریں کلامی اور خوش خلقی کی بنا پر اٹھنے کا نام نہ لیتا۔ اس قدر زیرک و دانشمند تھے کہ جس سے بھی ایک بار ملاقات کر لیتے چاہے ایام حج میں بھی کیوں نہ ہو، اسے دوبارہ فوراً پہچان لیتے۔ جو بھی ان کی زیارت کو آتا، استعداد کے مطابق اسے درود، تلاوت، استغفار اور اوراد، ایسے نیک امور کی تلقین فرماتے، اور اسی طرح جس سے استعداد دیکھتے اسے صوفیا کے کلام اور ان کے معتقدات بالخصوص شیخ اکبر ابن عربی قدر سرہ کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے۔ میں نے ان کے لقب محبوب اختیار کرنے کی وجہ ہر چند اہل مہ سے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر پتہ نہ چل سکا قرین قیاس یہ ہے کہ آپ سماع کے دوران چہرے کو ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ جب گرمی شوق کے آثار ظاہر ہونے لگے تو چہرے سے نقاب ہٹا دیتے۔ اس وقت عجیب انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا جس کا اثر اہل مجلس پر بھی پڑتا تھا، شیخ احمد غزالی نے بھی اسی توجہ کی طرف اشارہ کیا ہے، واللہ اعلم۔

شمس الدین محمد بن العلابائی

آپ حافظ حدیث اور اپنے زمانے میں مصر اور حرمین کے استاذ تھے۔ نیز پسندیدہ اخلاق مثلاً تواضع، ذکاوت اور اخلاق و محبت سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ انہیں ابتدائے حال میں شب قدر کی نعمت حاصل ہوئی اور اس مبارک رات کے بعض عجیب و غریب آثار مشاہدہ کئے۔ اسی وقت آپ نے وعاک کی بار خدایا مجھے حافظ ابن حجر عسقلانی (۱) کی طرح بنادے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا مستجاب ہو گئی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص جب کسی کتاب کی تالیف کرے تو مندرجہ ذیل سات شرائط کو پیش نظر رکھے، پہلی یہ کہ ایسی چیز تالیف کرے جس کی طرف اس سے پہلے کسی کا ذہن نہ ہو گیا ہو، دوسری یہ کہ کوئی چیز نامکمل ہو جس کی تکمیل مقصود ہو، تیسری کوئی چیز متعلق ہو اور اس

(۱) احمد نام، ابو الفضل کنیت، اور ابن حجر کے عرف سے مشہور ہوئے۔ آپ کا تعلق عرب سے مشہور قبیلہ بنو نمانہ سے تھا۔ نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اپنے دور کے مشہور شیوخ سے علوم حاصل کئے۔ آخر اسلامی باد کا سفر کیا۔ علم حدیث میں آپ نے مثال حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہیں۔ آپ کے حافظہ، ثبات، امانت، معرفت اور علوم و فنون میں مہارت کی وجہ سے انہیں بھی ہوئی تھی۔ آپ کی تصانیف میں سے شریعت بخاری، تہذیب النہدیب، لسان المیزان، تعلیق التعلیق، نخبہ الفکر مشہور و معروف کتابیں ہیں۔ آپ نے ۸۵۲ھ میں انتقال فرمایا۔ قبراہ کے باہر نماز جنازہ ہوئی اور جامع دیلمی سے قریب مدفون ہوئے۔

کی شرح پیش نظر ہو، چوتھی یہ کہ کوئی چیز طویل ہو اسے مختصر کرنا مقصود ہو مگر اس اختصار میں حل معانی اور تفسیر مطالب کو راہ نہ دے، پانچویں کسی بات میں غلط بحث ہو جسے صحیح ترتیب میں لانا مقصود ہو چھٹی کوئی ایسی چیز جس میں پہلے مصنف نے غلطی کی ہو اور یہ اس کی تصحیح چاہتا ہو، ساتویں کوئی چیز منتشر ہو جسے جمع کیا جائے، اگر کسی کتاب کی تالیف میں مندرجہ بالا اسات وجوہ میں سے کوئی ایک وجہ نہ پائی جائے تو ایسی تصنیف قضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں۔

آپ نے صحیح بخاری، موطا اور دیگر تمام کتابیں سالم سنہوری اور دوسرے لوگوں سے روایت کیں۔ موطا، بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آپ کے پاس مسلسل اسناد تھیں۔ آپ نے مسلسل اسناد ہی کے ذریعے ان کتابوں کا سماع کیا تھا۔ شیخ عیسیٰ مغربی نے آپ کی تمام اسانید کو ایک رسالہ میں ضبط کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کی اسناد کا اصل یہی اسانید ہیں، جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مصداق ہے: **نَضْرُ اللہ امراء سمع منی السحدیث** الخ آپ کی شان و عظمت اور جلالت و بزرگی کا عجیب انداز تھا، بادشاہ، امراء اور وزراء آپ سے توجہ و دعا کے طلبگار رہتے تھے۔ اور آپ کے کسی حکم سے سر مو انحراف نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت آپ کا دائمی معمول رہا۔ آپ نے ۷۷۰ھ میں انتقال فرمایا۔ بائبل جس کی طرف وہ منسوب تھے مصر میں ایک گاؤں ہے۔

شیخ عیسیٰ جعفری مغربی

آپ کی پیدائش اور نشو و نما مغرب میں ہوئی۔ مروجہ علوم کے کچھ متون بھی آپ نے اسی علاقے میں پڑھے، پھر الجزائر میں آگئے اور جبل ماسی کے پاس دس برس سے زیادہ عرصے تک رہ کر علوم میں تبحر حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے قسطنطنیہ، مصر اور حرمین کے علمائے بھی روایت کی۔ پھر آپ نے مکہ معظمہ کو مستقل وطن بنا لیا۔ آپ نے ”مقالید الاسانید“ کے نام سے ایک مجموعہ (۱) بھی تصنیف فرمائی، انفرنس وہ ایک متقی عالم جمہور اہل حرمین کے استاذ اور حدیث و قرأت کے امام تھے۔ سید عمر نے ان کے بارے میں کیا خوب رائے پیش کی ہے کہ ”جو چاہے کسی ایسے شخص کو دیکھے

(۱) حدیث کی وہ کتاب جس میں احادیث کو بہ ترتیب شیوخ جمع کیا گیا ہو۔ اس کے موجد ابن قانع (۳۵۱ھ) ہیں۔ جامعہ کجوف تہی کے اعتبار سے مرتب کرنے کا سہرا طبرانی (۳۲۰ھ کے مرتب) ہے۔

جس کی ولایت شک و شبہ سے بالاتر ہو تو وہ شیخ عیسیٰ کی زیارت کرے“ اور سید محمد بن علوی نے ان کے بارے میں کہا کہ ”وہ اپنے وقت کی ایک باکمال شخصیت تھی“۔ انہیں اعمال حسنہ، پابندی نماز، جماعت، کثرت طواف اور عبادت صیام و قیام جیسی خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ آپ تمام امور میں اعتدال پسند تھے۔ تنگ و ناموس میں نہ مبالغہ سے کام لیتے تھے اور نہ تساہل سے، اگرچہ آپ کا تعلق کئی مشائخ کے ساتھ تھا تاہم سلسلہ شاذلیہ سے باقاعدہ مسلک تھے اور ان پر تادم آخر اسی سلسلے کی نسبت کا غلبہ رہا۔ آپ نے مسلک امام ابوحنیفہؒ کے مطابق ایک مسند (۱) بھی تالیف فرمائی جس میں متصل عنعنہ کے ساتھ حدیث کی روایت کی ہے۔ اس سے لوگوں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ آج کل سلسلہ حدیث (۲) متصل نہیں رہا۔ آپ ۱۰۸۰ھ میں رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے

محمد بن محمد بن سلیمان مغربی

آپ حافظ حدیث تھے اور علم و ریاضت اور دین و دنیا دونوں کے فنون کے جامع تھے۔ آپ کو شیخ ابو مدین مغربی سے فرقہ مدینہ حاصل تھا۔ درحقیقت کتب حدیث کا طریق تصحیح اور نسخہ نبویہ کا تعارف حرمین میں آپ ہی کے ذریعے ہوا۔ آپ تمام اہل حرمین کے استاذ اور مقبر و ثقہ عالم تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اسلامبول تشریف لے گئے وہاں ایک شخص نسخہ نبویہ فروخت کر رہا تھا۔ آپ علم کے اس قدر شائق اور قدر شناس تھے کہ وہ نسخہ تین ہزار رائج الوقت سکے کے عوض خرید لیا۔ اس نسخے سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ ایک بار مسجد حرام میں ایسا سیلاب آ گیا کہ وہاں کے لوگوں کو غرق ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا مگر محمد بن سلیمانؒ نے یہ نسخہ سر پر رکھا اور طواف میں مشغول ہو گئے تاکہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اس نسخے کی زیارت کی ہے اور اس کا مطالعہ بھی کیا ہے، شیخ تاج الدین قلعی کا بیان ہے کہ جس طرح شیخ محمد بن محمد بن سلیمانؒ سلم روایت میں

(۱) اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کو بہ ترتیب صحاح جمع کیا گیا ہو باعتبار حروف حبی، بلحاظ سبقت الاسلام باعتبار شرافت نسبی، بعض لوگوں کے نزدیک سب سے پہلی مسند موسیٰ کاظمؑ (۱۸۳ھ) کی ہے اس کے بعد مسند ابو داؤد طیالسی ہے۔

(۲) متصل السند وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی کسی مقام سے ساقط نہ ہو بلکہ سند کے ہر راوی نے روایت بلا واسطہ غیر اپنے شیخ سے بذات خود سن کر روایت کی ہو۔

کمال رکھتے تھے اسی طرح وہ بہت سے عجیب و غریب علوم و فنون میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان زادہ بسطة فی العلم والجسم کے مصداق تھے۔ تدبیرِ معاش میں انہیں اس قدر کمال حاصل تھا کہ سارے مکہ معظمہ کا نظام کار آپ کے ہاتھ میں آ گیا، اس پر حاسدوں کو موقع مل گیا اور جو کچھ ہونا تھا ہوگا، واللہ اعلم۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مذکور کے صاحبزادے محمد وفد اللہ سے ان کے والد بزرگوار کی تمام مرویات کی اجازت لی ہے، کیونکہ انھوں نے اپنے والد سے ان تمام مرویات کی قرأت، سماعت اور اجازت حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ میں نے مکمل موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ بھی شیخ وفد اللہ کے سامنے پڑھی اور انھوں نے موطا شیخ حسن عجمی اور دیگر مشائخ سے پڑھی تھی۔ والحمد للہ۔

شیخ ابراہیم کردیؒ

آپ عالم و عارف تھے اور فقہ شافعی، حدیث اور عربی ادب میں مہارت کا ملکہ رکھتے تھے ان تمام علوم میں آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ آپ نے اپنے وطن میں علم کی تکمیل فرمائی، پھر حج کے ارادے سے نکلے اور تقریباً دو سال تک بغداد میں مقیم رہے، اس اثنا میں آپ اکثر سیدی شیخ عبدالقادر قدس سرہ کے مزار مبارک کو مرکز توجہ بنایا کرتے تھے اور یہیں سے ہی آپ کو اس راہ (معرفت) کا ذوق و شوق پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ نے شام میں چار سال قیام فرمایا پھر مصر سے ہوتے ہوئے حرمین شریفین تشریف لائے۔ اور شیخ احمد قشاشیؒ سے ملاقات کی اور دونوں کے درمیان عجیب قسم کے روابط و تعلقات پیدا ہو گئے۔ شیخ ابراہیم کردیؒ نے شیخ قشاشیؒ سے حدیث روایت کی، ان سے فرقہ پہنا اور ان کی صحبت کے فیض سے اعلیٰ کمالات پر فائز ہوئے۔ آپ فارسی، کردی، ترکی اور عربی سب زبانیں اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ ذہن کی تیزی، تحریر علم، زہد، انکساری، صبر اور حلم و حوصلہ ایسے خصائل حمیدہ سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ شام میں قیام کے دوران ایک دفعہ آپ نے شیخ محی الدین بن عربیؒ کے مزار مبارک کی طرف اس نیت سے توجہ کی کہ آگے سفر مفید ہے یا نہیں، چنانچہ آپ نے (کشف میں) دیکھا کہ شیخ اکبران کے پاؤں سے گرد و غبار جھاڑ رہے ہیں۔ آپ نے سمجھ لیا کہ ابھی اقامت کا حکم ہے، شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ ایام حج میں مدینہ منورہ میں جب مصری لوگ آئے تو شیخ ابراہیمؒ اپنے احباب و معتقدین کے ہمراہ اہل مصر

کی ایک جماعت سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ راستے میں وہ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں کچھ گانے بجانے والی لڑکیاں گانے بجانے اور ہوا لعب میں مشغول تھیں۔ آپ کے شاگردوں میں سے سید محمد برزنجی نے ڈنڈا اٹھا کر انہیں اس فعل قبیح سے روکنا چاہا۔ شیخ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا، کیونکہ اس طرح ہنگامہ ہو جانے کا خطرہ تھا، سید محمد برزنجی خشک مزاج واقع ہوئے تھے شیخ کے روکنے سے تنگ دل ہوئے، جب شیخ اور ان کے رفقاء منزل مقصود پر پہنچے تو گانے والیوں میں سے ایک نے اپنے نفعے کا آغاز اس شعر سے کیا۔

ان شرفوا سادقی وان غربوا وولی

وان عاشروا غیرنا ویلا علی ولی

یہ شعر قاعدہ عروض کے مطابق نہیں تھا مگر متاخر عروضیوں کے قواعد سے موافق تھا۔ جب یہ شعر شیخ ابراہیم نے سنا تو ان کی حالت متغیر ہو گئی اور چہرہ ڈھانپ کر کر یہ شروع کر دیا۔ اس مجلس میں جس نے بھی شیخ کی آواز سنی یا ان کی شکل دیکھی وہ روپڑا حالانکہ ان میں رقیق القلب بھی تھے اور سنگدل بھی! سید محمد برزنجی بھی روپڑے اور ان کے دل سے سیاہی اعتراض دھسل گئی۔

شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ بادشاہ روم کا استاذ جسے وہاں کے لوگ خوجہ کہتے ہیں، مدینہ منورہ کی زیارت کو آیا اور علماء و احباب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ شیخ ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملاقات کے دوران اس نے شیخ سے کہا کہ میں نے شام میں ایک کھلم کھلا بدعت دیکھی جس کا قلع قمع کرنے میں میں نے انتہائی کوشش سے کام لیا۔ شیخ نے پوچھا وہ بدعت کیا تھی؟ کہنے لگا مساجد میں ذکر بالجہر۔ شیخ نے یہ آیت پڑھی ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یدکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا (۱) (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں نام خدا لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے) خوجہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور وہ نہایت مشکل میں پڑ گیا فتویٰ قاضی خاں وغیرہ سے فقہ کی چند جزئیات جو لکھ کر لایا تھا، جیب سے نکالیں اور شیخ کے ہاتھ میں تھمادیں شیخ نے فرمایا اگر تھنید کی بات ہے تو میں کسی کا مقلد نہیں ہوں اور آپ کسی اور کے، اس لئے اس صورت میں آپ کے دلائل کو تسلیم کر لین میرے لئے ضروری نہیں ہوگا۔ اور اگر

تحقیق مطلوب ہے تو بندہ مناظرے کے لئے حاضر ہے۔ حضرت شیخ نے بہت جلد اس موضوع پر دلائل سے بھرپور رسالہ تحریر فرمایا اور خوجہ کے شبہات کے مسکت جوابات دیے، چونکہ حضرت شیخ کے اصحاب نے خوجہ کے تغیر مزاج کو دیکھ لیا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دولت عثمانیہ میں بلند رتبے پر فائز اس لئے انھوں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ اس قدر تردید مناسب نہیں۔ شیخ نے فرمایا حق بات سننے سے نہیں لکنا چاہئے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خوجہ اور اس کے ساتھی اس رسالے کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے وہ مبہوت ہو کر رہ گئے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ حق ہمیشہ بلند رہتا ہے کبھی پست نہیں ہوتا۔

شیخ ابو طاہر مزید بیان کرتے ہیں کہ شیخ یحییٰ شاذلی حرمین میں آئے ہوئے تھے۔ اس دوران انھوں نے شیخ ابراہیم سے بھی ملاقات کی جب وہ روم واپس چلے گئے تو وزیر روم جو شیخ ابراہیم کا معتقد تھا، نے شیخ یحییٰ سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے شیخ ابراہیم کو کیسا پایا، اس نے کہا وہ تو ایک بت ہیں۔ وزیر یہ سن کر بھڑک اٹھا اور شیخ یحییٰ کو بے عزتی کے ساتھ مجلس سے نکال دیا۔ اس واقعہ کے بعد یحییٰ شاذلی نو شیخ ابراہیم کے ساتھ سخت کینہ پیدا ہو گیا اور اس نے شیخ کو ایذا پہنچانے کی نیت سے حرمین آنے کا ارادہ کیا، لوگوں نے یہ بات شیخ ابراہیم کو پہنچائی تو آپ نے فرمایا جو ہاتھیوں کو قابو کر لیتا ہے وہ اسے بھی روک لے گا۔ جب شیخ یحییٰ طور کے قریب پہنچے تو بیمار پڑ گئے اور اسی جگہ انتقال کیا۔ شیخ ابراہیم کی سیرت یہ تھی کہ وہ خود پسند فقہا اور صوفیا کی طرح بڑے بڑے عمامے، لمبی آستینیں، اور پٹھے پرانے لباس سے بیزار تھے۔ آپ اہل حجاز کی طرح متوسط درجے کا لباس پہنتے تھے جو مختصر سی چٹری، اون کی دھاری دار عبا اور بڑے رومال پر مشتمل ہوتا۔ آپ کبھی کسی محفل میں نمایاں جگہ بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کرنے کے ذریعے اپنی حیثیت کا اظہار نہیں فرماتے۔ آپ کے معتقدین اور مذاکرے آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ”بہر حال یہ ایسے ایسے ہے کیا تمہیں فلاں فلاں بات سے اس کی سمجھ نہیں آتی۔“ اگر کوئی ان سے کسی مسئلے کے بارے میں سوال کرتا تو توقف فرماتے یہاں تک کہ تحقیق و انصاف کے ساتھ اس اشکال کو حل کر دیتے، عبداللہ لیاشی نے ان کے بارے میں کہا کہ آپ کی مجلس نمونہ جنت تھی۔ جب مسائل حکمت پر گفتگو فرماتے تو اس ضمن میں حقائق صوفیا بھی بیان فرماتے اور کلام صوفیا کو حکما کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور

فرماتے کہ یہ فلاسفہ گرتے پڑتے حق کے قریب تو پہنچ گئے، لیکن اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ آپ کی تاریخ وفات اس زمانے کے ایک خطیب نے ان الفاظ سے نکالی ہے۔ واللہ اعلمی
فراقک یا ابراہیم لمحزونون۔ ۷۱ ۱۰ھ

شیخ حسن عجمیؒ

آپ شیخ الحدیث، جامع علوم و فنون اور فصاحت، یادداشت اور حیزی فہم کے پیکر تھے۔ آپ اکثر و بیشتر شیخ عیسیٰ مغربیؒ کی صحبت میں رہے اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے شیوخ مثلاً شیخ احمد قشاشیؒ، شیخ محمد بن العلاء باہلیؒ اور امام مفتی شوافع شیخ زین العابدین بن عبد القادر طبریؒ کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت کی۔ شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ شیخ حسن عجمیؒ نے شیخ نعمت اللہ قادریؒ اور دوسرے صوفیائے کرام سے بھی ملاقات کی تھی آپ دعوت اسماء کے سلسلے میں بھی مشہور تھے۔ شیخ ابوطاہرؒ ہی کا بیان ہے کہ یوں تو شیخ حسن خفیؒ تھے مگر سفر کے دوران ظہر و عصر اور مغرب و عشا کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے اور امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ بھی پڑھتے تھے، آپ ہمیں وصیت فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو تنگی میں نہ ڈالاکرو بلکہ انھیں خفی مسلک کی آسانیوں سے مطلع کر دیا کرو تاکہ وہ نماز پڑھ سکیں جیسے درہم برابر نجاست میں جو اجازت دی گئی ہے اور اسی طرح کے دیگر مسائل کہ جن میں آسانی اور رخصت ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ حسن عجمیؒ باوجود خفی ہونے کے، تمام امور میں ایک معین فقہی مسلک کی پیروی ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ فریقین کے ہاں کسی حقیقت ممتنعہ کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی پروا کئے بغیر وہ تمام فقہی مکاتب سے اقوال لے لیا کرتے تھے، واللہ اعلم

شیخ ابوطاہر مزید کہتے ہیں کہ میرے شیخ حسن عجمیؒ خوب صورت نہیں تھے بلکہ ان کی ایک آنکھ میں ایک عیب بھی تھا اس کے باوجود جب حدیث پڑھتے تو ان کے چہرے پر انوار ظاہر ہوتے اور وہ دنیا بھر سے زیادہ حسین دکھائی دیتے تھے۔ یہ اس قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر تھا کہ نصر اللہ عبدا (۱) اللہ ہیث، آپ نے اپنی اسانید حدیث کو ایک رسالے کی صورت میں ضبط کیا ہے

(۱) "اللہ عبد" مع متعلق و دعاہ یعنی خدا اس شخص کو مختلف رکھے جو میری حدیث کو سن کر یاد کر لے

جس سے علم حدیث میں ان کے بھرا کا بخوبی پتہ چلتا ہے، آپ فرماتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہوتا ہے۔ تو یہ صحیح ہے کیونکہ ایسا کہنے سے عالم کے دو نصف ہو جاتے ہیں، ایک خود عالم اور دوسرا اس کا فرزند جبکہ یہاں یہ بات واضح ہے کہ والد تو عالم ہے ہی، ایسی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہے کیونکہ عالم کے دو نصف نہیں کئے جاسکتے، گویا خلاصہ کلام یہ نکا کہ یہ ضروری نہیں کہ عالم کا بیٹا بھی عالم ہو، آپ ہر سال رجب کے مہینے میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے تشریف لاتے اور مسجد نبوی میں صبح ستہ میں سے ایک حدیث کی کتاب بطریق سر پڑھتے اور اہل مدینہ آپ سے روایت کرتے تھے شیخ ابوطاہر آپ کے قاری ہوتے۔ اگر ان کے علاوہ اور قرأت حدیث کرتا تو خوش نہ ہوتے، یہاں یہ بات واضح رہے کہ علمائے حرمین کے نزدیک کتب حدیث کی تدریس کے تین طریقے رائج ہیں پہلا طریقہ سر سے جس کے مطابق شیخ سامع ہو یا تلاوت کرے دونوں صورتوں میں لغوی و فقہی مباحث چھیڑے اور نہ ہی اسماء و رجال کے بارے میں کوئی بحث و تمحیص کرے۔

دوسرا طریقہ بحث و حل ہے، اس میں ایک حدیث کی تلاوت کے بعد اس میں لفظ غریب، مشکل ترکیب اسمائے اسناد میں سے نادر الوقوع اسم، ظاہری شان نزول اور منصوص علیہ مسائل پر تامل کر کے اسے نہایت اعتدال کے ساتھ حل کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگلی حدیث تلاوت کر کے اسے بھی اسی طرح حل کیا جاتا ہے علیٰ ہذا القیاس۔

تیسرا طریق امعان و تعمق ہے اس کے مطابق ہر ہر لفظ کا، لہ و ما علیہ اور اس کے متعلقات کو نہایت توضیح و تشریح کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کلمہ غریبہ اور کسی مشکل ترکیب کی تشریح میں کلام شعراء سے استشہاد کیا جاتا ہے اور الفاظ کے متعلقات کو اشتقاق و محال کے پیش نظر پرکھا جاتا ہے اس کے علاوہ اسماء و رجال کی تشریح کرتے ہوئے رجال حدیث کے حالات اور سیرت و اخلاق تفصیل سے بیان کئے جاتے ہیں نیز فقہی مسائل کی منصوص علیہا مسائل سے تخریج کرتے ہوئے اس کے ساتھ تھوڑی سی مناسبت رکھنے والے قصے اور عجیب و غریب حکایات بھی بیان کی جاتی ہیں۔ علمائے حرمین شریفین کے ہاں یہی تینوں طریقے مذکورہ تفصیلات کے مطابق رائج ہیں۔ شیخ حسن عجمی، شیخ احمد قطان اور شیخ ابوطاہر کا پسندیدہ طریقہ بھی طریق سر تھا، مگر یہ طریقہ صاحبان علم

وفضل اور مفتی طلبائے حدیث کیلئے زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے تاکہ وہ جلد از جلد اپنے سماع حدیث اور سلسلہ روایت کو مکمل کر لیں اور دوسرے مباحث شروع کی مدد سے حل کریں کیونکہ آج کل ضبط حدیث کا انحصار شروع پر ہی ہے اور مبتدی و درمیانی درجے کے طلبائے حدیث کیلئے طریقہ بحث و حل ہے تاکہ علم حدیث کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر کے فائدہ اٹھائیں۔ جہاں تک شروع کا تعلق ہے تو وہ انہیں پیش نظر رکھیں تاکہ بحث و تحقیق کے دوران ان کی طرف رجوع کر سکیں۔

تیسرا طریقہ قصاص ہے اس کا مقصد روایت و تحصیل علم نہیں بلکہ علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ مراتب کا حصول ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ایک محدث کو رجال اسناد کے حالات، تصحیح اسماء ان کی ثقاہت کی معرفت، خصوصاً صحیحین (بخاری و مسلم) اور صحاح کی دوسری کتابوں میں اور لیس منا من فعل کذا اور فان اللہ قبل وجہہ اور اسی طرح کے دوسرے جملوں کی تاویلات فقہی فروعات فقہاء کے اختلافات مذاہب، مختلف روایات میں باہمی موافقت پیدا کرنے اور بعض احادیث کی بعض پر ترجیح میں تحقیق و تدقیق اور گہرائی و گیرائی پر حاوی ہونا چاہئے مگر اس امت مرحومہ کے متقدمین علماء ان امور میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے ہاں فقہاء و متکلمین اس سلسلے میں غور و خوض کرتے ہیں لیکن آج اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

شیخ حسن اپنے مشائخ سے انتہائی تواضع اور انکساری سے پیش آتے اور ہر لحاظ سے ان کا دل رکھنے کی کوشش کرتے۔ شیخ حسن کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عیسیٰ سے دریافت کیا کہ اگر کسی کا شیخ موجود ہو تو کیا وہ کسی دوسرے شیخ کی بیعت کر سکتا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا باپ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر چچا، تایا کئی ہوتے ہیں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ آپ کی اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ شیخ اول کہ جس کے باعث مزید دائرہ بشریت سے نکلا، یا اس نے ظاہری علوم حاصل کئے، کا مقام تو یہ ہے کہ اس کا مرتبہ حقیقی والدین کا سا ہے جبکہ دوسرے بزرگ کہ جن سے اس نے دائرہ بشریت سے خروج کے علاوہ دیگر خارجی فیوض کا اکتساب کیا ہے، کا معاملہ امام کا ہے لہذا انہیں اس طرح سمجھنا چاہئے۔ شیخ حسن آخری عمر میں مکہ مکرمہ سے ترک سکونت کر کے طائف میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ آپ کا مقولہ ہے لیس بمسکۃ من یقر الیہ آپ نے طائف ہی میں ۱۱۱۳ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

شیخ احمد نخعیؒ

آپ علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے، مشائخ و طریقت اور علمائے شریعت کی بے شمار صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ سید احمد نخعیؒ سید محمد رومی، سید عبداللہ سقاف اور میر کلاں بن میر محمود بلخی وغیرہ سے فرقہٴ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے حدیث کی تعلیم محمد بن العلاء، ہابلی، شیخ عیسیٰ مغربی اور اسی طبقے کے دوسرے شیوخ سے حاصل کی اور انہیں سے بخاری و موطا کے سماع میں تسلسل حاصل کیا۔ آپ کا مشائخ کے کئی خانوادوں سے تعلق تھا، ابتدا ہی سے علم و علما کی محبت کی طرف مائل ان کی صحبت میں حاضر، مصوفیائے کرام سے عقیدت مندی اور ان کے اعمال اور اشغال پر ثابت قدم تھے۔ آپ حرمین شریفین اور باہر سے آنے والے مشائخ کی صحبتوں سے استفادہ کرتے رہے۔ مختصر یہ کہ شیخ احمد نخعیؒ اعیان مہ معظمہ میں سے وہ عظیم المرتبت بزرگ تھے جن کی برکات کا فیض عام اور دعوات مستجاب تھیں۔ شیخ احمد نخعیؒ کے فرزند شیخ عبدالرحمن نخعیؒ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے ہاں زینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ جب شیخ احمد پیدا ہوئے تو ان کیلئے اولیاء اللہ سے دعا کی درخواست کی اور ان سے استمداد اور روحانی توجہ کے طالب ہوئے، وہ ہر جمعہ کے دن شیخ احمد نخعیؒ کو شیخ تاج سنہلی کی خدمت میں بیٹھتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے شیخ تاج سنہلی نے قدرے تاہل کے بعد شیخ احمد کو لانے والے خادم کے ہاتھ کھلا بھیجا کہ یہ بچہ آپ کی طرح کا نہیں، بلکہ آپ سے بڑھ کر صاحب فضل اور سعادت مند ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی عمر کم ہے جب خادم اپنے مالک کے پاس پہنچا اور انہیں شیخ تاج سنہلی کا پیغام دیا تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر فوراً واپس بھیجا کہ میری طرف سے حضرت شیخ تاج سنہلی کی خدمت میں التماس کرو کہ آقاے من! میں نے اپنی فراس نیچے کودے دی ہے اور اس بارے میں آپ سے سفارش کا طالب ہوں، جب حضرت شیخ نے یہ پیغام سنا تو فوراً توجہ کی اور چند لمحوں کے بعد اس خادم سے کہا کہ اپنے مالک سے کہہ دو کہ ان کا دعا پورا ہو گیا ہے اور اپنی طرف سے انہیں (شیخ احمد نخعیؒ کے والد کو) تین ماہ کی مہلت سفر آخرت کی تیاری کے لئے عطا کی۔ چنانچہ شیخ احمد نخعیؒ کے والد اسی مدت میں اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے اور شیخ احمد نخعیؒ نے نوے سال کی عمر پائی۔ شیخ عبدالرحمن کا مزید بیان ہے کہ تمام دنیاوی معاملات اور لین دین میں میں اپنے والد کا وکیل تھا۔ جب والد بزرگوار (شیخ احمد نخعیؒ) اپنی آخری عمر کو پہنچے اور ان پر ضعف غالب آگئی تو میں نے ایک روز ان کی خدمت میں قرض خواہوں کے

مطالبات کی شکایت کی اور عرض کی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر خدا نخواستہ آپ کی وفات کا حادثہ پیش آ گیا تو یہ تمام قرضے میرے ذمے پڑ جائیں گے اور میرے عزیز واقارب میری وکالت کا اعتبار نہیں کریں گے، والد بزرگوار نے فرمایا اس خدشے کو اپنے دل میں ہرگز راہ نہ دو مجھے امید کامل ہے کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ میرے ذمے تمام واجب الادا قرض ادا نہ ہو جائیں اور میرا خیال ہے کہ وہ رات میری زندگی کی آخری رات ہوگی جس میں مجھ پر کسی کا قرض باقی نہیں ہوگا۔ آپ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان تمام قرضوں کی ادائیگی جتنی رقم ایسی جگہ سے حاصل ہوئی جہاں سے توقع بھی نہیں تھی اور آپ کے کہنے کے مطابق آپ کی اس دنیا کی وہ آخری رات آبی پچنی جبکہ آپ کے ذمے کوئی واجب الادا قرض باقی نہیں تھا۔

شیخ احمد نخعیؒ فرماتے ہیں کہ طریقہ خلوتیہ میں میرے شیخ، شیخ عیسیٰ بن کفعمان خلوتی نے جب مجھے اس طریقہ کی اجازت بخشی تو مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا تا کہ خلوتیہ طریقہ کے تمام پیروکار میرے سامنے اکٹھے ہو کر نماز تہجد کے بعد جیسا کہ ان کا طریق ہے اور ادو ظائف میں مشغول ہو جائیں اس بات سے میرے دل میں غایت درجہ تردد تھا کیونکہ میرا میلان پوری طرح نقشبندیہ سلسلے کی طرف تھا اور شیخ خلوتی کے سامنے مجھے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں تھی اسی تردد کے عالم میں میں نے حضور ختم الرسل علیہ الصلوٰات والتسلیمات کی بارگاہ میں رجوع کیا اور اسی سال روضہ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو جمعہ کے روز نماز جمعہ سے قبل مجھے خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، میں نے دیکھا کہ زیارت عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ہمراہ جلوہ افروز ہیں میں آپ کی طرف تیزی سے بڑھا اور دست مبارک چومنے کے بعد بالترتیب خلفائے کرام کے ہاتھوں کو چومنے کی سعادت حاصل کی۔ بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مزار مقدس کے سرہانے صفِ اوّل کے متوازی بیچے ہوئے ایک نئے سجادے کی طرف لائے اور فرمایا ”یہ شیخ تاج کا سجادہ ہے اس پر بیٹھ جاؤ“ میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ طریقہ نقشبندیہ کی طرف ہے اور آپ نے اس طریقہ کی اجازت عطا فرمادی ہے۔

شیخ عبداللہ بن سالم البصری

آپ نے بہت ساری حدیث کی نایاب کتابوں کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار انجام

دیا، مثلاً مسند امام احمدؒ جس کے بارے میں یہ خدشہ تھا کہ شاید روئے زمین پر اس کا کوئی مکمل نسخہ مانا محال ہو جائے۔ آپ نے مصر، عراق، شام اور اطراف و اکناف کے قدیم کتب خانوں سے اس کے متفرق اجزا کمال احتیاط سے جمع کر کے ان تمام کو ایک ہی نسخے کی صورت میں ترتیب دیا اور اسے صحت کے ساتھ ایک اصلی نسخے کی صورت میں عام کر دیا۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ کی روشنی میں آپ نے کئی اصول وضع کئے اور نسخہ نبویہ اصل کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں اپنے قلم سے لکھا۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح ”ضیاء الساری“ کے نام سے لکھنی شروع کی تھی جسے بڑھاپے اور کمزوری کے سبب مکمل نہ کر سکے۔ آپ نے ساری زندگی سرحد بحث طریقوں سے روایت حدیث میں گزار دی، الغرض آپ واقعتاً اس آخری دور کے حافظ الہدیٰ تھے۔ اس اجمالی گفتگو کی تفصیل یہ ہے کہ صحت حدیث کے ضبط کے امت مرحومہ میں تین دور رائج رہے ہیں۔ پہلا دور صحابہ و تابعین کا ہے، جس میں احادیث کو زبانی یاد کر لیتے تھے اور اچھی طرح یاد کر لینا ہی ان کے ہاں ضبط حدیث کہلاتا تھا، دوسرا دور تبع تابعین اور ساتویں آٹھویں طبقہ تک کے متقدمین محدثین کا ہے۔ یہ حضرات احادیث کو لکھ لیتے تھے ان کے نزدیک ضبط ان اصولوں پر مبنی تھا۔ صفائی تحریر، حرکات و سکنات اور نقاط میں احتیاط، ہیئت حروف کی حفاظت، احادیث کا اصول صحیح سے موازنہ اور کتاب کو ہر قسم کے خارجی اثرات سے محفوظ رکھنا۔ تیسرا دور وہ ہے کہ جس میں حفاظ حدیث نے اسماء رجال اور مشکل و غریب الفاظ کے ضبط میں کتابیں تالیف کیں۔ مفصل شرحیں لکھیں اور چھپیدہ و مشکل مقامات حدیث کی تشریح میں رسائل لکھے۔ آج ضبط حدیث کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی شخص ان تصانیف و شروح کو پیش نظر رکھ کر ان کے مطابق روایت شروع کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب علمائے حدیث ان اصولوں میں تساہلی سے کام لینے لگے ہیں جن پر قدما سختی سے کار بند تھے، چونکہ متوسطین نے حفظ حدیث میں سستی برتی اور صرف عبارت پر ہی اکتفا کر لیا، جس کے نتیجے میں طبقات سابقہ کے برعکس ان میں وجادت (۱) اور اجازت مجردہ اور اس کی دوسری چیزیں رائج

(۱) کوئی شخص کسی محدث کی لکھی ہوئی تحریر یا کتاب حاصل کرے لیکن اس شخص نے ان روایات کو نہ اصل سے سنا نہ ہی اس کو روایت کی اجازت ہو، ایسی صورت میں راوی ثانی اگر ان احادیث کو روایت کرنا چاہے تو یوں کہے گا، او حدث بخط فلان، فلان شخص کی تحریر سے میں نے ایسا پایا قرأت بخط فلان اسے وجادہ کہتے ہیں۔

ہو گئیں۔ حاصل کام یہ ہو کہ ضبط حدیث کا یہ طریقہ شیخ عبداللہ کے ہاں کمال موجود تھا جبکہ اس سلسلے کی بقا کا سبب بھی انہی کی ذات بنی، حضرت شیخ عبداللہ بچپن ہی سے علم و علما، اور صلاح و تقویٰ کو دل و جان سے عزیز جانتے تھے، روزانہ قرآن مجید کے دس پارے تلاوت فرماتے مگر بڑھاپے میں حسب استطاعت تلاوت فرماتے۔ آپ کے وقت کا کوئی حصہ بھی درس و تدریس، تلاوت کلام پاک، نماز یا ضروری گفتگو سے خالی نہ ہوتا تھا۔ میں (شاہ ولی اللہ) نے سنا ہے کہ جب شیخ عبداللہ کے فرزند شیخ سالم نے شریف مکہ کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی تو شیخ عبداللہ، شیخ سالم کے کھانے میں شریک ہونا تو درکنار ان کے گھر کے نمک سے بھی احتراز فرماتے تھے۔ آپ نے حجرہ کعبۃ اللہ میں دو بار صحیح بخاری ختم کی، پہلی بار مرمت کعبہ کے وقت اور دوسری دفعہ اس وقت جبکہ کعبہ مکرمہ کا دروازہ درست کیا جا رہا تھا اور مسند امام احمد بن حنبل تصحیح و جمع کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کے سرہانے مسجد نبوی میں چھپن روز میں ختم کی۔ آپ نے طویل عمر پائی جو سب کی سب رضائے الہی میں گزری۔ آخر عمر تک سمجھ بوجھ، حافظہ اور حواس درست رہے، اہانت قوت سماعت میں کچھ کمی واقع ہو گئی۔ عمر کے آخری حصے میں شیخ عبداللہ مغربی نے آپ سے کتب صحاح ستہ پڑھیں اور اہل مکہ نے آپ سے سماع حدیث کیا، آپ ۴۲۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی المدنی

آپ ابتداء ہی سے علم اور علماء کی طرف راغب تھے، خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا، جنہوں نے آپ کیلئے بے شمار بزرگوں سے خرقہ و اجازت حاصل کی تھی، ان بزرگوں میں سے ایک شیخ محمد بن سلیمان مغربی تھے آپ نے کتب عربیہ کی تعلیم سیویہ وقت سید احمد ادریس مغربی سے حاصل کی، شیخ ابوطاہر سید احمد ادریس کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے ایک فاضل شاگرد نے مسجد نبوی کے محراب میں سورۃ تبت تلاوت کی جب وہ نماز سے فارغ ہو کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس پر برس پڑے اور فرمانے لگے میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور وہ سورت پڑھو جس میں ان کے چچا (ابولہب) کا نام (اہانت کے ساتھ) مذکور ہے۔ کیونکہ خدا جیسے چاہے اپنے رسول سے خطاب کرے لیکن ہمارا یہ

مقام نہیں! کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اگرچہ اس طرح کی باتیں سید الکوین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کا نتیجہ ہیں تاہم یہ ارباب تقویٰ و تحقیق کا مقام ہے مگر ہمارے لئے تو صحابہ و تابعین کا طرز عمل ہی کسوٹی ہے۔ وہ یوں کیوں نہیں سمجھتے کہ اس سورت میں تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی مدح و منقبت کا پہلو دکھاتا ہے، کیونکہ یہاں اس سورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کے ایک دشمن پر خدا تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔

شیخ ابو طاہر نے فقہ شافعی کی تعلیم شیخ طولونی مصری سے معقولات، روم کے مشہور زمانہ تبحر عالم منجم ہاشمی سے اور علم حدیث اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ شیخ حسن عجمی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ ان کے بعد شیخ احمد غللی اور شیخ عبداللہ بصری کی صحبت میں پہنچے اور شیخ عبداللہ بصری سے شامی التبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی اور انہی سے مسند امام احمد و ماہ سے بھی کم عرصے میں سنی۔ ان کے علاوہ آپ نے وقتاً فوقتاً حرمین شریفین میں باہر سے آنے والے علماء و مشائخ سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ ان میں ایک شیخ عبداللہ اہوری تھے جن سے آپ نے ملا عبد الحکیم سیالکوٹی (۱) کی کتابیں روایت کیں اور ان کا سلسلہ شیخ عبداللہ لبیب کے ذریعے خواہ مولانا تک پہنچا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی (۲) کی کتابیں بھی آپ نے اسی واسطے سے پڑھیں۔ مولانا سیالکوٹی نے خود ان سے ان کتابوں کی روایت کی اجازت لی تھی اور ان

(۱) ملا عبد الحکیم سیالکوٹی اپنے دور کے بگناہ روزگار فاضل ملا کمال الدین متوفی ۱۶۰۸ء کے شاگرد رشید ہیں، آپ علمی تبحر اور مسلمہ حدیث کی شہرت پوری اسلامی دنیا میں ہے۔ کچھ وقت اکبر آباد کے سرکاری مدرسے میں مدرس رہے۔ آپ کی تصانیف زیادہ تر درسی کتابوں کے حواشی و شروح سے متعلق ہیں۔ حواشی تفسیر بیضاوی، حاشیہ شرح مقاتلہ، حاشیہ شرح شریعہ، تکریم حاشیہ عبدالغفور اور حاشیہ خیالی جس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔

خیالات خیالی بس عظیم است

رائے حل او عبد الحکیم است

علمی دنیا میں مشہور اور آخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ شاہان مغلیہ آپ کے علمی مقام و رتبہ کو ہمیشہ خراج عقیدت پیش کرتے رہے۔ ۱۶۵۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مزار سیالکوٹ میں شہابان روڈ پر ہے۔

(۲) ربیع السوینی، امام الحرمین، عاشق مصطفیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی عالم اسلام کی وہ مایہ ناز شخصیت ہیں کہ جنہوں نے ایک بار پھر دنیا سے اسلام کو اس کا بھولا ہوا سابق یاد دلانے ہوئے مقام محمدی کی عظمتوں کی طرف بلایا اور اسے دہرائے جاس بخش پیغام دیا۔

(بیتہ اگلے صفحہ پر)

میں سے شیخ سعید کو کئی سے بھی آپ نے بعض عربی کتابیں اور فتح الباری کا چوتھا حصہ پڑھا۔ الغرض آپ سلف صالحین کے تمام اوصاف مثلاً تقویٰ، عبادت، علمی شغف اور بحث و تحقیق میں انصاف پسندی سے متصف تھے۔ جب آپ سے کسی مسئلے کے بارے میں رجوع کیا جاتا تو جب تک پورا غور و فکر اور کتابوں سے اس کی تحقیق نہ کر لیتے، جواب نہ دیتے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب بھی کوئی اس طرح کی حدیث پڑھتے تو آنکھیں پر نم ہو جاتیں، لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہ برتتے۔ اپنے تلامذہ اور خدام سے بھی تواضع سے پیش آتے۔

صحیح بخاری کی قرأت کے دوران جب روایات احادیث اور فقہ کے اختلافات سامنے آتے تو شیخ ابو طاہر فرماتے کہ یہ تمام اختلافات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی جامعیت (جامعیت کبریٰ) کا نتیجہ ہیں جو اپنے اندر کونین کی تمام تراضد و موافقات سموئے ہوئے ہیں۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ ایک نہایت گہرا نکتہ ہے جس پر تدبر کی ضرورت ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

آپ ایک مشہور علمی و روحانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دہلی ہی میں مکمل فرمائی۔ کچھ وقت فتح پور سیکری میں جو دار الحکومت ہونے کی وجہ سے علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ تعلیم و تدريس اور تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ ۱۵۷۷ء میں شیخ سمنی گیلانی (المعروف سمنی پاک شہید) سے بیعت کی۔ ۱۵۸۸ء میں زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں دو تین سالہ قیام کے دوران مشائخ حرمین کے علاوہ براہ راست بارگاہ رسالت سے فیوض حال کئے۔ ہندوستان کے تمام اکابر و اعیان کے ساتھ آپ کے تعلقات قائم رہے۔ ۱۵۹۹ء میں خوجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کر کے ان سے خلافت حاصل کی۔ آپ کے برادر طریقت شیخ مجدد الف ثانی کے ساتھ اختلافات پیدا ہو گئے۔ آپ نے حضرت مجدد کے بعض مشکوفات کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا۔ حضرت مجدد کے ساتھ آپ کے اختلاف خالص علمی اور احوال صوفیہ کے اختلاف تھے جو آخر دم تک قائم رہے لیکن باہمی وقار و احترام کی فضا میں اس سلسلے میں حضرت شیخ کے رجوع کا سارا قصہ محض عقیدہ حسدی کا فسانہ ہے۔ حضرت محدث کا سب سے بڑا کارنامہ مصائب و آلام میں گہری ہوئی امت مسلمہ کو محبت نبوی اور دامن رسالت پناہی سے وابستگی کی دعوت کی تجدید ہے۔ یہی وہ تریاق ہے جو مسلمان قوم کو کئی زندگی بخش سکتا ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے لمعات، شرح مشکوٰۃ، مدارج النبوة، جذب القلوب، اخبار الاخیار، زاد المتعین زندہ جاوید کتابیں ہیں۔ آپ نے ۱۶۳۶ء میں چورانوے برس کی عمر میں رحلت فرمائی ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایک دن احوال صوفیا اور ان کی باہمی تردید و تنقید جو بعض دفعہ ان کے پیروکاروں میں بھی چل پڑتی ہے پر گفتگو چھڑ گئی تو شیخ ابوطاہر نے فرمایا کہ میں صوفیا کے بارے میں کچھ کہنے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اگرچہ میرے بعض اسلاف بعض صوفیا کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے مگر جہاں تک میرا تعلق ہے میرے دل میں ان کے لئے تردید و تنقید کا معمولی جذبہ بھی موجود نہیں، یہاں آپ نے ایک قصہ سنایا کہ شیخ یحییٰ شاذلی میرے والد سے کچھ اختلافات رکھتے تھے اور یہ بات ان کی طرف سے میرے دل میں کھٹکتی رہی، اسی اثناء میں شیخ یحییٰ شاذلی اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ایک عرصے کے بعد جب انہیں کسی وجہ سے لحد سے باہر نکالا گیا تو اس طرح صحیح و سالم تھے جیسے آج سوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر کسی عارف سے اختلاف کے سبب طعن و تشنیع نہیں کرنی چاہئے، یہاں انھوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین بن عربیؒ نے اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب وصیت فرمائی ہے یہ کہہ کر انھوں نے شیخ ابن عربیؒ کے اپنے قلم سے لکھا ہوا فتوحات کائنات نکالا اور اس میں سے باب الوصیت پڑھ کر سنایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے اس لئے عداوت رکھتا تھا کہ وہ شیخ ابودین مغربیؒ پر طعن و تشنیع کرتا تھا، جبکہ میں شیخ مغربیؒ کی مقبولیت و بزرگی کا معترف تھا۔ ایک دن میں نے حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں فرماتے ہوئے سنا کہ ”تمہیں فلاں شخص سے کیوں بغض ہے؟ میں نے عرض کی اس لئے کہ وہ ابودین سے عداوت رکھتا ہے جبکہ میں انھیں بزرگ سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں رکھتا؟ میں نے عرض کیا رکھتا ہے۔ فرمایا گویا تمہیں ابودین سے اس کے بغض کی بنا پر تو عداوت ہے، لیکن میرے محبت ہونے کی حیثیت سے الفت نہیں۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اللہ سے اس بغض کی توبہ کی۔ اس شخص کے گھر گیا، اسے معذرت کے ساتھ سارا واقعہ سنایا اور ایک قیمتی کپڑا اس کی نذر کر کے اسے راضی کیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے ابودینؒ کے بارے میں ناراضگی کا سبب پوچھا۔ اس نے جو وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی کہ اس کی بنا پر ابودینؒ سے عداوت رکھی جاتی، تو میں نے اسے حقیقت حال سمجھائی جس پر اس نے خدا تعالیٰ سے توبہ کی اور ابودینؒ کے بارے میں طعن و تشنیع سے رجوع کر لیا اور اس طرح سب کے دلوں میں الفت نبیؐ کی برکات جاری و ساری ہو گئیں اور اس پر اللہ کا

شکر ہے جس روز میں (شاہ ولی اللہ) وطن واپس ہوتے وقت شیخ ابوطاہرؒ کی خدمت میں الوداعی سلام کے لئے حاضر ہوا۔ تو بے اختیار میری زبان پر یہ شعر آ گیا۔

نسبت کل طریق کنت اعرفہ

الا طریقاً یو دینی لربعکم

(میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستے کے علاوہ باقی سارے راستے بھول گئے)
یہ شعر سنتے ہی حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو گیا اور بہت متاثر ہوئے۔ آپ رمضان المبارک ۱۱۴۵ھ میں رحلت فرمائے، غلد بریں ہوئے۔

شیخ تاج الدین قلعی حنفیؒ

آپ قاضی عبدالحسن کے فرزند اور مکہ مکرمہ کے مفتی تھے کئی مشائخ حدیث کی صحبتوں میں پہنچ کر ان سے علوم حاصل کئے اور ہر ایک سے اجازت بھی حاصل کی، آپ ابھی کمسن تھے کہ والد بزرگوار نے شیخ عینی مغربی سے آپ کے لئے اجازت حاصل کی۔ آپ فرماتے تھے کہ شیخ محمد بن سلیمان مغربی کے درس میں سنن نسائی کے ختم کے موقع پر حاضر ہوا، انھوں نے ختم کے بعد تمام حاضرین مجلس کو اجازت دی جن میں میں بھی شامل تھا، آپ نے علم حدیث کا اکثر حصہ شیخ عبد اللہ بن سالم بصریؒ کی خدمت میں مکمل کیا، فرمایا کرتے تھے کہ یہ ساری کتابیں میں نے بحث و تفتیح کے ساتھ ان سے پڑھیں، صحیحین (بخاری و مسلم) شیخ حسن عجمی سے پڑھیں اور جس قدر روایات ان کی نظر میں صحیح تھیں، ان کی اجازت بھی حاصل کی، اس کے علاوہ شیخ صالح زنجانی کی خدمت میں ایک عرصے تک رہ کر ان سے فقہ میں مکمل استفادہ کیا، آپ نے شیخ احمد نخعیؒ سے بھی اجازت و روایت حاصل کی۔ شیخ احمد قنطان بھی آپ کے مشائخ میں سے تھے جن کی صحبت میں ساہل سال رہ کر ان سے درس کا طریقہ سیکھا، شیخ تاج الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد قنطانؒ کی وفات کے بعد میرے تمام مشائخ یعنی شیخ عبد اللہ مصریؒ اور شیخ احمد نخعیؒ وغیرہ اس پر مصر ہوئے کہ شیخ احمدؒ کی جگہ حرم کعبہ میں مصلیٰ ماکی پر بیٹھ کر حدیث کا درس دوں، جیسے کہ میرے شیخ کا معمول تھا مگر مجھے ایسے اکابر کی موجودگی میں یہ جرأت نہیں پڑتی تھی اس لئے میں اس پر آمادہ نہ ہوا اس کے باوجود ان کی طرف سے اصرار بڑھتا گیا تو میں نے حسن عجمیؒ جو ان دنوں طائف میں مقیم تھے، کی خدمت میں

ساری صورت حال لکھی بھیجی، انھوں نے بھی مشائخ کا کہنا مان لینے کی تاکید کی آخر کار اس معاملے میں ہر طرح استعارہ وغور و فکر کر کے میں اس فریضے کو انجام دینے کے لئے تیار ہو گیا اور مسند شیخ قطان پر بیٹھ کر بخاری کا درس اسی مقام سے شروع کیا جہاں شیخ نے چھوڑا تھا، ختم بخاری کی مجلس میں تمام علماء و مشائخ موجود تھے۔ آپ نے شیخ ابراہیم کروٹی سے بھی ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی حدیث (۱) مسلسل بالا ولایت بھی انہی سے حاصل کی۔

کاتب الحروف نے شیخ تاج الدین سے ایک عجیب و غریب حکایت سنی جو یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوگا۔ اس بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ ضعف و ناتوانی کے مارے ہاتھ پاؤں ہلانے کی سکت بھی نہ رہی، اسی حالت میں ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے کوئی آکر کہنے لگا کہ اس مریض کے شفا کے لئے مرغ پکا کر اس پر پورا قرآن مجید دم کیا جائے تاکہ بیمار اسے کھا کر شفا یاب ہو، جب میں بیدار ہوا تو خواب کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا، اگلی رات میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ گویا امام محمد بخاری میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے دیکھ چڑھا کر آگ جلائی اور اس میں صبح سے لے کر شام تک مرغ پکاتے رہے جب پک کر تیار ہو گیا تو میرے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہنے لگے میں نے اس کھانے پر سارا قرآن پڑھا ہے اسے کھاؤ اسے کھاتے ہی مجھے اس قدر افاقہ ہوا کہ اس قدر لطف و کرم سے مجھے جتنی مسرت و شادمانی حاصل ہوئی وہ مرض سے نجات پانے میں بھی نہ ملی۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) شیخ تاج الدین کے درس میں جوان دنوں بخاری کے درس میں مشغول تھے دو تین روز لگاتار حاضر ہوا۔ اس دوران اسے صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے کچھ حصے مسند دارمی، امام محمد کی کتاب الآثار اور موطا سماعت کیں، حضرت شیخ نے ان تمام کتابوں کی اجازت تمام اہل مجلس کو عطا کیں جن میں فقیر بھی شامل تھا اور حدیث مسلسل کے سلسلے میں یہ میری پہلی حدیث تھی جو میں نے زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کے بعد شیخ ابراہیم سے سماعت کی۔ ۱۱۴۳ھ۔

(۱) حدیث مسلسل سے مراد یہ ہے کہ حدیث کی سند کی روایت کرنے والوں کی روایت کے وقت ایک صفت یا ایک حالت مسلسل قائم رہی ہو خواہ یہ حالت اور صفت سند کے انشاء میں ہو یا راویوں کے حالات میں۔ اس کی کئی اقسام ہیں مثلاً مسلسل بسمعت، مسلسل باخذ النحیہ، مسلسل فان قبل لفلاں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے خودنوشت حالات زندگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ الذی بدا بالنعم قبل استحقاقها
وخص من شاء بمعرفة الاسماء واذواقها والصلوة والسلام علی سیدنا محمد
المتحلّی بتيجان الکرامات واطواقها المکرم بصوف العطیات واطباقها وعلی
آلہ واصحابہ الذین بهم قیام الملة ورواج اسواقها، اما بعد

فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم (خدا سے اور اس کے والدین کو بخشے اور اسے اور اس کے والدین
کو احسان سے نوازے، رقمطراز ہے کہ یہ چند کلمات میں نے اپنے حالات زندگی کے بارے میں
”الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف“ کے نام سے تحریر کئے ہیں۔ میری ولادت بروز بدھ ۱۱۱۴ھ
شوال ۱۱۱۴ھ بوقت طلوع شمس ہوئی۔ بعض ستارہ شناسوں نے علم نجوم کے مطابق یہ کہا کہ میری
پیدائش کے وقت موت کا درجہ دوم طالع میں تھا اور شمس بھی اسی درجہ میں تھا۔ زہرہ آنکھوں، سطارو
ایکسویں، زحل دسویں اور حمل و مشتری پندرہویں درجے میں تھے اور وہ سال علوین کے قرآن کا
سال تھا۔ یہ قرآن درجہ اول میں تھا اور مرتب اس سے دوسرے درجے میں تھا اور اس سرطان
تھا، واللہ اعلم بالصواب

بعض احباب نے میری تاریخ پیدائش ”عظیم الدین“ سے نکالی ہے (۱)۔ میرے والدین
قدس اللہ تعالیٰ سرہما اور کئی دیگر صلحاء کو میرے بارے میں میری پیدائش سے پہلے اور اس کے بعد
بشارتیں ہوئیں۔ چنانچہ ایک قریبی برادر اور مخلص دوست نے یہ ساری تفصیلات دوسرے واقعات
کے ساتھ اپنے رسالے ”قول جلی“ میں بیان کی ہیں، اللہ اسے اس کی بہترین جزا عطا فرمائے اور
اسے اور اس کے اسلاف و اخلاف کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اس کے دینی و دنیوی

(۱) عظیم الدین سے ابجد کے حساب سے تاریخ ۱۱۱۵ھ نکلتی ہے۔ چونکہ آپ کی ولادت ماہ شوال ۱۱۱۴ھ میں ہوئی
جبکہ نئے سال یعنی ۱۱۱۵ھ کے شروع ہونے میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے اسی لئے شاید تاریخ نکالنے والوں نے
یہ دو ماہ شمار نہیں کئے۔

مقاصد پورے فرمائے پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سات سال کا تھا کہ والد بزرگوار نے مجھے نماز کے لئے کھڑا کر دیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا، ختمہ بھی اسی سال ہوا، اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے قرآن مجید بھی اسی سال ختم کر کے عربی فارسی کتابیں شروع کیں۔ دس برس کا تھا تو شرح ملا پڑھتا تھا، اسی دوران مجھ پر مطالعہ کی راہ کھلی، چودہ برس کی عمر میں میری شادی ہو گئی۔ والد بزرگوار کو میری شادی کے بارے میں بڑی جلدی تھی۔ جب میرے سسرال والوں نے سامان شادی وغیرہ کے مہینہ نہ ہونے کا عذر کیا تو والد بزرگوار نے انہیں لکھ بھیجا کہ اس غلٹ میں بھی ایک راز ہے اور یہ راز مجھ پر اس وقت کھلا جب میری شادی کے بعد میری ساس، میری اہلیہ کے نان، شیخ ابوالرضا، محمد قدس سرہ کے خلف الرشید شیخ فخر العالم، میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ اور والد بزرگوار جو ضعیف ہونے کے سبب طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے تھے یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ الغرض اس طرح خاندان کے بہت سارے بزرگ اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور ہر خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس وقت میری شادی نہ ہو جاتی تو پھر برسوں اس کا امکان نہ تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغال صوفیا خصوصاً مشائخ نقشبند کے اشغال میں مصروف ہو گیا اور ان کی توجہ و تلقین سے بہرہ ور ہوتے ہوئے ان سے آداب طریقت کی تعلیم اور خرقہ صوفیا حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کر لیا، اسی سال بیضاوی شریف کا چوتھ حصہ پڑھا تو اس موقع پر والد بزرگوار نے ایک عام دعوت کا اہتمام کیا اور درس کی اجازت ملا فرمائی۔ خاصہ یہ کہ اس علاقے کے تمام علوم متداولہ سے پندرہ برس کی عمر میں حاصل کر لی۔ میں نے تمام علوم کی کتابیں ذیل کی ترتیب کے مطابق پڑھیں۔ مہم حدیث میں کتاب المسیح سے کتاب الادب تک کا حصہ چھوڑ کر باقی مکمل مشکوٰۃ، صحیح بخاری، کتب الطہارۃ تک، شمس النبوی صلی اللہ علیہ وسلم مکمل (والد بزرگوار سے ان کتابوں کی قرأت بعض ہم درس ساتھیوں نے کی) تفسیر بیضاوی و مدارک کے کچھ حصے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر ایک احسان یہ ہے کہ چند مرتبہ والد بزرگوار سے مدرسے میں قرآن عظیم کے معانی، شان نزول اور کتب تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے کلام قدسی میں تدریج حاصل کرنے کا موقع ملا جو میرے لئے ایک عظیم فتح تھی اور اس پر خدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کا

اکثر حصہ، اصول فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ منطق میں شرح حمیہ مکمل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ۔ کلام میں شرح عقائد مکمل اور خیالی و شرح مواقف کے کچھ حصے، سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ۔ حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ شرح لغات اور نقد النصوص، خواص اسماء و آیات میں والد بزرگوار کا خاص مجموعہ جس کی انھوں نے چند بار اجازت دی، طب میں موجز القانون، حکمت میں شرح ہدایہ الفکرت وغیرہ، نحو میں کافیہ اور اس پر شرح لما، معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معانی کا وہ حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے اور ہندسہ حساب میں بعض مختصر رسائل۔

اس حصول علم کے دوران ہرن کے کئی قیمتی نکات میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے جو مزید غور و فکر سے کئی اور راہیں سمجھا دیتے، میں اپنی عمر کے سترہویں برس میں تھا کہ والد بزرگوار بیمار پڑ گئے اور اسی علالت میں رحمت خداوندی کی آغوش میں چلے گئے۔ آپ نے مرض الموت کے دوران مجھے بیعت و ارشاد کی اجازت عطا فرمائی۔ اور یہ جملہ کہ یدہ کبیدی اس (شاہ ولی اللہ) کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے (دوبارہ ارشاد فرمایا میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ والد بزرگوار ساری زندگی مجھ سے راضی رہے اور اسی عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، مجھ پر ان کی اس قدر توجہ تھی کہ کسی بات کو اپنے بیٹے پر نہیں ہو سکتی۔ میں نے کسی ایسے والد، استاذ یا مرشد کو نہیں دیکھا کہ جو اپنے فرزند، شاگرد اور مرید کے ساتھ ایسی شفقت سے پیش آتا ہو جس شفقت کے ساتھ والد بزرگوار مجھ سے پیش آتے تھے (اے اللہ مجھے اور میرے والدین کو بخش دے، اور ان پر رحم فرما جیسے کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا اور ان کی ہر شفقت، رحمت کا انھیں ہزار در ہزار گنا اجر عطا فرما بے شک تو قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے) والد بزرگوار کی وفات کے بعد کم و بیش بارہ برس تک میں دینی اور عقلی کتابوں کی تدریس میں مشغول رہا اور ہر علم میں خاصا ورک حاصل ہوا۔ جب میں والد گرامی کے مزار مبارک پر مراقبہ کرتا تو مسائل تو حیدر حل ہو جاتے۔ جذب کا راستہ کھل جاتا سلوک میں سے وافر حصہ میسر آتا اور وجدانی علوم کا ذہن میں ہجوم لگ جاتا، مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں اور ان احادیث جن سے وہ استدلال کرتے ہیں، کے مطالعے کے بعد مجھے نور بصیرت سے معلوم ہوا کہ فقہائے محدثین کی روش ہی اختیار کی جائے۔ اس

بارہ سال کے عرصے کے بعد میرے سر میں حرمین شریفین کی زیارت کا سودا سمایا، ۱۱۴۳ھ کے اواخر میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا اور ۱۱۴۴ھ میں مجاہد مکہ مکرمہ، زیارت مدینہ منورہ شیخ ابوطاہر قدس سرہ اور دوسرے مشائخ حرمین سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اسی دوران حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ و اتم التحیات کے روضہ اقدس کو مرکز توجہ بنا کر فیوض حاصل کئے، علمائے حرمین اور دیگر لوگوں کے ساتھ دلچسپ صحبتیں رہیں اور شیخ ابوطاہرؒ سے خرقة جامعہ حاصل کیا جو بلاشبہ تمام سلاسل کے خرقوں کا جامع ہے، اسی سال کے آخر میں فریضہ حج ادا کیا، ۱۱۴۵ھ میں عازم وطن ہوا اور اسی سال بروز جمعہ ۴ رجب المرجب صحیح و سالم وطن پہنچ گیا۔ و اما بنعمة ربك فحدث (اور اپنے رب کا شکر ادا کرو) اور خاکسار پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مجھے ”خلعت فاتحیہ“ سے نوازا اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہی ہاتھوں کرایا۔ اور مجھے اس طرف رہنمائی کی گئی کہ فقہ میں سے پسندیدہ مسالک کو یکجا کر کے فقہ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھوں، اسی طرح اسرار حدیث، مصالح احکام، ترغیبات اور جو کچھ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے۔ ان تمام کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ واقع بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گزرے تو اسے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی کتاب ”قواعد کبریٰ“ دیکھنی چاہئے جس میں انھوں نے کس قدر زور مارا ہے مگر پھر بھی وہ اس فن کے عشر عشر تک نہیں پہنچ پائے اور طریقہ سلوک جو کہ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور جسے اس دور میں رائج ہونا ہے۔ اور مجھے الہام کیا گیا، جسے میں نے اپنے دور سالوں ”لمعات“ اور ”الطاف قدس“ میں قلم بند کر دیا ہے میں نے قدیم علمائے اہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا اور جس طرح انہیں معقولوں کے شکوک و شبہات سے پاک کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اب ان پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی اور مجھے کمالات اربعہ یعنی ”ابداغ:: خلق تدبیر اور تدلی جو اس دنیا کے طول و عرض میں موجود ہیں اور نفوس انسانیہ کی استعداد اور ان کے کمال اور انجام کو جاننے کا علم عطا کیا گیا ہے۔ یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی ان کی گرد تک نہیں پہنچا اور حکمت عملی

جس کے ذریعے اس دور کی اصلاح کی جاسکتی ہے مجھے پوری طرح ودیعت کی کئی ہے اس کے ساتھ مجھے کتاب و سنت اور آثار صحابہ کے ذریعے اس حکمت عملی کو مستحکم کرنے کی توفیق بھی بخشی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے یا دین میں جو کچھ اضافے کئے گئے ہیں یا تحریف کی گئی ہے اور جو کچھ سنت ہے یا بر فرتے نے جو نئی چیزیں دین میں رائج کی ہیں ان تمام کی مجھے پرکھ عطا فرمائی گئی ہے۔ اگر میرا بر بن موز بان بن جائے تو بھی میں مکلف ہوں اس کا شکر نہیں بجااسکتا اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو عالمین کا پروردگار ہے۔

مقدمہ درقوانین ترجمہ

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا مشتاق احمد تجاوری

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

الحمد لله و اهاب العطیات، ملهم الحکم والمخبات، والصلوة والسلام
الایمان علی سید البشر، معلم اهل المدر والوبر، مبین الکتاب بفصل الخطاب
وعلی آله واصحابه اجمعین۔

اللہ کریم کی رحمت کا محتاج ولی اللہ بن عبد الرحیم کہتا ہے کہ یہ رسالہ ترجمہ نگاری کے اصول
وضوابط سے متعلق ہے، اس کا نام ہے المقدمہ در قوانین ترجمہ یہ رسالہ ترجمہ قرآن کی تسوید کے
دوران ضبط تحریر میں لایا گیا۔

فصل

مترجمین نے ترجمہ نگاری کے مختلف اسالیب اختیار کئے ہیں:

(۱) بعض لوگ ایک لفظ کے نیچے اس کا ترجمہ پھر دوسرے لفظ کے نیچے دوسرے لفظ کا ترجمہ
لکھتے ہیں اور پورے مضمون کا ترجمہ اسی طرح کرتے ہیں۔
اس کو تحت اللفظ ترجمہ کہتے ہیں۔

(۲) بعض لوگوں نے یہ اسلوب اختیار کیا کہ پہلے پورے جملے پر غور و فکر کرتے ہیں اور
تقدیم و تاخیر اور مجاز و کنایہ کی رعایت کرتے ہوئے پورے جملے کا مفہوم فارسی میں یا جس زبان
میں بھی ترجمہ کر رہے ہوں، بیان کر دیتے ہیں۔
اس کو بیان حاصل المعنی کہتے ہیں۔

ترجمہ کا پہلا طریقہ درست نہیں ہے اس لیے کہ اس طرح بالعموم ترجمہ کا نظم بگڑ جاتا ہے اور
جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے اس کے اعتبار سے ترکیب غلط ہو سکتی ہے یا کم از کم اس صورت
میں رکاکت الفاظ اور تعقید یا غیر معروف الفاظ کا استعمال لازم آتا ہے اور اس کی وجہ زبانوں کا
اختلاف ہے۔

مختلف زبانوں میں مختلف اجزاء کلام کی تقدیم و تاخیر کا اسلوب، الفاظ کی ترکیب، کنایات
اور صلاحت کا استعمال ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہوتا ہے جس کی نظیر دوسری زبان میں نہیں ملتی

جیسے سبحان اللہ اور سقیالک، اسی طرح بعض زبانوں میں لازم سے مزوم کی طرف منتقل ہونا اور ایک لفظ کی جگہ دوسرے کا استعارہ استعمال کرنا صحیح ہوتا ہے جبکہ دوسری زبان میں وہ صحیح نہیں ہوتا، عربی میں کہتے ہیں ”فلان عظیم الرماد“ اس سے سخاوت مراد لی جاتی ہے اس کا فارسی ترجمہ ہوگا فلاں بزرگ خاکستر است (فلاں بہت بڑا مٹی والا ہے) اس سے فارسی والے وہ معنی اخذ نہیں کر سکتے جو اس کا اصلی مفہوم ہے۔

بسا اوقات عربی زبان میں ایسی خصوصیت ہوتی ہے جس کی نظیر فارسی میں (یا کسی اور زبان میں) ہوتی ہی نہیں، جیسے یہ الفاظ دغاء الابل (اونٹ کا بلبلانا) خوار البقر (گائے کا رہنجانا) صہال الفرس (گھوڑے کا ہنرانا) نواج الکیش (مینڈھے کی آواز) و یعار المعز (بکری کا میانا) نباح الکلب (کتے کا بھونکن) ہدیر الحمام (کیوتر کا غنہ بنوں کرنا)۔ اسی طرح جرد الکلب (کتے کا پلا) شبل الاسد (شیر کا بچہ) فصیل الابل (اونٹ کا بوتا) حدی البقر (گائے کا چھڑا) غساق الشاة (بکری کا بچہ) ان الفاظ کا فارسی متبادل بغیر تکلیف کے نہیں مل سکتا، اسی طرح افعال کے صلات میں بھی بڑا اختلاف ہوتا ہے تحت اللفظ ترجمہ میں یہ اور اسی جیسی بہت سی مشکلات ہیں جو باشعور اور اصحاب دانش لوگوں سے مخفی نہیں ہیں۔

ترجمہ کرنے کا دوسرا طریقہ (بیان حاصل المعنی) بھی دشواریوں سے خالی نہیں ہے چونکہ بسا اوقات کلام میں دو یا زیادہ پہلوؤں کی گنجائش ہوتی ہے لیکن مترجم صرف ایک ایسے پہلو کو سمجھ پاتا ہے جو حکم کی مراد نہیں ہوتی، سابقہ کتب سماویہ میں تحریف کا ایک سبب میں یہ بھی رہا ہے، اس لئے کلام الہی کے ترجمہ میں اس کے نظم و ترتیب کا باقی رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے تا کہ اگر مترجم سے کہیں کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو تو بعد کے کوئی صاحب اس کی اصلاح کر سکیں، کیوں کہ بسا اوقات وہ شخص جس تک بات پہنچائی گئی ہے وہ براہ راست سننے والے سے زیادہ اس کو سمجھنے والا ہوتا ہے (فرب بلغ او عی من سامع)

فصل

مشکل مقامات کی تفسیر اور مشابہات کی تاویل وغیرہ میں بھی علماء کی مختلف آراء ہیں ایسی

بہت سی آراء اگر غور سے دیکھا جائے تو شریعت کا حصہ نہیں ہوتی بلکہ عقلی استدلال کے زور پر شریعت میں موثقافیاں ہوتی ہیں، اگر ہر شخص اپنی فہم کے مطابق نصوص کی اسی طرح تاویل کرتا رہے تو متن کلام کا نظم باقی نہیں رہے گا اور اصل شریعت گم ہو جائے گی۔

قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی زبان بھی عربی تھی اس لئے عربی زبان سے واقفیت کے بغیر امت مرحوم کا معاملہ درست نہیں ہو سکتا، اور اسی لئے عربی زبان سے واقفیت ملت پر واجب کفایہ ہے اور ہر فرد کا عربی سے واقف ہونا مسنون و مستحب ہے، جو شخص عربی زبان سے واقف نہیں ہے دین محمدی کی معرفت کے اعتبار سے اس کا شمار زندہ انسانوں میں نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ انسان ہی نہیں وہ تو جمادات کے قبیل سے ہے یا مردوں میں شامل، اس نے اپنے اوپر ایسا بھڑ طاری کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ شریعت کی رحمت سے محروم ہے اور ایسی پسماندگی اوڑھ رکھی ہے جس کی وجہ سے شریعت نے اس کو سر بلندی نہیں بخشی، اس لئے علماء نے اتنا امت قرآن، ذکر الہی، اور خطبہ جمعہ و عیدین (کا فارسی زبان میں ترجمہ کرنا جائز نہیں تھا، حالانکہ ان چیزوں (یعنی اتنا و اور خطبہ جمعہ و عیدین) کا مقصد حفظ و نصیحت ہے، الفاظ کی تکرار نہیں (اس کے باوجود ان کا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں کہنا جائز نہیں)۔

قرآن پاک کے ترجمہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ قاری کو نظم قرآن میں درک حاصل ہو اور قرآن کی سہارتوں میں غور و خوض کا ملکہ حاصل ہو جائے، یہ مقصد بیان حاصل المعنی میں مفقود ہے، بعض لوگوں نے یہ کیا کہ جب دونوں قسموں میں الفاظ دیکھیں تو ترجمہ تحت اللفظ اور حاصل المعنی دونوں کو جمع کر دیا، تاکہ اگر تحت اللفظ میں رکاکت یا تعقید ہو تو دوسری عبارت کے ذریعے اس کو دور کیا جاسکے اور اگر حاصل المعنی میں کسی ایک پہلو کو اختیار کرنے یا کسی متشابہ کی تاویل کرنے کی وجہ سے خلل واقع ہو رہا ہو تو تحت اللفظ کے ذریعے اس کی اصلاح کی جاسکے۔

لیکن یہ تیسرا طریقہ بھی اصحاب ذوق سلیم پر گراں ہے، اس طریقے میں مہندی کو تو تشویش ہوتی ہے اور منتہی حضرات کے لئے یہ طریقہ بے کار ہے چونکہ اس کی وجہ سے بلا ضرورت طوالت آتی ہے اور اس سے کلام کا فطری اسلوب بھی باقی نہیں رہ پاتا، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس بجز و جہل کی اصل وجہ دونوں زبانوں کے اسلوب کلام سے ناواقفیت ہے۔

فصل

اس فقیر نے جب ان تینوں طریقوں کا مطالعہ کیا اور ان کے نقائص اس پر واضح ہوئے تو اس نے ارادہ کیا کہ ایک چوتھا طریقہ وضع کیا جائے جس میں ان تینوں طریقوں کی خوبیاں تو ہوں لیکن وہ ان کی خرابیوں سے پاک ہو، میں نے ایک طرف تو ترجمہ تحت اللفظ کو اختیار کیا اور اس کے اندر جو خرابیاں ہو سکتی تھیں ان کی اصلاح کی کوشش کی دوسری طرف بیان حاصل المعنی کو بھی پیش نظر رکھا اور مشکل مقامات کو حل کرنے کے کچھ طریقے وضع کیے اس کے بعد پہلے قرآن پاک کے نظم کی ترتیب کے مطابق لفظی ترجمہ کیا، فعل کے صلات میں جو اختلاف ہے اس کو دور کیا جس جگہ اس فارسی ترجمہ میں تعقید یا رکاکت پیدا ہو رہی تھی، یا عربی میں کوئی ایسی ترکیب تھی جو فارسی میں نہیں ہوتی ایسی جگہ عربی زبان کا مترادف لفظ وہاں لکھ دیا اور اس کا ترجمہ کر دیا، مثلاً جب اسم فاعل مستقبل کے لئے آتا ہے تو اس کا مساوی فعل مستقبل معروف ہوتا ہے اور جب اسم مفعول مستقبل کیلئے لایا جاتا ہے تو اس کا مساوی فعل مستقبل مجہول ہوتا ہے جیسے قل یا ایہا الکافرون، قل للذین کفروا، اور قل لمن کفر، یہ تینوں ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں، اسی طرح یا ایہا الذین آمنوا، یا ایہا المؤمنون، یا ہولاء المؤمنین، بھی ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں، اسی طرح فما لہم من ناصرین اور فما لہم من ناصر دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے اس لیے کہ یہاں ناصرین سے مراد عموم جمع نہیں ہے بلکہ عموم افراد مراد ہے۔

اس لئے قرآن پاک کو سات طریقوں سے پڑھنا جائز ہے اور صحابہ کرام بعض الفاظ کی تفسیر اس کے مترادف الفاظ سے کر دیتے تھے۔

میں نے اس ترجمہ میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ جس لفظ کو پہلے آنا چاہئے اس کو پہلے بیان کیا جائے اور جس کو بعد میں آنا چاہئے اس کو بعد میں بیان کیا جائے، مخذوف کو ظاہر کیا جائے، مخم کو ترک کیا جائے اور مخوی تراکیب وغیرہ کا بھی التزام کیا جائے، اور اگر مفہوم پوری واضح نہیں ہو تو کوشش کی ہے، تقدیم و تاخیر میں ادنیٰ تصرف کر کے یا کوئی حرف بڑھا کر یا مخذوف کو ظاہر کر کے یا معطوف پر عامل کا اعادہ کر کے یا مضمّر کے اظہار یا اظہار کے مضمّر کے ذریعہ اس کو حل کیا

جائے، اگر سیاق کلام میں ایسے تصرف کی گنجائش نہ ہو تو پھر لفظی ترجمہ کے بعد حاصل معنی کو لفظ یعنی یا مراد آنست کے ذریعہ واضح کیا ہے اور اگر کسی قید کا ذکر کلام کا اجمال یا کنایہ کا حل یا تعریض کے کشف یا مبہم کا اظہار ضروری ہو تو اس کو بھی لفظ یعنی یا مراد آنست کے ذریعہ واضح کیا ہے سعادت مند قاری کو چاہیے کہ جو عبارت یعنی کے تحت آ رہی ہے، اس کے بعد سلسلہ کلام کو پھر سابق عبارت سے جوڑ لے تاکہ کلام مربوط رہے۔

بالجملہ دوزبانوں میں اختلاف کے مواقع بہت ہیں، انہیں میں سے

(۱) ایک یہ ہے کہ عربی میں یہ رواج ہے کہ پہلے بات کو ایک طرح کے اجمال یا اختصار سے بیان کرتے ہیں پھر اس کی وضاحت کرتے ہیں عربی زبان میں اجمال کے بعد یہ تفصیل دراصل شروع میں ہی تفصیل بیان کر دینے کے مقابلے میں زیادہ لذت رکھتی ہے۔

جیسے کہتے ہیں ضربت زیداً راسہ میں نے زید کے سر میں مارا، حسن زید دارا زید کا گھرا چھا ہے، ان احد استجارک اگر کوئی تجھ سے پناہ چاہے، زیداً ضربتہ، میں نے زید کو مارا، ضربت زیداً راسہ یا سلبت زیداً ثوبہ جیسے جملوں میں اول ایک حکم زید پر لگا یا جاتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ حکم زید کے متعلق کے بارے میں ہوتا ہے اس لئے پھر اس متعلق کو بیان کر کے اس تسامح کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جیسے حسن زید دارا میں حسن کا اثبات زید کے لئے کیا گیا جبکہ یہاں مراد یہ ہے کہ زید کا گھرا چھا ہے عربی جملہ میں اس متعلق یعنی گھر کی طرف بعد میں رجوع کیا جاتا ہے۔ اور اس کو بطور تمیز بیان کر کے اس کی وضاحت کی جاتی ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ تمیز فاعل یا مفعول کی طرف سے نسبت سے تبدیلی ہوگئی اور ان احد میں استجارک کو مضمّر مانتے ہیں، اور زیداً میں ضربت کو مضمّر مانتے ہیں، بعد ازاں اثنار کی وجہ سے جو ضل واقع ہوا تھا اس کو دور کرنے کے لئے اس کو مقدم مان لیتے ہیں۔

عربی زبانوں میں اس طرح کی ترکیب مستعمل نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح یہ بھی ہے کہ عرب جب کوئی جملہ استعمال کرتے ہیں تو اس کو فطری طریقہ سے تبدیل کرتے ہیں، وعد اللہ، وسبحہ اللہ، سفاک اللہ میں انہوں نے یہ تبدیلی کی کہ

فعل کی جگہ مصدر کو قائم مقام بنایا پھر اسی کو فعل کے معمول چاہے وہ فاعل ہو یا مفعول، یا حرف جر کے واسطے سے ہو یا بابا واسطے مضاف کر دیتے ہیں جیسے وعد اللہ حقاً، سبحان اللہ اور سقیا لک، عجم کی زبان میں اسی طرح کی روایت نہیں ہے۔

(۳) اسی طرح کا ایک تصرف یہ ہے کہ نکرہ کو بطور معرفہ استعمال کرتے ہیں جو لفظ کسی کی طرف مضاف ہو اس کو اضافت کر کے بولتے ہیں اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ الفاظ میں تنقیف ہو جائے، ورنہ معنی وہی مراد ہوتے ہیں۔

(۴) اسی طرح کا ایک تصرف یہ ہے کہ ایک مضمون کو سہولت ادا کے ساتھ دوسرے بیان کرتے اس لئے وہ اس مکرر لفظ کو اول کے ساتھ ملا کر کے اس طرح بولتے ہیں، ہو اعلمہم علماً واحلمہم حلماً، وزید ابوک عطوفاً، تسبم صاحبکاً، قام قائماً، الزاریات ذرواً والصفات صفاً، وغیرہ عجمی زبان میں یہ طریقہ بھی مستعمل نہیں ہے۔

(۵) اسی طرح کا ایک انداز یہ ہے کہ اہل عرب ایک مکمل جملہ کا ارادہ کرتے ہیں پھر اس میں تبدیلی کر کے فعل یا حرف کو اس پر مقدم کر دیتے ہیں جیسے ماکان زید لیفعل هذا وانما ضرب زید، وظنت زیداً قائماً اس کے برخلاف فارسی زبان میں اس عامل کو جملہ پر مقدم نہیں کرتے بلکہ علیحدہ بیان کرتے ہیں جیسے دانستم کہ زید قائم است، یہ نہیں کہتے کہ دانستم زید را استقامت، یا جزایں نمود کہ زید زدیابرتر نیست کہ زید چنیں کند۔

(۶) اسی طرح تعبیر کا ایک انداز یہ ہے کہ عربی میں کہتے ہیں قام زید اور فارسی میں کہتے ہیں زید استاد اور فارسی میں یوں کہیں کہ استاد زید تو غیر فصیح ہوگا۔

(۷) اسی طرح فارسی میں حکایت حال ماضی کے لئے ماضی پری بڑھا دیتے ہیں جیسے می کرد، می زد، جبکہ عربی میں کان استعمال کئے بغیر یہ مفہوم حاصل نہیں ہوگا جیسے کان بفعل۔

(۸) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ عربی میں فعل مضارع جعل اور کا وغیرہ کی خبر واقع ہو سکتا ہے، جبکہ فارسی میں ایسا نہیں ہوتا۔

(۹) اسی طرح عربی میں جملہ اسم کی خبر واقع ہو سکتا ہے، کہتے ہیں زید قسام ابوہ اور یہ صورت فارسی میں تکلف کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

الغرض دوزبانوں میں اختلاف کے مواقع بہت ہیں اور مترجم (مفہوم واضح کرنے کے لئے) مجبور ہو جاتا کہ ایک لفظ کی جگہ دوسرے لفظ استعمال کرے مقولہ مشہور ہے الضرورات تبیح المحضورات جو کچھ ہم نے کہا ہے بالکل واضح ہے لیکن یہاں مزید تفصیل کی ضرورت ہے اور تھوڑی سی توجہ اس کی طرف مبذول کرنے سے اس کے درست معنی معلوم ہو سکتے ہیں۔

فصل

لفظ است رابط کی علامت ہے جو جملہ اسمیہ و ظرفیہ کے دونوں حصوں میں ربط کو ظاہر کرتا ہے جیسے زید قائم است، زید بکاست، اسی طرح جملہ فعلیہ میں فعل کی فاعل ساتھ نسبت کو ظاہر کرتا ہے، زید استاد اور بوقت ضرورت استاد زید بھی کہا جاسکتا ہے اور مفعول بہ چاہے نائب فاعل ہو یا نہ ہو کسی حرف کے ساتھ ملا ہوا ہوگا، جیسے زدم زید را، دزدہ شد زید را، اس جملہ کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے زید زدہ شد، اور اگر قریبہ موجود ہو تو اس کا حذف کرنا بھی جائز ہے اور مفعول مطلق اگر عدد کے لئے ہو تو یکبار کرنا دوبارہ کرنا کہا جاسکتا ہے اور اگر برائے نوع ہو تو یک نوع کرنا و یک طور کرنا اور اگر غیر مصدر مصدر کی جگہ لایا گیا ہو جیسے کہیں، ضرورت سوطاً تو ترجمہ ہوگا زدم یک چابک، اور اگر مفعول فعل کے لفظ سے جدا ہو جیسے قرات سرڈا تو ترجمہ ہوگا خواندم بطریق پی در پی، اور اگر محض تاکید کیلئے مفعول کا ذکر ہو یا اس طرح ہو جیسے سبحان اللہ اور وعد اللہ میں تو یہ دونوں زبانوں کے اختلافات کے قبیل سے ہوگا اور بغیر تکلف اور دوسرے حرف کے ملائے صحیح ترجمہ نہیں ہو سکے گا۔

(الف) اگر مفعول لغرض کے معنی میں ہو تو اس کا ترجمہ برائے یا تا ہوگا، اور جملہ ضربتہ تادیباً مصدر کا ترجمہ اس طرح ہوگا (زدمش برائے ادب دادن، یا زدمش تا ادب دہم) اور اگر مفعول لغرض حاصل ہو تو اس کا ترجمہ بعلمت یا بحکم یا بمقتضا سے کرتے قعد جنباً کا ترجمہ ہوگا (نشست نامردی) اور اگر احتراز کے معنی میں ہو اس کا ترجمہ برائے احتراز یا برائے احتیاط یا ایسی ہیے الفاظ سے کیا جائیگا جیسے ضربتہ ان يقول الناس ما ضربتہ کا ترجمہ یوں کریں گے زدمش برائے اجتناب از آنکہ گویند نزدمش۔

مفعول فیہ کا ترجمہ درمکان یا در زمان کیا جائیگا، اور مفعول معہ کا ترجمہ لفظ یا سے کیا جائے گا۔ جیسے استواء السماء والخشبہ کا ترجمہ ہوگا، برابر شد آب با چوب، اور اگر حال مفرد کلمہ ہو تو اس کا ترجمہ کرنے لئے ایسے لفظ کا استعمال کرنا ہوگا جو حال کے معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے جئت را کباً کا ترجمہ ہوگا سوار آدم۔

(ب) اگر جملہ معطوفہ ذوالحال ہو یا لفظ کردہ و کناس یا ان جیسے الفاظ کے ساتھ ہو جیسے جاء زید یتبختسرفی مشبہ کا ترجمہ ہوگا زید آمد تبختر کناس در رفتار خود، اور اگر جملہ معطوفہ ذوالحال کے فعل کے علاوہ کسی اور چیز پر مشتمل ہو تو لفظ حالانکہ کا اضافہ کر کے اس کا ترجمہ کیا جائے گا اگرچہ فارسی زبان میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہے۔

حال عربی زبان میں مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے کبھی تاکید کے معنی میں آتا ہے۔

(۱) جیسے جاء نى ابو ک عطوفاً۔

کبھی تہیاء کے معنی آتا ہے، جیسے:

(۲) فادخلوها خالدين

کبھی قصد و ارادہ کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے:

(۳) جنت اشکو الیہ .

فارسی میں یہ معنی مستعمل نہیں ہیں۔

(ج) اگر تمیز سے مقصود، عدد یا وزن یا پیکانہ یا مساحت ہو تو فارسی ترجمہ میں یا تمیز کا صیغہ استعمال کریں گے یا اس کو اضافت کے ذریعہ ظاہر کریں گے یا لفظ از کے ذریعہ اس کا اظہار کریں گے جیسے بست مرد، یک رطل گندم یک صاع از جو۔

اگر تمیز اسم اشارہ ہو تو لفظ صفت کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جائے گا جیسے ماذا اراد الله بهذا مثلاً کا ترجمہ ہوگا چہ چیز ارادہ کردہ است خدا بایں مثل، اور اگر نسبت سے تمیز منسوب ہو تو فاعل یا مفعول کو تویل کر کے یا از جہت یا باعتبار کا اضافہ کر کے ترجمہ کیا جائیگا جیسے زید حسن داراً نیک است از روئے خانہ۔

کبھی کبھی فارسی میں تمیز کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ دو کلموں کو ایک کلمہ بنا کر اس کا اصل

مفہوم واضح کرتے ہیں جیسے ضاق قلباً، کا ترجمہ ہوگا تنگ دل شدہ، ہو قاسی قلباً کا ترجمہ ہوگا، وہی سخت دل است۔

کبھی عربی میں مفعول بغیر حرف جر کے واسطے کے ہوتا ہے لیکن فارسی میں حرف جر کا واسطہ ضروری ہوتا ہے۔ جیسے فسکفیکھم اللہ کا ترجمہ ہوگا، کفایت خواہد کردہ ترا خدا از شراشاں یا جیسے قالوا اتخذ اللہ ولداً کا ترجمہ ہوگا فرزند گرفت خدا، یا جیسے اعطیت زیداً درہما کا ترجمہ ہوگا، درہم دادم زید را، کان زید قانماً کا ترجمہ ہوگا، زید قائم بود، اور جعلت زیداً عبدی کا ترجمہ ہوگا، زید را بندہ خود ساختم۔

ان تمام صورتوں میں ترجمہ کے اسلوب کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر اختیار کی گئی ہے۔ کبھی کبھی وہ جملہ جس کو تاویل کر کے مصدر بنالیا گیا ہو تو اس کا ترجمہ مصدر اور مفر دہی استعمال کیا جائے گا مصدر مفر دہی کی تفسیر اس جملہ سے کی جاتی ہے جس کو ان مصدر یہ کے ذریعے مصدر بنایا گیا ہو۔

اسی موصول کی اپنے صلہ کے ساتھ مفر د کلمہ سے یا اس کے برعکس سے تفسیر کی جاتی ہے وقال الذی آمن کا ترجمہ ہوگا گفت آں مسلمان، والذین آمنوا کا ترجمہ ہوگا مسلمانان، الذین اوتوا الكتاب کا ترجمہ ہوگا اہل کتاب۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ معنی واضح ہوں جیسے قد افلح المؤمنون الذین ہم فی صلوتہم خاشعون کا ترجمہ ہوگا، ہر آمینہ رستگار شدند آں مسلمانان کہ ایشاں در نماز خویش خشوع کنند۔ یعنی اگر موصول کسی اسم کی صفت واقع ہو تو لفظ آں کو اس موصوف پر مقدم کیا جائے گا، اور جب معمول کو مقدم کر کے تخصیص کی علامت مقرر کی جائے تو فارسی میں بھی اس کی تقدیم کی جائے گی۔

کم، ہم، ہو اور ایسا بعض مقامات پر ان کا ترجمہ خود کا، فارسی میں کہا جائیگا شمار است گوید، یا ایشاندر است گوی، اس کی ضرورت نہیں کہ یہ کیا جائے ایشاندر است گویاں۔ اگر مضمحل کی جگہ ظاہر لفظ استعمال کیا جائے تو رابطہ باقی رکھنے کے لئے وہاں لفظ آں زیادہ کیا جائے گا۔

فارسی میں قاعدہ ہے کہ علامت جمع کو فاعل کے ساتھ ملا دیتے ہیں چاہے فاعل ظاہری کیوں نہ ہو جیسے قام ہو لاء ایستادندایشاں۔

واؤ اور فابسا اوقات زائد ہوتے ہیں اور بسا اوقات عطف کے ترجمہ کے بغیر جملہ مربوط ہو جاتا ہے اور ترجمہ درست ہوتا ہے، اسی صورت میں اگر ترجمہ میں رکاکت پیدا ہو رہی ہو تو اس کو ایفا کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

الغرض فن ترجمہ کی ہارکیاں بہت ہیں یہاں مقصود صرف چند مثالوں کا تذکرہ ہے، اس فقیر نے ترجمہ (ترجمہ قرآن مجید) میں بغیر کسی شخص یا کتاب کی معاونت کے غور و خوض کیا اور تمام دیگر علوم میں مشغولیت کے سبب یہ مختلف اوقات میں لکھا ہے، ممکن ہے کہ بعض مقامات پر ان چیزوں کا التزام نہ رہا ہو، اس لئے اپنے سعادت مند احباب جو ان قواعد کا استخراج رکھتے ہیں، ان سے امید ہے کہ انوث دینی کی وجہ سے نصیحت کو ملحوظ رکھیں گے اور اس کی اصلاح کی کوشش کریں گے، وليصلحه من جاد مقولاً و ماتو فيقى الا بالله عليه كلت واليه انيب ، حسبنا الله ونعم الوكيل ، ولا حول ولا قوة الا بالله .

دیباچہ فتح الرحمن

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا مشتاق احمد تجاوری

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

بے حد و حساب تعریفیں اس خدائے تبارک و تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنی رحمت کاملہ سے قرآن پاک کو اپنے بندوں کے لئے نازل فرمایا تاکہ اس کی مرضی کو معلوم کر سکیں اور اس کے ناپسندیدہ امور سے آگاہ ہو سکیں اور نفس کے مکرو فریب سے، بد اعمالی اور بد کرداری کے اندھیروں سے نجات پا سکیں اور حظیرۃ القدس کے لئے راہ یاب ہو سکیں تاکہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ قرار پائیں، اگر اللہ تعالیٰ خود مدد نہ فرماتے تو کسی کے لئے ہلاکت کے اس گڑھے سے نجات ممکن نہیں تھی اور اگر وہ خود راہ نہ دکھائے تو اس تہہ بہ تہہ تاریکی سے نجات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا، اس پروردگار کے احسانات ہمارے دل و جان کو محیط ہیں اور اس کا وجود ہمارے ظاہر و باطن کو اپنی کثرت میں لئے ہوئے ہیں۔

دروود سلامتی ہو آنحضرت ﷺ پر جنہوں نے ہم کو سعادت دارین سے باخبر کرایا اور دونوں جہاں کے فائدے سے مکمل طور پر آگاہ کرایا، چنانچہ آپ کے بیان سے زیادہ واضح کوئی بیان نہیں ہو سکتا اور آپ کی رحمت سے بالاتر کوئی رحمت نہیں ہو سکتی، ہم میں سب سے زیادہ خوش بخت وہ ہے جو آپ کی سنت کا اتباع کرے اور ہم میں سب سے زیادہ بد بخت وہ ہے جو اس راہ سے انحراف کا رویہ اختیار کرے، و اشہد ان لا الہ الا اللہ و حدہ لا شریک لہ و اشہد ان محمداً عبده و رسوله صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ وسلم۔ اما بعد۔

ہر علاقے اور ہر زمانے میں مسلمانوں کی نصیحت و خیر خواہی الگ نوعیت کی ہوتی ہے اور اس کے تقاضے بھی مختلف ہوتے ہیں، اس لئے علماء دین اور اکابر اہل ایمان نے تفسیر، احادیث، عقائد، فقہ اور سلوک پر بہت سی متنوع کتابیں لکھیں اور گونا گوں تالیفات رقم کی ہیں، کسی نے تفصیل و شرح و وسط کے ساتھ کلام کیا ہے، کسی نے مختصر نویسی کی راہ اختیار کی ہے، کسی نے عجمی زبانوں میں خامہ فرسائی کی ہے، کسی نے عربی زبان میں، یہ زمانہ جس میں ہم ہیں اور یہ ملک جس میں ہم بود و باش رکھتے ہیں، اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ روزمرہ کی متداول اور سلیس فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا جائے اور اس ترجمہ میں اپنی علمیت کے اظہار اور عبارت آرائی، متعلقہ قصوں اور غیر ضروری توجیہات سے اجتناب کیا جائے تاکہ عوام و خواص یکساں طور

پر اس کو سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے سب قرآن کے معنی سے واقف ہو سکیں، اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور اس کے لئے مجبور کیا گیا، کچھ عرصہ تک تو دیگر تراجم کا جائزہ لیا تا کہ جو ترجمہ مناسب حال ہو اس کی ترویج و اشاعت کی کوشش کی جائے اور جس طرح ممکن ہو اسے اہل زمانہ کے لئے مرغوب و پسندیدہ بنا کر پیش کیا جائے۔

لیکن میں نے دیکھا کہ بعض ترجموں میں بے کیف تطویل تھی اور بعض ترجمے اتنے مختصر تھے کہ مطلب ہی خبط ہو گیا تھا، کوئی ترجمہ ہمارے میزان پر پورا نہیں اترتا، آخر کار ایک نے ترجمے کی تالیف کا عزم مصمم کیا اور زہرا دین (سورہ بقرہ و آل عمران) تک کا ترجمہ لکھ لیا، اس کے بعد اس فقیر کو حرمین شریفین کا سفر درپیش ہوا اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، اس کے کئی سال بعد ایک عزیز نے قرآن مع ترجمہ مجھ سے پڑھنا شروع کیا، اس کی وجہ سے ترجمہ قرآن کا عزم پھر تازہ ہو گیا اور یہ طے پایا کہ جتنا پڑھنا ہے اتنے حصے کا ترجمہ روزانہ لکھ لیا جائے، تنہائی قرآن کا ترجمہ مکمل ہو جانے کے بعد اس عزیز کو ایک سفر درپیش ہو گیا، اس طرح یہ سلسلہ پھر موقوف ہو گیا۔

ایک مدت کے بعد پھر ایک سہیل پیدا ہوئی اور ترجمہ کا پرانا خیال دل میں پھر تازہ ہوا اور دو تنہائی قرآن پاک کا ترجمہ مکمل کر لیا، چونکہ اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے بعض دوستوں نے کہا کہ اس مسودہ کو بیضہ کر لیا جائے اور اس کو قرآن پاک کے ساتھ لکھا جائے تاکہ نسخہ مکمل ہو جائے، اس نیک بخت دوست نے عید الاضحیٰ کے دن ۱۱۵۰ھ میں اس کی تحیض شروع کی، جب مہینہ مکمل ہو گیا تو طبیعت نے پھر زور مارا تو پورے قرآن کا ترجمہ کر ڈالا، اس کا مسودہ اوائل شعبان میں مکمل ہوا اور اس کا مہینہ اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوا، اس کے بعد ۱۱۵۶ھ میں برادر عزیز القدر خواجہ محمد امین کے ذریعہ اس کتاب کو رواج دیا گیا، اس کی تعلیم شروع ہوئی، اس کے متعدد نسخے تیار کئے گئے اور اہل زمانہ نے اس کو قبول کیا:

لہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطر می بست

آمد آخر زپس پردہ تقدیر پدید

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو نقش دل میں تھا وہ تقدیر کے پردہ سے نکل کر ظہور پذیر ہوا)

اصل مقصد کو شروع کرنے سے قبل ایک تمہید ضروری ہے تاکہ اس کتاب کے سمجھنے میں مدد

ملے اور ترجمہ قرآن کے مسائل سے علی وجہ البصیرت آگاہی ہو سکے۔

مقدمہ میں چند مقاصد کا بیان ہے، کتاب کے شروع میں مقدمہ لکھنا قدیم مصنفین کی روایت رہی ہے، یہ کتاب قرآن عظیم کے ترجمہ کے سلسلے میں ہے، یعنی عربی زبان کے مطلب کو فارسی زبان کی عبارت میں لکھنا، اس میں نحو قواعد، مقدم، مؤخر کی رعایت رکھی گئی ہے، محذوف کو ظاہر کیا گیا ہے اور ترجمہ کی ترتیب حتی المقدور قرآنی عبارت کی ترتیب کے مطابق رکھی گئی ہے، سوائے ان مقامات کے جہاں دونوں زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے رکاکت یا تعقید پیدا ہو رہی ہو، جن اسباب نزول کا بیان ضروری تھا ان کا ذکر کیا گیا ہے اور بقدر ضرورت مشکل مقامات کی توجیہ و جہیز اور جلالین جیسی کتابوں سے کئی گئی ہے۔ اور وجیز و جلالین کی ہم رنگی پر امام غزالی کی شہادت موجود ہے، فرماتے ہیں کہ وجیز جیسی کتابوں کے پڑھنے والے کو تفسیر سے ابتدائی درجہ کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے۔

میں نے اس کتاب کا نام فتح الرحمن بترجمۃ القرآن رکھا، اس کے مصنف کا نام احمد بن عبد الرحیم اور لقب ولی اللہ، وطن دہلی، نسب فاروقی ہے، احسن اللہ الیہ والی مشائخہ و والدیہ۔

قرآن پاک ناظرہ پڑھنے اور فارسی کے ابتدائی رسائل پڑھنے کے بعد جب فارسی زبان بے تکلف سمجھی جاسکے اس وقت اس کتاب کو پڑھنا چاہئے، خاص طور پر اہل حرفہ اور سپاہیوں کی اولاد جن کو زیادہ علوم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا ان کو ابتداء سن تمیز میں اس کتاب کی تعلیم دے دیٹی چاہئے تاکہ پہلی چیز جو ان کے دلوں میں پڑے وہ کتاب اللہ کے معانی ہوں تاکہ اصل انسانی فطرت جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے وہ باقی رہے، ملحدوں اور بے دینوں کی فکری موشگافیاں جو تصوف کا لبادہ اوڑھ کر ایک عالم کو گمراہ کر چکی ہیں وہ اس کو اپنی طرف مائل نہ کر لیں، نیز کم سواد عقلیت پسندوں کی ٹامک ٹوئیاں اور ہندوؤں کے افکار اس کے دل و دماغ پر قبضہ نہ کر لیں۔ وہ لوگ جن کو عمر کی ایک مدت گزارنے کے بعد توبہ کی توفیق ہوتی ہے اور وہ علوم کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یہ کتاب ان کو بھی پڑھائی جائے تاکہ وہ بھی تلاوت قرآن پاک کی تلاوت سے مستفید ہوں، ویسے یہ کتاب جمہور مسلمانوں کے حق میں بھی انشاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔

بچوں اور مبتدیوں کے لئے اس کی افادیت ظاہر ہے جس کا بیان اوپر آچکا ہے اور عوام الناس کہ جن کا زیادہ تر وقت تلاش معاش میں گزرتا ہے، ان کو چاہئے کہ فرصت کے اوقات میں حلقہ بنا کر بیٹھیں اور جو شخص فارسی عبارت سے اچھی طرح واقف ہو، ساتھ ہی کچھ تفسیر سے بھی واقفیت رکھتا ہو، یا اس نے یہ ترجمہ کسی جاننے والے سے پڑھ لیا ہو وہ حسب فرصت ایک دوسورت ترتیل و تبیین کے ساتھ پڑھے تاکہ سب لوگ سنیں اور اس کے معنی سمجھیں، اس طرح وہ صحابہ کرام کے مشابہ ہو جائیں گے، چونکہ صحابہ بھی اسی طرح حلقہ بنا کر بیٹھا کرتے تھے اور ان میں سے جو قاری ہوتا وہ قرأت کرتا، فرق صرف یہ ہوگا کہ صحابہ کرام خود عربی زبان کے شاعر تھے اور یہ لوگ فارسی کے توسط سے اس کے معنی سمجھیں گے، جس طرح لوگ مثنوی مولانا جلال الدین اور گلستان شیخ سعدی، یا منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار، یا قصص فارابی یا نجات الانس جامی یا اس جیسی دیگر کتابوں کی مجلس لگاتے ہیں، اس طرح اس ترجمہ کو بھی اپنے درمیان رواج دیں اور تھوڑی سی توجہ اس کے اوپر غور و فکر میں بھی صرف کریں، چونکہ اگر وہ کلام اولیاء سے شغف ہے تو یہ کلام اللہ سے شغف ہے، وہ اگر حکیموں کے مواعظ ہیں تو یہ احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں، وہ اگر باعزت لوگوں کے مکاتیب ہیں تو یہ رب العزت کا مکتوب ہے، ان دونوں کے مرتبوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ نزول قرآن کا فائدہ اس کے الفاظ سے نصیحت حاصل کرنا اور ہدایت پانا ہے، صرف اس کے الفاظ کی تلاوت مقصود نہیں اگرچہ اس کے الفاظ کا پڑھنا بھی کار ثواب ہے، پس جو مسلمان قرآن کے مدلول کو نہ سمجھے اسے کیا حاصل اور جو کلام اللہ کے معنی کو نہ جانے اسے کیا لذت حاصل ہوگی۔

جو لوگ عربی زبان پر دسترس رکھتے ہیں اور تفسیر کا سبق اساتذہ سے حاصل کر چکے ہیں ان کو اس ترجمہ کے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن خدا کی ذات سے امید ہے کہ اگر وہ بھی اس کو پڑھیں گے تو ان کے سامنے قرآن پاک کا تحت اللفظ ترجمہ مزید واضح ہوگا اور نحو کی ترکیب اور مشکل الفاظ کی تشریح وغیرہ جیسی منتخب چیزوں سے واقفیت حاصل ہوگی اور بہت سے ایسے فائدے جو اس کے مطالعہ سے قبل نہ سنے ہوں گے اور نہ دیکھے ہوں گے، وہ بھی ان پر کھلیں گے۔

یہ ترجمہ جمہور خلق اللہ کی محبت میں تالیف کیا گیا ہے، اس میں وجوہ اعراب کا استقصاء،
توجیہات کلام کا احاطہ اور قصص کے استیعاب کا اہتمام نہیں ہے، اگر علوم الیہ کے حصول کو ضروری
قرار دیا جائے تو معلوم نہیں کہ وہ ہو پائے یا نہ ہو پائے اور ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ انہی علوم میں
تعمق کا داعیہ پیدا ہو اور ساری زندگی اسی میں گزر جائے جیسا کہ اکثر علوم الیہ کے ماہرین میں دیکھا
گیا ہے۔

اس سے بہتر کچھ نہیں ہے کہ علوم تفسیر ابتداً عمر میں حاصل کر لیا جائے، تاکہ اگر علوم الہیہ کے
سیکھنے کا موقع مل جائے تو یہ بھی اس میں تو مونسید و معاون ثابت ہوں اور اگر اس کا موقع نہ ملے تو کم
از کم مقصد ہاتھ سے نہ جانے پائے ورنہ یہ محض گھائے کا سودا ہوگا۔

صنارہ قلندر سردار حسن نمائی

کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(اے صنم اگر تو مجھے قلندر کی راہ دکھائے تو یہ زیادہ مناسب ہے چونکہ رہ و رسم پارسائی بہت

طویل اور اس راستے سے منزل بہت دور ہے)

اس کتاب کا طریق تصنیف یہ ہے کہ ہر آیت کو جدا لکھا جائے اس کے بعد اس کا ترجمہ لکھا
جائے اور ترجمہ میں اس زبان کا متداول اور روزمرہ کی گفتگو کا اسلوب اختیار کیا جائے، اگر ترجمہ
تحت اللفظ کے علاوہ ایک دو جملے کا اضافہ ہو تو لفظ یعنی یا مثل کے ذریعہ ان کو ترجمہ سے ممتاز
کر دیا جائے اور اگر مستقل کلام ہو تو اس سے قبل مترجم گوید لکھا جائے اور اس کے آخر میں واللہ اعلم
لکھا جائے اور جہاں تک ممکن ہو قرآنی قصوں میں ایک دو لفظ پر اکتفا کیا جائے اور شان نزول کے
طویل قصوں سے اجتناب کیا جائے۔ حتی الامکان آیات کے سیاق یعنی نظم کی رعایت کی گئی ہے اور
جہاں تک ہو سکا، محدثین کی صحیح ترین تفاسیر، جیسے بخاری، ترمذی اور حاکم سے مدد لی گئی ہے اور حتی
الامکان ضعیف اور موضوع روایات سے اجتناب کیا گیا ہے، وہ اسرائیلی روایات جو اہل کتاب
سے منقول ہیں، حدیث خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نہیں ہیں، ان کو
کتاب میں شامل نہیں کیا گیا ہے، سوائے ان مقامات کے جہاں اس کے بغیر معنی واضح نہ ہو رہے
ہوں، چونکہ ضرورت کی وجہ سے ممنوع چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں۔

یہ ترجمہ دیگر تراجم سے چند وجوہ کی بنا پر ممتاز ہے۔

(۱) ایک یہ کہ فارسی ترجمہ میں نظم قرآن کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کے ساتھ معنی کی وضاحت، تعبیر الفاظ کی لطافت کا پاس رکھا گیا ہے اور دیگر تراجم میں جو اطناب، عبارت کی رکاکت اور مفہوم کو خبط کر دینے کی بات ہے اس سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ تمام تراجم دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو ان میں قرآن کے متعلقہ قصوں کو ترک کیا گیا ہے یا ان کو مکمل تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، اس ترجمہ میں درمیانی راستہ اختیار کیا گیا ہے، جن مقامات پر آیت کے معنی کی تفہیم قصہ پر موقوف ہے وہاں دو تین جملوں میں اس کو بیان کر دیا گیا ہے، اور جہاں آیت کے معنی کی تفہیم کسی قصہ کے بیان کرنے پر منحصر نہیں ہے، وہاں اس کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ مختلف توجیہات میں سے جو توجیہ عربی اسلوب کے اعتبار سے زیادہ قوی، علم حدیث و فقہ کے اعتبار سے زیادہ واضح ہو اور لفظ کے ظاہر معنی سے زیادہ دور نہ ہو اس کو بیان کیا جائے، ”تفسیر جیز“ اور ”تفسیر جلالین“ جو اس ترجمہ کے لئے اصل کی طرح ہیں جو کوئی ان کا اور دیگر تفاسیر کا مطالعہ کرے گا وہ جان لے گا کہ اس میں کوئی شک نہیں۔

(۴) چوتھی خوبی اس ترجمہ کی یہ ہے کہ جو شخص نحو سے واقف ہو وہ اس ترجمہ کے ذریعے اعراب قرآن محذوف کا تعین، ضمیر کا مرجع اور مقدم و مؤخر سے واقفیت وغیرہ کو جان لے گا اور جو نحو سے واقف نہیں ہے مفہوم اس پر بھی پوری طرح واضح ہو جائے گا۔

(۵) پانچویں خوبی اس ترجمہ کی یہ ہے کہ کوئی بھی ترجمہ دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو ترجمہ تحت اللفظ ہوگا یا ترجمہ حاصل المعنی ہوگا، دونوں صورتوں میں کئی خرابیاں ہیں، یہ ترجمہ دونوں طریقوں کا جامع ہے، دونوں ترجموں میں جو خرابی واقع ہو سکتی ہے، ہم نے اس کی اصلاح کا علاج مقرر کیا ہے، یہ ایک تفصیلی موضوع ہے، اس کو ہم نے اپنے رسالہ قواعد ترجمہ (مقدمہ در قوانین ترجمہ) میں بیان کیا ہے۔

ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ اس ترجمہ میں وجوہ اعراب کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، مثلاً کوئی لفظ مہمل ہے اس کی تفسیر کی ضرورت ہے اس کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے، لفظ

است ربط کی علامت ہے جو جملہ اسمیہ و ظرفیہ کے دونوں حصوں میں ربط کو ظاہر کرتا ہے، جیسے ریہ قائم است، زید کجاست، اسی طرح جملہ فعلیہ میں فعل کی فاعل ساتھ نسبت کو ظاہر کرتا ہے، زید استاد اور بوقت ضرورت استاد زید بھی کہا جاسکتا ہے اور مفعول بہ چاہے نائب فاعل ہو یا نہ ہو کسی حرف کے ساتھ ملا ہوا ہوگا، جیسے زوم زید را، وزوہ شد زید را، اس جملہ کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے زید زدوہ شد، اور اگر قرینہ موجود ہو تو اس کا حذف کرنا بھی جائز ہے اور مفعول مطلق اگر عدد کے لئے ہو تو یکبار کردن، و دو بار کردن کہا جاسکتا ہے اور اگر برائے نوع ہو تو یک نوع کردن و یک طور کردن اگر غیر مصدر کو مصدر کی جگہ لایا گیا ہو جیسے کہیں ضربت سوطا تو ترجمہ ہوگا زد م یک چابک، اور اگر مفعول فعل کے لفظ سے جدا ہو جیسے قسرات سر ذاتو ترجمہ ہوگا خواندم بطریق پی در پی، اور اگر محض تاکید کے لئے مفعول کا ذکر ہو یا اس طرح ہو جیسے سبحان اللہ اور وعد اللہ میں تو یہ دونوں زبانوں کے اختلافات کے قبیل سے ہوگا اور بغیر تکلف اور دوسرے حرف کے ملائے صحیح ترجمہ نہیں ہو سکے گا۔

(الف) اگر مفعول نہ غرض کے معنی میں ہو تو اس کا ترجمہ برائے یا نا ہوگا، اور جملہ ضربتہ تادیبا میں مصدر کا ترجمہ اس طرح ہوگا (زومش برائے ادب و ادن، یا زدمش تا ادب و ہم) اور اگر مفعول نہ بمعنی حاصل ہو تو اس کا ترجمہ بعلت یا بنگم یا بقتضا سے کرتے قعد جنباً کا ترجمہ ہوگا (نشت بعلت نامردی) اور اگر احتراز کے معنی میں ہو اس کا ترجمہ برائے احتراز یا برائے احتیاط یا اسی جیسے الفاظ سے کیا جائے گا جیسے ضربتہ ان بقول الناس ماضو بتکا ترجمہ یوں کریں گے زد مش برائے اجتناب از آنکہ گویند زد مش۔

مفعول فیہ کا ترجمہ در مکان یا در زمان کیا جائیگا، اور مفعول معہ کا ترجمہ لفظ یا سے کیا جائے گا، جیسے استواء السماء و الخشبہ کا ترجمہ ہوگا، برابر شد آب با چوب، اور اگر حال مفرد کلمہ ہو تو اس کا ترجمہ کرنے کے لئے ایسے لفظ کا استعمال کرنا ہوگا جو حال معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے جنت را کجا کا ترجمہ ہوگا سوار آدم۔

(ب) اگر جملہ معطوفہ ذوالحال ہو یا لفظ کردہ و کنناں یا ان جیسے الفاظ کے ساتھ ہو جیسے جاء زید بنبخترفی مشبہ کا ترجمہ ہوگا زید آمد بنبختر کنناں در رفتار خود، اور اگر جملہ معطوفہ ذوالحال کے

فعل کے علاوہ کسی اور چیز پر مشتمل ہو تو لفظ حالانکہ کا اضافہ کر کے اس کا ترجمہ کیا جائے گا اگرچہ فارسی زبان میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہے۔

حال عربی زبان میں مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے کبھی تاکید کے معنی میں آتا ہے۔

(۱) جیسے جاء نی ابوبک عطوفا۔

کبھی تھیاء کے معنی آتا ہے، جیسے:

(۲) فاد خلوها خالدین۔

کبھی قصد و ارادہ کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے:

(۳) جنت اشکوا الیہ۔

فارسی میں یہ معنی مستعمل نہیں ہیں۔

(ج) اگر تمیز سے مقصود، عدد یا وزن یا پیمانہ یا مساحت ہو تو فارسی ترجمہ میں یا تمیز کا صیغہ استعمال کریں گے یا اس کو اضافت کے ذریعہ ظاہر کریں گے، یا لفظ از کے ذریعہ اس کا اظہار کریں جیسے بست مرد، یک رطل گندم یک صاع از جو۔

اگر تمیز اسم اشارہ ہو تو لفظ صفت کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جائے گا جیسے ماذا اراد اللہ بھذا مثلاً کا ترجمہ ہوگا چہ ارادہ کردہ است خدا یا ایں مثل، اور اگر نسبت سے تمیز مطلوب ہو تو فاعل یا مفعول کو تھویل کر کے یا از جہت یا باعتبار کا اضافہ کر کے ترجمہ کیا جائے گا جیسے زید حسن دارا نیک است از روئے خانہ۔

کبھی کبھی فارسی میں تمیز کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ دو کلموں کو ایک کلمہ بنا کر اس کا اصل مفہوم واضح کرتے ہیں جیسے ضاق قلباً، کا ترجمہ ہوگا تنگ دل شدہ، ہو قاسنی قلباً کا ترجمہ ہوگا دی سخت دل است۔

کبھی عربی میں مفعول بغیر حرف جر کے واسطے ہوتا ہے لیکن فارسی میں حرف جر کا واسطہ ضروری ہوتا ہے، جیسے فسیکفیکہم اللہ کا ترجمہ ہوگا، کفایت خواہد کردہ ترا خدا از شرا یا جیسے قالوا اتخذ اللہ ولداً کا ترجمہ ہوگا، فرزند گرفت خدا، یا جیسے اعطیت زیداً در ہما کا ترجمہ ہوگا، در ہم دادم زید را، کان زیداً قائماً کا ترجمہ ہوگا، زید قائم بود، اور جعلت

زیداً عبیدی کا ترجمہ ہوگا، زید را بندہ خود ساختم۔

ان تمام صورتوں میں ترجمہ کے اسلوب کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر اختیار کی گئی ہے۔

کبھی کبھی وہ جملہ جس کو تاویل کر کے مصدر بنالیا گیا ہو تو اس کا ترجمہ مصدر اور مفرد ہی استعمال کیا جائے گا مصدر مفرد کی تفسیر اس جملہ سے کی جاتی ہے جس کو ان مصدر یہ کے ذریعے مصدر بنایا گیا ہو۔

اسی طرح موصول کی اپنے صلہ کے ساتھ مفرد کلمہ سے یا اس کے برعکس تفسیر کی جاتی ہے وقال الذی آمن کا ترجمہ ہوگا گفت آں مسلمان، والذین آمنوا کا ترجمہ ہوگا مسلمانان الذین او توا الکتاب کا ترجمہ ہوگا اہل کتاب۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ معنی واضح ہوں جیسے قد افلح المؤمنون الذین ہم فی صلوتہم خاشعون کا ترجمہ ہوگا ہر آئینہ رستگار شدند آں مسلمانان کہ ایٹاں در نماز خویش خشوع کنند، یعنی اُتر موصول کسی اسم کی صفت واقع ہو تو لفظ آں کو اس موصوف پر مقدم کیا جائے گا، اور جب معمول کو مقدم کر کے تخصیص کی علامت مقرر کی جائے تو فارسی میں بھی اس کی تقدیم کی جائے گی۔

کم، ہم، هو ایساہ بعض مقامات پر ان کا ترجمہ خود ہوگا، فارسی میں کہا جائیگا شمار راست گوئید، یا ایٹاں در راست گوی، اس کی ضرورت نہیں کہ یہ کہا جائے ایٹاں در راست گویاں۔ اگر مضمون کی جگہ ظاہر لفظ استعمال کیا جائے تو ربط باقی رکھنے کے لئے وہاں لفظ آں زیادہ کیا جائے گا۔

الغرض فن ترجمہ کی باریکیاں بے شمار ہیں یہاں صرف چند بطور نمونہ بیان کی گئیں ہیں، چونکہ اس فقیر نے بغیر کسی کی مدد کے اور بغیر کسی کتاب سے رجوع کئے ہوئے اور دیگر علوم میں مشغولیت کے ساتھ ترجمہ کیا ہے، اس لئے اس کا امکان ہے کہ کہیں کہیں ان ضابطوں کا التزام نہ ہو۔ کا ہو، سعادت مند احباب جو ان قواعد کو مستحضر رکھتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ دینی اخوة کے پیش نظر خیر خواہی کو مد نظر رکھیں اور اس کی اصلاح کریں۔

اس ترجمہ کے لکھنے والوں کو فقیر کی وصیت یہ ہے کہ قرآن کی عبارت کو حلی حروف میں لکھیں

اور اعراب اور سرخی کو ترجمہ سے الگ رکھیں اور احتیاط کریں کہ ترجمہ کے الفاظ میں کوئی تبدیلی نہ آنے پائے اور ایسے مقامات جہاں جملہ مکمل ہو رہا ہو، لیکن اشتباہ کا اندیشہ ہو تو سرخ نقطہ لگا کر اس کو مابعد سے الگ کر دیں اور مرکب اضافی اور مرکب توصیفی کو مضاف اور موصوف پر کسرہ لگا کر نمایاں کر دیں تاکہ مبتدیوں کے لئے بات واضح تر ہو جائے۔

اگر ترجمہ میں کوئی ایسا لفظ ہو جو مبتدیوں کے لئے اجنبی ہو یا ایسی گفتگو ہو جو بچوں کی سمجھ میں نہ آتی ہو تو سعادت مند دوستوں سے گزارش ہے کہ اس کے معنی حاشیہ پر لکھ دیں تاکہ کسی فرد کے لئے بھی بات مشکل نہ رہے۔

ان ارید الا اصلاح ما اسطعت و ماتوفیقی الا باللہ ، علیہ توکلت والیہ انیب۔ (میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک ہو سکے، اور میرا رہنما صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں)۔

سند درس قرآن

ضعیف بندہ ولی اللہ بن عبد الرحیم عفی عنہ کہتا ہے کہ میں نے پورا قرآن ازاول تا آخر بروایت حفص عن عاصم۔

(۱) مردیک اور صالح حاجی محمد فاضل سندھی سے ۱۱۵۳ھ میں پڑھا، انہوں نے بتایا کہ انہوں نے پورا قرآن ازاول تا آخر بروایت حفص۔

(۲) شیخ عبدالحق، سے پڑھا جو دلی کے شیخ القراء تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے قرأت سید کے قرآن۔

(۳) شیخ بقری سے پڑھا اور انہوں نے

(۴) اپنے عہد کے شیخ القراء شیخ عبد الرحمن یمنی سے اور انہوں نے اپنے والد

(۵) شیخ سجادہ یمنی اور شہاب احمد بن عبدالحق السبہلی سے پڑھا اور شیخ سجادہ مذکور اور شیخ سجادہ مذکور نے اس طرح۔

(۶) شیخ ابوالنصر الطیلاوی سے پڑھا اور شیخ ابوالنصر الطیلاوی سے اور الطیلاوی

(۷) شیخ الاسلام زکریا سے پڑھا، اور انہوں نے

(۸) برہان اعظمی اور رضوان ابو نعیم العظمیٰ سے پڑھا، اور ان دونوں نے

(۹) امام القراء والمحدثین محمد بن محمد بن ابوالخیر محمد بن محمد بن علی بن یوسف الجوزی، جو کتاب المشر کے

مصنف ہیں، ان سے پڑھا۔ ان کی بہت سی اسناد ہیں جن کا ذکر انہوں نے التیسیر میں کیا ہے، اس میں

انہیں سیر کے حوالے سے قراء ضابطین کا سلسلہ ہے، ہم یہاں صرف اسی کو ذکر کریں گے، (امام) جزری نے

کہا میں نے اتیسیر اور اس کے مطابق پورا قرآن مجید اول سے آخر تک اپنے

(۱۰) استاذِ امام، صالح، عالم، قاضی المسلمین ابو العباس احمد بن الشیخ الامام ابو عبد اللہ الحسین بن سلیمان بن فزارة الجعفی سے دمشق میں پڑھا، انہوں نے بتایا کہ انہوں نے یہ کتاب اور اس کے مطابق قرآن کریم

(۱۱) اپنے والد سے پڑھا اور انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اس کے مطابق تلاوت قرآن

(۱۲) شیخ الامام ابو محمد القاسم بن احمد بن الموفق اللورقی سے پڑھا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کو اس کے مطابق قرآن پاک

(۱۳) شیخ الاسلام المقرئ امین ابوالعباس احمد بن علی بن حجت بن عون اللہ انحصار اور ابو عبد اللہ محمد بن سعید اور ابی عبد اللہ محمد بن سعید بن محمد المرادی، اور ابی عبد اللہ محمد بن ایوب بن محمد بن نوح الغافقی اللہ لیسین سے پڑھا ان سب نے الگ الگ اپنے استاذ:

(۱۴) الشیخ الامام ابی الحسن علی محمد بن ہذیل القبی سے پڑھا اور انہوں نے اپنے استاد

(۱۵) ابی داؤد سلیمان بن نجاح، انہوں نے اس کے مصنف سے پڑھا

(۱۶) امام باقر علیہ السلام مروی ہے۔

الجزری کہتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں یہی سند سب سے اعلیٰ ہے اور قرآن، سماع اور تلاوت کے تسلسل کے لئے مخصوص ہے اور اس کے تمام رواۃ مبراۃ ہیں الدانی اپنی کتاب التیسیر میں فرماتے ہیں کہ میں نے پورے قرآن کو حفص کی روایت کے مطابق اپنے استاد

(۱۷) ابی اسن علی بن محمد بن صالح البہاشمی الضریر المقری سے بصرہ میں پڑھا، انہوں نے

(۱۸) ابی العباس احمد بن مہمل الاثنانی، سے پڑھا، انہوں نے

(۱۹) ابی محمد الحبیہ بن الصباح سے پڑھا، انہوں نے

(۳۰) حفص، سے پڑھا، انہوں نے

(۲۱) عاصم سے پڑھا،

اللہ ہی کہتے ہیں کہ عاصم نے

(۲۲) ابی عبد الرحمن عبیدہ بن حبیب الشلمی، عمن زر بن حبیش، امام عبد الرحمن سے اور انہوں نے

(۲۳) عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابی بن کعب، وزید بن ثابت، و عبد اللہ بن مسعود۔

اور ان سب نے

(۲۵) رسول اللہ ﷺ،

نزد نے عثمان بن عفان، و ابن مسعود، کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ سے بڑھا۔

خوشخبری

مجموعہ

رسائل امام شاہ ولی اللہ

حصہ چہارم

مشمول بر حجتہ اللہ البالغہ

مع ترجمہ اردو

باسم

نعمۃ اللہ السابغہ

مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کے زیر اہتمام

جلد ہی منظر عام پر آ رہا ہے

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی اہم مطبوعات

325.00	مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی	۱۰۰ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد اول)
300.00	//	۱۰۰ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد دوم)
300.00	//	۱۰۰ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد سوم)
زیر طبع	//	۱۰۰ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد چہارم)
200.00	//	کی تاریخ مساجد (حصہ اول)
100.00	//	کی تاریخ مساجد (حصہ دوم)
200.00	//	پہلی تاریخ مساجد
250.00	//	شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار و نظریات
150.00	//	ح الصنادید (حصہ اول)
100.00	//	ح الصنادید (حصہ دوم)
200.00	//	جامعہ المساجد و ریاضی، خدمات و آثار
200.00	//	مستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا حصہ
20.00	//	مندر اور اورنگزیب کے فرائین (اردو)
20.00	//	مندر اور اورنگزیب کے فرائین (ہندی)
100.00	//	س خاطر (قلمی چہرے)
250.00	//	۱۸۵۷ء اور ہریانہ (ہریانہ کے مجاہدین آزادی کا تذکرہ)
500.00	//	مساجد التاریخ بیدھلی
300.00	//	رقوم و اکثر اخلاق الرحمن قدوائی
300.00	//	نومن و اکثر اخلاق الرحمن قدوائی
195.00	//	ولی اللہ خصوصی نمبر (ماہنامہ ہریانہ)
195.00	//	مالدہولی خصوصی شمارہ (ماہنامہ ہریانہ)
زیر طبع	//	ترتیبی مل و ۱۰۰۰ منظر، پس منظر
300.00	مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی	القرآن (مناظر قرآن اور ان کے مراجع)
350.00	//	بازو و النظائر فی القرآن (قرآن کے مرادف الفاظ اور امثال و نظائر)
300.00	//	تہ ایمان الہند (امراء و سلاطین کی تاریخ ہائے وفات اور مختصر حالات)
300.00	//	مین خالیدی (اسلامیات، قرآنیات اور روایات پر مشتمل مقالات)
150.00	//	ما تشبیہات و استعارات
100.00	مولانا مجید احمد بخاری	ست (ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ)
100.00	خورشید انوار عارفی	سیدہ نظر

SHAH WALIULLAH INSTITUTE

Adjacent to Kaka Nagar Masjid, (Near NDMC Primary School),

Kaka Nagar, New Delhi-110003

Ph.: 9811740661, 9811615455, 26953430

E-mail: shahwaliullah.institute@yahoo.co.in, shahwaliullah.institute@gmail.com